بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو

جہانِ امامِ ربّانی

مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ رحمۃ اللہ علیہ

جلد ہفتم

زیرِ سرپرستی: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ترتیب

صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد

مولانا جاوید اقبال مظہری

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظرثانی

محمد عالم مختار حق

امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبۃ: ۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو

جہانِ امامِ ربّانی

گوہر تمام

مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ

اقلیم پنجم

مرتبین

صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد

مولانا جاوید اقبال مظہری

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظرِ ثانی

محمد عالم مختار حق

امامِ ربّانی فاؤنڈیشن کراچی، اسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۵ء

نام .... جہانِ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

مرتبین .... صاحب زادہ ابو السرور محمد مسرور احمد
مولانا جاوید اقبال مظہری
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظر ثانی .... محمد عالم مختار حق

اقلیم .... پنجم (کامل سیٹ سات جلدیں)

تصحیح .... علامہ محمد ظفر احمد نقشبندی، علامہ رضوان احمد مسعودی، مولانا جاوید اقبال مظہری،
مولانا علی انور بگھیو مسعودی، محمد عبد الستار طاہر مسعودی، مولانا اقبال احمد اختر القادری،
مقصود حسین قادری، سیدہ حنا مسعودی، سیدہ صبا مسعودی، سیدہ سمیعہ شاہد، سیدہ ربیعہ شاہد

حروف ساز .... سید شعیب افتخار مسعودی، سید سلمان افتخار، حبیب احمد، سید محمد انیس مسعودی

طابع .... جاوید اقبال مظہری

مطبع ....

طباعت ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۵ء

اشاعت .... اوّل (ایک ہزار)

ناشر .... امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی

ہدیہ ....

ناشر

امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی

اے۔۱، پلاٹ نمبر ۲۳، اسٹیڈیم لین نمبر ۴، خیابان شمشیر، فیز 7، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی، فون ۵۸۴۰۹۹۳-۰۲۱

(اسلامی جمہوریہ پاکستان)

ملنے کے پتے

- ☆ ادارۂ مسعودیہ......۲/۶'۵-ای' ناظم آباد' کراچی-فون ۶۶۱۴۷۴۷-۰۲۱
- ☆ ضیاءالاسلام پبلی کیشنز......ضیاءمنزل (شوگن مینشن) محمد بن قاسم روڈ آف ایم-اے-جناح روڈ، کراچی' فون ۲۲۱۳۹۷۳-۰۲۱
- ☆ ضیاءالقرآن پبلی کیشنز......۱۴-انفال سینٹر، اردو بازار' کراچی-فون ۲۶۳۰۴۱۱-۰۲۱
- ☆ مکتبہ غوثیہ ہول سیل...... پرانی سبزی منڈی، یونیورسٹی روڈ، نزد پولیس چوکی محلہ فرقان آباد' کراچی-فون ۴۹۲۶۱۱۰-۰۲۱
- ☆ المختار پبلی کیشنز......۲۵-جاپان مینشن، ریگل، صدر، کراچی، فون ۷۷۲۵۱۵۰-۰۲۱
- ☆ فرید بک اسٹال......۳۸-اردو بازار، لاہور-فون ۷۲۲۴۸۹۹-۰۴۲
- ☆ مکتبہ جامعہ نقشبندیہ بستان العلوم......کڈہالہ (مجاہد آباد)، براستہ گجرات، آزاد کشمیر، اسلامی جمہوریہ پاکستان

- ☆ Khalifa Muhammad Yahya, Roza Shareef, Sirhind, District Fatehgarh, Pin code-140406. (INDIA) Ph:01763-30144.
- ☆ Dr. Mufti Muhammad Mukarram Ahmed, Nusratul Islam Educational Society, Masjid Fatehpuri, Delhi-6, (INDIA)
- ☆ Mr. Masood Ahmed Ashrafi, Chairman, Global Islamic Mission, 335, Walnut Street # 2, Yonkers New York-10701 (U.S.A)
- ☆ Mr. Munir Hussain Masoodi, 46-Holly Lane Smethwich, West Midlands B67 7JD. (U.K)
- ☆ Mawlana Muhammad Qamaruddin Rizvi, Maktaba-i-Rizvia, 423-Matia Mahal, Jama Masjid Delhi 110006, (INDIA) Ph: 23264524.
- ☆ Abdul Aziz Siddiqui, 20 Chatripura, Main Road, Indoor (M.P) INDIA.

بسم الله الرحمن الرحیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

انتساب

☆☆

برصغیر کے اُس مردِ کامل کے نام جس نے چودھویں صدی ہجری میں تعلیمات مجددیہ کو فروغ دیا اور اس کی موثر ترجمانی فرمائی

- ..... جس نے تصورِ توحید کی صحیح تشریح وتوضیح فرمائی
- ..... جس نے وحی کی عظمت کو اجاگر کیا
- ..... جس نے نبوت ورسالت کی اہمیت کو اجاگر کیا
- ..... جس نے ختم نبوت کے خلاف اٹھنے والی تحریک کی شدید مزاحمت کی
- ..... جس نے عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے امت مسلمہ کے دلوں کو زندہ رکھا
- ..... جس نے اتباعِ سنت کی تعلیم دی اور سیرتوں کو چمکایا، صورتوں کو نکھارا
- ..... جس نے بدعات کے خلاف سخت جدوجہد کی
- ..... جس نے دوقومی نظریہ کو اجاگر کر کے ذہنوں کو جلا بخشی
- ..... جس نے اہلِ بیتِ اطہار اور ازواجِ مطہرات کی عظمت کا احساس دلایا اور ادب سکھایا
- ..... جس نے سلف صالحین کے سیدھے راستے کو اپنایا اور اس پر سب کو چلایا

(مرتبین)

صلى الله عليه وسلم

١٤٠٧ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جہان امام ربانی

اقلیم پنجم

نہیں ممکن ہے ہم کچھ لکھ سکیں توصیف میں ان کی
حدیثوں میں بیاں آیا مجدد الف ثانی کا
(مصطفٰی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اقلیم پنجم

☆☆

کشورِ اوّل

کشورِ دوم

کشورِ سوم

کشورِ چہارم

کشورِ پنجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

نعتِ رسولِ مقبول

(صلی اللہ علیہ وسلم)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی

☆☆

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ
سب سے بالا و والا، ہمارا نبی ﷺ

اپنے مولیٰ کا پیارا، ہمارا نبی ﷺ
دونوں عالم کا دُولہا، ہمارا نبی ﷺ

بزمِ آخر کا شمع فروزاں ہُوا
نورِ اوّل کا جلوا، ہمارا نبی ﷺ

بُجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
شمع وہ لے کر آیا، ہمارا نبی ﷺ

جس کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات
ہے وہ جانِ مسیحا، ہمارا نبی

خلق سے اولیا، اولیا سے رُسل
اور رُسولوں سے اعلیٰ، ہمارا نبی ﷺ

جس کی دو بُوند ہیں کوثر و سلسبیل
ہے وہ رحمت کا دریا، ہمارا نبی ﷺ

قرنوں بدلی رُسولوں کی ہوتی رہی
چاند بدلی کا نکلا، ہمارا نبی ﷺ

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیئے
دینے والا ہے سچا، ہمارا نبی ﷺ

کیا خبر کتنے تارے کِھلے، چُھپ گئے
پر نہ ڈُوبے نہ ڈُوبا، ہمارا نبی ﷺ

مُلکِ کونین میں انبیا تاجدار
تاجداروں کا آقا، ہمارا نبی ﷺ

لامکاں تک اُجالا ہے جس کا وہ ہے
ہر مکاں کا اُجالا، ہمارا نبی ﷺ

سارے اچھوں میں اچھا سمجھیے جسے
ہے اُس اچھے سے اچھا، ہمارا نبی ﷺ

سارے اُونچوں سے اُونچا سمجھیے جسے
ہے اُس اُونچے سے اُونچا، ہمارا نبی ﷺ

سب چمک والے اُجلوں میں چمکا کیے
اندھے شیشوں میں چمکا، ہمارا نبی ﷺ

جس نے مُردہ دلوں کو دی عمرِ اَبد
ہے وہ جانِ مسیحا، ہمارا نبی ﷺ

غم زدوں کو رضاؔ مژدہ دیجے کہ ہے
بے کسوں کا سہارا، ہمارا نبی ﷺ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حُسنِ عقیدت

تاج الدین تاجؔ

☆☆

سرہند کی وہ پاک زمیں خطۂ جنّت
آرام جہاں کرتا ہے اک محرمِ اسرار
اس خاک کا ہر ذرّہ ہے غیرت دہِ انجم!
اُن ذرّوں میں رخشندہ ہے خورشید ضیاء بار
محبوبِ خدا حضرت قیّوم و مجدد!
مرقد ہے یہاں آپ کا اِک بُقعۂ انوار
ہم نام نبی اسمِ گرامی ہے جو احمد!
اللہ رے قسمت یہ زہے طالعِ بیدار
واللہ کہ ہیں آپ شہنشاہِ طریقت!
باللہ کہ ہیں آپ شریعت کے علمدار
ہیں ان کے کمالات ولائت سے فزوں تر
مشکوٰۃِ نبوت کے ہیں تابندہ یہ انوار
ہیں ان کے کمالاتِ رسالت کے مجدد
محبوبیّتِ ذات کے ہیں آپ سزاوار
اعلیٰ ہیں حقائق تو معارف بھی ہیں بالا!
ایسا کوئی نکلا نہ حقیقت کا خبردار

زندہ کیا احکامِ رسولِ عربی کو!
تھے ضیغمِ سُنّت دمِ ہنگامہ و پیکار

بدعات و اباطیل و اکاذیب ہوئے گم
چمکی صفتِ برق جو اللہ کی تلوار!

توحیدِ وجودی کی ہیں سب گتھیاں سُلجھیں!
ہر سُکر سے سالک کو کیا آپ نے ہشیار

توحیدِ شہودی کے حجاب اُٹھ گئے سارے
تھے رُشد و ہدایت کے لیے مرکزِ پرکار

کیا ان کے مکاتیبِ مقدّس کا ہے رتبہ
ہر لفظ کمالات و معارف کا ہے شہکار

اولاد بھی ہے پیکرِ آیاتِ الٰہی!!
ہیں ان کے کمالات میں ہمرنگ یہ ابرار

تھا قلبِ منوّر کہ تجلّیٔ گہِ یزداں
غیرت وہ صدبرق تھی رنگینیٔ افکار

دیکھی ہی نہیں گردِ، مقامات و منازل
ایسی تھی عناتابی و جولانیٔ رہوار!

گردن نہ جھکی جن کی سلاطین کے آگے
آخر کو جھکے خود ہی جہانگیر و جہاندار

ناکام کبھی جا نہیں سکتے ہیں وہ اے تاج
آتے ہیں یہاں حُسنِ عقیدت سے جو زوّار

اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مقامِ رفیع

پروفیسر غلام مصطفیٰ مجددی

☆☆

ترے انوارِ تاباں یا مجدد
گلستاں در گلستاں یا مجدد

تو اقلیمِ رضا کا شاہِ یکتا
تو ملکِ حق کا سلطاں یا مجدد

تری ہستی سراپا فضل باری
تو شمعِ بزمِ عرفاں یا مجدد

تو ہے صدیق اکبر کا دُلارا
تو ہے فاروق کی جاں یا مجدد

تو میرا کنزِ نعمت، جانِ اُلفت
میں تیرا رہنِ فیضاں یا مجدد

اگر پوچھے کوئی تیرا ٹھکانہ
تو شہرِ دل کا مہماں یا مجدد

شعورِ بندگی کے آسماں پر
تو خورشیدِ درخشاں یا مجدد

تری ہیبت سے تھر تھر کانپتے ہیں
جہانگیروں کے ایواں یا مجدد

تو ہے محبوب اربابِ وفا کا
تو اہل دل کا جاناں یا مجدد

لقب تیرا مجدد الفِ ثانی
ہزاروں میں نمایاں یا مجدد

ترے ہمراہ چلتے ہیں نظارے
قدم تیرے گُل افشاں یا مجدد

تو ہے دینِ ہدا کا اِستعارہ
تو ہے تفسیرِ قرآں یا مجدد

ترا حُسنِ ادا، نور تبسُم
دلیلِ صبح خنداں یا مجدد

تو مظہر رحمۃ للعالمیں کا
تو ہے شہکارِ رحماں یا مجدد

پہاڑوں کے قدم، دریاؤں کے دل
تری شوکت سے لرزاں یا مجدد

تو افرادِ ولایت میں یگانہ
تو ذیشانوں میں ذیشاں یا مجدد

غُلامِ زار کو اور چاہیے کیا
جو ہے تیرا ثناخواں یا مجدد

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خُلقِ کریم

پروفیسر غلام مصطفیٰ مجددی

☆☆

یہ کچھ اشعارِ بیجاں یا مجدد
کہاں ہیں تیرے شایاں یا مجدد

یہ مانا ہیں مرے جذبات ناقص
مگر پھر بھی ہوں نازاں یا مجدد

مجھ ایسوں پر نگاہِ لطف کرنا
تیری شانِ فراواں یا مجدد

تو ثروت میں ہے حاتم سے فزوں تر
سخا میں رشکِ شاہاں یا مجدد

خدا والوں پہ بے حد مہرباں تو
عدو پہ برقِ سوزاں یا مجدد

ہمہ تن غرق تو عشق نبی میں
تو ذکرِ حق میں پیچاں یا مجدد

خدا کے خوف کے اشکوں سے تیری
تروتازہ ہیں مژگاں یا مجدد

تجھے ہر گمرہی سے سخت نفرت
تو بدعت سے ہے نالاں یا مجدد

طہارت میں کہاں ہمدوش تیرے
جناں کے حور و غُلماں یا مجدد

کُھلا ہے ہند میں تیری بدولت
ہدایت کا دبستاں یا مجدد

تیرے اخلاق پر سنت کا غلبہ
اطاعت تیرا ساماں یا مجدد

بنی ضرب المثل تیری عزیمت
تو حق کا مردِ میداں یا مجدد

مٹے کفر اور پھیلے نورِ اسلام
یہی تھا تیرا ارماں یا مجدد

☆......☆......☆

محمدؐ، چار دفعہ
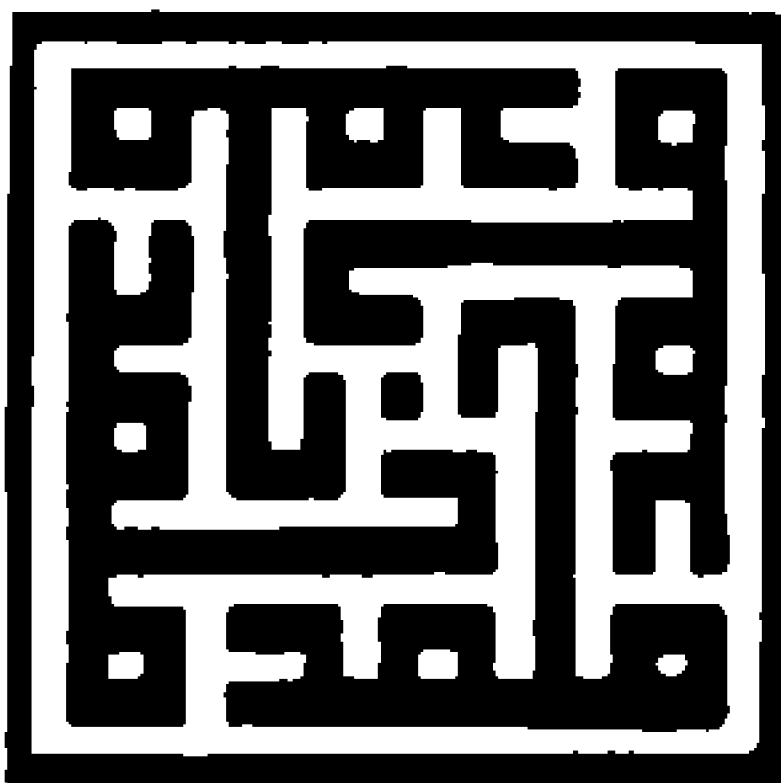
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

حرف التجا

پروفیسر غلام مصطفٰی مجددی

☆☆

جفا ہر سو ہے رقصاں یا مجدد
یہ اُمت ہے پریشاں یا مجدد

ستم اندازیِ قسمت کہ اب ہے
مسلماں، نامسلماں یا مجدد

اثر پژمردگی کا دل پہ غالب
نہ سوزِ جاں نہ وجداں یا مجدد

ہوئے عقل و شعور و آگہی سب
نگارِ طاق نسیاں یا مجدد

ذرا آواز دے ماضی کو میرے
کہ حال اپنا ہے حرماں یا مجدد

تہی ہیں دولتِ فکر و خودی سے
مرے جیب و گریباں یا مجدد

مرے من کی ہے پیاسی بانجھ دھرتی
بسا رحمت کی باراں یا مجدد

ہیں سوچیں اُجڑی اُجڑی میرے آقا
ہیں آنکھیں ویراں ویراں یا مجدد

چمن میں عام ہے دستورِ گلچیں
ہیں برگ و گل ہراساں یا مجدد

بدی کا، کفر کا، بے رہروی کا
بہر جانب ہے طوفاں یا مجدد

مرے گلشن میں ہے پت جھڑ کا موسم
عطا کر دے بہاراں یا مجدد

ترے دستِ جلال آسا کے آگے
ہر اک مشکل ہے آساں یا مجدد

سرِ سدرہ بھی زیرِ پا ہے تیرے
یہ کیا گردُونِ گرداں یا مجدد

خدا شاہد، خدا کی قدرتیں ہیں
تری قدرت میں پنہاں یا مجدد

تو اپنے شوق سے آباد کر دے
مرے دل کا بیاباں یا مجدد

قیامت میں میسر ہو مجھے بھی
ترا گوشۂ داماں یا مجدد

لکھا جو بھی محبت کا فسانہ
تو افسانے کا عنواں یا مجدد

نظر بے تاب ہے دل مضطرب ہے
دکھا جلوۂ عریاں یا مجدد

مرے لب پہ سدا جاری رہے گا
ترا نام فروزاں یا مجدد
ترے ہوتے ہوے ڈرتا ہوں غم سے
میں کس درجہ ہوں ناداں یا مجدد
نہ تو مجھ کو ملا تو مار دے گا
یہ تنہائی کا زنداں یا مجدد
سبھی خواب گراں میں سو رہے ہیں
ہے اک طائر غزلخواں یا مجدد
وفا سے، دردِ دل سے چشم تر سے
ہوا بیگانہ، انساں یا مجدد
جب اپنی قوم کے حالات دیکھوں
تڑپتے ہیں دل و جاں یا مجدد
اسے پھر ہمدمِ احساس کردے
کوئی ہو غم کا درماں یا مجدد
ستائش گر کی ہر فکرت سے باہر
ترے اوصاف، ہاں ہاں یا مجدد
بالآخر قلب مضطر کی دعا ہے
نظر سوئے غریباں یا مجدد
غلامِ زار کی دیکھ آج حالت
جگر گُم، جان بریاں یا مجدد

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ابتدائیہ

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

☆☆

زندگی اللہ کے فضل وکرم سے اللہ کے محبوبوں کے سہارے آگے بڑھتی ہے..... زندگی کا ادراک واحساس انہیں کی صحبت سے ہوتا ہے..... زندگی کی تعمیر انہیں کی تعلیمات سے ہوتی ہے..... زندگی میں قوت انہیں کے اقوال واعمال سے پیدا ہوتی ہے..... ان کا وجود اللہ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے، ان کی زندگیوں کا مطالعہ افراد اور اقوام کو بناتا ہے..... ان حضرات کے حالات کا مطالعہ زندگی دیتا ہے..... ہم ٹھیکریوں کی طرف دوڑ رہے ہیں اور پارس کی قدر نہیں کرتے جو سونا بناتا ہے..... ساری زندگی دنیا کے لیے وقف ہے، ہم اپنی کوششوں میں زندگی کو رسوا کرتے ہیں..... زندگی گزارنے کا سبق تو اللہ کے محبوبوں سے ملتا ہے، یہی سکون کی دولت لٹاتے ہیں..... یہی راحت جاں ہیں..... یہی نشاطِ ایماں ہیں..... حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے سکون کی دولت لٹائی اس لیے ہم ان کی سیرت پیش کررہے ہیں تاکہ بے چین دوجہاں کو سکون کی دولت ملے.....

''جہاں امام ربانی'' اقلیم پنجم (جلد پنجم) آپ کے سامنے ہے، اس کی فہرس شروع میں شامل ہے جبکہ اقلیم ششم کی فہرس اس جلد کے آخر میں دے دی گئی ہے..... البتہ ایسے قارئین جو اقلیم اول، دوم، سوم اور چہارم نہ دیکھ سکے ہوں ان کی آگاہی کے لیے ان جلدوں کا تعارف پیش کیا جارہا ہے.....

اس سے قبل پیش کی گئی اقلیم اوّل میں تقدیم، ابتدائیہ اور افتتاحیہ کے بعد کشورِ اوّل میں حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، منقبت، احادیث مبارکہ، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے بارے میں متقدمین ومتاخرین علماء وصوفیہ کے تأثرات اور مثنوی درشانِ حضرت مجدد شامل ہیں.....

کشورِ دوم میں تصوف...... کشورِ سوم میں اکابر نقشبندیہ پر مقالات ہیں...... کشورِ چہارم میں حضرت خواجہ باقی باللہ کی حیات اور اُن کے تاثرات پر مقالات ہیں...... کشور پنجم میں سرہند شریف کا تعارف، حضرت مجدد کے حالات زندگی، آپ کے امتیازات، خانقاہ شریف کا علمی ماحول، آپ کا لباس و حلیہ شریف کے علاوہ نگارخانہ (بعض مقالہ نگاروں کا مختصر تعارف) اور مرقعات بھی شامل ہیں......

اقلیم دوم میں نعت و مناقب اور ابتدائیہ و تاثرات کے بعد کشورِ اول میں ماہ و سال، مکتوبات کی تخریج احادیث، فقہی خدمات، عربی زبان وادب میں خدمات پر مقالات ہیں...... کشورِ دوم میں سنت، بدعت، ذکرالٰہی، مسلک امام ربانی اور آپ کے معمولات شامل ہیں...... کشورِ سوم میں علم لدُنی، جذبہ وسلوک، تعلیمات تصوف، تزکیہ نفس، صحو وسکر، علم النفسیات، علم الکائنات پر مقالات ہیں...... کشورِ چہارم میں ''مجدد الف ثانی'' اور ''منصب قیومیت'' پر مقالات ہیں جبکہ کشورِ پنجم، عرفان کے مجتہد اعظم، نظریہ وحدۃ الشھود، وحدۃ الوجود، ابن عربی اور امام ربانی کے نظریات کا تقابل اور نگارخانہ و مرقعات پر مشتمل ہے......

اقلیم سوم میں نعت و مناقب اور ابتدائیہ و تاثرات کے بعد کشورِ اول میں تعارف شیخ احمد سرہندی (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور)، مجدد نامہ، مقامات مجدد، مقام مجدد، مقامات روحانی کی جھلکیاں، ملی اور دینی خدمات پر مقالات ہیں...... کشورِ دوم میں اثبات نبوت، حضرت مجدد کی اصلاحی وتجدیدی تحریک، عقیدہ ختم نبوت اور وسیلہ خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) پر مقالات ہیں...... کشورِ سوم میں امام ربانی کا رسالہ ردِ روافض، تقلید ائمہ مجتہدین اور رفع سبابہ پر مقالات ہیں...... کشورِ چہارم میں حضرت مجدد کا طریقہ ایصال ثواب، عقائد و معمولات، تعلیمات و مسلک، طریقہ نماز وطہارت اور انداز تعلیم وتبلیغ پر مقالات ہیں جبکہ کشورِ پنجم، علم اور علماء حضرت مجدد کی نظر میں، حضرت مجدد کے تعلیمی افکار، ارشادات' ملفوظات، کرامات امام ربانی اور نگارخانہ و مرقعات پر مشتمل ہے......

اقلیم چہارم میں نعت و مناقب اور ابتدائیہ و تاثرات کے بعد کشورِ اول میں آفتاب شرف، تعارف امام ربانی، حضرت مجدد مطلع تاریخ پر اور اکبر و جہانگیر اور حضرت مجدد کے حوالے سے مقالات ہیں...... کشورِ دوم میں برصغیر میں حق و باطل کے معرکے اور دوقومی نظریہ پر مقالات ہیں...... کشورِ سوم میں خاندان مجدد کا زریں کردار، سلسلہ مجددیہ کا نقطۂ آغاز، حضرت مجدد اور محمد علی جناح، سرمایہ ملت کا نگہبان اور

امام ربانی دانشوروں کی نظر میں شامل ہیں...... کشورِ چہارم میں سفرِ آخرت، اشک باری، تاریخ ہائے وصال، سلسلہ مجددیہ کے حضرات قدسیہ، مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، سرمایہ ملت کا نگہبان، خواجہ محمد معصوم مقامات آدمیہ کی روشنی میں، خواجہ محمد معصوم اور اورنگ زیب کے تعلقات، مکتوبات معصومیہ اور مکتوبات سیفیہ، بادشاہ، شہزادوں اور شہزادی کے نام، خلفائے مجدد الف ثانی، حضرت مجدد اور علمائے عصر اور علماء عصر سے اختلاف کا جائزہ شامل ہیں جبکہ کشورِ پنجم، حالات مرزا مظہر جان جاناں، شاہ غلام علی دہلوی، ملفوظات شاہ غلام علی، مولانا شیخ خالد کردی اور نگارخانہ و مرقعات پر مشتمل ہے......

ہم اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب رہے، اس کا اندازہ مطالعہ سے بخوبی ہو جائے گا...... دورانِ مطالعہ جو بھی خامی محسوس ہو، ہمیں ضرور آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اسے درست کر لیا جائے......

احقر
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
کراچی

۲۸ر شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
۱۳را کتوبر ۲۰۰۴ء

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تأثرات

☆☆

ابوالکلام آزاد

شہنشاہ اکبر کے عہد کے اختتام اور عہد جہانگیری کے اوائل میں کیا ہندوستان علماء ومشائخ حق سے بالکل خالی ہوگیا تھا؟ ۔۔۔ کیسے کیسے اکابر موجود تھے لیکن مفاسد وقت اور اصلاح وتجدید کا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا صرف حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا وجود گرامی ہی ''تن تنہا'' اس کاروبار کا کفیل ہوا (ابوالکلام آزاد: بحالہ پروفیسر شبیر حسین شاہ زاہد، عقیدہ ختم نبوت از حضرت مجدد اف ثانی، لاہور ۲۰۰۰ء، ص ۷۰، تذکرہ، ص ۲۳۸)

ابوالاعلیٰ مودودی

''شیخ کا کارنامہ اتنا ہی نہیں کہ انہوں نے ہندوستان میں حکومت کو بالکل ہی کفر کی گود میں چلے جانے سے روکا اور اس فتنہ عظمیٰ کے سیلاب کا منہ پھیرا جواب سے تین چار سو سال قبل ہی اسلام کا نام ونشان مٹا دیتا، اس کے علاوہ انہوں نے دو عظیم الشان کام اور بھی سرانجام دیئے، ایک یہ کہ تصوف کے چشمہ صافی کو ان آلائشوں سے جو فلسفیانہ اور راہبانہ گمراہیوں سے اس میں سرایت کر گئی تھیں، پاک کر کے اسلام کا اصلی اور صحیح تصوف پیش کیا۔ دوسرے یہ کہ ان تمام رسوم جاہلیت کی شدید مخالفت کی جو اس وقت عوام میں پھیلی ہوئی تھیں۔

(پروفیسر غلام مصطفیٰ مجددی: مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا بریلوی، ص ۱۱)

مولانا محمد سعید احمد مجددی

امام ربانی نے اکبر کے دور حکومت میں اس وقت کلمہ حق بلند کیا جب (اکبر کی) حکومت کے خلاف کسی کو ایک لفظ بھی بولنے کی اجازت نہ تھی، جو بولتا تو قتل کر دیا جاتا یا گلے میں پتھر باندھ کر سمندر میں پھینک دیا جاتا۔ اکبر جیسے مطلق العنان بادشاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جرأت ایمانی اور غیرت اسلامی کا پیکر جلیل بن کر اگر کسی نے اس کو للکارا تو وہ امت کا مجدد الف ثانی (تھا)۔

(محمد سعید احمد مجددی: البیان، ص ۱۰۱۔۱۰۲، بحوالہ عقیدہ ختم نبوت، ص ۷۹)

شاہ حسین گردیزی

ان مایوس کن حالات میں علماء دین کی ایک جماعت بھی تھی جو اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر سر بکفن میدان میں نکلی، جونپور کے قاضی ملا محمد یزدی نے فتویٰ دیا کہ اکبر مرتد ہو چکا ہے۔ اس لئے اس کے خلاف جہاد بالسیف فرض ہو گیا ہے، قاضی بنگال میر محمد یعقوب نے بھی اس فتوے کی تائید کی، پنجاب کے اکثر علماء نے بھی اس فتویٰ ارتداد پر دستخط کئے نتیجۃً بنگال، پنجاب اور پورب کے اضلاع میں مسلمان اکبر سے جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، باغی امراء اور علماء حق کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں، قاضی بنگال میر محمد یعقوب اور قاضی جونپور ملا محمد یزدی گرفتار ہوئے، اکبر نے دست و پا بندھوا کر جمنا برد کروا دیا، قاضی برنی کو ذبح کیا گیا، لاہور کے اکثر علماء قتل ہوئے، حضرت مجدد الف ثانی کے سسر شیخ سلطان تھانیسری تختہ دار پر لٹکائے گئے، قاضی صدر الدین لاہوری، ملا عبدالشکور، ملا محمد معصوم اور شیخ منور کو جلاوطن کر دیا گیا اور کچھ علماء کو جلاوطن کر کے قندھار بھجوا دیا اور گورنر قندھار کو لکھا کہ ان علماء کے تبادلے میں اچھی نسل کے گھوڑے دار الحکومت میں پہنچا دو، ایسے پرفتن اور پر آشوب دور میں حضرت مجدد الف ثانی نے کفرستان ہند میں پھر سے اسلام کا علم بلند کیا۔

(نور اسلام، مجدد نمبر، ص ۲۱۱۔۲۱۰)

مولوی داؤد غزنوی

''اس نازک زمانہ میں اسلام کی نصرت وحمایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کو پیدا فرمایا، شیخ سرہندی تمام داعیانہ صلاحیتوں سے آراستہ تھے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، لاہور، ص۶)

عبداللہ روپڑی

''حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں توحید وسنت کی ترغیب اور شرک وبدعت کی تردید اور اعمال شرکیہ اور بدعتیہ کی جس عمدگی سے نشاندہی فرمائی یہ انہیں کا حصہ ہے۔ اور ایمان واعتقاد کی سلامتی کے لئے صحابہ کرام اور علمائے سلف کے تعامل کا جو سنہری اصول پیش فرمایا یہ ہر قسم کے الحاد اور گمراہی کی شناخت کے لئے راہنما بھی ہے اور اس سے بچنے کے لئے تریاق بھی'' (ایضاً ص۱۱)
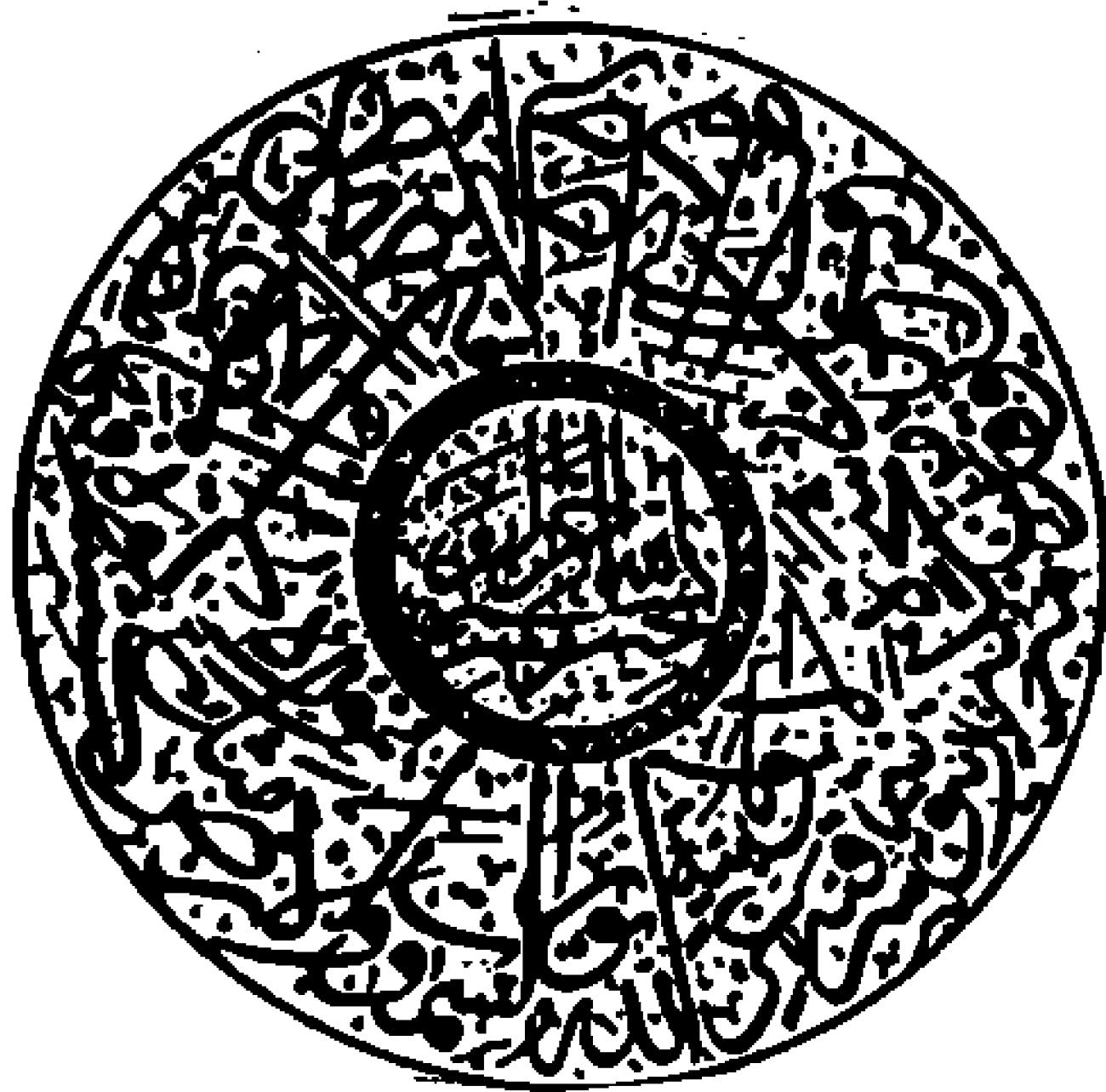
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشورِ اوّل

کیا ان کے مکاتیب مقدس کا ہے مرتبہ
ہر لفظ کمالات و معارف کا ہے شہہ کار
(تاجؔ)

مکتوبات شریف قلمی امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ

مخزونہ صاحب زادہ محمد عاشق حسین شاہ، شیخوپورہ، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

تعارف امام ربانی مجدد الف ثانی

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
(ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی)

☆☆

برصغیر پاک وہند میں بہت سے مفکرین ومجددین ہوئے جن میں چار نہایت ممتاز ہیں:

۱......شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی (م۔ ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء)

۲......حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م۔ ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء)

۳......حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی (م۔ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء)

۴......ڈاکٹر محمد اقبال سیالکوٹی (م۔ ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء)

ان چاروں مفکرین میں بعض حیثیات سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نمایاں نظر آتے ہیں۔ مختلف محققین نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے اس امتیاز کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے:

> شیخ احمد سرہندی جو شاہ ولی اللہ اور اقبال سے پہلے اسلامی ہند کے نہایت طاقتور مفکر گزرے ہیں...... نہ صرف برصغیر پاک وہند بلکہ عالم اسلام کے علماء وصوفیہ میں اعلیٰ ترین مقام کے مالک ہیں (ترجمہ انگریزی) [۱]۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی علمی اور روحانی فضیلت کو پاک وہند کے اکثر علماء وصوفیہ نے سراہا ہے اور اپنی تصانیف میں جابجا آپ کی کتابوں سے حوالے دیے ہیں۔ چودھویں صدی کے جلیل القدر

عالم وفقیہ، حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی تصانیف میں آپ کے اقوال وارشادات سے استدلال فرمایا ہے[۲]۔ اسی طرح ان کے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۲ء) نے بھی استدلال کیا ہے[۳] اور دوسرے صاحبزادے مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ نے مولانا عبدالغفار رام پوری کی کتاب "**آثار المبتدعین لاهدام حبل الله المتین**" کا تعاقب کرتے ہوئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا دفاع کیا ہے[۴]۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے بارے میں بعض حضرات نے جو یہ لکھا ہے کہ آپ نے خود دعوٰی تجدید فرمایا[۵] صحیح نہیں۔ امام احمد رضا خاں بریلوی کے متعلق بھی بعض لوگوں نے اسی قسم کا اظہار خیال کیا ہے، جو صحیح نہیں[۶]۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے عہد مبارک میں سیالکوٹ کے ایک جلیل القدر عالم، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۷ء) نے حضرت مجدد کے نام ایک مکتوب میں اس لقب سے نوازا[۷]۔ بلاشبہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنے مکاتیب شریفہ میں اس کی تصدیق اور توضیح فرمائی۔ پھر یہ لقب زبان زد خاص وعام ہو گیا، حتیٰ کہ آپ کے نام نامی پر غالب آ گیا۔

حضرت مجدد کا سلسلہ نسب:

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا سلسلہ نسب ۲۹ / واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ حضرت مجدد کے چودھویں جد سلطان شہاب الدین المعروف فرخ علی شاہ کابلی، والئی کابل تھے[۸]۔ پانچویں جد حضرت امام رفیع الدین، شیخ جلال الدین بخاری (م ۷۸۵ھ/ ۱۳۸۳ء) کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور سہرند (سرہند) آباد کیا[۹]۔ اسی شہر میں ۹۷۱ھ میں حضرت مجدد کی ولادت ہوئی۔

حضرت مجدد کے والد کا اسم گرامی شیخ عبدالاحد (م ۱۰۰۷ھ۔ ۱۵۹۸ء) تھا۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۴۴ھ/ ۱۵۳۷ء) کے صاحبزادے شیخ رکن الدین (م ۹۸۳ھ/ ۱۵۷۵ء) سے آپ کو سلسلہ قادریہ چشتیہ میں اجازت وخلافت حاصل تھی[۱۰]۔ حضرت شیخ عبدالاحد جلیل القدر عالم وعارف تھے۔

تحصیلِ علم:

حضرت مجدد نے بیشتر علوم اپنے والد سے حاصل کیے۔ ان کے علاوہ مولانا کمال الدین کشمیری، مولانا یعقوب کشمیری اور قاضی بہلول بدخشی وغیرہ سے علوم معقول ومنقول کی تحصیل فرمائی[۱۱]۔ اسارت قلعہ

گوالیار کے زمانے (۱۰۲۸ھ/ ۱۰۲۹ھ) میں قرآن کریم حفظ کیا[۱۲]۔ تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد تقریباً ۹۹۸ھ میں دار السلطنت اکبر آباد (آگرہ) تشریف لائے اور یہاں دربار اکبر کی دو اہم شخصیتوں یعنی ابو الفضل اور فیضی کے ساتھ صحبتیں رہیں۔ فیضی کی تفسیر ''سواطع الالہام'' (۱۰۰۲ھ/۱۵۹۳ء) میں ایک جگہ آپ نے اس کی مدد بھی کی[۱۳]۔ لیکن بعد میں ان دونوں بھائیوں کی بے راہ روی کی وجہ سے حضرت مجدد نے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ حضرت مجدد اپنے والد ماجد شیخ عبدالاحد کے ہمراہ اکبر آباد سے واپس سرہند روانہ ہو گئے۔ راستے میں تھانیسر کے شیخ سلطان کی لڑکی سے حضرت مجدد کا عقد ہو گیا۔ شیخ سلطان، اکبر بادشاہ کے مقربین میں سے تھے[۱۴]۔

اس طرح اہل خانہ کا شاہی دربار سے ایک گونہ تعلق ہو گیا اور تبلیغ وارشاد کی ایک نئی راہ کھل گئی۔

سلسلۂ طریقت:

حضرت مجدد کا سلسلہ طریقت متعدد واسطوں سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام تک پہنچتا ہے...... سلسلہ نقشبندیہ ۲۱/ واسطوں سے، سلسلہ قادریہ ۲۵/ واسطوں سے اور سلسلہ چشتیہ ۲۷/ واسطوں سے[۱۵]...... سلسلہ چشتیہ میں والد ماجد شیخ عبدالاحد سے بیعت تھے اور اجازت و خلافت حاصل تھی...... سلسلہ قادریہ میں شاہ کمال کیتھلی سے خرقہ خلافت حاصل تھا[۱۶]۔ ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ باقی باللہ (م۔ ۱۰۱۲ھ/ ۱۶۰۳ء) سے مستفیض ہو کر سلسلہ نقشبندیہ میں اجازت وخلافت حاصل کی[۱۷] اور آسمان علم و عرفان پر آفتاب بن کر چمکے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کی نظر میں جو حضرت مجدد کا مقام و مرتبہ تھا وہ ''زبدۃ المقامات''[۱۸] حضرات القدس اور ''مجمع الاولیاء'' وغیرہ معاصر کتب تاریخ وسیر سے واضح ہوتا ہے۔

اصلاحی کوششوں کا آغاز:

حضرت مجدد کی اصلاحی کوششوں کا آغاز اکبر بادشاہ کے عہد حکومت سے ہوا اور جہانگیر بادشاہ کے عہد حکومت میں یہ کوششیں بارآور ہوئیں۔ اس عہد میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی اصلاحی کوششوں کا جائزہ لینے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تاریخی پس منظر پیش کر دیا جائے تاکہ ان کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکے۔

پہلے دور[۱۹] میں اکبر ایک مخلص مسلمان کی حیثیت سے سامنے آتا ہے...... دوسرے دور میں فتح پور

سیکری میں عبادت خانے کی تعمیر ہوتی ہے، جہاں علمائے اسلام مباحث علمیہ میں مصروف نظر آتے ہیں، رفتہ رفتہ یہاں عیسائی پادریوں اور ارباب عقل کا عمل دخل ہو جاتا ہے اور بات بگڑنے لگتی ہے...... دوسرا دور تیسرے دور کا نقطۂ آغاز تھا...... تیسرے دور میں دین الٰہی کا آغاز ہوا اور وہ کچھ ہوا جو ناگفتنی ہے، ہر وہ کام کیا جانے لگا جو اسلام کے سراسر منافی ہے۔ مثلاً

☆...... کلمہ طیبہ میں ''محمد رسول اللہ'' کی جگہ ''اکبر خلیفتہ اللہ'' پڑھا جانے لگا۔

☆...... گائے کی قربانی پر پابندی لگادی گئی۔

☆...... خنزیر اور کتوں کا احترام ہونے لگا۔

☆...... شراب اور جوا عام ہوگیا۔

☆...... اکبر نے علماء کو بالجبر شراب پلائی۔

☆...... عورتوں کی بے حجابی عام ہوگئی۔

☆...... پردہ پر پابندی لگادی گئی۔

☆...... زمین بوس کے نام سے سجدہ کا آغاز کیا گیا۔

☆...... عالم و عامی سب بادشاہ کے آگے سجدہ ریز ہونے لگے۔

☆...... بعض مساجد ڈھادی گئیں اور مدارس عربیہ مسمار کردیے گئے۔

☆...... داڑھیاں منڈوادی گئیں۔

☆...... شعائر اسلام کا برسرِ عام مذاق اڑایا جانے لگا[۲۰]۔

اس ساری خرابی میں بعض علمائے دین کی باہمی چپقلش، دنیا سے محبت، مختلف ادیان کے علماء کی اکبر سے ملاقات، اکبر کی جہالت و بے علمی، ہندو عورتوں کی حرم شاہی میں شمولیت اور ہندو سیاست کا بڑا دخل ہے۔

عہد اکبر کا تاریخ میں ذکر:

۱...... عہد اکبری کے ایک بے باک و نڈر مورخ، ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی کتاب ''منتخب التواریخ'' میں عہد اکبری کے چشم دید پوست کندہ حالات لکھے ہیں۔

۲...... عہد اکبری کے مشہور شاعر ملا شبری سیالکوٹی نے تو اپنے فارسی قطعہ میں اکبر کے دعوٰی نبوت اور دعوٰی

الوہیت کا ذکر کیا ہے۔

بادشاہ امسال دعویٰ نبوت کردہ است

گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن[۲۱]

۳......عہد اکبری کے مورخ نظام الدین احمد نے ''طبقات اکبری'' [۲۲] (۱۰۰۱ھ) میں اس محضر نامہ کا ذکر کیا ہے [۲۳] جو اکبر کے دعویٰ نبوت کی تمہید ثابت ہوا۔ لیکن نظام الدین احمد نے بڑی احتیاط سے قلم اٹھایا ہے ایک جابر و قاہر بادشاہ کے ہوتے کھل کر لکھنا کوئی آسان کام نہ تھا۔

۴......ابوالفضل کی ''آئین اکبری'' [۲۴] سے اکبر کی بے راہ روی سے متعلق بہت سی باتوں کا بالواسطہ علم ہوتا ہے۔ ابوالفضل کا انداز مورخانہ نہیں، خوشامدانہ ہے۔ [۲۵] ابوالفضل نے ''اکبرنامہ'' [۲۶] میں بھی یہی طرز اختیار کیا ہے مگر پھر بھی بہت سے سربستہ راز معلوم ہو جاتے ہیں۔

۵......عہد جہانگیری کے مورخ محمد قاسم ہندوشاہ استر آبادی نے اپنی ''تاریخ فرشتہ'' [۲۷] میں (۱۶۰۶ء تا ۱۶۱۱ء) اکبر کے بعض چشم دید حالات لکھے ہیں مگر حالات کے دباؤ کی وجہ سے اس نے بہت سی باتوں کو چھپایا ہے۔

۶......اس عہد کی ایک اور کتاب ''خلاصۃ المعارف فی اسرار العقائد'' (۱۰۳۵ھ/۱۰۳۷ھ) میں شیخ آدم بنوری علیہ الرحمۃ نے بہت سی گمراہیوں اور برائیوں کا ذکر کیا ہے۔

۷......اسی عہد کے ایک مورخ معتمد خان نے ''جہانگیر نامہ'' [۲۸] میں اکبر کے بعض حالات لکھے ہیں جن کی عہد اکبری کے مورخوں کے بیانات سے تصدیق ہوتی ہے، بالواسطہ بھی اور بلاواسطہ بھی۔

۸......عہد عالمگیری کے مورخ محمد ہاشم خافی خان نے اپنی تاریخ ''منتخب اللباب'' (حصہ اول) میں بعض ایسے حالات لکھے ہیں جن سے بالواسطہ اکبر کی بے راہ روی کا علم ہوتا ہے، مگر اس نے بعض مقامات پر اکبر کا دفاع کیا ہے۔ اس میں جہانگیر کی شراب سے توبہ، شاہجہان کی شراب نوشی اور پھر توبہ کا ذکر ہے۔

۹......عہد شاہجہانی کے صاحبِ ''دبستانِ مذاہب'' [۲۹] نے بھی ایسے حقائق لکھے ہیں، جن سے آخری دور میں اکبر کی بے راہ روی کا اندازہ ہوتا ہے۔ صاحبِ ''دبستانِ مذاہب'' ایک ایسا مورخ نظر آتا ہے

جس نے ہر قدم پر مورخانہ آن کو قائم رکھا ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں اٹھائیس سے زیادہ مذاہب وادیان کا ذکر کیا ہے، پھر بھی یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ لکھنے والے کا تعلق کس مذہب سے ہے۔ بعض حضرات اس کا نام محسن فانی بتاتے ہیں☆ بعض کا خیال ہے کہ وہ پارسی تھا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰...... عہد شاہجہانی کے ایک اطالوی سیاح نکولس مینوکی[۳۰] نے دین الٰہی کی اختراعات کا ذکر کیا ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اکبر نے سکندرہ میں ایک باغ کے اندر اپنا مقبرہ بنوایا تھا۔ باغ کے دروازے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے اور حضرت مریم کی تصاویر تھیں۔ اورنگ زیب نے اپنے عہد حکومت میں ان کو ختم کروایا اور سفیدی پھروادی۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب اورنگ زیب، شیواجی سے برسرِ پیکار تھا تو باغی اس مقبرے میں گھس آئے، تمام طلائی سامان اور جواہرات لوٹ لیے، قبر کھود کر اکبر کی ہڈیاں نکالیں اور ان کو جلا کر خاکستر کر دیا[۳۱]۔

۱۱...... پروفیسر محمد مجیب[۳۲] اور پروفیسر محمد اسلم[۳۳] نے اپنی تصانیف میں عہد اکبری کی بہت سی بدعات اور گمراہیوں کا ذکر کیا ہے، جن کی دسترس میں معاصر تاریخیں نہ ہوں، وہ ان کتابوں کا مطالعہ فرمائیں جن مقاصد کے حصول کے لیے اکبر نے جدوجہد کی۔ بقول کے۔ ایم۔ پانیکر[۳۴] وہ تین اہم مقاصد یہ تھے:

☆......قومی حکومت کا قیام۔

☆......ہندوؤں سے مفاہمت۔

☆......متحدہ ہندوستان

یہ تینوں مقاصد حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مقاصدِ جلیلہ کی ضد تھے۔

حضرت مجددی کی تین مقاصد کے لیے جدوجہد:

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے مندرجہ ذیل تین مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد کی

☆......اسلامی حکومت کا قیام۔

☆......ہندوؤں سے عدم مفاہمت

☆......جدید تحقیق کے مطابق مصنف کا نام کیخسرو اسفندیار ہے۔

دبستانِ مذاہب اردو ترجمہ از رشید احمد جالندھری، مطبوعہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۲۰۰۲ء (محمد عالم مختار حق)

☆......متحدہ ہندوستان

یہ تینوں مقاصد حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مقاصدِ جلیلہ کی ضد تھے۔

حضرت مجدد کی تین مقاصد کے لیے جدوجہد:

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے مندرجہ ذیل تین مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد کی:

☆......اسلامی حکومت کا قیام۔

☆......ہندوؤں سے عدم مفاہمت

☆......اسلامی ہند کی تعمیر

انہیں مقاصد کے حصول کے لیے چودھویں صدی ہجری کے امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نے بھرپور جدوجہد کی۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے ان مقاصد کے حصول کے لیے مندرجہ ذیل شعبوں میں بھرپور جدوجہد کی اور اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں:

۱......شریعت وطریقت

۲......سیاست وحکومت

۳......معاشرت ومعیشت

(۱)

عوام وخواص شریعت سے بیگانہ ہوتے جا رہے تھے۔ آپ نے اپنے علمی مقالات اور مکتوبات کے ذریعے آشنائے شریعت کیا[۳۵]...... بیشتر صوفیہ طریقت کی حقیقت سے ناواقفیت کی بناء پر گمراہ ہو رہے تھے، آپ نے ان کو طریقت کا واقف کار بنایا[۳۶]...... نظریہ وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات کی بنا پر ایک عالم گمراہ ہو رہا تھا، آپ نے اس نظریہ کی لاج رکھی اور اس کے ساتھ نظریہ وحدۃ الشہود پیش کیا، جو دل و دماغ دونوں سے قریب تھا[۳۷]...... یہی نظریہ تھا جس نے فکر اقبال میں ایک انقلاب پیدا کیا اور ایک نئی روح پھونکی[۳۸] حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نہ ہوتے تو اقبال نہ ہوتے...... حضرت مجدد، اقبال کی آرزو وتمنا تھے۔

؎ تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

(۲)

سیاست وحکومت میں حضرت مجدد نے جو اہم کارنامہ انجام دیا وہ اکبر کے ایک قومی نظریے کے خلاف دوقومی نظریہ کا اعلان تھا...... اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے اکبر نے ''دین الٰہی'' کے نام سے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی، اس دین کا مقصدِ واحد یہی تھا کہ ہندو اور مسلمانوں کو ملا کر ایک نئی قوم تیار کی جائے، اسی نہج پر چودھویں صدی ہجری میں مسٹر گاندھی نے کام کیا، بہرکیف حضرت مجدد نے اس کے خلاف مؤثر جدوجہد کی اور یہ دین اپنی موت مرگیا اور رفتہ رفتہ اس کے اثرات بھی زائل ہوگئے۔ چنانچہ پاکستان ہسٹری بورڈ کی تالیف: ''اے شارٹ ہسٹری آف ہندو پاکستان'' کے مولف نے لکھا ہے:

> جہاں گیر کی تخت نشینی کے بعد دین الٰہی اپنی موت مرگیا...... بہرکیف اس الحاد وارتداد کے خلاف جو زوردار آواز اٹھائی گئی وہ شیخ احمد کی آواز تھی، جن کو حضرت مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے [۳۹]۔
>
> (ترجمہ انگریزی)

حضرت مجدد نے اکبر کے ایک قومی نظریہ کے خلاف دوقومی نظریہ پیش کیا اور یہ بتایا کہ کفر واسلام دو علیحدہ حقیقتیں ہیں جو کسی طرح یکجا نہیں ہوسکتیں۔ اس سلسلے میں آپ نے بہت سے مکتوبات تحریر فرمائے [۴۰]۔ آپ کی کوششیں دورِ جہاں گیری میں بارآور ہوئیں اور جہانگیر نے امور مذہب وسیاست میں مشورے کے لیے علماء کا ایک کمیشن مقرر کیا [۴۱]۔

اس کے بعد دورِ شاہجہانی اور پھر دورِ عالمگیری میں حضرت مجدد کی مساعی نے اپنا رنگ دکھایا۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے دورِ عالمگیری کو حضرت مجدد کی مساعی کا نقطۂ عروج قرار دیا ہے [۴۲]۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے...... حضرت مجدد کی سیاسی تعلیمات کے اثرات آنے والی چار صدیوں پر بہت گہرے پڑے...... ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے لکھا ہے:

> شیخ کے اثرات مغرب میں افغانستان، وسط ایشیا اور سلطنت عثمانیہ تک اور مشرق میں ملایا اور انڈونیشیا تک پھیل گئے [۴۳]۔ (ترجمہ انگریزی)

چودھویں صدی ہجری میں امام احمد رضا خاں بریلوی اور ڈاکٹر محمد اقبال [۴۴] نے حضرت مجدد کے دوقومی نظریہ کے احیاء کے لیے سخت جدوجہد کی...... اس صدی میں دوسرے علماء نے بھی کوششیں کیں مگر ان کی

کوششیں مصلحتوں کا شکار ہو کر ایسے نشیب و فراز سے گزریں کہ مورخ کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ کوششیں خالص اسلام کے لیے تھیں یا مطلق آزادی کے لیے...... بہر کیف گیارہویں صدی ہجری میں حضرت مجدد ہی وہ بطلِ جلیل نظر آتے ہیں جنھوں نے اسلام اور نظام مصطفےٰ کا نعرہ لگا کر خوابیدہ قوم کو بیدار کیا اور ایک نئی روح پھونک دی......ڈاکٹر حفیظ ملک نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

فی الحقیقت آنے والی نسل کو شیخ احمد نے بے حد متاثر کیا......ان کا نعرہ تھا،''چلو چلو محمد مصطفےٰ ﷺ کی طرف چلو''!......مذہبی اور سیاسی حیثیتوں سے یہ نعرہ نہایت ہی دور رس نتائج کا حامل ہوا......ان کی تعلیمات نے معاصر فکر مسلم کو بنیادی طور پر متاثر کیا اور ہندوستان میں مسلم حکومت کو لادینی بنانے کی مخالفت کی۔''[۴۵]

(۳)

ہندوستانی مسلم معاشرے اور معیشت کی صلاح کے لیے بھی حضرت مجدد نے بھرپور کوشش کی۔ آپ کے مکتوبات شریف اور دوسری تصانیف کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔[۴۶]

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی جدوجہد کے مختلف ادوار:

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے مذہب وسیاست اور معاشرت کی اصلاح کے لیے جو جدوجہد فرمائی اس کو مختلف ادوار پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً

☆......دور اکبری:	سنہ ۱۰۰۰ھ	سنہ ۱۵۹۱ء	تا	سنہ ۱۰۱۴ھ	سنہ ۱۶۰۵ء
☆......دور جہانگیری:	سنہ ۱۰۱۴ھ	سنہ ۱۶۰۵ء	تا	سنہ ۱۰۳۴ھ	سنہ ۱۶۲۴ء
☆......قید جہانگیری سے پہلے	سنہ ۱۰۱۴ھ	سنہ ۱۶۰۵ء	تا	سنہ ۱۰۲۷ھ	سنہ ۱۶۱۸ء
☆......قید جہانگیری کے بعد	سنہ ۱۰۲۷ھ	سنہ ۱۶۱۸ء	تا	سنہ ۱۰۲۸ھ	سنہ ۱۶۱۹ء
☆......جہانگیر کے لشکر میں	سنہ ۱۰۲۸ھ	سنہ ۱۶۱۹ء	تا	سنہ ۱۰۳۳ھ	سنہ ۱۶۲۳ء
☆......جہانگیر کے لشکر سے رہا ہونے کے بعد	سنہ ۱۰۳۴ھ	سنہ ۱۶۲۳ء	تا	سنہ ۱۰۳۴ھ	سنہ ۱۶۲۴ء

اکبر کا آخری دورِ حکومت حضرت مجدد کی اصلاحی اور تبلیغی مساعی کا نقطۂ آغاز ہے...... جہانگیری دور میں یہ مساعی تیز تر کردی گئیں...... پھر اسی دور میں گوالیار میں آپ کی نظر بندی نے آپ کی اصلاحی کوششوں کے اثرات کو عوام اور حکومت وقت میں دیرپا اور مستحکم بنادیا۔ حضرت مجدد کی اسیری

(۱۰۲۷ھ/ ۱۰۲۸ھ) اسلامی نظام حکومت کے لیے رحمت بن گئی اور پُر خار وادیاں صاف ہو گئیں ۴۷۔

حضرت مجدد اپنی اسارت (اسیری) کے تینوں ادوار میں منزلِ مقصود کی جانب رواں دواں نظر آتے ہیں، یعنی نظر بندی (۱۰۲۷ھ/ تا ۱۰۲۸ھ) جبکہ آپ ایک سال قلعہ گوالیار میں قید رہے...... ☆ دورِ پابندی (۱۰۳۳ھ تا ۱۰۳۴ھ) جب آپ تقریباً پانچ سال جہانگیر کے لشکر میں رہے...... ☆ دورِ زباں بندی (۱۰۳۳ھ تا ۱۰۳۴ھ) جب آپ تقریباً چھ ماہ اپنی خانقاہ (سرہند شریف) میں خلوت گزیں رہے اور آخر میں اسی خلوت گزینی میں ۲۹ رصفر المظفر ۱۰۳۴ھ کو وصال فرمایا ۴۸۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مجدد کی جانبازی اور اصلاحات:

حضرت مجدد نے اسلام کے لیے اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا دیا عزیمت پسندی کی ایسی شاندار مثالیں پیش کیں جس سے مردہ دل زندہ ہو گئے اور ایک عظیم انقلاب آ گیا۔

☆...... بادشاہ کے حضور سجدہ تعظیمی (زمین بوس) موقوف کر دیا گیا۔

☆...... گائے کی قربانی عام ہوگئی اور سب سے پہلے خود جہانگیر نے قلعہ کانگڑا میں حضرت مجدد کی موجودگی میں گائے ذبح کرائی ۴۹۔

☆...... شراب پر پابندی لگا دی گئی ۵۰۔ اور بے شمار اصلاحات ہوئیں۔

بلاشبہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی انتھک جدوجہد سے مذہبی سطح پر اسلام، سنیت اور حنفیت کو فروغ ہوا سیاسی سطح پر اسلامی حکومت کا قیام ممکن ہوا...... روحانی سطح پر تصور وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات سے جو ہلاکت پھیل رہی تھی تصور وحدۃ الشہود نے اس کا موثر دفاع کیا اور نا قابل فہم کو عام لوگوں کے لیے قابل فہم بنا دیا گیا اس طرح ہر سطح پر فکر مسلم کی اصلاح کر کے ایک عظیم انقلاب برپا کیا گیا، اسی لیے اقبال نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے برملا کہا ہے:

ے وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

اکبری حکومت جس روش پر جا رہی تھی اس سے یہ اندازہ لگانا آسان ہے کہ مسلمانوں کا مستقبل کیا ہوتا، شاید اسلامی حکومت کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا ۵۱۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے جس سیاسی گھٹن اور جاہ وجلال اقتدار کے ہوتے ہوئے شاہانِ وقت پر تنقید کی، وہ انہیں کا حصہ تھا، اس نازک دور میں حکومت یا سربراہانِ حکومت پر تنقید کرنا اتنا آسان نہ تھا جتنا آج آسان ہے...... ذرا ذرا سی باتوں پر تختہ دار پر چڑھا دیا جاتا تھا۔ بلکہ اکبر کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ اپنے مخالفین کو اپنے ہاتھ سے زہر دے کر تڑپا تڑپا کر مار دیا کرتا تھا[۵۲]...... ایسے خطرناک حالات میں جان جوکھوں میں ڈال کر اسلام کے لیے قدم بڑھانا کوئی آسان کام نہیں تھا، بہت اہم کام تھا، بہت مشکل کام تھا۔ پاک وہند کے مصلحین میں یہ فخر صرف حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام کی خاطر اپنا عیش وآرام، مال ودولت، آل اولاد اور جان تک کی بازی لگادی...... مومنانہ بصیرت کے ساتھ سرگرم عمل ہوئے اور چند برسوں میں وہ انقلاب آ گیا جو دیدنی بھی ہے اور شنیدنی بھی۔

حضرت مجدد کے اصلاحی اور تجدیدی کارناموں پر بعض حضرات نے تنقید بھی کی ہے[۵۳] مگر یہ غلط فہمی معاصر تاریخ پر ڈھیلی گرفت کا نتیجہ ہے...... حضرت زید ابوالحسن فاروقی دہلوی نے ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء میں ایک کتاب ''حضرت مجدد اور ان کے ناقدین'' دہلی سے شائع کی۔ اس سلسلے میں اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

حضرت مجدد کی باقیات صالحات (اولاد امجاد):

حضرت مجدد کی باقیاتِ صالحات میں اولادِ امجاد، تصانیف اور خلفاء یادگار ہیں...... اولاد میں سات صاحبزادے ہوئے جن میں سے پانچ حضرت مجدد کی حیات ہی میں انتقال کر گئے، باقی دو صاحبزادگان حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ الرحمۃ (م ۱۰۷۰ھ/ ۱۶۶۰ء) اور حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ (م ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء) نے بڑا نام پیدا کیا...... اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے ان دونوں صاحبزادگان سے گہرے مراسم تھے[۵۴]۔ بلکہ حضرت عالمگیر، خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ سے شرف بیعت رکھتے تھے[۵۵] ایک اور موقع پر خواجہ موصوف نے عالمگیر کی درخواست پر اپنے صاحبزادے خواجہ سیف الدین (م ۱۰۹۶ھ/ ۱۶۸۴ء) کو عالمگیر کی اصلاح باطن کے لیے لال قلعہ، دہلی بھیجا جہاں انہوں نے قیام فرما کر عالمگیر کی روحانی تربیت فرمائی[۵۶]۔

حضرت اورنگزیب عالمگیر نے پورے عالم اسلام پر احسان کیا ہے کہ انہوں نے نظام مصطفیٰ ﷺ نافذ کیا اور دو لاکھ کے خرچ سے ''فتاویٰ عالمگیری'' مرتب کرائی جو آج بھی فقہ حنفی کا ایک عظیم ماخذ ہے اور خانوادہ مجددیہ کا عالمگیر پر احسان ہے۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت مجدد اور ان کے اخلاف کا

عالم اسلام پر احسان ہے...... خاندانِ مجددیہ اور عالمگیر کے تعلقات پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے:

> تاریخی حیثیت سے اورنگزیب عالمگیر اور حضرت مجدد کے خاندان کے درمیان حتمی طور پر روابط تھے اور یہ حقیقت قابل توجہ ہے کہ قریباً وہ تمام اقدامات جو اورنگزیب کی مذہبی پالیسی سے متعلق تھے۔ حضرت مجدد نے اپنے مکتوب میں ان سب اقدامات کی پُرزور تبلیغ فرمائی تھی (ترجمہ انگریزی) ۔ ۵۷

حضرت مجدد کی تصانیف:

حضرت مجدد کی تصانیف میں ان کے فارسی مکتوبات شریف زیادہ مشہور ہوئے، یہ تین جلدوں پر مشتمل ہیں اور علوم و معارف کا خزینہ ہیں۔ ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء میں ان کا عربی ترجمہ مکہ مکرمہ سے شائع ہوا۔ فارسی اور اردو ترجمہ کے متعدد ایڈیشن پاکستان و ہندوستان اور ترکی سے شائع ہو چکے ہیں۔

مکتوبات شریف کے علاوہ مندرجہ ذیل تصانیف آپ سے یادگار ہیں۔

- ☆...... اثبات النبوۃ
- ☆...... مبدأ و معاد
- ☆...... مکاشفات غیبیہ
- ☆...... معارف لدنیہ
- ☆...... رد الرفضہ
- ☆...... شرح رباعیات خواجہ بیرنگ
- ☆...... رسالہ تعیین ولاتعیین
- ☆...... رسالہ مقصود الصالحین
- ☆...... رسالہ در مسئلہ وحدۃ الوجود
- ☆...... آداب المریدین
- ☆...... رسالہ جذب و سلوک
- ☆ رسالہ در علم حدیث وغیرہ وغیرہ۔

حضرت مجدد کی بیشتر نگارشات کی حیثیت خالص تخلیقی ہے۔ ایسی تخلیق بقول اقبال جس کا انگریزی میں ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اور انگریزی زبان بایں ہمہ وسعت و ہمہ گیری ایسے الفاظ سے خالی ہے جو افکار مجددیہ کی ترجمانی کر سکیں ۵۸۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے خلفاء:

حضرت مجدد کے خلفاء کی تعداد بھی کم نہیں، خلفاء میں صاحبزادگان کے علاوہ یہ حضرات زیادہ مشہور ہیں:

☆......خواجہ محمد ہاشم کشمی
☆......خواجہ میر محمد نعمان بُرہانپوری
☆......مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی
☆......شیخ محمد طاہر لاہوری
☆......شیخ آدم بنوری
☆......شیخ بدرالدین سرہندی وغیرہ وغیرہ

حضرت مجدد کو خراجِ تحسین:

حضرت مجدد کے عہد مبارک سے لے کر آج تک بے شمار علماء وصوفیہ نے آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے [59] لیکن دورِ جدید کے قارئین کے لیے عقیدت مندوں کا خراجِ عقیدت پیش کرنا زیادہ وزن نہیں رکھتا، اس لیے یہاں صرف ان حضرات کے تاثرات پیش کیے جاتے ہیں جنہوں نے حضرت مجدد کو تاریخ کے آئینے میں دیکھا ہے، جو عقیدت مند وارادت مند نہیں بلکہ مؤرخ ومحقق ہیں۔

۱......مشہور مؤرخ ومحقق ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

جہانگیر کے دورِ حکومت میں شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی آگے آئے، آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریک احیائے دین کا آغاز ہوا، چنانچہ اس انقلاب وتبدیلی کے نتیجے میں سیاسی سطح پر جو کوششیں کی گئیں، وہ اکبر، جہانگیر، شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے درباروں کی بدلتی فضا میں مطالعہ کی جا سکتی ہیں......اکبر بادشاہ آزاد خیالی اور الحاد کا نقطۂ عروج تھا، جہانگیر کی تخت نشینی سے اس آزاد خیالی کا زوال شروع ہوتا ہے۔ شاہجہان اگرچہ ایک پارسا سنی مسلمان تھا اور دربار میں کسی قسم کی مذہبی ڈھیل برداشت نہیں کرتا تھا، تاہم اس نے غیر سنیوں کو بھی مطمئن رکھا، اورنگ زیب عالمگیر سنیوں کا نشان نصرت تھا [60]۔ (ترجمہ انگریزی)

۲......ڈاکٹر محمد یسٰین مغل سیاست پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دورِ جہانگیری کی تاریخ لکھتے وقت اگر مغل سیاست پر حضرت مجدد کے اثرات کا کوئی ذکر نہ کیا جائے تو اندیشہ ہے کہ یہ تاریخ ہی نامکمل

رہے[۶۱]۔(ترجمہ انگریزی)

۳......ڈاکٹر شیخ محمد اکرام مغل سیاست وحکومت کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

بلاشبہہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ دورِ اکبری سے لے کر دورِ عالمگیری تک حکومت کی مذہبی پالیسیوں میں جونشیب وفراز آتے رہے وہ بڑی حد تک حضرت مجدد اور آپ کی تعلیمات ہی کی وجہ سے آئے[۶۲]۔(ترجمہ انگریزی)

۴......ڈاکٹر حفیظ ملک، ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمۃ پر حضرت مجدد کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ کی عظمت اور جہانگیر بادشاہ کے سامنے سجدہ تعظیمی سے آپ کے انکار کو ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمۃ نے بہت سراہا ہے......مسلمانوں کے لیے آپ نے جو خدمات انجام دیں ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اقبال نے آپ کو ہندوستان میں ملت اسلامیہ کا روحانی نگہبان و پاسبان قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ جو خطرات اکبر بادشاہ کی مذہبی اور سیاسی بدعات واختراعات میں پوشیدہ تھے اللہ نے اس سے آپ کو آگاہ اور خبردار کردیا[۶۳]۔(ترجمہ انگریزی)

۵......مشہور محقق پروفیسر عزیز احمد، برصغیر پاک و ہند میں حضرت مجدد کی اسلامی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی نگارشات اور آپ کے تاثرات نے ہندوستان میں اسلام کے انتشار اور الحاد کو روکا......آپ نے مذہب کی حرکیت اور تصوف کی باطنی قوت کو دوبارہ مجتمع کیا......اسلامی ہند میں مذہبی متصوفانہ فکر اسلامی کے سلسلے میں آپ کی خدمات نہایت ہی نمایاں اور ممتاز ہیں[۶۴] (ترجمہ انگریزی)

۶......**جمیل احمد**، حضرت مجدد کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے خراج عقیدت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

امام الہند، شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی تصنیف ''کلماتِ طیبات'' میں آپ

کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ نے اسلامی فکر میں بہت سی ناہمواریوں کو درست فرمایا، آپ باطنی رہنمائی کے لیے مثالی نمونہ تھے اور آپ نے بہت سے حقائق مخصوصہ کو واشگاف فرمایا[۶۵]۔ (ترجمہ انگریزی)

۷......ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں:

شیخ احمد سرہندی کو بجا طور پر مجدد الف ثانی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ نے دوسرے ہزارے کے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکی اور نہایت کامیابی کے ساتھ اکبر اعظم کی ملحدانہ سرگرمیوں کا مقابلہ کیا[۶۶]۔ (ترجمہ انگریزی)

☆......☆......☆

حواشی

۱......ایس ایم اکرام: مسلم سویلزیشن ان انڈیا اینڈ پاکستان مطبوعہ لاہور ۱۹۶۱ء، ص۔ ۲۷۰

۲۔ (ا)......احمد رضا خاں: انوار الانتباہ من یم صلوٰۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) مطبوعہ بریلی، ص۔ ۳۸

(ب)......احمد رضا خاں: الهاد الکاف فی حکم الضعاف (۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء) مطبوعہ لاہور، ص۔ ۱۲۶

(ج)......احمد رضا خاں: الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ (۱۳۱۲ھ) مطبوعہ کلکتہ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء، ص۔ ۴۸، ۵۱، ۵۲

۳......حامد رضا خاں: سلامتہ اللہ لاھل السنتہ من سبیل العنادی الفتنہ ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۳ء) مطبوعہ بریلی، ص۔ ۵۷

۴......مصطفے رضا خاں: مقتل کذب وکید، مطبوعہ بریلی ۱۳۳۲ھ، ص۔ ۵۵، ۵۶

۵......نظامی بدایونی نے اس خیال کا اظہار کیا ہے (ملاحظہ ہو قاموس المشاہیر، جلد اول، مطبوعہ بدایون، ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء، ص۔ ۶۷) اسی طرح فیض عالم صدیقی نے بھی یہی بات لکھی ہے (ملاحظہ ہو اختلاف امت کا المیہ، حصہ دوم، جہلم ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء، ص۔ ۴۸۰

۶...... حسین احمد دیوبندی نے یہ الزام لگایا ہے اور امام احمد رضا کو دجال المجددین لکھا ہے (الشہاب الثاقب، ص۔ ۴۲) حالانکہ علمائے حرمین شریفین میں شیخ موسیٰ علی شامی درویری مدنی نے آپ کو المجدد لھذہ الامہ تحریر فرمایا ہے۔ (الفیوضات الملکیہ ص۔ ۲۶۲) اور حافظ الکتب الحرم شیخ اسماعیل بن سید خلیل مکی نے تو یہاں تک لکھا ہے۔ بل اقول لو قیل فی حقه انه مجدد ھذاالقرن لکان حقاً و صدقا (حسام الحرمین، ص۔ ۱۴۰، ۱۴۱)

۷......وکیل احمد سکندر پوری: ہدیہ مجددیہ، مطبوعہ دہلی ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء، ص۔ ۹۸

۸......شاہ محمد فضل اللہ: عمدۃ المقامات، مطبوعہ لاہور ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء، ص۔ ۹۹

۹......محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء، ص۔ ۸۹۔ ۹۱

۱۰......محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص۔ ۹۶۔ ۱۰۳

۱۱......محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۲۸

۱۲......مجدد الف ثانی، مکتوبات شریف، دفتر سوم، مکتوب ۴۳

۱۳......محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۳۲

۱۴......محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۵۹

۱۵......مجدد الف ثانی: مکتوبات شریف، دفتر سوم، مطبوعہ امرتسر ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء مکتوب ۸۷

۱۶......محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۳۵

۱۷۔ (ا)......آدم بنوری: خلاصۃ المعارف، مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری، لندن (۱۰۳۵ھ/ء) ورق ۳

(ب)......محمد حسین مراد آبادی: انوار العارفین (۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء) مطبوعہ لکھنو ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء

ص۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹

۱۸......محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء، ص۔ ۲۱۸، ۲۱۹

۱۹......عہد اکبری کو مندرجہ ذیل ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے

پہلا دور ______ : ۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء تا ۹۸۳ھ/۱۵۷۵ء

دوسرا دور ______ : ۹۸۳ھ/۱۵۷۵ء تا ۹۸۹ھ/۱۵۷۸ء

تیسرا دور ______ : ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء تا ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء

۲۰......ملاحظہ فرمائیں: منتخب التواریخ، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء، ص: ۲۶۱، ۳۲۲، ۴۶۶، ۴۷۱، ۴۹۹، ۵۲۹ وغیرہ وغیرہ

۲۱۔ (ا)......ہاشمی فرید آبادی: تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت، مطبوعہ کراچی، ص: ۴۶۹، بحوالہ منتخب التواریخ، جلد سوم، ص: ۲۵۳

(ب)......شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر کے انتقال پر شیخ فرید بخاری کے نام جو تعزیتی خط ارسال فرمایا ہے اس سے اکبر کے دعویٰ نبوت کی تصدیق ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عبد الحق مجموعہ مکاتیب والرسائل، مطبوعہ دہلی ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء، ص۔ ۱۴۳۔ ۱۴۷۔ (مسعود)

۲۲......طبقات اکبری، مطبوعہ لکھنو، ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۰ء

۲۳......ایضاً،ص۔۳۴۳

۲۴......آئین اکبری، مطبوعہ حیدرآباد دکن، (۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء)

۲۵......مورلینڈ نے ابوالفضل کی خوشامد و چاپلوسی کا ذکر کیا ہے (ملاحظہ فرمائیں: اے شارٹ ہسٹری آف انڈیا، مطبوعہ لندن، ۱۹۵۷ء، ص:۲۱۲)

۲۶......اکبرنامہ، مطبوعہ لکھنو ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء

۲۷......تاریخ فرشتہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء

۲۸......جہانگیرنامہ: مطبوعہ لکھنو، ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء

۲۹......دبستانِ مذاہب، مطبوعہ بمبئی، ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء

۳۰......نکولس مینوکی ۱۶۵۶ء میں تقریباً ۱۷ سال کی عمر میں آگرے پہنچا اور شہزادہ داراشکوہ کے ہاں توپخانے میں بھرتی ہوگیا۔ ۱۶۵۸ء میں داراشکوہ اور اورنگ زیب کے مابین جنگ میں داراشکوہ کی طرف سے لڑا۔ دارا کے قتل کے بعد واپس اٹلی چلا گیا۔ (مسعود)

۳۱......نکولس مینوکی: فسانہ سلطنت مغلیہ، مترجمہ سید مظفر علی، مطبوعہ آگرہ، ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)، ص۔۱۲۲

۳۲......محمد مجیب: انڈین مسلم، مطبوعہ لندن، ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء

۳۳......محمد اسلم: دین الٰہی اور اس کا پس منظر، مطبوعہ لاہور۔ ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء

۳۴... (ا) ......محمد مسعود احمد: فاضل بریلوی اور ترک موالات، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء

(ب) ......محمد جلال الدین: خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

(ج) ......محمد مسعود احمد: تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

۳۵......مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوبات، ۴۳، ۶۵۴۸، ۶۶، ۶۷، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۸۰، ۸۱، ۸۳، ۱۵۲، ۱۹۱، ۱۹۴، وغیرہ

۳۶......مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۸۴۔ نیز ملاحظہ کریں، تذکرۂ مجدد الف ثانی، مطبوعہ لکھنو، ص۔۱۰۴، ۱۱۰ تا ۱۱۴

۳۷......مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب، ۱۹۱، ۲۹۱......دفتر دوم مکتوب ۴۴

۳۸......فکر اقبال پر تعلیمات مجددیہ نے جو اثرات مرتب کیے وہ اقبالیات کی ایک اہم کڑی ہے، جس کی طرف محققین نے ابھی تک کما حقہ، توجہ نہیں دی۔ اس سلسلے میں راقم نے مندرجہ ذیل تین مقالات قلم بند کیے اور دلائل و براہین سے حضرت مجدد سے اقبال کی عقیدت اور افکار اقبال پر افکار مجددیہ کے اثرات کو بیان کیا، اور یہ ثابت کیا کہ اقبال کے تصور خودی میں سب سے بڑا محرک حضرت مجدد کا نظریہ وحدۃ الشہود ہے

(ا)......علامہ اقبال اور حضرت مجدد الف ثانی، مطبوعہ اقبال ریویو، کراچی، اپریل ۱۹۶۴ء/۱۳۸۴ھ

(۲)......اقبال کے فلسفہ خودی میں مقام عبدیت، مطبوعہ اقبال ریویو، کراچی، جولائی ۱۹۶۴ء/۱۳۸۴ھ)
(۳)......شریعت و طریقت افکار اقبال کی روشنی میں، مطبوعہ اقبال ریویو، کراچی، جنوری ۱۹۶۵ء/۱۳۸۵ھ عرصہ ہوا یہ تینوں مقالات کتابی صورت میں بعنوان ''حضرت مجدد الف ثانی اور علامہ اقبال'' مکتبہ نعمانیہ، اقبال روڈ، سیالکوٹ نے شائع کر دیے ہیں۔ (مسعود) اور ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء میں ضیاء الاسلام پبلی کیشنز کراچی نے بھی شائع کیے ہیں۔

۳۹......اے شارٹ ہسٹری آف ہندو پاکستان، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء، ص۔ ۲۹۸

۴۰......مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب، ۶۵۔۸۱۔۱۶۳

۴۱......مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۵۳، بنام شیخ فرید بخاری

۴۲......اشتیاق حسین قریشی: مقدمہ ہسٹری آف فریڈم موومنٹ، جلد اول، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۷ء، ص۔ ۲۰

۴۳......شتیاق حسین قریشی: مسلم کمیونٹی آف انڈو پاکستان، ص۔ ۱۵۲

۴۴......کلیات اقبال کے نام سے اقبال کے فارسی کلام کا مجموعہ ایران سے شائع ہوا ہے جس کا دیباچہ احمد سروش نے لکھا ہے، اس دیباچے میں انہوں نے برصغیر پاک و ہند کو صرف ہند کے نام سے یاد کیا ہے اسلام اور ہندوازم کو ایک قرار دیا ہے اور ہندوازم کو دین حق سے تعبیر کیا ہے (معاذ اللہ!)۔ مسٹر گاندھی کو گاندھی بزرگ کے نام سے یاد کیا ہے اور اس کے آگے سر نیاز خم کیا ہے...... یہ بات سخت حیرت ناک ہے کہ کلامِ اقبال پر دیباچہ لکھنے والا فکر اقبال سے اتنا دور ہے (مسعود)

۴۵......ڈاکٹر حفیظ ملک، مسلم نیشنلزم ان انڈیا اینڈ پاکستان، مطبوعہ واشنگٹن، ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء، ص۔ ۵۵

۴۶......مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب، ۱۶۳۔۱۹۱

۴۷......حضرت مجدد کی اسیری پر بحث کرتے ہوئے بعض حضرات نے مہابت خاں کی بغاوت کا اصل محرک اسی اسیری کو قرار دیا ہے۔ مثلاً
(ا)......ایس۔ ایف۔ محمود اے شارٹ ہسٹری آف اسلام، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء، باب ۱۳، ص ۵۳۴
(ب)......ڈاکٹر غلام جیلانی برق: فلسفیان اسلام، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء، ص۔ ۲۷۷
(ج)......جی الانا: ''آور فریڈم فائٹرس، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء، ص۔ ۲۸ وغیرہ وغیرہ
تاریخی اعتبار سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ حضرت مجدد کی اسارت اور مہابت خان کی بغاوت میں کئی سال کا تفاوت ہے، صاحب ''روضۃ القیومیہ'' (مخطوطہ، مکتوبہ ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء مدینہ منورہ) ابوالفیض کمال الدین محمد احسان نے بہت سی باتیں غیر مؤرخانہ لکھ دی ہیں، یہ بات بھی وہیں سے لی گئی ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ

مہابت خاں حضرت مجدد کا معتقد تھا اور ممکن ہے کہ حضرت مجدد کی اسارت کا جذبہ کئی سال بعد جوش میں آیا، جو خود جہانگیر کی اسارت پر منتج ہوا۔ (مسعود)

۴۸......بدرالدین سرہندی: وصالِ احمدی، مطبوعہ سیالکوٹ، ۱۳۶۶ھ/۱۹۷۶ء، ص ۱۸

۴۹......تزک جہانگیری، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء، ص ۶۹۸

۵۰......(ا)......علی اکبر اردستانی: مجمع الاولیاء، مخطوطہ لندن ۱۰۴۳ھ/۱۶۳۳ء، ورق ۴۳۳

(ب)......تزک جہانگیری، ص ۶۵۶، ۶۹۶

۵۱......یہ بات کتنی تکلیف دہ اور المناک ہے کہ چودھویں صدی ہجری میں بعض علماء اسلام نے وہ انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی جو مطلوب و مقصود اکبر تھا جس کے لیے حضرت مجدد نے اپنی عمر عزیز قربان کر دی......امام احمد رضا خاں بریلوی نے علماء کی لاج رکھ لی اور پوری قوت سے اس مشن کے لیے کام کیا جو حضرت مجدد کا مقصود و مطلوب تھا اور بالآخر پاکستان معرض وجود میں آیا۔ (مسعود)

میاں عبدالرشید: اسلام ان انڈو پاک سب کونٹیننٹ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۶۷

۵۲......نکولس مینوکی: فسانۂ سلطنت مغلیہ، مترجمہ سید مظفر علی، مطبوعہ آگرہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء، ص ۱۳۰

۵۳......ملاحظہ فرمائیں:

(ا)......سید معین الحق: معاشرتی اور علمی تاریخ، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۵ھ/۱۹۷۲ء، ص ۳۱۹

(ب)......فیض عالم صدیقی: اختلافِ امت کا المیہ، حصہ دوم ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء، ۴۸۳

نوٹ: (ا) ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے اپنی تصنیف ''رود کوثر'' میں غیر مورخانہ باتیں لکھی تھیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں صاحب نے جن کا مورخانہ تعاقب کرتے ہوئے ایک محققانہ کتاب ''حضرت مجدد الف ثانی......ایک تحقیقی جائزہ'' (کراچی ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء پیش کی)

(۲)......ایک بزرگ نے حضرت مجدد کی تعلیمات کو افیون سے تعبیر کیا ہے اور یہ خیال نہیں فرمایا کہ جو کام وہ تیس سال میں نہ کر سکے حضرت مجدد نے وہ کام چند برسوں میں کر دیے اور آنے والی صدیوں کو اتنا متاثر کیا کہ ہر مصلح کسی نہ کسی انداز میں متاثر نظر آتا ہے

(۳)......ہبرو یونیورسٹی یروشلم میں اسلامک کلچر کے لیکچرر، ڈاکٹر یوحنا فریڈمین نے انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹیڈیز میکگل یونیورسٹی (کینیڈا) سے حضرت مجدد پر ڈاکٹریٹ کیا ہے۔ انہوں نے شیخ احمد سرہندی کے عنوان سے انگریزی میں ایک مقالہ پیش کیا جو ۱۹۷۱ء میں لندن میں طبع ہوا۔ محترم بشیر احمد خاں صاحب کی عنایت سے لندن سے راقم کو یہ مقالہ وصول ہوا

اس مقالے میں فریڈمین نے حضرت مجدد کے بارے میں منفی اندازِ فکر اختیار کیا ہے۔ اکبری پالیسی کے خلاف حضرت مجدد کی مساعی، پھر جہانگیر، شاہجہاں اور آخر میں اورنگ زیب عالمگیر پر آپ کے اور آپ کی تعلیمات کے اثرات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی غیر مؤرخانہ کوشش کی ہے کہ دوسرے مورخین نے اس بارے میں جو مثبت اندازِ فکر اختیار کیا ہے، صحیح نہیں...... سترھویں صدی عیسوی میں حضرت مجدد کے خلاف جو کچھ لکھا گیا۔ فریڈمین نے اس کو بھی ابھارا ہے اور یہ بتایا ہے کہ حضرت مجدد کو جو عالمی، سیاسی اور روحانی پیشوا بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، یہ خیال بیسویں صدی عیسوی کی پیداوار ہے۔ راقم کے خیال میں بنیادی طور پر یہ مقالہ ان اثرات کو زائل کرنے کے لیے لکھا گیا ہے جو گزشتہ تیس برسوں میں حضرت مجدد پر شاندار کام کے نتیجے میں مرتب ہوئے، کینیڈا کی میکگل یونیورسٹی میں اسی قسم کے کام ہوتے ہیں (مسعود)

۵۴......ملاحظہ فرمائیں: (ا)......مکتوبات سعیدیہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء

(ب)......مکتوبات معصومیہ، مطبوعہ لکھنو، ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء

۵۵......محمد امین: مقاماتِ احمدیہ و ملفوظاتِ معصومیہ، ص۔۱۰۸

۵۶...... (ا) مکتوبات معصومیہ، دفتر سوم، مکتوب ۲۲۷

(ب) مستعد خاں: مآثر عالم گیری، مطبوعہ کلکتہ، ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء، ص۔۸۴

۵۷......محمد اکرام: ہسٹری آف مسلم سویلیزیشن ان انڈیا اینڈ پاکستان، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۱ھ ۱۹۶۱ء، ص۔۲۷۱

۵۸......تشکیل جدید الٰہیات، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۸ھ/ ۱۹۵۸ء، ص۔۲۹۸۔۲۹۹

۵۹......ملاحظہ فرمائیں

(ا)......زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء، ص۔۲۱۸

(ب)......شاہ غلام علی: مکاتیب شریفہ، مکتوب اول، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۱ء

(ج)......شاہ غلام علی: ایضاح الطریقہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء، ص۔۵۶

(د)......قاضی ثناء اللہ: ارشاد الطالبین، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۱ء، ص۔۳

(ھ)......رحمان علی: تذکرۂ علماء ہند، مطبوعہ لکھنو، ۱۳۳۳ھ ۱۹۱۴ء، ص۔۱۱

(و) غلام علی آزاد بلگرامی: سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء، ص۔۴۷

(ز) حبیب الرحمٰن خاں شروانی: قرۃ العین، مطبوعہ حیدر آباد، دکن ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۳ء

(ح) صدیق حسن خاں، تقصار جیود الاحرار، مطبوعہ بھوپال، ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۰ء، ص۔۱۱۱، ۱۱۲

(ط) صدیق حسن خاں: ریاض المرتاض، ص۔۱۲۱، ۱۲۲

(ی) ابوالکلام آزاد: تذکرہ، مطبوعہ لاہور، ص۔۲۵۵، ۲۵۶

۶۰......اشتیاق حسین قریشی: مقدمہ ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ، جلد اول، مطبوعہ کراچی ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء، ص۔۲۰

۶۱......محمد یسین: اے سوشل ہسٹری آف اسلامک انڈیا، مطبوعہ لکھنو، ۱۳۷۸ھ/ ۱۹۵۸ء، ص۔۱۴ حاشیہ

۶۲......ایس ایم اکرام: مسلم سویلزیشن ان انڈیا اینڈ پاکستان، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء، ص۔۲۷۰

۶۳......حفیظ ملک: مسلم نیشنلزم ان انڈیا اینڈ پاکستان، مطبوعہ واشنگٹن ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء، ص۔۵۴، ۵۵

۶۴......عزیز احمد: اسٹڈیز ان اسلامک کلچر، باب ہفتم مطبوعہ آکسفورڈ ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء، ص۔۱۸۹

۶۵......جمیل احمد: ہنڈرڈ گریٹ مسلمز، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء، ص۔۴۲۳

۶۶......زبید احمد: دی کنٹری بیوشن آف انڈیا ٹو عربک لٹریچر، مطبوعہ الہٰ آباد، ۱۹۴۵ء، مقدمہ

☆......☆......☆

مآخذ و مراجع

آدم بنوری، شیخ: خلاصۃ المعارف فی اسرار العقائد، مولفہ ومکتوبہ ۱۰۳۷ھ/ ۱۶۶۷ء مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری، لندن۔

آزاد ابوالکلام: تذکرہ، مطبوعہ لاہور

ابوالفضل: اکبر نامہ مطبوعہ لکھنو، ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء

ابوالفضل: آئین اکبری، جلد اول، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء

احمد سرہندی، شیخ: مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۴ء

احمد سرہندی، شیخ: معارف لدنیہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء

احمد سرہندی، شیخ: اثبات النبوۃ، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء

احمد سرہندی، شیخ: مبدأ و معاد، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء

احمد سروش: کلیات اقبال، مطبوعہ تہران، ۱۳۴۳ (ایرانی)

احمد رضا خاں، امام: انوار الانہار، من یم صلوۃ الاسرار، ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء، مطبوعہ بریلی

احمد رضا خاں، امام: الہاد الکاف فی حکم الضعاف، ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء، مطبوعہ لاہور

احمد رضا خاں، امام: الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ، ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء، مطبوعہ کلکتہ

احمد رضا خاں، امام: الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء، مطبوعہ کراچی

اقبال، ڈاکٹر: بال جبریل، مطبوعہ لاہور، ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء

اقبال، ڈاکٹر: تشکیل جدید الہیات، مطبوعہ لاہور ۱۳۷۸ھ/ ۱۹۵۸ء

ایس۔ایف۔محمود: اے شارٹ ہسٹری آف اسلام، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء
ایس۔ایم۔اکرام: ہسٹری آف مسلم سویلیزیشن ان انڈیا اینڈ پاکستان، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء
ایس۔ایم۔اکرام: رودکوثر، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء
ایس۔ایم۔اکرام: اے شارٹ ہسٹری آف ہندو پاکستان، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء
اشتیاق حسین، ڈاکٹر: مقدمہ ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ، جلد اول، مطبوعہ کراچی، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء
اشتیاق حسین، ڈاکٹر: دی مسلم کمیونٹی آف انڈو پاک سب کونٹیننٹ، مطبوعہ ہیگ، ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء
بدرالدین سرہندی: حضرات القدس، مطبوعہ لاہور، ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء
بدرالدین سرہندی: وصالِ احمدی، مطبوعہ سیالکوٹ، ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
ثناءاللہ پانی پتی: ارشادالطالبین، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۱ء
جمیل احمد، خواجہ: ہنڈرڈ گریٹ مسلمز، مطبوعہ لاہور
جہانگیر بادشاہ وغیرہ: تزک جہانگیری (ترجمہ اردو) مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء
جی الانا: آور فریڈم فائٹرس، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء
حامد رضا خاں، مولانا: سلامۃ اللہ لاھل السنۃ من سبیل الرضا ردالفتنہ، ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۳ء، مطبوعہ دہلی
حبیب اللہ خاں شروانی: قرۃ العین، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۳ء
حسین احمد دیوبندی، الشھاب الثاقب علی المسترق الکاذب، مطبوعہ دیوبند، ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء
حفیظ ملک، ڈاکٹر: مسلم نیشنلزم ان انڈیا اینڈ پاکستان، مطبوعہ واشنگٹن، ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء
محمد قاسم ہندوشاہ: تاریخ فرشتہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء
محمد مجیب، پروفیسر: انڈین مسلمز، مطبوعہ لندن، ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء
محمد مسعود احمد، پروفیسر: فاضل بریلوی اور ترک موالات، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء
محمد مسعود احمد، پروفیسر: تاریخ آزادی ہند اور السواد الاعظم، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء
محمد معصوم، خواجہ: مکتوبات معصومی، قلمی، جلد اول، مکتوبہ ۱۱۵۰ھ/ ۱۷۳۷ء
جلد دوم ۱۱۱۰ھ/ ۱۶۹۸ء...... جلد سوم ۱۱۳۰ھ/ ۱۷۱۷ء
محمد منظور نعمانی: تذکرۂ مجدد الف ثانی، مطبوعہ لکھنو، ۱۳۷۸ء/ ۱۹۵۸ء
محمد یٰسین، ڈاکٹر: اے سوشل ہسٹری آف اسلامک انڈیا، مطبوعہ لکھنو ۱۳۷۸ھ/ ۱۹۵۸ء
محمد ہاشم خافی خان: منتخب اللباب (ترجمہ اردو) مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء

محمد ہاشم کشمی، خواجہ: زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء
مصطفٰے رضا خاں، مولانا: مقتل کذب وکید، مطبوعہ بریلی، ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۳ء
مینوکی نکولس: فسانۂ سلطنت مغلیہ، مطبوعہ آگرہ، ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۱۳ء
نظام الدین: طبقات اکبری، مطبوعہ آگرہ، ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء
نظامی بدایونی: قاموس المشاہیر، جلد اول، مطبوعہ دہلی، ۱۹۲۴ء
وکیل احمد سکندر پوری: ہدیۂ احمدیہ، مطبوعہ دہلی، ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۱ء
ہاشمی فرید آبادی: تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت، جلد اول، مطبوعہ کراچی
یوحنا فریڈمین: شیخ احمد سرہندی، مطبوعہ لندن، ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء
(ماخوذ از افتتاحیہ، تجلیات امام ربانی، محمد عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۸ء)

☆......☆......☆

فہرست مجموعہ شریفہ رسائل سبعہ

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی رحمۃ اللہ تعالیٰ و رضی عنہ

این مجموعۂ شریفہ در سنہ ۱۲۶۷ ہجری نوشتہ شدہ است

و پیر و مرشد برحق سیدنا الوالد حضرت شاہ محی الدین عبد اللہ ابو الخیر بن حضرت شاہ

محمد عمر بن حضرت شاہ احمد سعید بن حضرت شاہ ابو سعید بن حضرت صفی القدر

بن حضرت عزیز القدر بن حضرت شیخ سیف الدین بن حضرت العروۃ الوثقیٰ

خواجہ محمد معصوم بن امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی قدس اللہ اسرارہم در سنہ ۱۳۰۹ ھ

خریدہ بہ تصرف و ملک خود درآوردہ ... این فقیر ابوالحسن زید و وارثہ رسید

حضرت سیدنا ... عبد اللہ ابو الخیر ... مع الاولاد والمتعلقین بہ آبا ۔ آمین ۔

رسالہ مبدأ و معاد

[illegible]

رب یسر بسم اللہ الرحمن الرحیم و تمم بالخیر

الحمد للہ فی المبدأ والمعاد والصلوٰۃ علی حبیبہ محمد وآلہ الامجاد اما بعد فہذہ رسالۃ شریفۃ متضمنۃ لاشارات لطیفۃ ورائقۃ واسرار دقیقۃ فائقۃ للامام الہمام حجۃ اللہ علی الانام قدوۃ الاقطاب والاوتاد وقبلۃ الابدال والافراد کاشف اسرار السبع المثانی المجدد الالف ثانی الاویسی الرحمانی شیخ الاسلام والمسلمین شیخنا وامامنا الشیخ احمد الفاروقی الحنفی النقشبندی لازال شموس ہدایتہ علی افق الملک ساطعۃ والناس فی ریاض افادتہ راتعۃ واللہ المستعان والیہ التکلان

منہا درویشی را ہوس این راہ پیدا شد عنایت خداوندی جل سلطانہ اورا بیکی از خلفای خانوادہ حضرت خواجہا قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم رسانید واز آنجا طریق این بزرگواران را اخذ کردہ ملازم صحبت آن عزیز گشت ببرکت توجہ آن بزرگ

۴۲

رسالہ المعارف لدنیہ

یا علیم

رب یسر بسم اللہ الرحمن الرحیم وتمم بالخیر

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی وعلی نبیہ المجتبی ورسولہ المصطفی محمد ن المبعوث الی کافۃ الوری وعلی آلہ واصحابہ البررۃ التقی والصلوۃ والتحیۃ علیہ وعلیہم فی الآخرۃ والاولی ہذہ علوم الہامیۃ ومعارف لدنیۃ سود ہا الفقیر الی رحمۃ الغنی الولی احمد بن عبد الاحد الفاروقی النقشبندی رحمۃ ورضی عنہ الالہ واوصلہ سبحانہ الی غایۃ مایتمناہ معرفت لفظ مبارک اللہ مرکب از الف ولام است کہ از جملہ آلات تعریف است واز لفظ ہا کہ او نیز از جملہ معارف است واین مجموع علم ذات واجب الوجود است عز سلطانہ پس درین اسم مبارک سہ نوع از اسباب تعریف جمع گشتہ پس گویا در اجتماع این اسباب تعریف با وجود کفایت ہر سببے از آن در تعریف اسما اشارت است بآنکہ مسمی این اسم اعظم جل شانہ لکمال عظمتہ وعلو درجتہ ورفعۃ منزلتہ بہیچ وجہ معرف نمیشود وبہیچ طریق معلوم نمی گردد چہ اگر

۱۳۴

رسالهٔ مکاشفات غیبیه

هو العلیم الخبیر

رب یسر بسم الله الرحمن الرحیم وتمم بالخیر

سبحان من لا یصل حمد حامد قدس ذاته بل منتهی المحامد دون سرادقات عزة
اسمائه وصفاته سبحانک یا من لیس لک ثناء علی نفسک الا انت فانت اظهر الا
والمحمود وغیرک عاجز عن ادایه المقصود بحمدک یا من خصصت حبیبک صاحب
المقام المحمود بحظ وافر من الحمد فی الیوم الموعود صل اللهم علیه کما هو اهله بعدد
شاهد ومشهود فنحن کما عجزنا عن اداء الحمد عجزنا عن ایتان الصلوة المع
فکل منهما موکول الیک واداء حقهما لیس الا من لدیک وعلی آله واصحابه الفا
بکمال متابعته البالغین الی درجات ولایته وسلم تسلیما کثیرا کثیرا اما بعد کموده
می آید که در سال یکهزار و پنجاه و یک ورقی چند از مسودات قدسی آیات حضرت
المحققین اسوة الواصلین حجة الله تعالی فی العالمین ملجاء القطب والنجبا
ملاذ الافراد والبدلا صاحب الولایة الاصلیة خازن الرحمة الالهیة الوارث
الکامل العالم المتکلم المحدث الامام الامام الربانی والحبر

۵۱

بسم الله الرحمن الرحيم وتمم بالخير

فان قلت لابد من تقدير خبر لا فان كان تقديره لا اله موجود الا الله لا يفيد عدم امكان
اله آخر وان كان تقديره لا اله ممكن الا الله لا يدل على وجود المستثنى وكلاهما باطلان قلنا
نختار الاول كما هو المشهور في تقدير خبر لا ونمنع بطلان تاليه فان عدم امكان اله آخر
امكان مما يجب ان نعتقده لكن لا يجب ان يدل كلمة التوحيد على كل ما هو كذلك فمن الجائز
ان اكتفاء منها على الدلالة بان ليس في الوجود اله الا الله سبحانه لما هو المقصد والعمدة في
هذا المطلب فان قلت لا حاجة الى اثبات خبر لا في لغة بني تميم على ما نقله ابن الحاجب
من انهم لا يثبتون خبرها قلنا هو غير معتمد عند المحققين حتى قال الاندلسي لا ادري
اين نقله ولعله مقالة وقال والحق ان بني تميم يحذفونه وجوبا اذا كان جوابا عن السوال
او قامت قرينة دالة عليه واذا لم يقم فلا يجوز حذفه راسا اذ لا دليل عليه بل بنو تميم اذن
كاهل الحجاز في ايجاب الاتيان به والله اعلم قال السيد السند في حواشيه على الكشاف
كما تاهت العقلاء في ذاته تعالى وصفاته لاحتجابها بانوار العظمة تحيروا ايضا
في لفظ الله كانه انعكس اليه من تلك الانوار اشعة تحيرت اعين المستبصرين فاختلفوا
اسرياني هو ام عربي اسم او صفة مشتق ومم اشتقاقه او غير مشتق علم او غير علم قيل اصله
الاله حذفت الهمزة وعوض عنها الالف واللام ولذلك قيل يا الله بالقطع فان قلت
ما شان هذه الهمزة قطعت في الله او وصلت في غيره قلنا تجردت للتعويض في الله

رباعی

آنجا که کمال کبریای تو بود
عالم نمی از بحر عطای تو بود
ما را چه حد حمد و ثنای تو بود
هم حمد و ثنای نه سزای تو بود

۲۱۶

رباعی

من کیستم اندر چه شمارم چه کسم
با همرهی سگانش باشد هوسم
در قافله که اوست دانم نرسم
این بس که رسد ز دور بانگ جرسم

وهو الحکیم

بر دو از حضرت خواجه محمد باقی الله قدس الله سره

رساله شرح رباعیات

رب یسر بسم الله الرحمن الرحیم وتمم بالخیر

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین وآله واصحابه الطاهرین اجمعین ۞ اما بعد معلوم می آید که این مسودات در شرح بعضی از رباعیات مشرحه که شیخنا ومولینا واستاذنا فی الطریقة وامامنا فی الوصول الی الحقیقة هادی طریق اندراج النهایات فی البدایات مؤید الدین الرضی شیخنا الشیخ محمد الباقی النقشبندی قدس الله تعالی سره الاقدس املا فرموده اند واسرار غامضه در آنجا درج نموده فمن تلک الرباعیات قد بهشه رباعی سبحان الذی جدا متعال عالی ز تصور و مبرا ز خیال ۞ از نور لطافتش ضمائر مشحون ۞ و ز سر سرایتش جهان مالامال ۞ این رباعی جامع تنزیه و تشبیه است بیت اول سراسر تنزیه است و بیت ثانیش تشبیه چه آنچه از تصور عالی است و مبرا از خیال مقام تنزیه است، آنچه ضمائر و قلوب از آن مشحون است و سرایت و معیت در آن

منظور

۲۴۲

رسالهٔ رد روافض

هو العليم

بسم الله الرحمن الرحيم وتمم بالخير

[illegible] طيباً مبارکاً عليه وکما يحب ربنا ويرضى والصلوة على سيدنا
محمد اکرم البشر المبعوث الى الاسود والاحمر کما يناسب لعلو شانه ويحرى وعلى
الخلفاء الراشدين المهديين وذريته واهل بيته الطيبين الطاهرين وسائر
اصحاب المرضيين کما يليق بمراتبهم العظمى ودرجاتهم العليا اما بعد ميگويد
کمترين بنده که محتاج است برحمت خداوند واحد صمد خادم [illegible] علماء اهل سنت
وجماعت احمد بن عبد الاحد العمری الفاروقی نسباً والسرهندی مولداً ووطناً
والحنفی ملةً ومذهباً که ديار هندوستان هرچند از سائر ممالک دار اسلام متأخر
است واز اصحاب کرام هيچ يکی باين اقليم تشريف نياورده اند اما از آن آوان
که اسلام درانجا ظاهر شده است وسلاطين اسلام استيلا يافته اند ومشايخ عظام

الرسالة في تحقيق النبوة

رب يسر بسم الله الرحمن الرحيم وتمم بالخير

الحمد لله الذي ارسل رسوله بالهدى وانزل عليه الكتاب ولم يجعل له عوجا قيما لينذر باسا
شديدا من لدنه ويبشر المومنين الذين يعملون الصالحات ان لهم حسنا فاكمل
لعباده دينهم واتم عليهم نعمته ورضي لهم الاسلام دينا وختم به الانبيا والرسل المبعوثين
الى الخلق بالآيات الباهرة والمعجزات العظمى ليسلمهم اليهم تسليم العميان الى القائد
وتسليم المرضى المتحيرين الى الاطبا المشفقين فوائد ومنافع العقل معزول عنها
وجعله افضل الانبيا واكرم الرسل واعدلهم ملة واقومهم دينا وشرعا هو الذي اخبر
سبحانه عن اعتدال حاله ومرتبته كماله بقوله ما زاغ البصر وما طغى لقد راى من آيات
ربه الكبرى محمد بن المبعوث الى كافة الورى ليدعوهم الى تنزيهه وتوحيده ويكملهم
في قوتهم العلمية والعملية ويعالج لقلوبهم المرضى صلى الله عليه وعليهم صلوة هو لها اهل
وعلى آله واصحابه الذين هم نجوم الهدى ومصابيح الدجى ما تعاقب الظلم والضيا وسلم
تسليما كثيرا اما بعد فيقول العبد المفتقر الى رحمة الولي المعين احمد بن عبد الاحد زين العابدين

جاتهم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تصانیف امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی
......تحقیقی وتنقیدی جائزہ

پروفیسر سید خورشید حسین بخاری

☆☆

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی کو بے اندازہ صلاحیتوں سے نوازا تھا اور آپ کے سلسلۂ عالیہ میں بے پناہ وسعت دی تھی، اور آپ کی تحریر میں روانی اور زبان میں اثر بخشتا تھا۔ آپ جس دور میں بـ [illegible] اس میں آزادروی اور مذہب سے بے اعتنائی عام ہوگئی تھی۔ اور اس روش کو عام کرنے میں بادشاہ جلال الدین ''اکبر'' کا ہاتھ تھا۔ چنانچہ اکبری دور کے فتنوں سے اپنے متوسلین کو خصوصاً اور عوام الناس کو عموماً محفوظ رکھنے کے لیے آپ نے اپنے اشہبِ قلم سے خوب کام لیا۔ اور اس طرح ایسے شاہکار وجود میں آگئے کہ ادب اور تصوف میں ان کا نام رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ آپ کی تصانیف کا ایک ایک لفظ معرفت کا خزانہ ہے۔ علم وعرفان اور اسرار ومعارف کے بحرِ بیکراں ان میں موجود ہیں۔ یہ تصانیف ہر زمانے کے افراد کی نہ صرف حسبِ حال اور حسبِ اقتضا روحانی تربیت کے لیے کافی ہیں۔ بلکہ ان سے بہت سے مذہبی معاملات طے کرنے میں بھی مدد لی جاسکتی ہے اور ان میں تسکین روح کا سامان تلاش کا جاسکتا ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت مجدد کی سب سے بڑی کرامت ان کے صاحبزادے اور ان کی تصانیف ہیں[1]۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی فرماتے ہیں کہ

> جو معارف حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر مکشوف ہوے وہ تین قسم کے ہیں۔ اول وہ جن کا ذکر آپ نے کسی سے نہیں کیا۔ اور نہ انہیں

سلکِ تحریر وتقریر میں ہی منظم کیا ہے۔ دوسرے وہ، جو آپ نے اپنی اولا د امجاد سے بیان فرمادیے اور تیسرے، وہ جو اپنے عام عقیدت مندوں اور متوسلین کو ارشاد فرمائے اور انہیں تحریر بھی کیا ہے۔، چنانچہ مکتوب شریف کی تین جلدیں اور سات رسالے ایسے ہی مکشوفات سے مملو ہیں[۲]۔

مولانا زوّار حسین شاہ لکھتے ہیں کہ

ان تصانیف کے متعلق عرض کرنا کچھ آسان کام نہیں۔ اس لیے کہ وہ معرفت وتجلیات کے انوار، شریعت وطریقت کے اسرار، علم وعمل کا خزینہ اور کشف وکرامات کا گنجینہ ہیں۔ لیکن ان تصانیف عالیہ میں نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود کے لیے راہِ عمل اور اخلاق وحسنات کے ایسے گوہر بے بہا ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہر فرد بشر اسلام کا والہ وشیدا اور حق سبحانہ وتعالیٰ کا محبوب بندہ بن سکتا ہے۔ اور دنیا وآخرت کی دولت سے مالا مال ہوسکتا ہے[۳]۔

مختلف تذکروں میں حضرت مجدد الف ثانی کی تصانیف میں حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں۔

۱۔ اثبات النبوّۃ[۴]
۲۔ رسالہ تہلیلیہ[۵]
۳۔ ردِّ روافض[۶]
۴۔ شرح رباعیات[۷]
۵۔ معارف لدنیہ[۸]
۶۔ مبداء ومعاد[۹]
۷۔ مکاشفات عینیہ مجددیہ (مکاشفات غیبیہ)[۱۰]
۸۔ مکتوبات امام ربانی (سہ دفتر)[۱۱]
۹۔ رسالہ جذب وسلوک[۱۲]
۱۰۔ تعلیقات عوارف المعارف[۱۳]
۱۱۔ رسالہ آداب المریدین[۱۴]
۱۲۔ رسالہ اثبات الواجب[۱۵]
۱۳۔ رسالہ علم حدیث
۱۴۔ رسالہ حالاتِ خواجگان نقشبند

ان تصانیف میں سے اوّل الذکر آٹھ زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہیں۔ باقی تصانیف کا ذکر تذکروں میں ملتا تو ہے لیکن آج تک کسی نے ان کے قلمی یا مطبوعہ نسخہ کا ذکر نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت

شاہ غلام علی کا قول ہی درست معلوم ہوتا ہے اور یہی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آپ کی آٹھ ہی تصانیف ہیں۔ اگر کسی تذکرہ نویس نے اول الذکر آٹھ تصانیف کے علاوہ کسی دوسری تصنیف کا ذکر کیا ہے تو اسے بوجہ اشتراک نفسِ مضمون کتابوں کے ناموں میں تسامح ہوا اور اس نے نئے نام سے ایک نئی کتاب کا اضافہ کردیا۔ یا مؤخر الذکر چھ کتب دست بردِ زمانہ کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکیں اور ہم تک نہ پہنچ پائیں۔ ان تصانیف میں سے ہر ایک پر ذیل میں اظہار خیال کیا جاتا ہے:

۱......اثبات النبوّۃ:

بعض تذکروں میں رسالہ ''اثبات النبوۃ'' کا نام ''تحقیق النبوۃ'' بھی لکھا ہے۔ یہ رسالہ عربی زبان میں لکھا گیا ہے۔ اور حضرت مجدد الف ثانی کی موجودہ تصانیف میں سے سب سے پہلی اور اس لحاظ سے قدیم ترین تصنیف ہے۔ رسالے میں کسی جگہ بھی سال تصنیف نہیں دیا گیا۔ لیکن مندرجات سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ ۹۹۰ھ کے قریب لکھا گیا ہے۔ اور اگر یہ سمجھا جائے کہ مکتوبات امام ربانی اور حضرت مجدد کی بعض دیگر تصانیف کی طرح اس رسالے کا نام بھی تاریخی ہے تو اس کا سال تصنیف ۹۸۹ھ بنتا ہے اور اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مجدد نے اسے اٹھارہ سال کی عمر میں مکمل کر لیا تھا۔ جبکہ آپ سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد سر برآمد علمائے روزگار اور سر برآوردہ فضلائے نامدار ہو گئے تھے۔ اور اپنے والد ماجد کی زندگی میں ہی کُتبِ درسیہ کی تعلیم اور طریقہ کی تلقین فرمانے لگے تھے۔[16]

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس رسالے میں اثباتِ نبوت پر بہت جامع اور تحقیقی بحث کی گئی ہے۔ یہ رسالہ ایسے وقت میں لکھا گیا جب کہ اکبر کے درباری خوشامدیوں اور حواریوں نے اسے مکمل طور پر اپنے شکنجے میں جکڑ لیا تھا۔ چنانچہ سرعام شعائرِ اسلامی کا مذاق اڑایا جانے لگا۔ نماز، روزہ اور شعائرِ اسلام کو تقلیدات یعنی عقل کے خلاف سمجھا جانے لگا۔[17]

ابوالفضل کی نگرانی میں محل کے اندر ایک آتش کدہ تیار کرایا گیا۔[18] نصاریٰ کی طرح ناقوس، صُورِ تثلیث اور ان کی تفریحیں اکبر کا وظیفہ تھیں۔[19] برہما، مہادیو، بشن، کشن، مہامائی وغیرہ کی تعظیم کی جاتی،[20] بادشاہ مظاہرِ فطرت کی پوجا کرتا[21] خنزیر اور شیر کا گوشت مباح قرار دیا گیا[22] تناسخ پر یقین کیا گیا۔[23] عربی پڑھنا عیب سمجھا گیا[24]۔ قرآن کو مخلوق، وحی کو محال، معراج اور شق القمر کو غلط کہا گیا[25]۔ احمد، محمد اور مصطفیٰ جیسے نام تبدیل کیے جانے لگے،[26] ہندو مزاج مسلمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر ہو گئے اور

عیسائی مبلغوں نے نعوذ باللہ دجّال کی صفات کو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈھالنا شروع کر دیا[۲۷]۔
مُلّا مبارک ناگوری نے ۹۸۷ھ میں ایک محضر نامہ تیار کیا۔ جس میں اکبر کو درجۂ اجتہاد پر فائز کیا تھا اور فیضی نے فارسی اشعار میں خطبۂ جمعہ تیار کیا تھا اور اکبر کو خلیفۃ الزماں قرار دیا تھا[۲۸] ابوالفضل اور فیضی بلکہ ان کے باپ مُلّا مبارک ناگوری کی وجہ سے دین اور پھر نبوت پر اعتراضات ۹۸۷ھ میں شروع ہو چکے تھے اور بے دین مصنفین نے اپنی تصانیف سے نعت خارج کر دی تھی[۲۹]۔

انہی دنوں میں حضرت مجدد الف ثانی کی آمد و رفت فیضی اور ابوالفضل کے یہاں تھی...... ایک دفعہ حضرت مجدد الف ثانی ابوالفضل کی مجلس میں حاضر تھے۔ اس وقت ابوالفضل نے فلسفیوں اور ان کے علوم کی تعریف شروع کی اور اس میں اس طرح مبالغہ کیا کہ علمائے اسلام کی توہین مفہوم ہوتی تھی۔ حضرت شیخ سلمہ اللہ تعالیٰ سے نہ رہا گیا اور انہوں نے فرمایا کہ امام غزالی قدس سرہٗ نے رسالہ المنقذ من الضلال میں لکھا ہے، کہ جن علوم کی ایجاد کا دعویٰ فلسفی کرتے ہیں۔ ان میں سے جو کام کے ہیں مثلاً ہیئت، نجوم، طب وہ انہوں نے قدیم انبیاء کی کتابوں اور ان کے کلام سے چرائے ہیں اور جو ان کی اپنی ایجاد ہیں مثلاً ریاضی وغیرہ وہ کسی دینی کام کے نہیں۔ ابوالفضل یہ سن کر جوش میں آ گیا اور کہنے لگا کہ غزالی نے نامعقول بات کہی ہے۔ حضرت شیخ نے اس بات سے بڑا برا منایا۔ فوراً ابوالفضل کی مجلس سے اٹھے اور فرمایا کہ اگر اہل علم کی صحبت کا شوق ہے تو اس طرح بے ادبی کے الفاظ زبان سے نہیں نکالنے چاہییں[۳۰]۔

یہ وہ محرکات تھے، جنہوں نے حضرت مجدد الف ثانی کو رسالہ اثبات النبوۃ لکھنے پر آمادہ کیا تا کہ وہ امتِ مسلمہ کو بتا سکیں کہ نبوت کا مقام و مرتبہ کیا ہے اور اس کی ضرورت کیوں ہے؟ اور جس انداز سے انہوں نے ایک اہم سوال کا جواب لکھا ہے کہ کیا انسانی رہنمائی کے لیے عقل کافی ہے یا نبوت کی ضرورت ہے۔ وہ انہی کا حصہ ہے۔ اسمیں عالمانہ شان بھی ہے اور ادیبانہ انداز بھی۔

ملا عبدالقادر بدایونی کو اپنی حق پرستی اور صاف گوئی کے لیے مؤرخوں کے ایک گروہ نے مطعون کیا ہے۔ لیکن اگر وہ حضرت مجدد الف ثانی کے اس رسالے کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ اگر بدایونی نے شرح و بسط کے ساتھ اکبری دور کے ''الحاد'' اور زندقہ'' کو طشت از بام کیا ہے تو ایسی چیز کو حضرت مجدد الف ثانی نے نہایت متانت، اختصار، دلائل، علمیت اور جامعیت کے ساتھ اس رسالے کے ابتدائی

صفحات میں بیان کر دیا ہے۔ دونوں میں فرق صرف طرزِ تحریر اور اندازِ بیان کا ہے۔ مگر مطمح نظر دونوں کا ایک ہے یعنی ''فتنہ ہائے امت'' کا ذکر۔ رسالہ اثبات النبوۃ میں حضرت مجدد الف ثانی نے تمہید کے طور پر لکھا ہے:

بعد حمد وصلوٰۃ کے ''اللہ'' جو ولی اور مددگار ہے، اس کی رحمت کا محتاج احمد بن عبدالاحد بن زین العابدین (اللہ سبحانہٗ انہیں نامناسب اور عیب دار کرنے والے امور سے محفوظ رکھے) کہتا ہے کہ جب میں نے اس زمانے میں لوگوں کے اعتقاد میں اصل نبوت کے متعلق فتور دیکھا اور لوگوں میں اس کا شائع ہونا متحقق ہو گیا۔ یہاں تک کہ شرائع کی پیروی اور رسولوں پر یقین میں پختہ ہونے کی وجہ سے ہمارے زمانے کے بعض جابروں نے بہت سے علماء کو مختلف سختیاں اور ایذائیں پہنچائیں۔ جن کا ذکر مناسب نہیں۔ بہت سے علمائے اہل اسلام قتل کر دیے گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس مجلس میں خاتم الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کے نام کی تصریح ترک کر دی گئی اور جس کا یہ اسم شریف رکھا گیا تھا۔ اس کے نام کو تبدیل کر کے دوسرا نام رکھا گیا۔ گائے کا ذبح کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ یہ ہندوستان میں بڑے شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ مساجد اور مسلمانوں کے مقابر ویران کر دیے گئے۔ کفار کی عبادت گاہوں اور انکے رسوم وعبادات کے دنوں کی تعظیم کی گئی۔
مختصر یہ کہ اسلام کے شعائر اور اس کی علامتیں باطل قرار دی گئیں اور کفار کے رسوم اور انکے ادیانِ باطلہ رائج کیے گئے۔ حتیٰ کہ کفارِ ہند کے احکام ظاہر کیے گئے۔ اور اسے ان کی زبان سے فارسی زبان کی طرف منتقل کیا گیا۔ تاکہ اسلام کے سارے آثار مٹا دیں۔ اور میں نے جان لیا کہ شک اور انکار کا مرض وسیع تر ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ علاج کرنے والے بھی مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اور مخلوق ہلاکت کے قریب ہو گئی ہے نیز میں نے لوگوں کے عقیدے کی تلاش کی اور ان سے ان کے

شبہات دریافت کیے اور انکے رازہائے درون اور عقائد کی کرید کی تو انکے فتور اعتقاد اور ضعف ایمان کا سبب عہد نبوت کی دوری، علم فلسفہ کی مشغولیت اور حکمائے ہند کی کتابوں کے سوا کچھ نہ پایا اور میں نے بعض لوگوں سے مناظرہ کیا۔ جنہوں نے علمِ فلسفہ پڑھا تھا اور کافروں کی کتابوں سے بہرہ یاب ہو کر فضل وفضیلت کے مدعی ہو گئے تھے اور لوگوں کو گمراہ کیا اور اصل نبوت کے تحقق اور ایک خاص شخص کیلیے اس کے ثبوت میں خود بھی گمراہ ہو گئے اور یہاں تک کہنے لگے کہ نبوت کا حاصل حکمت اور مصلحت ہے خلق کے ظاہری حالات کی اصلاح ہے اور عوام کی شہوات میں آزادہ روی، باہمی نزاع اور اختلافات سے محفوظ رکھنا ہے اور اس کو نجاتِ اخرویہ سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اس کا تعلق صرف تہذیب الاخلاق اور قلبی اعمال کے ان فضائل کی تحصیل سے ہے جنہیں علماء نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور اسی کو کما حقہ، بیان کیا ہے[۳۱]۔

چنانچہ میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور میرے سینے میں جم گئی کہ میں ان کے لیے ایسی تقریر کروں جو ان کے شکوک دور کر دے اور ان کے لیے ایسی بات لکھوں جو ان کے شبہے کو زائل کر دے[۳۲]۔

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

جب میں نے دیکھا کہ یہ میری ذات پر ایک حق واجب ہے اور ایک لازمی فرض ہے جو بغیر ادائیگی کے ساقط نہیں ہوتا تو میں نے ایک رسالہ کی تالیف کی اور ایک مقالہ لکھا۔ اصل نبوت کا مطلب ثابت کرنے میں۔ پھر خاتم الرسل (علیہ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التحیات اکملہا) کے حق میں اس کے ثبوت اور تحقق کے بیان میں اور منکرین اور اس کی نفی کرنے والوں کے شبہہ کے رد میں اور فلسفہ کی مذمت اور ان کے علوم کی ممارست اور ان کی کتابوں کے مطالعے سے جو ضرر حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بیان میں ایک مقالہ دلائل و براہین کے ساتھ لکھا۔ جو

میں نے لوگوں کی کتابوں سے اخذ کیے اور اس پر اضافہ اور الحاق کیا۔
جو میرے درماندہ دل پر ظاہر ہوا۔ اللہ ملک الجلیل کی مدد سے [۳۳]۔

رسالہ اثبات النبوت کے مضامین یہ ہیں، نبوت کے معنی کی تحقیق، منکرین کے اعتراضات اور ان کے جوابات، معجزہ کے معنی اور اس کے شرائط، اثباتِ نبوت حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اعجازِ قرآن۔

رسالہ اثبات النبوت، ایک مقدمہ اور دو مقالوں پر مشتمل ہے مقدمہ میں دو بحثیں ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے:

مقدمہ:	پہلی بحث، نبوت کے معنی کی تحقیق میں۔
دوسری بحث:	معجزہ میں
پہلا مقالہ:	اس کے دو مسلک ہیں۔
پہلا مسلک:	بعثت اور نبوت کی حقیقت
دوسرا مسلک:	خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات میں
دوسرا مقالہ:	فلاسفہ کی مذمت میں اور ان کے علوم کی ممارست اور ان کتابوں کے مطالعے سے جو ضرر حاصل ہوتا ہے اس کے بیان میں۔

رسالہ اثبات النبوت کے قلمی نسخے حضرت مجدد کے دیگر رسائل کے مجموعے کے ساتھ بعض جگہ موجود ہیں۔ مثلاً رباطِ مظہریہ مدینہ منورہ' حضرت محمد صادق مجددی کابلی مدینہ منورہ، حضرت محمد ہاشم جان مجددی ٹنڈو سائیں داد (حیدر آباد) خانقاہِ سراجیہ کندیاں (ضلع میانوالی) خانقاہِ مظہریہ دہلی وغیرہ۔

تاہم اعلیٰ کتب خانہ ناظم آباد کراچی نے ۱۳۸۳ھ میں اسے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے مقدمے اور اردو ترجمہ کے ساتھ پہلی مرتبہ شائع کیا۔ پھر ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے ساتھ صرف اصل متن بغیر اردو ترجمہ کے شائع کیا۔ ۱۹۷۶ء میں ترکی سے حسین حلمی ایشیق نے بھی اصل متن بغیر اردو ترجمہ کے شائع کیا۔

اب تک جو نسخے طبع ہو چکے ہیں ان میں (بلکہ بقول شیخ محمد اکرام قلمی نسخوں میں سے) بھی کسی میں دوسرا مقالہ موجود نہیں [۳۴]۔

عام کتابی سائز کے چوالیس صفحات پر مشتمل رسالہ اثباۃ النبوۃ کا اندازِ بیان علمی و ادبی ہے اور طرزِ تحریر میں دلکشی اور جاذبیت ہے، سترہ سال کی عمر، میدانِ تصنیف و تالیف میں نو وارد، عرصۂ تدریس میں کم تجربہ ایسے عوامل ہیں کہ ایک مصنف سے ایسے علمی معیار کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی کے اس رسالے میں نظر آتا ہے۔ یہ خداداد ذہانت اور فطری ذکاوت کا نتیجہ ہے کہ ایک اہم علمی اور دینی مسئلے کو سلجھانے اور اسے عوام الناس کے ذہنوں میں راسخ کرنے کے لیے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ تمام نکات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ موضوع کے لحاظ سے تحریر میں بحث و مناظرہ کی رنگ آمیزی کا ہو جانا یقینی بات تھی۔ لیکن اس کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی کی تحریر پایۂ ثقاہت اور فصاحت و بلاغت سے گرنے نہیں پائی اور خوش اخلاقی سنجیدگی اور متانت جو ایک بلند مرتبہ بزرگ کے قول، کردار اور تحریر و تقریر میں ہونی چاہیے۔ اس رسالے میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی اپنے منصب اور مشن سے بخوبی واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے جذباتیت کے بجائے فکرِ بلند کا معیار برقرار رکھا ہے اور اپنی باقی تصانیف کی طرح فصیح و بلیغ اندازِ بیان کے جلو میں اپنے موقف کو پوری وضاحت اور قوی دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔

۲......رسالہ تہلیلیہ

یہ رسالہ بھی عربی زبان میں ہے۔ اور عام کتابی سائز کے اکیس صفحات پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں مصنفِ علام نے کلمۂ طیبہ کے معارف بیان فرمائے ہیں۔ اسے بھی ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے ۱۳۸۴ھ میں مع اردو ترجمہ طبع کرایا ہے اور اس کا تاریخی نام "معارف لآ الٰــــہ الا اللہ مُحَــمّدرَسول اللہ" (۱۰۱۰ھ) رکھا ہے۔ اس کے بعد اس رسالہ کا صرف عربی متن دیگر رسائل مجددیہ کے ساتھ ۱۳۸۵ھ میں ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے شائع کیا۔ اس رسالے کے قلمی نسخے بعض جگہ موجود ہیں۔ مثلاً مولانا محمد ہاشم جان مجددی ٹنڈو سائیں داد (سندھ) رباط مظہریہ مدینہ منورہ، محمد صادق مجددی کابلی سابق سفیر افغانستان برائے مصر و حجاز اور خانقاہ سراجیہ کندیاں (پنجاب)

یہ رسالہ ۱۰۱۰ھ میں نہیں لکھا گیا۔ جیسا کہ بعض تذکرہ نویسوں کا خیال ہے [۳۵] یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۱۰۰۷ھ کے آخر میں لکھا گیا۔ کیونکہ اول۔ زبدۃ المقامات کے مصنف نے اس رسالے کا ذکر ان

رسائل کے ضمن میں کیا ہے جو حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضری (ربیع الآخر ۱۰۰۸ھ) سے پہلے لکھے گئے[۳۶] دوسرے اس میں حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد کی ایک تصنیف کنز الحقائق کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے والد ماجد کے نام کے ساتھ "قدس سرہٗ" لکھا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسالہ کی تصنیف کے وقت حضرت شیخ عبدالاحد (م۔ ۱۷ رجب ۱۰۰۷ھ) وصال فرما چکے تھے۔ تیسرے، اس تصنیف میں حضرت شیخ عبدالاحد کے علاوہ بیعت سے دوسرے مشائخ سلسلۂ چشتیہ اور وحدت الوجودی صوفیہ کی تصانیف سے استفادہ کیا گیا ہے اور ان سے اقتباسات دیے گئے ہیں۔ لیکن بزرگان نقشبندیہ میں سے کسی کا ذکر نہیں۔ جبکہ حضرت خواجہ باقی باللہ سے بیعت کے بعد حضرت مجدد الف ثانی کی تصانیف میں ان کا ذکر آ جاتا ہے۔ مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی مدظلہ لکھتے ہیں کہ حضرت مخدوم کی وفات کے بعد آپ حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے اور سلسلۂ نقشبندیہ کے فیوضات سے سرشار ہوئے۔ حضرت خواجہ سے وابستگی کے بعد آپ کی ہر تحریر میں نسبت نقشبندیہ موجیں مار رہی ہے۔ لیکن رسالہ تہلیلیہ اس سے معرّیٰ ہے۔ یہی کیفیت رسالہ اثبات النبوت اور رسالہ ردشیعہ کی ہے۔ یہ تینوں رسالے سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہونے سے پہلے تالیف ہوئے ہیں[۳۷]۔"

رسالہ تہلیلیہ اکبری دور کے اس حصے میں لکھا گیا۔ جبکہ اکبری عہد کی بدعات زوروں پر تھیں اور بادشاہ اپنی عمر کے آخری حصے میں پہنچ کر دین الٰہی کے نفاذ میں متشدد ہو گیا تھا۔ چنانچہ بقول عبدالقادر بدایونی نماز، روزہ اور شعائرِ اسلام کو تقلیدات یعنی عقل کے خلاف سمجھا گیا[۳۸]۔ دیوان خانے میں کسی کی مجال نہ تھی کہ اعلانیہ نماز ادا کر سکے[۳۹]۔ دین الٰہی میں داخل ہونے کے متعلق مریدوں سے باضابطہ بیعت لی جاتی تھی اور لاالٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ اعلانیہ پڑھا جاتا تھا۔ ساتھ ہی ایک معاہدہ نامہ کا اقرار کرنا پڑتا تھا جس کی رو سے اس مذہب میں داخل ہونے والا شخص اسلام سے علیحدگی اختیار کر لیتا تھا[۴۰]۔ عقیدہ تناسخ کو دین الٰہی کا جزو بنایا گیا[۴۱]۔

رسالہ تہلیلیہ کے مضامین حسب ذیل ہیں:

لفظ اللہ کی تحقیق، لفظ اللہ کے لطائف، دلیل توحید، کلمہ طیبہ کے فضائل، توحید صوفیہ، وجود باری تعالیٰ کی حقیقت، وجود باری تعالیٰ کے بارے میں فلاسفہ اور صوفیہ کی متفقہ رائے، وجود باری تعالیٰ کے بارے میں فلاسفہ کے دلائل، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دلائل، معجزۂ قرآن کریم، معجزۂ نبوت کی دلیل ہے وغیرہ۔

رسالہ تہلیلیہ کے مذکورہ بالا مباحث میں سے بعض حضرت مجدد کی تصنیف معارف لدنیہ اور مکتوبات شریفہ (مکتوب نمبر ۹ ج ۲) میں بھی مذکور ہیں اور اس رسالے میں حضرت مجدد الف ثانی نے ایک جگہ اپنی تصنیف رسالہ اثبات النبوۃ کا ذکر بھی کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ تہلیلیہ، رسالہ اثبات النبوۃ کے بعد لکھا گیا۔ چنانچہ رسالہ تہلیلیہ کی نوعیت علمی اور تحقیقی ہے، یہی وجہ ہے کہ رسالہ تہلیلیہ اور رسالہ اثبات النبوۃ میں کئی چیزیں مشترک ہیں۔ مثلاً رسالہ تہلیلیہ کے آخری حصے کا موضوع بھی وہی ہے۔ جو اثبات النبوت کے ایک جزو کا ہے۔ چنانچہ اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض عبارتیں (باختلاف خفیف) دونوں رسالوں میں مشترک ہیں۔ رسالہ تہلیلیہ اور رسالہ اثبات النبوت میں ایک نمایاں فرق ان کے انداز بیان کا ہے۔ اگرچہ مصنف نے دونوں رسالوں کی علمی سطح برقرار رکھی ہے۔ لیکن بحث کا جو انداز رسالہ اثبات النبوت میں ہے وہ رسالہ تہلیلیہ میں مفقود ہے۔ اثبات النبوت میں فاضل مصنف کی شخصیت ایک عالم کی حیثیت سے ابھرتی ہے۔ جبکہ رسالہ تہلیلیہ میں اس عالم کی زندگی میں انقلاب نظر آتا ہے اور وہ عالم کی نسبت صوفی زیادہ نظر آتا ہے۔ ہماری نظر میں اس امتیاز کی تین وجوہات ہیں۔ اول یہ کہ دونوں رسالوں کے نفس مضمون اور نوعیتِ مباحث میں بنیادی فرق ہے۔ رسالہ اثبات النبوت میں جن مباحث سے بحث کی گئی ہے ان کا تعلق ان علمائے کرام سے ہے۔ جو عقلیات کے پیروکار تھے اور اسی لیے اس رسالے میں جالینوس، امام رازی، امام غزالی، حافظ اور النظام ایسے علماء کے حوالوں سے گفتگو کی گئی ہے کہ یہ علماء فلاسفہ ان میں مقبول و معروف تھے۔ رسالہ تہلیلیہ علمائے کرام کے ساتھ ساتھ عوام الناس کے لیے لکھا گیا تھا۔ اس لیے اثبات النبوۃ کی نسبت اس کا اندازِ بیان آسان اور سہل ہے۔ دوسرے رسالہ اثبات النبوۃ، اٹھارہ سال کی عمر میں اور رسالہ تہلیلیہ چھتیس سال کی عمر میں لکھا گیا۔ چنانچہ اندازِ بیان، طرزِ استدلال اور علمی رتبہ کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ تیسرے رسالہ اثباتَ النبوۃ اس دور میں لکھا گیا۔ جب کہ آپ تکمیل علوم کے بعد علوم ظاہرہ کی درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ لیکن اس کے برعکس رسالہ تہلیلیہ اس دور میں لکھا گیا۔ جب آپ نے اپنے والد گرامی کی صحبت میں رہ کر سلوک کی منزلیں طے کیں۔ اور اس دوران میں تصوف کی منتہیانہ تصانیف کا بغور مطالعہ کر چکے تھے۔

۳......ردِّ روافض

حضرت مجدد الف ثانی کی یہ تیسری تصنیف ہے جو آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہونے سے پہلے لکھی[۴۲] یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے اور رسالہ اثبات النبوت کے بعد اور رسالہ تہلیلیہ سے پہلے لکھا گیا۔

اس طرح اسے حضرت مجدد کی پہلی فارسی تصنیف ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس رسالے کا نام اکثر تذکروں میں ''ردمذہب شیعہ'' بھی آتا ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا خیال ہے کہ یہ رسالہ ۱۰۰۲ ہجری میں تحریر کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ اس زمانے کی تصنیف ہے جب مغل دربار میں شیعہ عناصر کا زور بڑھ رہا تھا۔ اور وہ اپنے مقابلے میں کسی اور کو ہیچ سمجھتے تھے اور سلطانِ وقت یعنی اکبر بادشاہ دین اور ارباب دین سے سخت عداوت رکھتا تھا[۴۳]۔

اس رسالے کی وجہ تصنیف یہ ہے کہ ۱۰۰۱ھ میں عبدالمومن خان ابن عبداللہ خاں ازبک والیِ توران نے مشہد و سبزوار کا محاصرہ کیا۔ اس وقت مشہد کے شیعوں نے علمائے ماوراء النہر کے ایک رسالے کا جواب لکھا۔ جس میں شیخین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر زبانِ طعن دراز کی گئی تھی۔ یہ رسالہ حضرت مجدد الف ثانی کے ہاتھ لگا تو آپ کی ''رگِ فاروقی'' حرکت میں آئی اور آپ نے اس رسالے کا جواب موجودہ رسالہ کی صورت میں لکھا۔ خود فرماتے ہیں:

> انہیں دنوں میرے ہاتھ ایک رسالہ لگا۔ جو شیعوں نے بوقتِ محاصرہ مشہد، علمائے ماوراء النہر کے نام لکھا تھا اور دراصل یہ اس رسالے کا جواب تھا جو علمائے موصوفین نے اس سے پہلے تحریر کیا تھا۔ جس میں انہوں نے شیعہ کو کافر ٹھہرا کر ان کے قتل اور ان کے مال کی لوٹ کو مسلمانوں کے لیے جائز قرار دیا تھا۔ اس رسالہ شیعہ میں محض بیوقوفوں کو چکر دینے کے لیے چند لچر مقدمات مقرر کیے ہیں۔ پھر پورے رسالہ کی کل کائنات یہ ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ کو کافر ٹھہرایا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زبانِ ذم و تشنیع کھولی ہے۔ چنانچہ ادھر کے بعض شیعہ طلباء ان پوچ مقدمات پر فخر و مباہات کرتے اور امراء و سلاطین کی مجلسوں میں ان مغالطوں کو شہرت دیتے تھے۔ گو میں عام مجلسوں میں اور مختلف بحثوں میں عقلی اور نقلی مقدمات کی رو سے زبانی ان تمام لغویات کی تردید کرتا اور ان سب کو ان کج فہمیوں کی صاف اور کھلی غلطیوں پر آگاہ کرتا۔ مگر جمعیت اسلام اور اپنی رگ

فاروقی کا پاس کرتے ہوئے تردیدوالزام کی اسقدرکوشش ناکافی
نظرآتی تھی اور بے کینہ سینوں کی بے چینی کے لیے تسلی وتشفی کے کام کا
کافی سرمایہ بہم نہ پہنچاسکتی تھی...... چنانچہ...... میرے دل نے یہ فیصلہ کیا
کہ جب تک شیعوں کے اغراض ومقاصد کوتحریر وکتابت میں ظاہر نہ کیا
جائے توپورے پورے فائدے اور عام نفع کی صورت متصورنہیں ہوسکتی۔
چنانچہ میں نے تحریر کا سلسلہ چھیڑا[۴۴]۔

اس رسالے کے مضامین کے بعض عنوانات یہ ہیں۔

بعض شیعہ فرقوں اوران کے عقائد کا بیان اوران کی تاویلات باطلہ علمائے ماوراء النہر کی دلیل اور شیعوں کی جانب سے اس کا جواب، حضرت مجدد الف ثانی کا قول فیصل، اجتہادی امور میں صحابہ کا اختلاف، فضائلِ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے خلیفہ اول ہونے کے بارے میں نص کا وجود ثابت نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر حضرت علی کرم اللہ وجہہٖ کا راضی ہونا وغیرہ۔ رسالے کے آخری حصے میں اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مناقب ومحاسن مدائح وفضائل کوبھی بیان کیا گیا ہے۔

اگر چہ اس رسالے کے بعض مضامین مکتوباتِ شریفہ کے دفتر اول کے مکتوبات ۸۰ اور ۲۰۲ میں بھی ملتے ہیں۔ لیکن اس رسالے سے شیعہ حضرات کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی کے خیالات ونظریات سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت مجدد الف ثانی نے بڑی وضاحت کے ساتھ اپنے نقطۂ نظر کو بیان کیا ہے اور اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں رسالے کی عبارت کو جابجا احادیث وآیاتِ قرآنی سے مزین کیا ہے جو عربی میں ہیں۔ اسی طرح اکابر صوفیہ اور علمائے کرام کے اقوال بھی رسالے میں مناسب موقعوں پر درج کیے ہیں۔

رسالے کے آخری حصے میں اپنی بحث کو سمیٹتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

جان لیجیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملات میں دخل دینا اوران
کے اختلافات میں فیصلہ حددرجہ کی بے ادبی اور انتہائی بدنصیبی ہے اس
میں سلامتی کا پہلو یہ ہے کہ ان بزرگوں کے درمیان جو اختلافات

اور جھگڑے رونما ہوے ہیں اس سب کو حق سبحانہٗ کے علم کے سپرد کریں اور ان سب کو نیکی سے یاد کریں اور ان کے ساتھ محبت کو حضرت پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ محبت جانیں......لیکن چونکہ شیعہ صحابہ کو برائی سے یاد کرتے ہیں اور ان سب پر سبّ وطعن کرنے کی جرأت کرتے ہیں اس لیے علمائے اسلام پر واجب ولازم ہے کہ ان کی پرزور تردید کریں اور ان کے مفاسد کو طشت از بام کریں[۴۵]۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس رسالے کی شرح لکھی ہے جس کے قلمی نسخے کا کچھ حصہ مولانا مہدی حسن شاہجہانپوری کے پاس موجود ہے[۴۶]۔

رسالہ رد روافض کا فارسی متن مکتوبات شریفہ فارسی کے آخر میں نولکشور نے چھاپا تھا۔لیکن اب یہ نایاب ہے۔ ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے دسمبر ۱۹۶۴ء میں فارسی متن اور ۱۳۸۸ھ بمطابق ۱۹۶۸ء میں اردو ترجمہ الگ الگ شائع کیا۔ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے اردو ترجمے کے ساتھ فارسی متن حشمت علی خاں نے ۱۳۸۴ھ اپریل ۱۹۶۵ء میں رامپور (بھارت) سے شائع کیا۔

اس رسالے کے قلمی نسخے مولانا محمد ہاشم جان مجددی اور ٹنڈو سائیں داد (سندھ) اور خانقاہ سراجیہ کندیاں (پنجاب) کے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔

۴......شرحِ رباعیات:

حضرت خواجہ باقی باللہ نے شریعت وطریقت کے اسرار ورموز کو نثر کے علاوہ نظم میں بھی بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں آپ کی رباعیات بھی ہیں۔ان کی تشریح حضرت خواجہ نے اگرچہ خود لکھی ہے۔لیکن حضرت مجدد الف ثانی نے آپ کی حسب ذیل دو رباعیات کی مزید تشریح وتوضیح کی ہے:

گویند وجودِ کون ، کون است وحصول
نوری بجز از کون نکردہ است قبول
واللہ کہ دریں پردہ لسان الغیب است
برطبقِ قواعد است و بروفقِ اصول

بشناس که کائنات رو درعدم اند
بل درعدم ایستادہ ثابت قدم اند
دین کونِ مُعلّق ازخیال و وہم است
باقی ہمگی ظہور نورِ قدم است

تشریح وتوضیح رباعیات کے اس مجموعے کا نام ''شرح رباعیات خواجہ باقی باللہ'' ہے۔اس رسالے کے مطبوعہ نسخے میں پہلے چھ صفحات میں ان رباعیات کی تشریح خود حضرت خواجہ باقی باللہ کے قلم سے ہے۔ اس تشریح میں بہت سے الفاظ، جملے اور مقولات وغیرہ تشریح طلب تھے چنانچہ حضرت مجدد نے ان کی وضاحت کی جو تیس صفحات پر مشتمل ہے اس طرح اس رسالے کی ضخامت چھتیس صفحات بنتی ہے۔حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے حواشی وتعلیقات میں قرانی آیات، احادیث اقوال صوفیائے کبار اور اشعار سے بڑی پرکاری سے کام لیا ہے اور تشریح کا حق ادا کر دیا ہے۔صوفیانہ نقطۂ نظر سے یہ تشریحات بہت اہم ہیں۔ یہ پہلی تصنیف ہے جو حضرت مجدّد نے حضرت خواجہ باقی باللہ سے بیعت کرنے کے بعد لکھی ہے۔چنانچہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت مجدد الف ثانی کی طرف سے یہ بہترین نذرانۂ عقیدت ہے جو حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور اس سے آپ کے صوفیانہ عقائد وخیالات کا پتا بھی چلتا ہے اور آپ کے ذہنی وعرفانی ارتقا کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی پر پہلی دفعہ توحیدِ شہودی کا رنگ غالب آرہا ہے اور آپ آہستہ آہستہ شیخ محی الدین ابن عربی نظریۂ وحدت الوجود سے کنارہ کش ہوتے جارہے ہیں اور بعض اوقات تو اس میں ایک خاص قسم کی ''شدت'' بھی آجاتی ہے اور آپ شیخ اکبر کے نظریات کو ''الحاد'' وزندقہ'' سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں۔

> وحدت الوجود کے ماننے والوں کے شیخ الرئیس شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ اس وہم کے عدم ارتفاع میں بے بہا مبالغہ سے کام لیتے ہیں اور اس کا رفع ہونا کسی طرح بھی جائز نہیں سمجھتے اور ناقص لوگوں کی ایک جماعت جو خود کو ان کا پیرو سمجھتی ہے۔ان کے مقصد کو نہ پاکر اس وہم کے رفع کی قائل ہوگئی ہے اور ایک عالم کو الحاد وزندقہ میں مبتلا کر دیا[۴۷]۔

یہ رسالہ ۱۰۱۳ھ میں تالیف ہوا اور اس کے مضامین اس طرح ہیں:

سریان واحاطہ کا مفہوم، صفاتِ بشری اولیائے کرام کے لیے حجاب بن جاتی ہیں، فنائے محمدی سے اشارہ وصول نہایت النہایت، صوفیہ اور علماء کے کلام کے درمیان موافقت، مسئلہ تجدید امثال، توحید کی اعلیٰ اقسام۔

ثناء الحق صدیقی نے ادارہ مجددیہ کراچی کی طرف سے شائع ہونے والے شرح رباعیات کے نسخے کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ ''کہنے کو تو یہ تحریریں صرف تین رباعیات [۴۸] کی توضیح وتشریح پر مشتمل ہیں۔ لیکن حقیقتاً ان میں زندگی کے بعض حقائق اور تصوف کے بعض بنیادی مسائل کو واضح کیا گیا ہے ذات وصفات خداوندی اور کائنات کے تعلق کو مختلف طریقوں سے سمجھایا اور کون، حصول، وجود ثبوت، تنزلات، تعینات، ماہیات، اعیان ثابتہ، تجدد امثال ہمہ اوست اور ہمہ از اوست جیسی دقیق اصطلاحوں کو عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے [۴۹]۔''

بقول شیخ محمد اکرام۔ ''آپ نے حضرت خواجہ کی رباعیات کی اس شرح پر اضافے کیے جو حضرت خواجہ نے خود ان رباعیات کی وضاحت کے لیے لکھی تھی۔ یہ رباعیات وجود واجب تعالیٰ اور ربط حادث بالقدیم کے دقیق مسئلے سے متعلق تھیں، اور حضرت مجدد نے ان کی وضاحت اپنے معارف خاصہ اور حضرت خواجہ کے بعد کے خیالات کی روشنی میں کی ہے [۵۰]۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی شرح رباعیات کی شرح لکھی ہے۔ جو ''کشف الغین فی شرح رباعیتین'' کے نام سے مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوئی تھی۔ رسالہ شرح رباعیات پہلی مرتبہ ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے مجموعے کے ساتھ شائع کیا۔ اور پھر ادارۂ مجددیہ کراچی نے ۱۳۸۶ھ اصل فارسی متن مع اردو ترجمہ شائع کیا۔

مولانا حافظ حاجی محمد ہاشم جان مجددی ٹنڈو سائیں داد (سندھ) خانقاہ سراجیہ کندیاں (پنجاب) اور رباط مظہریہ مدینہ منورہ کے کتب خانوں میں اس رسالے کے قلمی نسخے بھی ملتے ہیں۔

۵......معارفِ لدُنّیہ

اس رسالے کا دوسرا نام ''علوم الہامیہ'' بھی ہے۔ یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے اور اس میں حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے معارفِ خاصہ اور سلوک وطریقت کو بیان کیا ہے۔ اسے حضرت مجدد نے خود ہی

۱۰۱۵ھ تا ۱۰۱۶ھ میں مرتب فرمایا۔ ہر مضمون کو معرفت کا عنوان دیا گیا ہے۔ جن کی مجموعی تعداد اکتالیس ہے۔ ان معارف کے بعض مضامین یہ ہیں:

لفظ اللہ میں حروف تعریف کے اجماع کی حکمت، سالک کی سیر کے انواع و مراتب، حقیقت محمدی سے مراد صوفیہ اور متکلمین میں معرفت کے متعلق اختلاف، واجب تعالیٰ کے وجود کی تحقیق، مکان و زمان اور ان کے لوازم سے تنزیہ قدرت اور ارادہ، ولایت خاصہ محمدیہؐ سالک مجذوب اور مجذوب سالک کے مراتب میں فرق، صورت ایمان اور حقیقت ایمان، طریقت اور حقیقت سے شریعت کا تعلق، کفر شریعت اور کفر حقیقت، قطبِ ارشاد اور قطبِ ابدال کا فیض، ولایت شہادت اور صدیقیت کے علوم کا فرق، حضرت مجدد الف ثانی کا سلوک، فضائل سلسلۂ نقشبندیہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل۔

اس رسالے کے اکثر مضامین کا تذکرہ رسالہ تہلیلیہ اور بیشتر مکتوبات امام ربانی میں آچکا ہے مولانا زوار حسین شاہ نے رسالہ معارف لدنیہ کے افتتاحیہ میں لکھا ہے کہ

> اس رسالے کے بعض مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ابتدائی اور متوسط دور کی تالیف اور رسالہ مبداء و معاد سے قبل کی تصنیف ہے۔ جس کو حضرت ممدوح قدس سرہٗ نے مختلف اوقات میں خود تحریر فرما کر مرتب فرمایا ہے۔ جیسا کہ خطبہ اور بعض مضامین سے ظاہر ہوتا ہے یہ مجموعہ اکتالیس متفرق مضامین پر مشتمل ہے۔ جن کو حضرت ممدوح قدس سرہٗ نے معرفت کا عنوان دے کر ایک دوسرے سے ممتاز کیا ہے اور اس میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی معرفت کے وہ اسرار و موز بیان فرمائے ہیں کہ جن کے حقائق کو حضرت مجدد قدس سرہ کے سوا کون جان سکتا ہے[۵۱]۔

شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ

> بعد کے رسائل میں سے شاید معارف لدنیہ پہلے لکھا گیا۔ کیونکہ اس کا ذکر مبداء و معاد میں ہے۔ جس کی تاریخ تکمیل ۱۰۱۹ھ ہے اس میں زیادہ تر معرفت الٰہی کے مختلف پہلوؤں کا بیان ہے شریعت و طریقت

کی ہم آہنگی پر زور دیا ہے اور ان نام نہاد صوفیہ کی مذمت کی ہے جو شریعت کے مخالف باتیں کہتے ہیں[۵۲]۔

مثلاً

تعجب ہے کہ بعض ناپختہ اور ناقص درویش جو اپنے خیالی کشف کو معتبر سمجھتے ہیں اس روش شریعت کی مخالفت اور انکار میں پیش قدمی کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی باوجود اپنی اس کلیمی اور قربِ خاص کے اگر زندہ ہوتے تو اس شریعت کی پیروی کے بغیر کوئی اور طریقہ اختیار نہ فرماتے[۵۳]۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی کے نظریات کا اس رسالے سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے لکھتے ہیں:

صاحبِ فصوص نے جو عذاب ابدی کے بارے میں کلام کیا ہے۔ وہ اس کی وجہ سے مطعونِ خلائق ہو گیا ہے۔ تو وہ لوگ مطعون کیوں نہ ہوں گے جو عذاب ابدی ہی کا انکار کرتے ہیں[۵۴]۔

رسالے کے آخر میں شیخ اکبر کے بارے میں ہی لکھتے ہیں:

اس فقیر نے اسکی بے ہودہ باتوں میں سے چند باتیں اس رسالے میں بیان کی ہیں۔ تا کہ لوگ اس کے کام کی برائی (برے عقائد) سے واقف ہو سکیں۔ اور اس کی تقلید کر کے اہل الحاد کے گروہ میں شامل نہ ہوں۔ اگر وہ اس کے بارے میں اس جماعت کی تقلید ہی کو اختیار کریں گے تو حجت ان لوگوں پر پوری ہو چکی ہو گی[۵۵]۔

حضرت مجدد الف ثانی کے دوسرے رسائل کی طرح اس رسالے کی زبان بھی شگفتہ اور سادہ ہے۔ مسائل کی نوعیت کے پیشِ نظر بیان اگر چہ خشک ہے لیکن انداز تحریر نے اسے دلچسپ بنا دیا ہے۔ عبارت میں جا بجا عربی عبارت کے ٹکڑے آ جاتے ہیں۔ بلکہ بعض معارف تو عربی ہی میں ہیں۔ مثلاً معرفت ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۹، ۴۱

غوثی منڈوی نے اپنی کتاب ''گلزارِ ابرار'' کی تصنیف کے دوران اس رسالے سے استفادہ کیا ہے۔ اور اسکا اقتباس درج کتاب کیا ہے[۵۶]۔

یہ رسالہ پہلی مرتبہ حافظ محمد احمد علی خاں شوق نے مطبع احمدی رامپور سے دسمبر ۱۸۹۸ء میں شائع کیا۔ پھر علمی مجلس ڈابھیل (حال کراچی) نے ۱۳۵۱ھ میں۔ پھر حکیم عبدالمجید سیفی نے ۱۳۷۶ھ میں لاہور سے، پھر ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں، پھر ۱۳۸۸ھ (اکتوبر ۱۹۶۸ء) میں ادارۂ مجددیہ کراچی نے شائع کیا، موخر الذکر میں فارسی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی ہے۔ جو مولانا زوار حسین شاہ نے کیا ہے۔ اس سے قبل ملک فضل الدین، چنن الدین نے لاہور سے اس رسالے کا اردو ترجمہ شائع کیا تھا۔ جس پر سنہ اور مترجم کا نام درج نہیں تھا۔

اس رسالے کے قلمی نسخے مولانا حافظ محمد جان ہاشم مجددی ٹنڈو سائیں داد (سندھ) خانقاہ سراجیہ کُندیاں (پنجاب) اور حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد کے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔

۶......مبداء ومعاد

یہ رسالہ حضرت مجدد الف ثانی کے علوم ومعارف پر مشتمل ہے اور فارسی زبان میں لکھا گیا ہے۔ اس رسالے میں اسرار ورموز کے لطیف اشارے ہیں۔ رسالہ میں ۱۰۰۸ھ سے ۱۰۱۸ھ تک کے بعض کشف وحقائق کے حصول کے اظہار میں وقتاً فوقتاً بیان فرمایا ہے۔ اس رسالے کے مضامین متفرق مسودات کی شکل میں تھے۔ جنہیں آپ کے خلیفہ مولانا محمد صدیق بدخشی نے ۱۰۱۹ھ میں مرتب کیا اور اس کے مضامین کو (منہا) کا عنوان دے کر الگ الگ کر دیا۔ جن کی کل تعداد اکسٹھ ہے اور ہر ''منہا'' معرفت کے اسرار کا خزانہ ہے بعض عنوانات حسب ذیل ہیں:

> جذبۂ وسلوک کا حصول۔ بیان نزول وتائید مشائخِ سلاسل مختلفہ، قطبِ الارشاد اور اس کا فیضِ عام، نسبتِ نقشبندیہ، اظہارِ نعمت، کمالاتِ ولایت کے درجات فرشتوں پر اُن کی فضیلت، علم ظاہر پر علم باطن کی برتری، آدابِ پیر واستاد، معراج النبی اور عروج اولیا میں فرق۔ رویتِ باری تعالیٰ، حقیقتِ قرانی وغیرہ۔

مولانا زوّار حسین لکھتے ہیں۔

اس رسالے میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے اسرار و رموز کے وہ لطیف اشارات بیان فرمائے ہیں جن کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا اپنے کسی بندۂ خاص پر فضل ہو جائے اور اس کو کسی قدر علم وبصیرت بھی عطا فرمائے تو وہ کچھ سمجھ سکتا ہے[۵۷]۔

اور شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں۔

مبداء ومعاد میں حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ محمد صدیق بدخشی نے ان کی بیاض سے بعض عبارتیں جمع کی ہیں۔ مختلف صوفیانہ مسائل کا بیان ہے۔ لیکن کئی اندراجات سے حضرت مجدد کی اپنی روحانی زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ رسالے کے آخر میں خواجہ محمد صدیق نے اس کی تاریخ تکمیل ۱۰۱۹ھ دی ہے۔ لیکن اصل اندراجات اس سے پہلے کے تھے اگرچہ ان میں اصلاح وترمیم ہوتی رہی۔ ۱۰۱۸ھ میں خواجہ محمد صدیق (اور ظہیر الدین حسن مرید مولانا خواجہ باقی باللہ نقشبندی اویسی) اثنائے سفر میں مانڈو پہنچے اور گلزار ابرار کے مصنف غوثی سے ملے۔ اس وقت (خواجہ محمد صدیق کے پاس) ایک رسالہ تھا جس سے غوثی نے کچھ عبارت نقل کی ہے۔ یہ عبارت مبداء ومعاد کی ہے۔ اگرچہ مطبوعہ نسخوں سے قدرے مختلف ہے[۵۸]۔

یہ رسالہ بھی حضرت مجدد الف ثانی کے صوفیانہ خیالات کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی حضرت شیخ محی الدین ابن العربی کے عقائد ونظریات کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بعض جگہ وہ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کے عقائد سے اختلاف کرتے ہیں اور ان کی وضع کردہ اصطلاحات کے مقابلے میں اپنی نئی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً آپ نے ہی پہلی مرتبہ قطب الاقطاب کے مقابلے میں قطب الارشاد کی اصطلاح استعمال کی لیکن اس کی خصوصیات تقریباً وہی گنوائیں جو حضرت شیخ اکبر نے قطب الاقطاب سے مخصوص کی ہیں۔ آپ ان خصوصیات کو بیان کرنے کے بعد قطب الارشاد کے انکار اور اس کے ساتھ اخلاص پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

البتہ جو شخص اس بزرگ کا منکر ہو یا اس بزرگ کو اس شخص سے کوئی گرانی ہو تو وہ کتنا ہی ذکر الٰہی تعالیٰ وتقدس میں مشغول رہا کرے۔ لیکن وہ رشد وہدایت کی حقیقت سے محروم ہی رہتا ہے۔ بغیر اس کے کہ وہ بزرگ اس شخص کا فیض نہ پہنچانے کا کوئی ارادہ کرے یا اسے نقصان پہنچانے کا قصد کرے۔ اس کا یہ انکار ہی اس کے فیض کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ ہدایت کی حقیقت اس کو حاصل نہیں ہوگی جو کچھ حاصل ہے وہ ہدایت کی صورت ہے، بلا حقیقت کے صرف صورت سے لوگوں کو بہت کم نفع پہنچتا ہے اور جو گروہ اس بزرگ کے ساتھ اخلاص ومحبت رکھتا ہے۔ خواہ وہ توجہ مذکور اور ذکر الٰہی تعالیٰ شانہٗ سے کتنا ہی خالی کیوں نہ ہو۔ ایسے لوگوں کو بھی محض ان کی محبت کی وجہ سے رشد وہدایت کا نور حاصل ہو جاتا ہے[۵۹]۔

اس رسالے کے بعض مندرجات سے حضرت مجدد الف ثانی کی زندگی اور میدان تصوف میں ان کے تدریجی مدارج حضرت خواجہ باقی باللہ سے روابط اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے علوم تبت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً حضرت خواجہ باقی باللہ سے عقیدت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

ہم چار آدمی اپنے خواجہ (حضرت باقی باللہ) کی خدمت میں ایسے تھے کہ لوگوں کی نگاہوں میں باقی تمام دوستوں میں ہمیں خاص امتیاز حاصل تھا۔ حضرت خواجہ کی نسبت ہم میں سے ہر ایک کا اعتقاد علیحدہ تھا۔ اور معاملہ بھی جدا تھا۔ یہ فقیر تو یقین کے ساتھ یہ سمجھتا ہے کہ اس قسم کی صحبت اور یکجائی اور اس طرح کی تربیت اور ہدایت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوت والتسلیمات کے زمانے کے بعد سے کبھی بھی کسی کو حاصل نہیں ہوئی اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتا تھا کہ اگرچہ خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے شرفِ صحبت سے مشرف نہیں ہو سکا۔ تاہم اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا[۶۰]۔

رسالے کی عبارت میں عربی جملے اور اشعار بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ اور ان میں ایک شان دلآویزی پائی جاتی ہے۔ بعض "منہا" عربی میں ہیں جیسے منہا ۱۶ اور ۱۷ اس رسالے کا عربی ترجمہ شیخ مراد مکی نے کیا ہے جو کہ مکتوبات امام ربانی کے عربی ترجمہ (مطبوعہ مکہ مکرمہ) کے حاشیے پر موجود ہے یہ رسالہ سب سے پہلے ۱۳۰۷ھ میں مطبع انصاری دہلی نے شائع کیا۔ پھر مطبع مجددی امرتسر نے ۱۳۳۰ھ میں مولانا نور احمد امرتسری کے اہتمام سے پھر حکیم عبدالمجید سیفی نے ۱۳۷۶ھ میں لاہور سے، پھر ادارۂ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں اور پھر ۱۳۸۸ھ (۱۹۶۸ء) میں ادارہ مجددیہ کراچی نے شائع کیا۔ موخرالذکر کے ساتھ اردو ترجمہ بھی ہے۔ جو مولانا زوار حسین شاہ نے کیا ہے ملک فضل الدین، چنن الدین نے لاہور سے پہلی مرتبہ اس رسالے کا اردو ترجمہ شائع کیا تھا۔ لیکن مترجم کا نام اور سنہ طباعت درج نہیں کیا تھا۔

اس رسالے کے قلمی نسخے مولانا محمد ہاشم جان مجددی ٹنڈو سائیں داد (سندھ) خانقاہ سراجیہ گندیاں (پنجاب) اور دانشگاہ پنجاب لاہور کے کتب خانوں میں دستیاب ہیں۔

۷...... مکاشفاتِ عینیہ

حضرت مجدد الف ثانی کی یہ تصنیف ایسی تحریروں پر مشتمل ہے جو آپ کے بعض خلفا نے محفوظ کر لی تھیں۔ لیکن انہیں آپ کے نامور خلیفہ اور زُبدۃ المقامات کے مصنف مولانا محمد ہاشم کشمی نے کتابی صورت میں یکجا کر دیا اور اسطرح ایک گراں قدر ذخیرے کو ضائع ہونے سے بچالیا۔ یہ رسالہ حضرت مجدد الف ثانی کے وصال کے بعد ۱۰۵۱ھ میں شروع کیا گیا اور قیاس کہتا ہے کہ بعض معلومات اور مواد حاصل کرنے میں کچھ مزید وقت لگا ہوگا۔ اور چونکہ حضرت محمد ہاشم کشمی اپنے مرتب کردہ ہر مجموعے کا تاریخی نام رکھتے ہیں۔ اس لیے اس رسالے کا نام بھی تاریخی رہا ہوگا۔ یعنی مکاشفات عینیہ مجددیہ (۱۰۵۳ھ) بعض تذکروں میں اس کا نام مکاشفات غیبیہ بھی آتا ہے۔ رسالہ کے شروع میں محمد ہاشم کشمی لکھتے ہیں کہ:

> ......۱۰۵۱ھ میں ...... ہمارے امام وقبلہ شیخ احمد بن عبدالاحد الفاروقی قدس سرہٗ کے مسودات قدسی آیات کے چند اوراق بعض دوستوں کے ہاتھ سے ملے جو کہ اب تک منقول نہیں ہوئے ہیں۔ یہ اوراق رنگین ودلکش الفاظ وعبارات کے ضمن میں اسرارِ خفیہ کو جامع اور

معارفِ سنیہ اور یکتا مقالات پر مشتمل ہیں...... اس کا ہر ورق ایک شفیق مرشد ہے۔ جو کہ کعبۂ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔ اس کا ہر صفحہ صفحہ کائنات پر اسرارِ معبود کی اجمالی تحریر ہے...... اس درگاہ کے فدویوں میں سے ایک کے دل میں یہ بات آئی کہ اس کو نقل کرے اور ان بکھرے ہوے موتیوں کو جمع وترتیب کی لڑی میں پروکر رکھنا چاہیے۔ کیونکہ ان اوراق کے اکثر معارف آنجناب کے علوم سابقہ میں سے ہیں۔ نیز اس لیے کہ اس کے بعض اوراق اس قبیل سے ہیں کہ ان علوم کا حاصل آنجناب کے رسائل ومکاتیب میں موجود ہے۔ لیکن چونکہ وہاں بساطِ سخن کا طرز کچھ اور ہے اور فوائد وزوائد سے بھی خالی نہیں ہے۔ اس لیے تبرکاً اس کو بھی تمام اوراق کے رنگ میں نقل کر کے بیاض میں لاکر مکاشفاتِ کے نام سے ایک رسالہ کی ترتیب دی[61]

جیسا کہ مذکورہ بالا بیان سے بھی متبادر ہوتا ہے اس رسالے کے بعض مضامین حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات شریفہ اور دیگر رسائل میں آچکے ہیں۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جو حضرت مجدد الف ثانی کے ابتدائی تذکروں تک میں نہیں ہیں۔ اس لحاظ سے یہ رسالہ بہت وقیع ہے رسالہ میں متفرق صوفیانہ مسائل اور مکاشفات کا بیان ہے اور چونکہ یہ کسی ایک مخصوص وقت اور معین مقام پر نہیں لکھے گئے اس لیے رسالے کے بعض مندرجات بہت پرانے معلوم ہوتے ہیں مثلاً مکاشفہ نمبر ۵ کی عبارت اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ یہ اندراج حضرت خواجہ باقی باللہ کی زندگی میں کیا گیا۔

اس رسالے میں حمد ونعت کے بعد تین سلاسلِ تصوف یعنی قادریہ، نقشبندیہ اور چشتیہ ہیں حضرت مجدد الف ثانی کے انتساب کی وجہ سے ان کے شجرہ ہائے طریقت دیے گئے ہیں۔ پھر چار اجازت نامے ہیں۔ جو حضرت مجدد الف ثانی نے منازلِ سلوک مکمل کر لینے کے بعد حضرت شیخ حمید بنگالی' سید محمد نعمان' شیخ محمد طاہر (بندگی) اور جامع رسالہ ہذا محمد ہاشم کشمی کو عطا فرمائے تھے۔ اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی کے مکاشفات ہیں۔ جن کو مکاشفہ کا عنوان دے کر ایک دوسرے سے علیحدہ کیا گیا ہے۔ ان مکاشفات کی تعداد انتیس بنتی ہے۔ ان مکاشفات میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو زبدۃ المقامات یا حضرات القدس جیسی کسی بھی سوانح عمری میں نہیں دیے گئے۔ آخر میں چالیس احادیث ہیں۔ جو متفق علیہ

بخاری اور مسلم سے ہیں۔ اس کے علاوہ پانچ احادیث فضائل شیخین رضی اللہ عنہما کے بارے میں اور سات احادیث فضائل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق ہیں۔

اس رسالے میں عربی عبارات کے علاوہ ہندی الفاظ بھی استعمال کیے گئے۔ مثلاً صحبت شما پچھار گھڑی ہم نہ کشید۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے عہد تک فارسی زبان میں مقامی زبانوں کے الفاظ کی آمیزش کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

یہ رسالہ پہلی مرتبہ ادارۂ مجددیہ کراچی نے ۱۳۸۴ھ میں شائع کیا اور اسکے بعد ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے مجموعے کے ساتھ شائع کیا۔ اس رسالے کا قدیم ترین قلمی نسخہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد (بھارت) کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس کے قلمی نسخے مولانا محمد ہاشم جان مجددی ٹنڈو سائیں داد (حیدرآباد) رباط مظہریہ مدینہ منورہ اور دانشگاہ پنجاب کے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ رسالے کے آخر میں جو چالیس احادیث ہیں۔ انہیں مولانا عبدالشکور لکھنوی نے اردو ترجمہ اور حاشیہ کے ساتھ چہل حدیث امام ربانی کے نام سے اپنے مطبع عمدۃ المطابع لکھنؤ سے شائع کیا تھا۔ اس پر سنہ اشاعت درج نہیں ہے۔

۸......مکتوباتِ امام ربانی

مذکورہ بالا رسائل کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات بھی آپ کی روحانی سربلندی، علمی ارتفاع اور اخلاقی معراج کا پتا دیتے ہیں۔ تصوف کی بہت کم کتب ایسی ہیں۔ جنہیں مکتوبات امام ربانی کی سی آفاقی شہرت حاصل ہوئی ہو۔ یہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے زمانے سے آج تک یکساں مقبول ومعروف ہیں اور صوفیائے کرام اور علم وادب سے شغف رکھنے والے حضرات ان کے معارف سے برابر استفادہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ شیخ بدالدین سرہندی نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کی دو عظیم کرامتیں دنیا میں باقی رہی ہیں ایک تو آپ کا کلام معجز نظام کہ مشائخ وعرفائے وقت اس کے مماثل لکھنے سے عاجز رہے۔ دوسرے آپ کے فرزندان گرامی کہ ان کو آپ نے اپنے تصرف سے علم وعمل اور کمالاتِ باطنیہ عطا فرمائے کہ روئے زمین پر کسی شیخ نے اپنے فرزندوں کو تصرف وتوجہ سے اپنا مثل نہیں بنایا۔ آپ کی یہ دونوں کرامتیں دنیا میں آفتاب کی طرح مشہور اور باعث تعجب خلائق ہیں [۹۳]''

پروفیسر محمد فرمان نے مکتوبات امام ربانی کے بارے میں لکھا ہے کہ......

یہ مکتوبات ہیں جن کے مطالعے سے آپ کی علمیت، معرفت، خلوص اور شرع کی پابندی کا ایک حسین ودلکش اور مستحکم منظر آنکھوں کے آگے آجاتا ہے۔ جس سے پڑھنے والا اپنے دل میں ایک سرور اور سوز محسوس کرتا ہے اور اپنے مزاج وافعال میں ایک نمایاں تبدیلی پاتا ہے[۶۲]۔

مولانا نازؔ وار حسین شاہ نے لکھا ہے کہ......

ہر مکتوب گویا ایک مستقل رسالہ ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنی قوت عمل اور ان مکتوبات کے ذریعے جتنا عظیم الشان، انقلاب انگیز اور دیرپا اصلاح وتربیت کا کام انجام دیا ہے۔ اس کی مثال ملنی مشکل نظر آتی ہے۔ آپ کے مکتوبات نہ صرف تصوف میں بلکہ علوم ومعارف اور نکات الاسرار کے عالمگیر ذخیرے میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اور اپنی تاثیر، ادب وانشا کی قوت برجستگی اور روانی کے لحاظ سے پورے فارسی ادب میں نہایت بلند پایہ ہیں۔ ان مکتوبات نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے زمانے میں بھی اصلاح وتربیت کی بہت بڑی خدمت انجام دی...... ان مکتوبات کے مطالعے سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خیالاتِ عالیہ عقائدِ حقّہ، شریعت وطریقت، اخلاق ومعرفت اور سیاست پر گہری نظر اور علوِ شان کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیز اس زمانے کے تاریخی حالات اور حضرت موصوف کے تجدیدی کارنامے بھی روشن دلیل بن کر سامنے آجاتے ہیں[۶۴]۔

مکتوبات کی تین جلدیں ہیں جنہیں تین دفتر بھی کہا جاتا ہے اور مکتوبات کی کل تعداد ۵۲۶ ہے۔ ہر دفتر کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔

دفترِ اول

اسے آپ کے خلیفہ خواجہ یار محمد جدید بدخشی طالقانی نے ۱۰۲۵ھ میں مرتب کیا اس میں بیس رقعات اور دوسو ترانوے مکتوبات ہیں۔ اس طرح ان کی تعداد تین سو تیرہ ہوجاتی ہے[۶۵]۔ جو انبیائے مرسلین

صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین، اصحابِ بدر اور اصحابِ طالوت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد کے مطابق ہے۔
مولانا محمد ہاشم کشمی نے لکھا ہے کہ......

فقیر کی آرزو تھی کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب اس عاجز کے نام تحریر فرمائیں۔ اور وہ اس دفتر کے خاتمے پر درج کیا جائے۔ اس لیے کہ احقر آپ کے کمترین مخلصوں میں سے ہے۔ چنانچہ جب یہ خادم برہانپور میں تھا۔ آپ نے ایک مکتوب تحریر فرمایا اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ اس دفتر کو مطابق تعداد رسل اصحاب جنگ بدر فلاں مکتوب پر جو فلاں شخص کے نام ہے۔ ختم کریں۔ **فحصل مرادی بکرامة** چونکہ بندہ نے اس دفتر کی تاریخ اختتام ''در المعرفت' نکالی تھی۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ اس دفتر کو اسی نام سے موسوم کریں[۶۶]۔

مکتوبات شریفہ کا یہ مجموعہ باقی دونوں جلدوں سے زیادہ ضخیم اور مفصل ہے۔ اس کے خطوط کا سلسلہ ۱۰۰۸ھ سے شروع ہوتا ہے۔ جب آپ نے حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں مکتوبات ارسال کرنے شروع کر دیے تھے۔ اس مجموعے میں پہلے بیس مکتوبات تو وہ ہیں جو حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت خواجہ باقی باللہ کو لکھے۔ پھر متعدد خطوط شیخ فرید بھکری اور دربار جہانگیر کے دیگر امرا کے نام ہیں۔ جن میں اکبر بادشاہ کے عہد کی بے اعتدالیوں کی طرف توجہ دلا کر انہیں ترویج دین اور تبلیغ شریعت کے لیے کہا گیا ہے۔ باقی خطوط میں علمی اور روحانی مسائل پر بحث ہے۔ چونکہ اس مجموعے کے گیارہویں مکتوب پر بعض حضرت نے اعتراضات کیے تھے اس لیے اس مجموعے کے آخر میں بہت سے ایسے خطوط ملتے ہیں۔ جو ان اعتراضات کو رفع کرنے کے لیے آپ نے مخلصین کو لکھے تھے۔ سب سے آخر میں وہ تین مکتوبات بھی ہیں۔ جو آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق نے آپ کو لکھے تھے۔ یوں تو اس مجموعہ کے تمام مکتوبات ہی انمول موتیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم بعض مکاتیب سے کچھ اقتباس دیے جاتے ہیں۔ جن سے اس زمانے کی مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور عمرانی زندگی پر روشنی پڑتی ہے:

گذشتہ دور میں کھلے بندوں اسلامی سلطنت میں کفر کے قوانین غالب اور نافذ تھے۔ (۱/۴۷)

واویلا، وامصیبتا، واحسرتا۔، واحزنا محمد رسول اللہ جو رب العلمین کے محبوب ہیں ان کو سچا ماننے والے تو ذلیل وخوار ہیں اور ان کے منکر عزت واعتبار والے ہیں۔(۱/۴۷)

پچھلے دور میں علماء کے اختلافات نے دنیا کو ایک مصیبت میں مبتلا کر رکھا تھا اب پھر وہی بات سامنے ہے۔دین کا رواج کیا ہوگا۔اس کی بھلا کیا گنجائش ہے۔بلکہ دین کی بربادی اس سے ضرور ہوگی۔(۱/۵۳)

، اللہ دلی امراض کے طبیب ہیں۔ باطنی امراض کا دور ہونا ان بزرگوں کی توجہ سے وابستہ ہے۔ان کا کلام دوا ہے اوران کی نظر شفا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا۔اوریہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں۔انہی کے طفیل باران رحمت نازل ہوتی ہے۔اورانہی کے طفیل مخلوقات کے رزق میں فراخی۔ باطنی امراض سے مراد اندرونی بیماریاں ہیں۔اور ماسوائے ذکرحق کے دل کی گرفتاری ہے۔(۱/۱۰۹)

پچھلی حکومت میں دین مصطفوی سے دشمنی اور عناد مفہوم ہو رہا تھا۔(۱/۶۵)

اسلام اس قدر کمزور ہوگیا ہے کہ ہندوستان میں کفار بے کھٹک معبدوں کو گرا رہے ہیں اوران کی جگہ اپنے مندر بنارہے ہیں۔(۱/۱۶۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے نور کو بدعات کی تاریکیوں نے چھپا دیا ہے اور مدت کی رونق کو ان نوایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کردیا ہے۔(۱/۲۶۱)

دفترِ دوم

اسے آپ کے خلیفہ مولانا عبدالحیٔ حصاری شادمانی نے حضرت خواجہ محمد معصوم کی فرمائش پر مرتب کیا اور ''نورالخلائق'' تاریخی نام رکھا۔اس میں ننانوے مکتوبات ہیں۔جو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی تعداد کے برابر ہیں۔اس لحاظ سے اس مجموعے میں امام ربانی کے مکتوبات کے باقی دونوں مجموعوں سے کم مکتوبات

ہیں۔ یہ دفتر ۱۰۲۸ھ میں مرتب ہوا۔ اس زمانے میں حضرت مجدد الف ثانی قلعہ گوالیار میں سنت یوسفی ادا کر رہے تھے اور آپ اس وقت تک اتنے ہی مکتوبات تحریر کر پائے تھے۔ تعداد کے لحاظ سے اس مجموعہ میں اگرچہ مکتوبات کم ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض بہت طویل ہیں۔ مثلاً مکتوب ۳۶، ۶۷، ۹۹' ان میں سے اول الذکر میں جو حضرت خواجہ باقی باللہ کے نام لکھا گیا ہے۔ اہل سنت اور شیعوں کے عقائد پر مدلل بحث کی گئی ہے۔ چند ایک خطوط میں تصوف کے مسائل سے بحث کی گئی ہے اور یوں مذہبی معاملات کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً خان جہان کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔

> تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے خاتم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اور آپ کا دین گذشتہ دینوں کا ناسخ ہے اور آپ کی کتاب گذشتہ تمام کتابوں سے بہتر ہے۔ آپ کی شریعت منسوخ نہ ہوگی بلکہ قیامت تک باقی رہے گی۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نزول فرما کر آپ کی شریعت پر عمل کریں گے۔ اور آپ کے امتی ہو کر رہیں گے۔ (۲/۶۷)

دفترِ سوم

دراصل دفتر سوم کو حضرت میر محمد نعمان نے مرتب کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن وہ صرف تیس مکاتیب جمع کر پائے۔ باقی مکاتیب کو مولانا محمد ہاشم کشمی نے ۱۰۳۱ھ میں حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں رہ کر مرتب فرمایا۔ اور حضرت مجدد الف ثانی کی ہدایت کے مطابق قرانی سورتوں کی تعداد کے برابر ایک سو چودہ مکتوبات پر اس مجموعے کو ختم کر دیا۔ اور اس کا تاریخی نام ''معرفت الحقائق' رکھا۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی لکھتے ہیں کہ دفتر چہارم شروع ہوا۔ لیکن ابھی چودہ مکاتیب لکھے گئے تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی کا انتقال ہو گیا۔ اس لیے ان چودہ مکاتیب کو بھی دفتر سوم میں شامل کر لیا گیا[۶۷]۔ مگر مطبوعہ نسخوں میں ایک سو اٹھائیس کے بجائے ایک سو چوبیس مکتوبات ہی ملتے ہیں۔ اس مجموعے کے اکثر خطوط بھی اس زمانے میں لکھے گئے۔ جبکہ آپ گوالیار کے قلعے میں محبوس تھے۔ یا لشکر شاہی کے ساتھ رہتے تھے۔ چنانچہ بہت سے خطوط ایسے ہیں جن سے اس دور کے حالات کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً مکتوب نمبر ۱۰۹ میں اس گفتگو کا ذکر ہے۔ جو حضرت مجدد الف ثانی نے ایک دفعہ جہانگیر کی مجلس میں کی تھی۔ مکتوب نمبر ۴۷ میں سلطان وقت (جہانگیر) کو دعا کے اسرار اور علماء و صلحا کی تعریف بیان کی ہے۔ ایک نہایت دلچسپ خط (مکتوب) جو

ایک صالحہ عورت کے نام لکھا ہے، میں ان شرطوں کی وضاحت کی ہے جن پر عورتوں کی بیعت ہونی چاہیے۔ اس میں وہ تمام بدعتیں اور اوہام گنائے گئے ہیں۔ جن میں ہندوستانی عورتیں گرفتار ہیں۔ اس مجموعے کے مکتوب نمبر ۲۴ میں لکھتے ہیں۔

جو شخص قرآن وسنت سے آنکھیں بند کر کے ضد اور تعصب کرے وہ مبحث سے خارج ہے۔

اسی طرح مکتوب نمبر ۲ بہت اہم ہے۔ جس سے حضرت مجدد الف ثانی کی گرفتاری کے واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔ اور پتا چلتا ہے کہ گرفتاری کے وقت آپ کی حویلی، سرائے چاہ باغ، کتابیں اور دوسری تمام چیزیں۔ عمالِ حکومت نے یا تو قبضے میں لے لی تھیں یا انہیں تباہ و برباد کر دیا تھا۔ چنانچہ اس مکتوب میں اپنے صاحبزادوں کو لکھتے ہیں۔

اپنی حویلی، سرائے، چاہ، باغ، کتابوں اور دوسری تمام اشیاء کے غم وفکر کو مزاحم نہ ہونے دو۔ یہ سب چیزیں سہل ہیں۔ اللہ کی رضا تمہاری رضا ہونی چاہیے۔ اگر ہم مرجاتے تو یہ چیزیں بھی چلی جاتیں۔ بہتر ہے کہ ہماری زندگی میں چلی جائیں۔ تاکہ کوئی فکر نہ رہے۔ اولیاء نے ان امور کو اپنے اپنے اختیار سے چھوڑا ہے ہم حق تعالیٰ کے اختیار سے ان امور کو چھوڑ دیں اور شکر بجالائیں۔

مکتوبات امام ربانی سے مندرجہ ذیل امور پر خصوصاً بالتفصیل روشنی پڑتی ہے۔

توحید، رسالت، ملائکہ، کتبِ آسمانی۔ قدر خیر وشر۔ یوم آخرت وبعث بعد الموت، فضیلت شیخین رضی اللہ عنہما، فضیلتِ صحابہ کرام، عظمتِ اہل بیت عظام، عقائدِ اہل سنت وجماعت، اتباعِ سنت ورد بدعت، ارکانِ اسلام کی وضاحت، غلط تصوف اور کج روصوفیوں کی اصلاح، سالکین کی تربیت سے متعلق ارشادات، خوارق وکرامات کا ظہور، آداب مریدین، فضائل سلسلۂ نقشبندیہ عالیہ، سلسلۂ نقشبندیہ کی تفصیلات، نظریۂ توحید۔ اس کے علاوہ معاشرتی اور تاریخی حالات وواقعات کا پتا بھی چلتا ہے۔ ان مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ حکومتِ وقت، امراء اور علماء سوء نے کیسی کیسی اختراعات مذہب میں کر کے اسلام کو تقریباً مٹا ڈالنے کی مذموم کوشش کی تھی۔

مکتوبات شریفہ میں جو عملی اور دینی مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ انہیں سمجھنے کے لیے قاری کا ذہنی اور علمی معیار کا بلند ہونا ضروری اور اسے حضرت مجدد الف ثانی کے زمانے کی تاریخ اور اور تاریخی شخصیات کے بارے میں بھی وسیع معلومات کا حامل ہونا چاہیے۔ تبھی حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کو اس پس منظر میں سمجھا جا سکتا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی کی علمی سطح، دینی معلومات، سیاسی بصیرت، اصابت رائے اور تجدیدی کاوشوں کا صحیح طور پر احاطہ بھی کیا جا سکتا ہے، حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوب الیہان کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی:

(١) سیاستمدارانِ وقت یعنی بادشاہ اور امرائے وقت

(٢) علماء و صوفیہ

(٣) عام افراد معاشرہ

(٤) بعض ہندو افراد

مکتوب نویسی کے وقت حضرت مجدد اپنے مقصدِ تحریر، مکتوب الیہ کے اندر پوشیدہ صلاحیتوں، مکتوب الیہ کی علمی سطح اور مذہبی رجحانات کو پیش نظر رکھتے ہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مکتوب الیہان کو ان کے حسبِ مرتبہ مکتوب لکھتے ہیں۔ بیشتر مکتوبات ایسے ہیں جن میں علمی اور دینی مطالب بیان ہوئے ہیں۔ ایسے مکتوبات کی زبان میں عالمانہ رنگ اور بیان میں خطیبانہ شان ہے۔ اور ان میں مروجہ صوفیانہ اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ مطالب کو آسان سے آسان اور تھوڑے سے تھوڑے لفظوں میں بیان کیا ہے۔ بعض مکتوبات ایسے بھی ہیں جن میں بعض نوجوانوں یا مبتدیوں کو دینی عقائد کے بارے میں لکھا ہے۔ ایسے مکتوبات میں ثقیل الفاظ کو چھوڑ کر آسان الفاظ کو منتخب کیا ہے اور جب اُمرائے وقت کو لکھتے ہیں تو آسان اور عام فہم الفاظ استعمال کرتے ہیں اور عالمانہ انداز کے بجائے ناصحانہ انداز بیان اختیار کرتے ہیں اور خطیبانہ اور پُر تاثیر الفاظ میں انہیں خدمتِ اسلام کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اپنی دیگر تصانیف کی طرح آپ مکاتیب میں بھی عربی الفاظ لاتے ہیں۔ بعض دفعہ تو جملے کے جملے عربی زبان میں لکھے جاتے ہیں۔ کئی مکتوبات عربی زبان میں ہی لکھے ہیں۔ نفس مضمون کو سریع الفہم، پرتاثیر اور دلچسپ بنانے میں شعر یا مصرع بھی درج کر دیتے ہیں۔

مکتوبات امام ربانی کے قلمی نسخے متعدد شخصی اور سرکاری کتب خانوں میں ملتے ہیں۔

مکتوبات امام ربانی کے تینوں دفتر مع ردّ روافض بالحاق رسالہ مصطلحات صوفیہ پہلی مرتبہ نول کشور نے شائع کیا۔ جس کے کئی ایڈیشن نکلے۔ پھر ۱۲ ربیع الاول ۱۲۸۸ھ کو مولوی شیر محمد خاں نے مطبع احمدی دہلی سے فارسی مکتوبات مع ردّ روافض شائع کیا۔ پھر حاجی عزیز الدین دہلوی نے ۱۲۹۰ھ میں اپنے مطبع مرتضوی سے شائع کیا۔ پھر ۱۳۲۹ھ میں مولانا نور احمد امرتسری نے بڑی محنت سے تصحیح کر کے نہایت اہتمام کے ساتھ نہایت عمدہ ایڈیشن شائع کیا۔ مولانا صاحب موصوف کے صاحبزادے مولانا محمد سلیمان فاروقی نے محکمہ اوقاف کی اعانت سے ۱۳۸۶ھ میں مذکورہ ایڈیشن کے دو دفتر اور مکتبہ سعدیہ لاہور نے ۱۳۹۱ھ میں تیسرا دفتر شائع کر کے مکمل کیا۔ ۱۳۹۲ھ میں مولانا نور احمد امرتسری والے نسخہ کا فوٹو لے کر پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے طبع کرا کے شائع کیا۔ اس نسخے کا فوٹو لے کر ۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء میں ترکی سے حسین حلمی ایشیق بن سعید استانبولی نے مکمل شائع کیا۔

مکتوبات شریفہ کا ترجمہ اردو زبان میں سب سے پہلے مولانا قاضی عالم الدین نے کیا۔ ملک فضل الدین نے ۱۹۱۰ء میں لاہور سے شائع کیا۔ اس کے بعد ۱۳۹۱ھ میں مشہور پریس کراچی نے مولانا محمد سعید لاہوری کا اردو ترجمہ شائع کیا۔ حضرت محمد عبداللہ جان مجددی ٹنڈو سائیں داد (سندھ) (م۔ ۱۳۹۳ھ) نے مکتوبات شریفہ کا انتخاب بہ اعتبار مضامین کیا ہے اور اس کا نام ''فیض البرکات من عین المکتوبات'' رکھا اور فارسی مکتوبات کی اصل عبارت کو برقرار رکھا ہے۔ انہوں نے چار ابواب قائم کیے ہیں۔ پہلا اصول وعقائد اہل سنت و جماعت کا۔ دوسرا مسائل و احکام کا۔ تیسرا حقائق و معارف وانوار واذواق ومواجید کا، چوتھا مواعظ ونصائح کا یہ کتابی سائز پر ۴۹۲ صفحات کی کتاب ہے۔ مکتوبات شریفہ کی تخریج احادیث مولانا محمد سعید مفتی عدالت آصفیہ دکن نے تیار فرمائی تھی۔ جس کا نام ''تشید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات الامام الربانی'' ہے جو ایک سو بیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اور ۱۳۱۱ھ میں مطبع فیض الکریم حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔

مکتوبات شریفہ کو اندرون ملک ہی پذیرائی نہیں ہوئی۔ بلکہ بیرون ملک بھی انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ شیخ محمد مراد المنزلوی المکی نے ''الدر المکنونات النفسیہ'' کے نام سے مکتوبات کے تینوں دفاتر کا عربی میں ترجمہ کیا ہے جو ۱۳۱۶ھ و ۱۳۱۷ھ میں ''المکتبة المیریة الکائنه'' مکہ مکرمہ سے شائع ہوا۔ دفتر اول کے حاشیے پر عربی میں حضرت مجدد الف ثانی

کے حالات مبارکہ بھی دیے گئے ہیں۔ حسین حلمی ایشیق بن سعید استانبولی نے مکتوبات کے پہلے دفتر کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا ہے جو ۱۶ فروری ۱۹۷۳ء کو چھپ گیا ہے۔ پانچ سو پچاسی صفحات میں مکتوبات کا ترجمہ ہے اور تینتالیس صفحات میں فہرست ہے اس طرح کل صفحات ۶۲۸ ہیں۔ بعض مکتوبات کا اٹلی والوں نے اپنی زبان میں ترجمہ کر کے طبع کر دیا ہے،

حضرت مجدد الف ثانی کی تصانیف ادبی لحاظ سے بہت بلند مرتبہ ہیں۔ حضرت مصنف کو یہ معلوم ہے کہ وہ ایسے مسائل پر گفتگو کر رہے ہیں جن کا تعلق الٰہیات اور مذہب سے ہے۔ لیکن ان کے مخاطب (اکثر تصانیف میں) عوام الناس ہیں۔ چنانچہ وہ ایسے مسائل بیان کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھتے ہیں کہ زبان زیادہ مشکل نہ ہو اور تراکیب ایسی استعمال نہ کی جائیں جو ادق ہوں یا عسیر الفہم ہوں۔ چنانچہ آپ کی تصانیف میں اس چیز نے ایک لطافت پیدا کر دی ہے۔ اور جملوں کی دروبست فقروں کی برجستگی اور تشبیہات کے برمحل استعمال سے آپ کی تحریر میں ایک شان اور دل آویزی آ گئی ہے۔ اس کے ساتھ عربی جملوں، احادیث نبوی اور قرآنی آیات کی آمیزش نے عبارت میں دلکشی پیدا کر دی ہے۔ ہندی ماحول کی وجہ سے اکثر تصانیف میں ہندی کے الفاظ بھی آ گئے ہیں۔ لیکن یہ الفاظ اپنی ثقالت کے باوجود گراں نہیں گزرتے۔ بلکہ اس بات کے احساس کے لیے مہمیز کا کام کرتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی نے بھی ہندی الفاظ اور جملوں کو اپنی تحریر و تقریر میں استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اس طرح برصغیر میں جو ایک نیا ادب اور نئی زبان جنم لے رہے تھے اس کے ایک رکن رکین حضرت مجدد الف ثانی بھی تھے۔ ناقدین ادب نے اٹھارہویں، انیسویں صدی عیسوی کی ایک ادبی تحریک، رومانوی تحریک، کی جو خصوصیات بیان کی ہیں، حضرت مجدد الف ثانی کی تصانیف اپنی جاذبیتِ بیان، شیرینی زبان، طرزِ تحریر، نفسِ مضمون اور شوکتِ الفاظ کے لحاظ سے ان پر پوری اترتی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی کی تصانیف کا مطالعہ کر کے حضرت خواجہ باقی باللہ کے اس قول کی صداقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ:

> سرہند میں بہت علم اور قوی عمل والے ایک شخص رہتے ہیں۔ ان کا نام احمد ہے کچھ دن فقیر ان کے ساتھ رہا، ان کے اوضاع واطوار سے بہت کچھ عجائبات ظاہر ہو رہے ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ ایسا روشن چراغ ہیں جس سے دنیا روشن ہو جائے گی۔

حضرت مجدد الف ثانی کی تصانیف اس دور کے معاشرتی اور تاریخی حالات وواقعات کے سلسلے میں بھی داخلی شہادت بہم پہنچاتی ہیں۔ان سے اس دور کے علماء امرا اور بادشاہوں کی دسیسہ کاریوں، دوغلے پن اور جبر وکبر کا اندازہ ہوجاتا ہے اور اس بات کا اندازہ بھی ہوجاتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے ان طاغوتی طاقتوں کے بتوں کو کس طرح پاش پاش کیا۔ کچھ جدید تذکرہ نویس کہتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی نے اکبری الحاد کا خاتمہ نہیں کیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ''ان بے ذوق اور کم سواد'' لوگوں نے حضرت مجدد الف ثانی کی تصانیف کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا اور نہ انہیں داخلی شہادت کے طور پر ہی استعمال کیا ہے اگر وہ ایسا کرتے تو یقیناً انہیں اعتراف کرنا پڑتا کہ حضرت مجدد الف ثانی نے واقعی اکبری ''الحاد وفتنہ'' کا خاتمہ کیا اور اس سلسلے میں اپنے سلسہ رشد وہدایت کے ساتھ ساتھ اپنی تصانیف سے بھی پورا پورا کام لیا۔

☆......☆......☆

حواشی:

۱......حضرت القدس ج ۲ ص ۲۹۷

۲......دار المعارف ص ۲۰۵، ۲۰۶: حضرت شاہ غلام علی دہلوی نے مذکورہ رسالوں کے اسماء کی وضاحت نہیں فرمائی۔(مؤلف)

۳...... مجدد الف ثانی ص ۲۶۱

۴......حضرات القدس ج ۲ ص ۱۳۶ معجم المولفین ج اول' ص ۲۵۹، حدائق الحنفیہ ص ۴۰۶، تذکرہ اولیائے ہندو پاکستان ص ۱۵۸، حضرت مجدد الف ثانی ص ۶۶۱ جواہر مجددیہ ص ۵۷، نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۴۳، تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱، برکات معصومی مفتاح اول ص ۴۷۔

۵......زبدۃ المقامات ص ۲۴۰ حضرات القدس ج ۲ ص ۱۳۶، حدائق الحنفیہ ص ۴۰۶، تذکرہ اولیائے ہندو پاکستان ص ۱۵۸، حضرت مجدد الف ثانی ص ۶۶۱ جواہر مجددیہ ص ۵۷ نزہتہ الخواطر ج ۵' ص ۴۳ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲، برکات معصومی مفتاح اول ص ۴۷۔

۶......ایضاً سوائے معجم المولفین

۷......ایضاً سوائے معجم المولفین وحدائق الحنفیہ

۸......حضرات القدس ج ۲ص ۱۳۶ زبدۃ المقامات ص ۲۴۰ زبدۃ المقامات ص ۱۹۰، معجم المولفین ج اص ۲۶۹، حدائق الحنفیہ ص ۴۰۶، تذکرہ اولیائے ہندوپاکستان ص ۱۵۸ حضرت مجدد الف ثانی ص ۶۶۱، جواہر مجددیہ ص ۵۷، نزہتہ الخواطرج ۵ص ۴۳ تذکرہ علمائے ہندص ۱۲ مکتوبات معصومی مفتاح اول ص ۴۷

۹......ایضاً سوائے معجم المولفین

۱۰......ایضاً سوائے معجم المولفین،

۱۱......ایضاً معہ معجم المولفین ج اص ۲۵۹

۱۲......زبدۃ المقامات ص ۲۴۰ عمدۃ المقامات ص ۱۹۰

۱۳......ایضاً وحدائق الحنفیہ ص ۴۰۶ تذکرہ اولیائے ہندوپاکستان ص ۱۵۸ جواہر مجددیہ ص ۵۷، نزہتہ الخواطرج ۵ص ۴۳، تذکرہ علمائے ہندص ۱۲

۱۴......حضرات القدس ج ۲ص ۱۳۶، معجم المولفین ج اص ۲۵۹، حدائق الحنفیہ ص ۴۰۶ تذکرہ اولیائے ہندوپاکستان ص ۱۵۸ جواہر مجددیہ ص ۵۷ نزہتہ الخواطرج ۵ص ۴۳، تذکرہ علمائے ص ۱۲

۱۵......معجم المولفین ج اص ۲۵۹

۱۶......علمائے ہند کا شاندار ماضی ج اص ۵ تذکرہ علمائے ہندص ۱۰ حضرات القدس ص ۳۳، جواہر مجددیہ ص ۱۵ اعرس اور میلے ص ۲۳۰ سبحتہ المرجان ص ۴۷ زبدۃ المقامات ص ۱۳۱

۱۷......منتخب التواریخ ج ۲ص ۲۹۷

۱۸......ایضاً ص ۳۲۱،

۱۹......ایضاً ص ۳۴۳

۲۰......ایضاً ص ۳۱۹

۲۱......ایضاً ص ۳۵۳

۲۲......ایضاً ص ۳۴۳

۲۳......ایضاً ص ۳۴۰

۲۴......ایضاً ص ۳۴۴

۲۵......ایضاً ص ۳۴۹

۲۶......ایضاً ص ۳۴۸

۲۷......ایضاً ص ۳۲۱

۲۸......ایضاً ص ۳۲۵

٢٩......ایضاً

٣٠......زبدۃ المقامات ص ١٣١،١٣٢

٣١......اثبات النبوۃ ص ٥٠ تا ص ٥٢

٣٢......ایضاً ص ٥٥

٣٣......ایضاً

٣٤......رودکوثر ص ٢٣٠

٣٥......حضرت مجدد الف ثانی ص ٢٦٣

٣٦......زبدۃ المقامات ص ١٣١

٣٧......حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص ٤٧

٣٨......منتخب التواریخ ج ٢ ص ٢١١

٣٩......ایضاً ص ٣١٥

٤٠......ایضاً ص ٢٧٣

٤١......ایضاً' ص ـ ٢٥٨

٤٢......حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص ٤٧

٤٣......زبدۃ المقامات ص ١٣١

٤٤......ردِروافض ص ٥، ٧

٤٥......ردِروافض ص ٨٣

٤٦......تذکرہ مجدد الف ثانی ص ٢٩٢

٤٧......شرح رباعیات ص ٨٠،

٤٨......رباعیات کی تعداد جن کی تشریح کی گئی ہے، تین نہیں صرف دو ہے، (خورشید)

٤٩......شرح رباعیات ص ١٣

٥٠......رودکوثر ص ٢٥٨

٥١......معارف لدینہ ص ٥ـ٦

٥٢......رودِکوثر ص ٢٥٧

٥٣......معارف لدینہ ص ١٨٤

٥٤......ایضاً ص ١٨٨

۵۵......ایضاً ص۱۹۱

۵۶......رودِکوثر ص۲۵۸

۵۷......مبداء و معاد ص۵_۶

۵۸......رودکوثر ص۲۵۸

۵۹......مبداء و معاد ص۱۰۰_۱۰۱

۶۰......ایضاً ص۲۰۱_۲۰۲

۶۱......مکاشفاتِ عینیہ ص۷۷_۷۸

۶۲......حضرات القدس، ج۲ص۲۹۷

۶۳......حیات مجدد ص۲۶۲

۶۴......حضرت مجدد الف ثانی ص۲۶۸

۶۵......زبدۃ المقامات ص۲۴۰

۶۶......ایضاً

۶۷......زبدۃ المقامات ص۲۴۱

☆......☆......☆

الحمد للہ
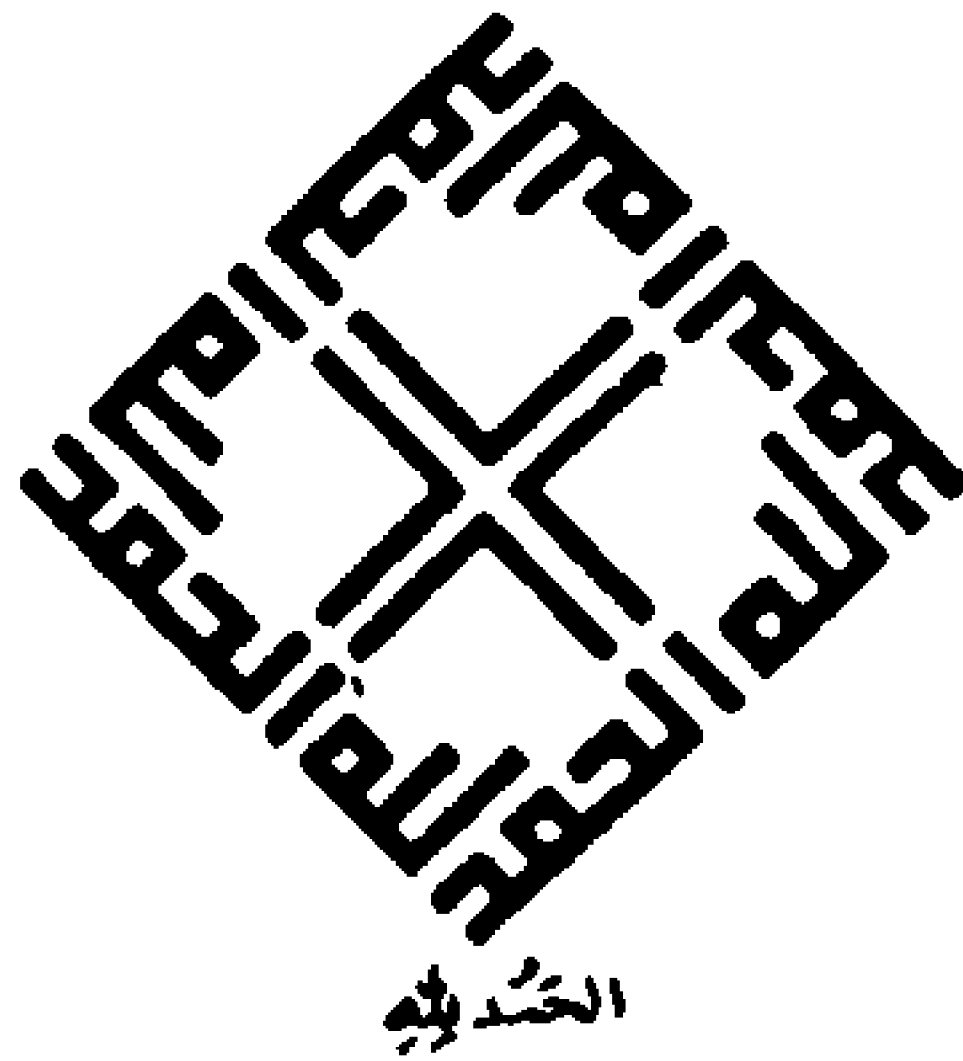
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تکملہ
تصانیف امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی
(تحقیقی وتنقیدی جائزہ)

محمد عالم مختار حق

☆☆

کتاب ''جہانِ امام ربانی'' میں مندرجہ بالا عنوان سے ایک مضمون شریکِ اشاعت ہے جس میں مجدد صاحب کی تصانیف کی معلومہ اشاعتوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس تکملہ میں ہمارا مقصود تصانیف مجدد صاحب کی ان اشاعتوں کی بالترتیب نشان دہی کرنا ہے، جن کا مضمونِ مذکور میں ذکر نہیں:

اثبات النبوۃ:

۱...... ایک اردو ترجمہ علامہ غلام مصطفیٰ مجددی ایم ۔ اے نے کیا ہے جو موصوف کے مرتبہ ''رسائلِ مجدد الف ثانی'' مطبوعہ قادری رضوی کتب خانہ، گنج بخش روڈ، لاہور ۲۰۰۲ء میں شامل ہے۔

رسالہ تہلیلیہ:

۲......اس رسالہ کا اردو ترجمہ بھی علامہ غلام مصطفیٰ مجددی ایم ۔ اے نے کیا ہے اور وہ بھی ان کے مرتبہ ''رسائل مجدد الف ثانی'' میں شامل ہے۔

ردِ روافض:

۳......اس رسالے کا ایک ایڈیشن استانبول (ترکی) سے مکتبہ الحقیقتہ سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا جس کے ہمرشتہ ''المنتخبات من رسائل السید عبدالحکیم الاروسی'' بھی طبع ہوئے (مخزونہ سلفیہ لائبریری، لاہور، بحوالہ ہفت روزہ الاعتصام، لاہور مورخہ ۲۵ جولائی ۲۰۰۳ء)

۴......اس رسالہ کا ایک ایڈیشن مرتبہ مولانا محمد محبوب الٰہی، ادارہ سعدیہ مجددیہ، بیڈن روڈ، لاہور سے ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا جسے مصلحتاً ''تائید مذہب اہلسنہ مع فضائل صحابہ واہلبیت'' کے نام سے شائع کیا گیا۔

۵......اسی محرفہ نام سے اس رسالہ کا اردو ترجمہ بقلم مولانا محمد محبوب الٰہی اسی ادارہ سے ۱۹۶۸ء میں چھپا۔

۶......اس رسالے کا سب سے پہلے اردو ترجمہ غالباً طبیبِ کبیر و دانشورِ شہیر حکیم محمد موسیٰ امرتسری (م-۱۹۹۹-۱۱-۱۷) کے برادرِ بزرگ حکیم غلام قادر چشتی نظامی امرتسری (م-۱۹۷۵-۶-۲۸) نے کیا جو الکتاب سرکلر روڈ چوک انارکلی، لاہور سے ۱۹۵۸ء میں اشاعت پذیر ہوا جس پر لاہور کے نامی مصنف پیر غلام دستگیر (م-۱۹۶۱-۱۲-۱۶) کا پیش لفظ ہے۔

۷......ایک نیا اردو ترجمہ علامہ غلام مصطفیٰ مجددی ایم-اے نے کیا ہے، جو ان کے مذکورہ ''رسائل مجدد الف ثانی'' میں شامل ہے۔

معارفِ لدنیہ:

۸......مولانا زوّار حسین شاہ والا اردو ترجمہ ''رسائل مجدد الف ثانی'' مرتبہ علامہ غلام مصطفیٰ مجددی ایم-اے میں بھی شامل ہے۔

مبداء و معاد:

۹......یہ رسالہ اول اول خواجہ میر درد محمدی دہلوی کے رسالہ ''اسرار الصلوٰۃ'' کے ہمرشتہ مطبع انصاری، دہلی سے شائع ہوا مگر اس پر سنہ طباعت درج نہیں۔ نظر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی مطبع سے ۱۳۰۷ھ میں چھپنے والا ایڈیشن اس کے بعد کا ہوسکتا ہے۔

۱۰......اس رسالے کا ایک ایڈیشن مطبع مجتبائی، دہلی سے ۱۳۱۱ھ میں شائع ہوا (ذخیرہ پروفیسر محمد اقبال مجددی)

۱۱......مولانا نور احمد پسروری ثم امرتسری نے مبداء ومعاد کا جو ایڈیشن ۱۳۳۰ھ میں اپنی تصحیح کے بعد مطبع مجددی امرتسر سے شائع کیا تھا، اس کا ایک عکسی ایڈیشن سنی لٹریری سوسائٹی، ۴۹-ریلوے روڈ، لاہور کی طرف سے ۱۹۹۶ء میں اشاعت پذیر ہوا۔

۱۲......امرتسری ایڈیشن کے آخر میں مرتبِ کتاب محمد صدیق بدخشی الکشمی کے کہے ہوئے چار اشعار پر مشتمل قطعہ تاریخ کا آخری نصف حصہ محذوف ہے البتہ رسائل مجددیہ مطبوعہ ادارہ سعدیہ مجددیہ، لاہور ۱۹۶۵ء میں شامل مبداء ومعاد کے نسخے میں یہ قطعہ مکمل صورت میں موجود ہے اور اسے رباعی کا نام دیا گیا ہے۔

۱۳......مبداء ومعاد کا ایک اردو ترجمہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب (مدیر ماہنامہ جہانِ رضا لاہور) نے بھی کیا اور اسے اپنے اشاعتی ادارہ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور سے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا۔ یہی ترجمہ بعد میں ''رسائل مجدد الف ثانی'' مرتبہ علامہ غلام مصطفیٰ مجددی ایم-اے میں بھی شامل کیا گیا۔

مکتوبات مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی:

۱۴......مولانا نور احمد امرتسری والے ایڈیشن کا ایک عکسی ایڈیشن مکتبہ القدس، کانسی روڈ، کوئٹہ (بلوچستان) سے دو جلدوں میں نہایت اہتمام کے ساتھ ۱۴۱۹ھ میں شائع ہوا جس کی ابتدا میں آرٹ پیپر پر بیس صفحات پر حضرت مجدد الف ثانی کے مناقب اور حضراتِ سلسلۂ مجددیہ کے مزارات کی رنگین تصاویر کا اضافہ کیا گیا ہے۔ دونوں جلدوں کے پُشتے پر نام کی مشترک ڈائی لگا کر کتاب میں حسن پیدا کیا گیا ہے۔

۱۵......آستانہ عالیہ حبیبیہ گجرات نے مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی بالاجزاء شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے جس کے تحت مکتوبات کا پہلا حصہ دفتر اول (مکتوب ۱-۴۰) باہتمام وترتیب محمد افتخار حسین حبیبی ماہ صفر ۱۴۲۵ھ کو شائع ہو چکا ہے جو مفصلہ ذیل محاسن کا حامل ہے:

۱۔ یہ ایڈیشن بھی مولانا نور احمد امرتسری کے مرتبہ ایڈیشن کی عکسی طباعت کا مظہر ہے۔

۲۔متن کے آخر میں اردو ترجمہ از مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب شامل کیا گیا ہے (یہ وہی اردو ترجمہ ہے جو ادارہ مجددیہ ناظم آباد، کراچی سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا)۔

۳۔حواشی صوفی محمد علی نقشبندی اور حافظ محمد اشرف مجددی نے تحریر کیے ہیں۔

۴۔تخریج احادیث کے فرائض ڈاکٹر محمد بابر بیگ مطالی نے ادا کیے ہیں۔

۱۶......مکتوبات شیخ کا ایک انتخاب ۶۱ مکتوبات پر مشتمل ڈاکٹر فضل الرحمٰن ڈائریکٹر اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، اسلام آباد کے انگریزی میں ایک مبسوط مقدمے کے ساتھ اقبال اکادمی، کراچی نے ۱۹۶۸ء میں شائع کیا۔

۱۷...... ملک فضل الدین (اللہ والے کی قومی دکان) والے اردو ترجمہ کے ایڈیشن کی ایک عکسی طباعت کا اہتمام مکتبہ اسلامیات انارکلی، لاہور نے ۱۹۸۸ء میں کیا۔

۱۸......یہی ترجمہ بعدازاں کمپوزنگ کے جدید انداز کے ساتھ مکتبہ ضیاء القرآن گنج بخش روڈ، لاہور سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا جس کا پیش گفتار لکھنے کا اعزاز بحمداللہ راقم الحروف کو حاصل ہے۔

۱۹......یہی ترجمہ مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی نے ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۲ء کے سہ سالہ عرصے کے دوران تین جلدوں میں مولانا محمد سعید احمد نقشبندی، خطیب و امام جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش، لاہور سے منسوب کر کے شائع کر دیا۔۔۔۔۔۔

۲۰......مکتوبات کا ایک جدید ترجمہ مولانا زوار حسین شاہ صاحب نے چار جلدوں میں ۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۳ء کے چھے سالہ عرصے میں مکمل کیا جسے ادارہ مجددیہ ناظم آباد، کراچی نے شائع کیا۔

۲۱......پروفیسر شیخ محمد وجیہ الدین مکاتیب کا انگریزی ترجمہ (Maktubat Sharif) EPISTLES کے نام سے کر رہے ہیں۔ پہلی جلد ۲۱۳ مکاتیب کے انگریزی ترجمہ پر مشتمل انسٹی ٹیوٹ آف نقشبندی مجددی ورکس، لاہور کی جانب سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہو چکی ہے۔ بقیہ مکتوبات کا ترجمہ بھی عنقریب شائع ہونے کی توقع ہے۔

۲۲......فہارس تحلیلی ہشت گانہ مکتوبات احمد سرہندی از آرثور بیولر (سالم عبداللہ) یہ کتاب اقبال اکادمی پاکستان لاہور نے ۲۰۰۱ء میں شائع کی۔ اس کتاب میں مکتوبات کے متعلق آٹھ انڈیکس بنائے گئے ہیں یعنی:

۱۔فہرستِ آیات　　۲۔فہرستِ احادیث
۳۔فہرستِ گفتار وامثالِ عرفانی از مشائخ　　۴۔فہرست تحلیلی الفاظ واصطلاحاتِ عرفانی
۵۔فہرست نامہائے اشخاص　　۶۔فہرست گروہ ہا وفرقہ ہا
۷۔فہرست نامہائے کتب ورسالہ ہا　　۸۔فہرست نام جاہا

۲۳......مکتوبات کے مضامین پر مشتمل ایک کتاب ''کشف المعارف'' عنایت عارف صاحب نے مرتب کی جسے الفیصل اردو بازار، لاہور نے جون ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔

۲۴......مکتوبات کی ایک مفصل شرح ''البینات'' کے عنوان سے ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی نے لکھنا شروع کی تھی جس کی پہلی جلد تیس مکاتیب کی حامل تنظیم الاسلام پبلی کیشنز ماڈل ٹاؤن، گوجرانوالہ کی طرف سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی۔ دوسری جلد پر کام جاری تھا کہ شارح علام ۱۰ اور ۱۱ راگست ۲۰۰۲ء کی درمیانی شب دارِ فنا سے دارِ بقا کو کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لہٰذا دوسری جلد ان کی رحلت کے بعد ۲۰۰۳ء میں اسی تنظیم نے شائع کردی جو اگلے پچاس مکاتیب پر مشتمل ہے۔ موصوف اپنی حینِ حیات ۲۷۶ مکتوب کی شرح بصورت درس مکمل کر گئے تھے۔ امید ہے کہ بقیہ کام بھی مرحلہ وار زیورِ طباعت سے آراستہ ہو جائے گا۔

۲۵......مکتوبات کی ایک اور درسی شرح بزبان فیض ترجمان مسعودِ ملت، پیر طریقت حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب ماہنامہ ''المظہر'' ادارہ مسعودیہ کراچی میں بالاقساط شائع ہو رہی ہے۔

۲۶......مکتوبات کے مضامین پر مشتمل ایک اشاریہ مولانا محمد نعیم اللہ خاں خیالی نے ۱۹۸۳ء میں ''معارفِ مکتوبات امام ربانی'' کے نام سے مرتب کیا تھا جسے ۲۰۰۲ء میں شاہ ابوالخیر اکادمی دہلی نے شائع کیا

۲۷......مکتوبات امام ربانی کا ایک عربی ترجمہ معہ تخریج ''المکتوبات الربانیۃ'' تین جلدوں میں بیروت سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا ہے جس میں مترجم کا نام محمد مراد منزلوی اور تخریج کرنے والے کا نام مصطفیٰ حسنین عبدالہادی درج ہے۔

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مکتوباتِ امام ربانی......ایک تحقیقی جائزہ

حکیم محمد موسیٰ امرتسری [1]

☆

امام ربانی مجددِ الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی، نقشبندی، سرہندی قدس سرہٗ السامی (م۔۱۰۳۴ھ) کے مکتوبات شریف، کتبِ تصوف میں نہایت بلند درجہ رکھتے ہیں۔ حضرت شیخ نے ان کو مجددانہ شان اور مجتہدانہ انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ اور ان میں بیان فرمودہ اسرار و معارف کو ملاحظہ کر کے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت شیخ اس فن میں درجہ امامت و مقامِ اجتہاد [2] پر فائز ہیں۔

مکتوبات قدسیّہ میں زیادہ تعداد ایسے مکاتیب کی ہے، جو مسائلِ شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت پر مشتمل ہیں۔ اور بعض میں مصلحانہ اور مجدّدانہ انداز میں جادۂ شریعت سے ہٹے ہوئے صوفیۂ خام کی غلط روش اور ان کے ناپسندیدہ افعال پر تنقید کی گئی ہے۔ علماءِ سوء کی جاہ پسندی سے اسلام کو جو نقصان عظیم پہنچ رہا تھا، اس پر اظہارِ تاسف کیا گیا ہے۔ اکبر بادشاہ اور اس کے ملحد امراء کے کفریہ عقاید کی وجہ سے دینِ مُبین پر جو مصیبتیں نازل ہو رہی تھیں، ان کے دفعیہ کے لیے امراء، علماء اور صوفیہ کو متوجہ کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کے میل جول سے مسلمانوں میں جو قبیح رسوم رائج ہو گئی تھیں، ان سے اجتناب اور بدعت کو محو کر کے سنت کو زندہ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ غیر مقلد شیخ مبارک کے بیٹوں ابوالفضل اور فیضی کے ملحدانہ خیالات اور ناپاک عزائم کے اثراتِ بد، روافض، خوارج، نواصب و دیگر فرق باطلہ کے بُرے عقائد کے مفاسد و مضار کے استیصال کی کوشش کی گئی ہے۔ تفضیلیہ کو اہل سنت و جماعت سے خارج بتایا گیا ہے۔ عقائدِ اہل سنت پر پختگی سے کاربند رہتے ہوئے حضرات اہل بیت، شیخین اور جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی

محبت واحترام کا سبق دیا گیا ہے۔ غرض کہ سیکڑوں مسائلِ شریعت وطریقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور ہر مکتوب کا لب لباب یہی ہے کہ اسلام کو زندگی کے ہر شعبہ پر مکمل طور پر نافذ کیا جائے۔ شریعت کو طریقت پر مقدم رکھا جائے۔ جو طریقت مخالفِ شریعت ہے وہ الحاد وزندقہ ہے۔ [۳]

حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمتہ والغفر ان کی تصانیف اور علوم ومعارف کے مختلف مدارج ہیں۔ اور مکتوبات شریف۔ میں بھی یہ مدارج موجود ہیں، جو مکاتیب تبلیغی اور دعوتی ہیں، وہ عام فہم ہیں اور جو مسائل تصوف پر لکھے گئے ہیں، ان میں سے بعض بہت زیادہ دقیق ہیں......اس سلسلے میں شیخ بدرالدین سرہندی [۴] رحمہ اللہ کا تبصرہ نہایت بصیرت افروز ہے وہ فرماتے ہیں:

> واضح ہو کہ مبداء فیاض سے باطن شریف آنجناب پر جو کچھ معارف واسرارِ مخصوصہ وارد ہوتے تھے، ان کی چند قسمیں ہیں، ایک قسم ایسی ہے کہ آنجناب قدس سرہ، کبھی ان کو زبان فیض ترجمان پر نہ لائے اور رمز واشارہ سے بھی کبھی ظاہر نہ کیا۔ مثلاً تاویلِ مقطعات ومتشابہاتِ قرآنی کہ آنجناب پر منکشف ہوئے تھے۔ دوسری قسم وہ ہے کہ اُن کا اظہار صرف اپنے صاحبزادوں سے خاص طور پر فرمایا، دوسرے اشخاص کو اس میں شریک نہیں فرمایا، اور نہ ہی وہ معرضِ تحریر میں لائے گئے۔ تیسری قسم کے وہ معارف ہیں، جن کو آپ نے اپنے ان مریدوں سے جو محرمانِ راز وکاملین اصحاب تھے، بیان کیا۔ اور ان کے اظہار کے وقت خلوتِ خاص ہوتی تھی اور دروازے بند کر لیے جاتے تھے، اور اگر اتفاقاً کوئی اور شخص آ جاتا تو سکوت اختیار فرماتے اور روئے سخن بدل دیتے اور بقیہ اسرار کو اور کسی وقت بیان فرماتے تھے۔ یہ معارف حتی الامکان تحریر نہیں کیے جاتے تھے۔ مگر جب کوئی محرمِ راز التماس کرتا تو بہ لحاظ اجابت سوال ایسے طریقے سے تحریر فرماتے کہ ہر کوئی شخص اس کا ادراک نہ کر سکے۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ بہ التماسِ سائل یا بہ نیت افادۂ طالبان عموماً وشمولاً تحریر کیے گئے۔ رسائل ومکاتیبِ دفاتر ثلثہ وافر البرکات ان ہی اسرارِ قسم

چہارم پر مشتمل ہیں اور ہر معرفت دل کے بیماروں کے لیے شفا اور مہجوروں کے لیے وصال ہے۔ ۵

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:

نیز آپ کے رسائل مثل ''مبداء و معاد'' اور ''معارفِ لدنیہ'' کہ آپ کے احوال و مقامات خاصہ کو متضمن ہیں.....اور رسالہ ''مکاشفاتِ غیبیہ'' رسالہ ''اثبات النبوت'' رسالہ ''آداب المریدین'' ''شرح رباعیات حضرت خواجہ'' ''تعلیقات عوارف'' اور ''رسالہ دررد شیعہ'' وغیرہ بھی اسرارِ قسمِ چہارم میں سے ہیں۔

اس کے بعد قسم چہارم کی پُر معارف تصانیف، جن میں مکاتیبِ قدسیہ بھی شامل ہیں، کے علوِ شان اور ان کی جامعیّت کو اس طرح بیان کیا ہے:۔

بہ لحاظِ مطالب کی باریکیوں اور عبارتوں کے دقائق اور اسرار کی تحقیق اور حالات و اشارات کی تدقیق کے، آں جناب قدس سرہ کے علوِ شان اور رفعتِ مکان و بلندی مراتب پر کرامتِ ساطعہ اور آیۂ قاطعہ ہیں۔ کشف حقائق الٰہی میں جو کچھ باریکیاں اور نازک بیانیاں آں جنابِ قدس سرہ نے کی ہیں۔ اکابر علماء و مشائخ اس کے شیفتہ ہیں۔ اور جو کچھ دقائق متعلق بہ حضرات خمس اور توحید وجودی و شہودی اور مشاہدہ و مکاشفہ اور ایقان و ایمان، غیب و بیان، اطوار سبعہ و ظہور انوار مختلفہ و تجلّیات متکیفہ و غیر متکیفہ و جمع بین التشبیہ والتنزیہہ، و تنزیہہ صرفہ اور خفا باقی اطلاق و محال تعینات و تجلّی برقی و دوامی و معاملہ وراء تجلّی، سُکر و صحو و علوم وراثت و غیر وراثت اور ولایت کی قسموں کی تحقیق یعنی صغریٰ و کبریٰ و علیا و مقامِ نبوت و رسالت و صدیقیت و قربت و تدلّی و تدنّی و محبت و خلّت اور درجاتِ سبعہ متابعت وحدِ صباحت و ملاحت و جمع درمیانِ ہر دو اور سیرِ آفاقی و انفسی اور سیر ماوراء آفاقی و انفس میں آنجناب نے بیان

فرمائے ہیں وہ عقل مندوں پر ظاہر و ہویدا ہیں۔ صرف یہی علوم و معارف جو تحریر فرمائے گئے' وہ علّو مقال' فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے مرتبۂ اعجاز میں داخل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ابنائے روزگار اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں..... اور جب خلوت میں زبانِ الہام ترجمان سے بیان کرتے تھے' تو اور ہی حال وارد ہوتا تھا۔ گویا مرقومات ''قال'' ہیں۔ اور ملفوظات ''حال'' و بیان معرفت ہیں اور یہ اتقاء نسبت و اعطا نعمت ہیں۔[۶]

شیخ بدرالدین رحمتہ اللہ علیہ کے بیان بالا کے مطابق خواجہ محمد ہاشم کشمی نے بھی مکتوبات کو قسم چہارم کے اسرار و معارف میں شمار کیا ہے[۷]۔ حقیقت یہ ہے ولایت کے بلند درجات ''بقاباللہ'' اور ''ظہور من اللہ'' پر فائز شخص جس کی پرواز ہمیشہ بلند رہتی ہو۔ اور ہر آن اس پر حقائق الٰہیہ منکشف رہتے ہوں' وہ اپنے مقام سے ارادۃً خواہ کتنا بھی نزول کر کے اسرار و رموز بیان کرے' وہ پھر بھی علماء ظاہر اور ابتدائی مدارج کے صوفیہ کے فہم و ادراک سے بالا ہوں گے۔ اگرچہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مکتوبات اسرار قسم چہارم میں سے ہیں۔ لیکن ان میں بیشتر وہ مکاتیب بھی شامل ہیں' جن میں تیسری قسم کے اسرار و معارف مندرج ہیں۔ جیسا کہ تیسری قسم کے معارف کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے مگر جب کوئی محرم راز التماس کرتا تو بہ لحاظ اجابتِ سوال ایسے طریقے سے تحریر فرماتے کہ ہر کوئی شخص اس کا ادراک نہ کر سکے۔

اس قسم کے دقیق اور عسیر الفہم مکاتیب کے بارے میں حضرت شاہ احمد سعید مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۲۷۷ھ) فرماتے ہیں:۔

> فہمیدن تدقیقاتِ حضرت امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ نہایت مشکل است کسیکہ در علومِ ظاہر یہ یدِ طولانی داشتہ باشد و سلوک و مقاماتِ مخصوصہ آں جناب ہم بوجہ لائق نمودہ' البتہ او را مناسبتے بہ فہمِ آں معارف پیدا خواہد شد و الّا فلا..... ایں فقیر مکتوباتِ قدسی آیاتِ ایشاں را از جناب شاہ صاحب قبلہ (شاہ غلام علی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ متوفی ۱۲۴۰ھ) خواندہ و سالہا در خدمتِ ایشان حلِ مواضع مغلقۂ آں نمودہ و شنیدہ و بعد وفاتِ ایشاں تا ایں دم کہ قریب چہل سال شدہ گاہے درس و مطالعۂ آں موقوف

نہ داشتہ' فی الجملہ قدرت در حلِ آں بدست آوردہ است از دیگراں چہ گوید۔ ۸

مکتوبات کی تعداد اور ترتیب وتدوین کی کیفیت

پہلا دفتر ''درالمعرفت'' (۱۰۲۵) کے تاریخی نام سے موسوم ہے' اس میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں۔ اس دفتر کو خواجہ یار محمد جدید بدخشی طالقانی رحمہ اللہ ۹ مُرید حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ۱۰۲۵ھ میں جمع کیا۔ مکتوب ۳۱۳ میں حضرت شیخ مجدد کا ارشاد نقل ہے کہ اس دفتر کو اسی مکتوب پر ختم کریں اور ۳۱۳ کے عدد کی رعایت کریں' کیونکہ پیغمبرانِ مرسل' صحابۂ اہل بدر کی تعداد کے مطابق ہے۔ اور دفتر دوم کے دیباچہ میں تحریر ہے:

> چوں جلد اوّل مکتوبات بہ عددِ سہ صد و سیزدہ ۳۱۳ مکتوب رسید حضرت ایشاں سَلَّمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرمودند کہ برہمیں عدد ختم کنند کہ موافق عدد پیغمبرانِ مرسل است صَلَوٰتُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْھِمْ۔ ونیز موافقِ عدد اہلِ بدر است رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ تبرکاً وتیمناً برآں عدد ختم نمودہ آمد۔

مکتوب ۳۱۳ میں جو خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ کے نام ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اس کے بعد صاحبزادہ محمد صادق علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۰۲۵ھ فرزند اکبر حضرت مجدد قدس سرہٗ) کے وہ تین عریضے' جو انہوں نے حضرت مجدد کی خدمت عالیہ میں لکھے تھے' وہ بھی شامل کر دیے جائیں۔ تاکہ ان عرائض کے پڑھنے والے صاحب زادہ محمد صادق کے حق میں دعائے خیر کریں۔ حضرت کے ارشاد گرامی کے مطابق دفتر اوّل کے آخر میں یہ تین عریضے بھی شامل کر دیے گئے۔

دوسرا دفتر جس کا تاریخی نام ''نور الخلائق'' (۱۰۲۸) ہے۔ اس میں اسماء حُسنیٰ کے مطابق کل ۹۹ مکتوبات ہیں۔ اس دفتر کے جامع خواجہ عبدالحی ابن خواجہ چاکر حصاری (رحمہما اللہ) ہیں۔ جناب مرتب دیباچہ دفتر دوم میں لکھتے ہیں کہ اس دفتر کی تدوین وترتیب کا کام میں نے حضرت خواجہ محمد معصوم (متوفی ۱۰۷۹ھ) کے حکم سے کیا ہے..... دفتر سوم کے دیباچے میں لکھا ہے:

چوں آں جلد بہ نود ونہ (۹۹) مکتوب رسید کہ مطابقِ اسماءِ حُسنٰی است
بر ہماں ختم شد در سالے (سال) کہ تاریخ آں از ''نور الخلائق'' (۱۰۲۸)
ہویدا است۔

تیسرا دفتر ''معرفت الحقائق'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے جامع خواجہ محمد ہاشم کشمی برہان پوری رحمہ اللہ مُرید حضرت امام ربّانی قدس سرہ ہیں۔ انہوں نے اس دفتر کو حضرت امام ربانی کی خدمت میں رہ کر مدوّن کیا۔ اس کے دیباچے میں لکھا ہے کہ مطابق عددِ سُوَرِ قرآنی ۱۱۴ مکتوبات ہیں سالِ اتمام جلد ثالث لفظ ''ثالث (۱۰۳۱)'' سے برآمد کیا ہے۔ مگر واقعتہً اس دفتر میں ۱۲۴ مکاتیب ہیں۔ اور بعض نسخوں میں کم ہیں مطبع نولکشور کے چھٹے ایڈیشن میں صرف ۱۲۲ ہیں۔ اور ایک میں ۱۲۳۔ اس دفتر کے مکتوب ۱۱۵ کے حاشیہ میں حضرت مولانا نور احمد مرحوم محشّیٔ مکتوبات لکھتے ہیں:۔

بداں کہ در خطبہء ایں جلد مصرح ست کہ جملہ مکاتیب ایں جلد یک
صدو چہاردہ اند مطابق عددِ سُوَرِ قرآنی، پس این دہ مُکاتیب اخیرۂ ایں
جلد شاید بعد از اں بمعرضِ تسوید آمدہ باشد و ملحق شدہ فافہم واللہ اعلم [۱۰]۔

پھر مکتوب ۱۲۴ کے حاشیہ میں یہ لکھا ہے:۔

بداں کہ ایں مکتوب در بعضے نُسخ خطیہ یافتہ شد فالحقنا ہ وجعلناہٗ
خاتمۃ المکاتیب وحضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نسبت بایں مکتوب
فرمودہ اند کہ آں مکتوب داخلِ جلد ہائے مکتوباتِ قدسی آیات نہ شدہ۔ [۱۱]

حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مکتوب ۱۲۴ حقیقتِ کعبہ کے اسرار کے بیان میں ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ نے بھی اسی مضمون کا ایک خط مرزا امان اللہ برہان پوری کے نام لکھا ہے۔ اس میں اپنے والد گرامی کے مذکورہ بالا مکتوب کا حوالہ دیتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے:۔

حضرتِ ایشانِ ما.... قَدَّ سَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِسِرِّہِ الْاَقْدَس .... در مکتوبیکہ
داخلِ سہ جلد مکتوبات نیست، نوشتہ اند........ [۱۲]

حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ کے اس ارشاد سے یہ اخذ کیا ہے کہ یہی مکتوب خاتمۃ المکاتیب ہے، جو شامل ہونے سے رہ گیا تھا۔ لیکن سمجھنا یہ چاہیے کہ دفتر سوم کے جو ۱۱۴ مکتوبات ہیں ان

میں یہ شامل نہیں۔

دفتر سوم کے ساتھ ملحق ہونے والے مکاتیب کے بارے میں دفتر سوم کے جامع خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمہ اللہ کا بیان بہت واضح ہے۔ وھو ہذا

> بعد از اتمامے جلدِ ثالث ومہجوری[۱۳] بندہ از آستان بعضے مکاتیب دیگر کہ شروع دفتر چہارم بود بہ ظہور آمدہ بُود وہنوز بہ چہاردہ (۱۴) مکتوب نہ رسیدہ کہ آں ماہ چہاردہ آسمانِ قطبیّت رو درنقاب مغرب تُراب کشیدہ قَدَّسَ اللّٰہُ تَعَالیٰ سِرَّہُ الْاَنْوَرَ وَنَوَّرَ مَضْجَعَہُ المعطر بحرمۃ سیّدالبشر والصلوٰۃ والسلام علیہِ وعَلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ واحبّائہٖ الٰی یوم المحشر ناچار آں مکتوب را داخلِ جلدِ ثالث نمودہ شد۔[۱۴]

خواجہ محمد ہاشم کے مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں یہ سمجھنا چاہیے کہ تین مکتوب اور بھی ہیں، جو مکتوبات کے اکثر خطّی نسخوں میں شامل نہیں ہو سکے واللہ اعلم بالصواب......اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس اہتمام کے ساتھ حضرت شیخ کی زندگی میں مکتوبات کے تین دفتروں کو محفوظ کیا گیا۔ بعد میں معرضِ تسوید میں آنے والے مکاتیب کو اُس اہتمام کے ساتھ جملہ خطّی نسخوں کے آخر میں شامل نہیں کرایا جا سکا وگرنہ کسی نسخہ میں کم اور کسی میں زیادہ کا معاملہ نظر نہ آتا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ اور صاحب ''روضۃ القیومیہ'' خواجہ کمال الدین محمد احسان اللہ کے بیانات جو آیندہ اوراق پر نقل ہوں گے۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خاتمۃ المکاتیب وہ مکتوب ہے جو امرتسر والے ایڈیشن میں نمبر ۱۲۳ بنام نور محمد تہاری ہے۔ مگر مولانا نور احمد رحمتہ اللہ علیہ نے مکتوب ۱۲۴ کو جو اُنہیں بعد میں ملا خاتمۃ المکاتیب قرار دیا ہے۔ یہ تقدم وتاخر بے اہتمامی کی دلیل ہے۔

ہر سہ دفتر مکتوبات شریف کی کل تعداد ۵۳۶ ہے۔ پہلے دفتر کے بیس مکتوبات وہ ہیں جو حضرت شیخ مجدد نے اپنے مرشد خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۲ھ) کی خدمت میں ارسال کیے دو مکتوب حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نام ہیں۔ اوران کے بیٹے مولانا نور الحق کے نام ایک طویل مکتوب ہے۔ ایک جہانگیر بادشاہ کے نام لکھا ہوا ہے۔ دو مکتوب کسی معتقد خاتون اور ایک ہردے رام ہندو کے نام ہے۔

جہانگیر کے دربار کے ممتاز اُمراؤ اراکین کے نام بہت زیادہ خطوط ہیں، جن میں سے خانِ خاناں، خانِ اعظم، خانِ جہاں، مرزا داراب خاں، قلیچ خاں، خواجۂ جہان، لالہ بیگ اور سید فرید بخاری گورنر لاہور کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ امراء میں سے سب سے زیادہ خطوط نواب سیّد فرید بخاری کے نام ہیں۔ بقیہ اپنے فرزندانِ گرامی قدر، مریدین، معتقدین، معاصر علماء اور مشائخ کو لکھے ہوے ہیں۔

مکتوبات مختصر مضامین پر مشتمل بھی ہیں اور اکثر بے حد طویل مباحث کا احاطہ کیے ہوے ہیں۔ یہ طویل مکتوبات رسائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور حضرت مجدد کے اندازِ تحریر اور زورِ بیان کا یہ عالم ہے کہ فیضان نسبتِ فاروقی کے دھارے بہ رہے ہیں۔ ہر ایک سطر سے عیاں ہوتا ہے کہ رگِ فاروقی جنبش میں اور غیرتِ ایمانی جوش میں ہے۔

استدراک

جناب ملک حسن علی صاحب، بی۔ اے جامعی نے لکھا ہے:۔

> آخری مکتوب ۱۲۳ جو نور محمد تہاری کے نام ہے، بعض مبصرین [۱۵] اسے جعلی اور مصنوعی قرار دیتے ہیں کیونکہ اس مضمون اور مکتوب کی بعض باتیں خلافِ شرع اور خلافِ مشرب حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ [۱۶]

ملک صاحب جو علامہ ابن تیمیہ کی تعلیمات کے عاشق صادق ہیں، نے محض اپنے ذاتی خیالات و معتقدات کی بنا پر اس پُر حقائق و معارف مکتوب کو جعلی اور خلافِ شریعت لکھ دیا ہے۔ ملک صاحب کو یہ مکتوب اس لیے خلافِ شریعت نظر آیا کہ اس میں مدارج ولایت بیان کرتے ہوے حضرات ائمہ اِثنا عشر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو قطبیت کے درجۂ خاص پر فائز تسلیم کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ ان حضرات کے بعد حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ مقام و منصب عطا ہُوا۔ اور تا ایں دم تمام واصلین و کاملین کو ان ہی کے ذریعے فیض پہنچتا ہے۔ اور شیخ مجدد رحمہ اللہ، حضرت شاہِ جیلان قدس سرہٗ کے نائب مناب ہیں۔ یہ حقائق حضرت غوثِ اعظم رحمہ اللہ علیہ کی بیت۔

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

پہلوں کے آفتاب غروب ہوگئے اور ہمارا آفتاب انتہائی بلندیوں پر

ہے۔اور کبھی غروب نہ ہوگا۔

کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیے ہیں۔ ابن تیمیہ کے ''نظریہ مخدومیت'' ۱۷ اور ''توحید خالص'' کے قائل شخص کو ایسی باتیں ضرور خلاف شرع نظر آئیں گی۔مگر حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے کو جملہ سلاسل کے اولیاء اللہ اور علماء اہل سنت نے تسلیم کیا ہے۔اور تمام مشائخ سلسلہ مجددیہ نے شیخ مجدد قدس سرہٗ کے اس کلام کو دل وجان سے مانا ہے۔اور کسی نے بھی حضرت کے اس خط کو جعلی اور خلافِ شریعت قرار نہیں دیا صاحب ''روضۃ القیومیہ'' اور حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ نے اس مکتوب کے ظہور میں آنے کا سبب بتایا ہے۔

پہلے ''روضۃ القیومیہ'' کی تصریح ملاحظہ ہو:

> ایام مرض (وفات) میں ایک روز آں حضرت نے فرمایا کہ آج حضرت غوث الاعظم تشریف فرما ہوکر فرماتے ہیں کہ لوگ میرے اس شعر:
>
> اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا
>
> اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ
>
> کے معنوں کی بابت حیران ہیں.....اگر آپ اس کا حال لکھیں تو آپ کو اس مرض سے صحت ہوجائے گی۔ چونکہ حضرت قیوم اول رضی اللہ عنہ کو لقائے پروردگار کا شوق بہت تھا۔اس لیے بہ کثرتِ شوق آپ آب دیدہ ہوے۔اور یہ دعا اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الاَعْلٰی بار بار پڑھتے اور فرماتے کہ طبیب کہہ دے کہ تم لاعلاج ہوتو میں بہت سارو پیہ راہِ خدا میں صرف کروں۔ مرضِ موت میں آں حضرت نے قیومِ ثانی معصوم زمانی کو وصیت فرمائی کہ مذکورہ بالا شعر کا حل ضرور لکھنا اور خود زبانِ مبارک سے اس کی تشریح کردی۔ حضرت قیوم ثانی رضی اللہ عنہ نے آنجناب کی اس وصیت کو آپ کی عزاداری کے دنوں میں پورا کیا اور مکتوبات کی تیسری جلد میں داخل کردیا۔
>
> چنانچہ اس جلد کے آخر میں درج ہے۔ جو مکتوب شیخ نور محمد تہاری کے نام ہے......اس کے بعد آں حضرت کو چندروز کے لیے صحتِ ظاہری نصیب

ہوئی جو صحت میں بھی حاصل نہ تھی۔ ۱۸

اب حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ کے اپنے بیان پر غور کیا جائے۔ وھو ہذا:

در ایام نقاہت مرض پیشین می فرمودند کہ من مستغرق کمالاتِ اہل بیتِ رسولم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و دراں ضعفہا با کمال استبشار بیان می فرمودند کہ مرا در باغ اہل بیت سر دادہ اندو بہ عجائب و غرائب آں موطن مشرف می سازند و شطری ازاں در معرض اظہار نیز آوردند و بعضے خصائص و کمالاتِ حضرت امیر را کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کہ دیدۂ فکر و وہم اندیشہ ازاں خیرہ و دور راہ است' مشروح ساختند وہم چنیں کمالاتِ حضرت فاطمہ زہرا و حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیان نمودند' علیٰ ہذا القیاس کمالات سائر دوازدہ ائمہ را فرمودند' بدیں تقریب کمالات و خصائص حضرات شیخین و حضرت ذی النورین را بیان نمودند و نسبت و منزلت ہر کدام ازیں خلفائے اربعہ و اہل بیت را باآں سرور علیہ وعلیٰ وآلہ وصحبہ الصلوٰۃ والسلام مشروح ساختند و بعضے از خدماتِ شائستہ خود را کہ بوقوع آمدہ نیز درمیان آوردند و قدرے از کمالاتِ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی راہم بیان کردند' چنانچہ در مرض اخیر ایں ذرّہ حقیر را وصیّت بہ نوشتن بعضے ازیں اسرار کہ قابلِ اظہار بود' نمودند۔ چنانچہ ایں فقیر بہ مقتضائے وصیّت در ایام عزای آں حضرت بحسبِ فہم قاصرِ خویش باچشم گریاں و دلِ ریش مُوجہ روضۂ منورہ نشستہ آں دُرہائے ناسُفتہ را در سلکِ نظم (یعنی ترتیب دادہ) کشید و داخل مکتوبات قدسی آیاتِ آں حضرت گردانید۔ چنانچہ ختم مکتوبات بہ ہماں مرقومات مقرر گشت۔ ۱۹

مؤلفِ روضۃ القیومیہ کی صراحت اور خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ کی شہادت سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا ہے کہ اس مکتوب شریف کے معارف حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے بیان فرمودہ ہیں اور خواجہ محمد معصوم نے حسب وصیّت ان کو مرتب کر کے مکتوبات کے آخر میں شامل کر دیا تھا۔ اس حقیقت کے

واضح ہو جانے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت کا یہ مکتوب بالکل آخری ہے۔لہٰذا اسے سب سے آخر میں درج ہونا چاہیے اور حضرت شیخ قدس سرہٗ کا یہ کلام اس وقت کا ہے جبکہ آپ کے مدارج علیا عین نقطہءعروج پر تھے........اس خط کو جو نور محمد تہاری [۲۰] کے نام لکھا گیا ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے کبھی حضرت غوث اعظم کی مذکورہ صدر بیت کے معنی دریافت کیے ہوں گے۔لہٰذا ان ہی کو مکتوب الیہ قرار دے دیا گیا۔واللہ اعلم بالصواب۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت نے کسی اور جگہ ان معارف کو بیان کیا ہے یا نہیں؟''مکاشفات غیبیہ''[۲۱] مجدد الف ثانی رحمہ اللہ، مرتبہ خواجہ محمد ہاشم کشمی' جس کے شروع میں جامع نے لکھا ہے کہ''معارف آں اوراق از علوم سابقہ اند''......اس کے مکاشفہ ۱۶ کے اندر مشروح ہے:

> باید دانست کہ واصلانِ ذات ازیں بزرگواران کہ بہ''افراد' ملقب اند نیز اقلّ قلیل اندوا کابر صحابہ وائمہء اِثنا عشر از اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین بایں دولت فائض اندواز اکابر اولیاء اللہ،قطبؒ غوث الثقلین قطب ربّانی محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی است قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس بایں دولت ممتاز اند و دریں مقام شان خاص دارند کہ اولیاء دیگر ازاں خصوصیّت قلیل النصیب اند ہمیں امتیاز فضلے باعثِ علّوِ شان ایشاں شدہ است۔فرمودہ اند..... قدمی ھٰذہ علیٰ رقبۃ کلّ ولی اللہ اگرچہ دیگراں را ہم فضائل وکرامات بسیار است امّا قرب ایشاں بآں خصوصیّت از ہمہ زیادہ تر است ،درعروج بآں کیفیت کسے بہ ایشاں نمی رسد' باصحاب وائمہ اثنا عشر دریں باب مشارک اند۔
> ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ۔[۲۲]

حضرت شیخ مجدد رضی اللہ عنہ کے اس مکاشفہ کے نقل کیے جانے کے بعد مزید کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔تاہم اس مسئلے میں چند اور بزرگوں کے حوالے اور آراء نقل کی جاتی ہیں۔تا کہ ثابت ہو جائے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ کے نامور خلیفہ اور بانی سلسلہ آدمیہ حضرت سیّد آدم بنوری رحمہ اللہ

(متوفی ۱۰۵۳ھ) نے اپنی تصنیف ''خلاصۃ المعارف'' میں وہی کچھ لکھا ہے' جو اُن کے مُرشد نے ارشاد فرمایا ہے۔ [۲۳]

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) نے ''المقالۃ الوضیہ فی النصیحہ والوصیہ'' میں اپنے مشاہدے کو اسی طرح بیان کیا ہے۔ اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) نے حضرت شاہ صاحب کے کلام کی تائید و تشریح اس طرح کی ہے:۔

آں چہ حضرت شیخ در قطبیت ائمہ اثنا عشر نوشتہ ایں مضمون را حضرت امامِ ربانی قطبِ صمدانی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ در شرحِ بیت حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نوشتہ این ست بیت:

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

وفقیر آں را در ''شمشیر برہنہ'' (تصنیفِ قاضی صاحب) نوشتہ۔ [۲۴]

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے عظیم پیشوا شاہ غلام علی دہلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۴۰ھ) نے حضرت شیخ مجدد کے اس مکتوب کا خلاصہ شیخ مجدد کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ [۲۵]

عارف باللہ شاہ فقیر اللہ علوی نقشبندی شکار پوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۹۵ھ) کے مکاتیب میں مکتوب ہفتم، ہشتم و چہل و نہم اسی مسئلے پر ہیں اور ہر مکتوب ایک رسالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ [۲۶]

حاجی فضل اللہ نقشبندی قندھاری قدس سرہ الباری (متوفی ۱۲۳۸ھ) نے اپنی تالیف ''عمدۃ المقامات'' (فارسی) میں حضرت شیخ مجدد کے زیر بحث مکتوب کی عبارت نقل کر کے اس مسئلے کو موکد کیا ہے۔ [۲۷]

اس مسئلے پر نقشبندی صوفیہ کی متعدد تحریریں اس وقت میرے پیشِ نظر ہیں۔ جن کے حوالے طوالت کا باعث ہوں گے۔ لہٰذا ذیل میں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں اور حضرت شاہ عبد العزیز کے ارشادات نقل کر دینے کافی سمجھتا ہوں۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۹۵ھ) فرماتے ہیں:۔

صوفیہ اہل سنت بر قطبیت دوازدہ امام صلوٰۃ اللہ علیہم متفق اند۔ [۲۸]

یہ ملحوظ رہے کہ جس طرح اہلِ رفض نے حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات اور تعلیمات کو اپنی کتابوں میں بالکل غلط انداز میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے ائمہ اثناعشر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعلیمات کو تبدیل کر دیا ہوا ہے۔ اور لاتعداد من گھڑت روایتیں ان کی طرف منسوب کر دی ہوئی ہیں۔ مگر اہل سنت و جماعت ان کے دعوئ حبِ اہل بیت اور ان کی وضعی روایات کے پس منظر سے پورے طور پر واقف ہونے کی بنا پر ان پر کان نہیں دھرتے اور اہل بیت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اولاد علی رضی اللہ عنہم کی محبت کا دم بھرتے ہیں......... یہ بھی واضح رہے کہ صوفیہ کے عقائد پر تاریخ اثر انداز نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اپنے مشاہدات و مکاشفات کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور حصولِ فیوض اور وصولِ مقام قرب ان کے مدِ نظر رہتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ (متوفّٰی ۱۲۳۹ھ) کا محدثانہ وصوفیانہ ارشاد ملاحظہ ہو:۔

> نیز ائمۂ پسین مثل حضرت سجاد و باقر و صادق و کاظم و رضا ہمہ مقتدایان و پیشوایانِ اہل سنت بودہ اند کہ علماء ایشاں مثل زہری و امام ابوحنیفہ و امام مالک تلمذ از انجناب کردہ اند و صوفیہ آں وقت مثل معروف کرخی وغیرہ از آنجناب فیض اندوختہ و مشائخ طریقت سلسلہ آنحضرات را سلسلۃ الذہب نامیدہ و محدثین اہل سنت زاں بزرگواراں در ہر فن خصوصاً در تفسیر و سلوک دفتر دفتر احادیث روایت کردہ...... [۲۹]

مندرجہ بالا ارشاداتِ اولیاء و علماء جملہ اہل سنت کا عقیدہ ہیں۔ البتہ نواصب کے لیے ضرور خلافِ شریعت ہیں۔

مکتوبات کی مقبولیت

فارسی زبان میں تصوّف کی سب سے پہلی مستند کتاب حضرت شیخ علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفّٰی قریب بہ ۴۹۰ھ) [۳۰] کی ''کشف المحجوب'' ہے اور اس کو جو مقبولیت و شہرت حاصل ہوئی، وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس کے ۵۳۵ سال بعد منصہ شہود پر جلوہ گر ہونیوالی کتاب مجموعہ مکاتیب حضرت مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہ کو وہی مقبولیت و شہرت حاصل ہوئی۔ اوّل الذکر تصنیفِ منیف پاک و ہند کے اولین مبلغ و داعی اسلام پر وارد شدہ رموز و اسرار طریقت و حقیقت کا بیش بہا

گنجینہ ہے تو ثانی الذکر یہاں کے مجددِ اسلام کے بیان فرمودہ حقائقِ شریعت وطریقت کا بہترین مجموعہ اور دقائق وغوامضِ حقیقت ومعرفت کا نہایت اعلیٰ خزینہ ہے ..... پاک وہند ماوراء النہر اور دیارِ عرب کے علماء وفضلاء اور اصفیاء وعُرفا نے اسے مُرشدِ طریق قرار دیا۔ قریباً پونے تین سو سال تک طالبانِ حق اس کے خطّی نسخوں سے مستفید ومستفیض ہوتے رہے اور دل دادگانِ تصوف ومعرفت اور سالکانِ ہویّت بحت اپنی عمرِ عزیز کے قیمتی اوقات اس کی نقول لینے میں صرف کرتے رہے۔ چنانچہ اس کے خطّی نسخے بہت جلد عالم اسلام میں پھیل گئے تھے۔

مطابع وجود میں آ گئے تو مکتوبات قدسیّہ کو متعدد مطابع نے طبع کر کے شائع کیا۔ اور سب سے بہتر طریق پر حضرت مولانا الحاج نور احمد نقشبندی مجددی امرتسری علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۳۴۸ھ) مرید ومجاز شیخ العرفا حضرت شاہ ابوالخیر مجددی دہلوی قدس سرہٗ (متوفی ۱۳۴۱ھ) نے نہایت تصحیح اور بلیغ تحشیہ کے ساتھ نو حصّوں میں منقسم کر کے ۱۳۲۷ھ تا ۱۳۳۴ھ میں امرت سر سے طبع وشائع کیا۔ حق یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے یہ عظیم کارنامہ سرانجام دے کر حضرت امام ربانی سے اپنی سچی عقیدت اور روحانی تعلق کا حق ادا کر دیا ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزا۔ ۳۱

مکاتیب کی افادیت واہمیّت کے پیشِ نظر عربی میں اس کے کئی ترجمے ہوئے۔ کتب خانہ اوقاف، بغداد شریف میں دو عربی ترجموں کے خطّی نسخے موجود ہیں:

۱.....تعریب المکتوبات الصوفیہ۔ لاحمد النقشبندی الفاروقی ۹۷۷۲=۲۱ x ۱۴ س مؤلفہ الشیخ یونس النقشبندی۔

مجلد.....ابتداء:.....

الحمد للہ ربّ العٰلمین ......وبعدفیقول اسیر الذنوب
سمی صاحب الحوت......طالماکنت اطلب رسائل
غوث المحققین .....احمد النقشبندی.....ولمّا ظفرت
وبعدمدۃ ۳۲

۲.....مکاتیب الشیخ احمد النقشبندی ۴۷۵۲-۱۸x۲۸ س۔

انشاء ھا الشیخ احمد النقشبندی الا حراری۔

رسائل بعث بها الٰی بعض الصوفیه. اولها مکتوب فی بیان احوال تناسب اسم الظاهر والظهور قسم خاص من التوحید وبیان عروجات وقعت......کتبہ' الیٰ مرشدالکبیر......الشیخ محمد بن الباقی النقشبندی الاحراری ۔ [۳۳]

۳......تیسرا ترجمہ علامہ محمد مراد مکی کا ہے۔ اس ترجمے کی مقبولیت اور اس کے اثرات پر علامہ مناظر احسن گیلانی صاحب کا تبصرہ ملاحظہ ہو:۔

سلسلہ مجددیہ کی ایک بڑی شاخ ''خالدیہ سلسلہ'' کے نام سے عراق وشام عرب خصوصاً ترکی ممالک میں بہت زیادہ مقبول ہوئی اور ہے۔ نیز آپ کے ''مکاتیبِ طیبہ'' خود براہ راست اُن ممالک میں بکثرت پڑھے گئے اور پڑھے جاتے ہیں' جہاں کے باشندے فارسی زبان سمجھتے ہیں اور جو اس زبان سے ناواقف ہیں۔ ان تک آپ کے مکتوبات عربی اور اُردو زبانوں میں پہنچائے گئے۔ غالباً روس کے رہنے والے ملّا مراد جو مہاجر ہو کر بالآخر مکہ معظّمہ میں رہ پڑے تھے' انہوں نے مکاتیب کا ترجمہ عربی میں کیا۔ اور مصری ٹائپ میں چھپ کر سارے عربی ممالک میں پھیل گیا۔ یہ خداداد بات تھی کے اس کے بعد حدیث وتفسیر میں جتنی اچھی کتابیں لکھی گئیں ان میں ایسی معتدبہ کتابیں مل سکتی ہیں' جن میں ''مکتوبات'' کے مضامین نقل کیے گئے ہیں خصوصاً عصرِ جدید کی مشہور تفسیر ''روح المعانی'' جو سلطان عبدالحمید خاں مرحوم خلیفہ ٹرکی کے عہد میں لکھی گئی' اس میں علامہ شہاب محمود آلوسی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے گویا اس کا التزام کر رکھا ہے۔ کہ جہاں بھی ذکر کا موقع میسر آئے' وہاں ''قال المجدد الفاروقی رحمتہ اللہ علیہ'' کے نام سے وہ آپ کے خاص خاص نظریات اور جدید تعبیرات کو پیش کرتے ہیں اور بڑے افتخار وناز سے

پیش کرتے ہیں، اہم مسائل کے تصفیہ میں سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔[۳۴]

پھر اردو تراجم کا سلسلہ شروع ہوا۔ اردو ترجمہ پیش کرنے کی ایک کوشش مولوی محمد حسین ابن مولوی قادر بخش ساکن احمد آباد ضلع جہلم نے کی، اس ترجمے کا پہلا حصہ ''الطاف رحمانی ترجمہ اردو مکتوبات امام ربانی'' کے نام سے مولوی امام الدین تاجر کتب راولپنڈی نے ۱۳۱۴ھ میں طبع کیا، جو صرف پہلے بیس مکتوبات کا ترجمہ ہے۔ اس کے اگلے حصے کبھی دیکھنے میں نہیں آئے۔

مولوی عبدالرحیم نائب مدیر، اخبار وکیل، امرت سر نے مکتوبات کے ترجمے کا کام شروع کیا تھا، پہلا حصہ خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کے نام لکھے گئے مکتوبات کو چھوڑ کر آگے کے ۱۷ مکتوبات کا ترجمہ اور تشریحی حواشی پر مشتمل تھا، جو روز بازار اسٹیم پریس امرت سر میں ۱۳۳۰ھ میں طبع ہوا مگر یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا.....

''گنجینہ انوار رحمانی اُردو ترجمہ مکتوبات امام ربانی'' کے نام سے ابتدائی چالیس مکتوبات کا ترجمہ اسلامی دکان کشمیری بازار لاہور نے ۱۳۳۰ھ میں چھاپا تھا۔ مگر یہ کام بھی یہیں رُک گیا.....

مکمل مکتوبات شریف کا اردو ترجمہ پیش کرنے کی سعادت مولانا عالم دین نقشبندی مجددی کے حصے میں آئی۔ ان کے مترجمہ مکتوبات اللہ والے کی قومی دکان لاہور سے دوبار شائع ہو کر نایاب ہو چکے ہیں۔

کئی حضرات نے مکتوبات قدسیہ کے فارسی اُردو انتخاب اور خلاصے شائع کیے۔ اس انداز کا سب سے اچھا کام شاہ ہدایت علی نقشبندی مجددی مرحوم (متوفّٰی ۱۳۰۷ھ) کا ہے۔ انہوں نے ''دُر لاثانی'' کے نام سے مکمل مکتوبات کی اُردو تلخیص کی جسے ''اعلیٰ کتاب خانہ'' کراچی نے ''انتخاب مکتوبات'' کے نام سے ۱۹۶۱ء میں دوبارہ شائع کیا۔ غرض کہ علماء اور صوفیہ نے مکتوبات پر بہت زیادہ کام کیا ہے۔

مکتوبات کی ایک غیر مطبوعہ فارسی شرح ''ضیاء المقدمات فی توضیح المکتوبات'' در دو جلد از مولوی ضیاء الدین اچکزئی شارح کے فرزند مولوی محمد ساکن قصبہ نوزاد ضلع قندھار کے پاس محفوظ ہے[۳۵] مولانا شمس الدین[۳۶] رحمتہ اللہ علیہ (متوفّٰی ۱۳۸۷ھ) تاجر کتب نادرہ لاہور کے ذاتی کتب خانے میں، دو ایسی کتابیں میں نے دیکھی تھیں، جن میں مکتوبات قدسی آیات کی روایات کی تخریج کی گئی ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کا نام ''تشئیذ السبانی فی تخریج احادیث مکتوبات امام ربانی'' حافظے میں محفوظ رہ گیا ہے۔

بایں ہمہ ابھی مزید کام کی ضرورت ہے۔ حضرت شیخ مجدد کے کشوف اور متشابہ کلام پر اعتراضات کے

سلسلے میں خاص طور پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔ اس موضوع پر نقشبندی بزرگوں نے اگرچہ بہت کچھ لکھا ہے مگر تحقیق سے زیادہ عقیدت سے کام لیا گیا ہے۔[۳۷] عزیزی محمد اقبال مجددی سلمہ اللہ مکتوب الیہم حضرات کے حالات زندگی جمع کرنے میں مصروف ہیں۔ خدا کرے کہ وہ جلد از جلد اپنی اس تحقیقی کتاب کو منظر عام پر لاسکیں۔ ان کی یہ پیشکش خاصے کی چیز ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

حضرت مجدد الف ثانی نے بڑی فراخ دلی سے اپنی بعض ابتدائی تحقیقات سے رجوع فرمایا ہے۔ مثلاً دفتر اوّل حصہ سوم کے مکتوب ۲۰۹ میں مبداء و معاد کی ایک عبارت سے رجوع کا اعلان کیا ہے۔[۳۸] اسی طرح اور مکاتیب میں بھی بعض کشفی تحقیقات سے رجوع فرمایا ہے۔ ان رجوع نمودہ عبارات کی نشان دہی کی ضرورت ہے۔ اور بعض کشفی مشاہدات آخر عمر میں ابتدائی مشاہدات سے قدرے مختلف یا واضح ہو گئے ہیں، اس پر بھی کام ہونا ضروری ہے اور یہ تبدیلی خیالات اُن کے مدارجِ عالیہ میں ہر دم عروج و ترقی کی بنا پر ہے۔

اردو ترجمے کی ضرورت

حضرت مولانا نور احمد مرحوم کے محشّٰی مکتوبات کی اشاعتِ ثانی سے عربی اور فارسی کے ماہرین کے ذوق کی تسکین کا سامان تو ہو گیا ہے۔ مگر اُردو ترجمے کی نایابی کی بنا پر فارسی سے ناواقف لوگ حضرت امام ربانی کے فیوض و برکاتِ علمیہ اور معارفِ لدنیہ سے بہرہ یاب ہونے سے محروم ہیں۔

اکبری دور کی پیدا کردہ بداعتقادیوں اور بداعمالیوں اور ہمارے زمانے کے دینی اور اعتقادی فتنوں میں بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس زمانے کے ''لصوصِ دین''[۳۹] اکبری دور کے ''لصوص دین'' کے زلہ ربا اور خوشہ چین ہیں۔ اُس وقت اگر تارکِ تقلید ملا مبارک اور اس کے ملحد و زندیق بیٹے ابوالفضل اور فیضی دین اسلام کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں مصروف تھے تو آج ان کے شاگردان رشید دین کے نام پر دین میں تحریفات کرنے میں کوشاں ہیں۔ مسٹر غلام احمد پرویز، ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور کانگرسی ملاؤں کے ممدوح و مربی مسٹر مسعود سابق ناظم محکمہ اوقاف کی مکروہ تحریروں اور کارروائیوں سے اہلِ حق کے دل مجروح ہیں اور اسی قبیل کے لصوص دین کا ایک بہت بڑا گروہ پیدا ہو چکا ہے۔ شیخ محمد اکرام جو سرسید کے مکتبۂ فکر سے متعلق ہیں، نے بھی اپنی کتابوں کے ذریعے اہلِ حق کو بدنام کرنے کی پوری پوری سعی کی ہے۔

گر بگویم شرح ایں بیحد شود[۴۰]

مکتوبات قدسی آیات میں ہر دور اور ہر ملک کے مسلمانوں کے ہر طبقے کے لیے تعلیمات وہدایات موجود ہیں۔ جس دور میں یہ لکھے گئے تھے وہ چونکہ ہمارے دور سے بہت زیادہ ملتا جلتا ہے اس لیے ان میں خاص طور پر ہمارے لیے فوز وفلاح کی تعلیم موجود ہے۔ اس بے دینی والحاد کے دور میں جب کہ بداعتقاد لوگ گمراہ کن لٹریچر بہ کثرت پھیلا چکے اور پھیلا رہے ہیں.... مجدد اعظم کی تحریریں بلاشبہ تریاق کا حکم رکھتی ہیں۔

☆......☆......☆

حواشی

۱...... ڈاکٹر آرتھر بیولر یوسف سالم نے اپنی کتاب ''پیغمبر اسلام کے ورثاء صوفیہ'' (انگریزی)، مطبوعہ امریکہ میں آپ کا ذکر کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے تحقیقی پایہ کو باہر کی دنیا نے بھی تسلیم کیا ہے

۲...... مسائل تصوف میں

۳...... حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے تجدیدی کارناموں کی اہمیت وعظمت تب ہی پورے طور پر واضح ہو سکتی ہے جبکہ اکبری دور کے ملحدانہ عقائد اور ماحول سے کما حقہٗ واقفیت حاصل کر لی جائے اس موضوع پر محب محترم پروفیسر محمد اسلم صاحب استاد، شعبہء تاریخ، پنجاب یونیورسٹی لاہور کی تحقیقی کتاب ''دین الٰہی اور اس کا پس منظر'' جو حال ہی میں (۱۹۶۹ء) دہلی اور لاہور سے شائع ہوئی ہے کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ فاضل مؤلف نے اس دور کے متجددین بالخصوص شیخ محمد اکرام کے مجدد صاحب پر اعتراضات کے شافی جوابات دے دیے ہیں۔ پروفیسر محمد اسلم صاحب نے یہ کتاب لکھ کر تاریخ اور دین اسلام کی بڑی خدمت کی ہے جزاہ اللہ

۴...... شیخ بدرالدین سرہندی خلیفہ حضرت شیخ مجدد کے حالات کے لیے حضرات القدس دفتر دوم اور روضۃ القیومیہ ملاحظہ ہو

۵...... حضرات القدس، مترجم اردو، دفتر دوم۔ ص، ۱۰۸

۶...... حضرات القدس، دفتر دوم۔ ص، ۱۰۹

۷...... زبدۃ المقامات، فارسی، مطبوعہ نولکشور۔ ص، ۱۲۴

۸...... مناقب احمدیہ ومقامات سعیدیہ، مولفہ، شاہ محمد مظہر مجددی، مطبوعہ ۱۲۸۲ھ، در المکمل المطابع دہلی ص، ۱۳۶

۹...... ان کے نام کے ساتھ ''جدید'' اس لیے لکھتے ہیں کہ ان کے ہم نام ایک اور بزرگ ان سے قبل حضرت شیخ کے مرید ہو چکے تھے۔ فرق وامتیاز کی خاطر مرید سابق کو ''قدیم'' اور ان کو ''جدید'' لکھتے ہیں، طالقان، ایران کے ایک شہر کا نام ہے

۱۰......دفتر سوم (معرفۃ الحقائق) حصہ نہم، مکتوب ۱۱۵، ص ۱۰۴، طبع امرتسر

۱۱......دفتر سوم (معرفۃ الحقائق) حصہ نہم مکتوب ۱۲۴، ص ۱۴۶، طبع امرتسر

۱۲......مکتوبات خواجہ محمد معصوم، مطبوعہ ۱۸۸۷ء در مطبع نظامی، کانپور، مکتوب ۲۴، ص۔ ۴۱

۱۳......دفتر سوم کی تکمیل کے بعد یہ سرہند شریف سے چلے گئے تھے

۱۴......زبدۃ المقامات، مطبوعہ نولکشور، لکھنو، ص۔ ۲۴۱

۱۵......راقم نے ملک صاحب کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ اُن ''مبصرین'' کے نام بتایئے، جنہوں نے اس مکتوب کو جعلی اور خلاف شریعت قرار دیا ہے؟ ملک صاحب نے جواب میں لکھا کہ ''مولانا کریم بخش صاحب پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج، لاہور نے اپنی کتاب ''تعلیماتِ امام اہل سنّت'' میں یہ تحقیق پیش کی ہے''......ایک مولوی کریم بخش ''مبصرین'' ہو گئے یاللعجب!

۱۶......تعلیمات مجددیہ، ص۔ ۴۸

۱۷......شیخ ابن تیمیہ حرانی کے ''نظریہ مخدومیّت'' پر علامہ مناظر احسن گیلانی نے خوب تبصرہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ''مقاماتِ احسانی'' مطبوعہ کراچی۔ اس نظریہ کے تحت حضرت شیخ مجدد کے اکثر وہ نظریات جن کی بنیاد کشف ومشاہدے پر ہے، غلط ٹھہرتے ہیں۔ اوران کی کرامات وخوارق عادات جوان کے خلفاء نے بیان کی ہیں وہ بے حقیقت ہو کر رہ جاتی ہیں اور دیگر تحقیقات بھی علامہ کی ''نکھری ہوئی توحید'' کے معیار پر ہرگز پوری نہیں اُترتیں چنانچہ علامہ مسعود عالم ندوی نے جرأت رندانہ سے کام لیتے ہوئے صاف لکھا ہے:

> تصوف وسلوک وتزکیہ کے بارے میں عاجز نے مطالعہ کے بعد اور انشراح صدر کے ساتھ ایک مسلک اختیار کیا ہے۔ اپنی طبیعت ومزاج کے لحاظ سے صرف امام ابن تیمیہ (ف ۷۲۸ھ) کی نکھری ہوئی توحید دل کو لگتی ہے اور تو اور ابن قیم (ف ۷۵۱ھ) کے ہاں بھی کمزور محسوس ہوتی ہے۔
>
> (دیباچہ، مکاتب سید سلیمان ندوی بنام مسعود عالم ندوی، مطبوعہ لاہور، ص ۱۴)

حق یہ ہے کہ مسعود عالم ندوی صاحب نے جملہ مقلدان ابن تیمیہ کے ضمیر کی ترجمانی کردی ہے۔ اور جب یہ معیار قائم کرلیا گیا ہے تو حضرت مجدد کا نام کیوں لیا جاتا ہے؟

به هر رنگے که خواهی جامه می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم

۱۸......روضۃ القیومیہ

۱۹......مکتوبات خواجہ محمد معصوم، مکتوب ۱۹۳، ص ۳۷۷ (مطبوعہ، مطبع نظامی کانپور)

۲۰......شیخ نور محمد کے حالات ''روضۃ القیومیہ'' میں بایں الفاظ مرقوم ہیں!

آپ آنحضرت رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہیں، سلوک باطنی حاصل کر کے خلافت پائی۔ تیسری جلد کا آخری مکتوب آپ کے نام لکھا گیا ہے۔ جس میں مرض موت کے وقت حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر کی جو شرح بیان فرمائی، مندرج ہے'' (ص ۳۳۹) بعض مکتوبات میں آپ کے نام کے ساتھ ''تہاری'' لکھا ہے۔ مگر روضۃ القیومیہ مترجم اور بعض دوسری کتابوں میں ''بہاری'' تحریر ہے۔ بہاری صحیح معلوم ہوتا ہے

۲۱......سب کتابوں میں ''مکاشفات غیبیہ'' نام لکھا ہے۔ مگر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب کا خیال ہے ''عینیہ'' صحیح ہے

۲۲......مکاشفات غیبیہ (عینیہ) شائع کردہ ادارہ مجددیہ کراچی، ص۔۴۰

۲۳......خلاصۃ المعارف بحوالہ مکتوبات شاہ فقیر اللہ نقشبندی شکارپوری، ص ۲۰۵، خلاصۃ المعارف ابھی تک طبع نہیں ہوئی اس کے مخطوطات بھی کم یاب ہیں۔ اس کی پہلی قسم (جلد) میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے، جس کے ۱۶۴ اوراق ہیں۔ محولہ بالا مضمون دوسری قسم (جلد) میں مسطور ہے۔ جیسا کہ پہلی قسم کے ورق ۱۳۲ پر لکھا ہے:

بیان ایں چہار ولایت در باب دوم در فصل دوم در قولِ ثانی از قسم ثانی ایں کتاب واضح و مفصل شدہ است

خلاصۃ المعارف کا ایک قلمی نسخہ ذخیرہ شیرانی دانش گاہ پنجاب نمبر ۳۴۱۲ ف ۴۰۷ میں بھی موجود ہے۔ مگر میں یہ نسخہ اس وقت نہیں دیکھ سکا

۲۴......مجموعہ وصایا اربعہ، مرتبہ، محترم پروفیسر محمد ایوب قادری، ایم۔ اے، شائع کردہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد، ص ۶۵، ۴۹

۲۵......در المعارف فارسی (ملفوظات شاہ غلام علی) مرتبہ، شاہ رؤف احمد، شائع کردہ، مکتبہ اسلامیہ، گجرات، ضلع مظفر گڑھ، صفحہ ۲۳۱ اور شاہ صاحب نے اسی مکتوب کا خلاصہ رسائلِ سبع سیارہ میں اپنے قلم سے نقل کیا ہے

۲۶......مکتوبات شاہ فقیر اللہ، مطبوعہ، اسلامیہ سٹیم پریس لاہور

۲۷......عمدۃ المقامات، شائع کردہ، خانقاہ مجددیہ، ٹنڈو سائیں داد (حیدر آباد) مطبوعہ ۱۳۵۵ھ، ص۔۱۴۰

۲۸......مقامات مظہری، مؤلف شاہ غلام علی دہلوی، مطبوعہ، مطبع احمدی دہلی ۱۲۶۹ھ، ص۔۱۲۷

۲۹......تحفہ اثناءعشریہ، مطبوعہ، مطبع حسنی، دہلی ۱۲۷۱ھ، ص۔۴۸۱

۳۰......حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا سال وصال عام طور پر ۴۶۵ھ مشہور ہے لیکن کشف المحجوب کی عبارتیں اس کے خلاف شہادتیں پیش کرتی ہیں۔ اس مسئلے میں عبدالحئی حبیبی نے بڑی عمدہ تحقیق کی ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمہ طبقات صوفیہ امالی، خواجہ عبداللہ انصاری رحمہ اللہ، مطبوعہ افغانستان

۳۱......مولانا نور احمد کے مصحح و محشیٰ یہ مکتوبات ۱۹۶۴ء میں دوبارہ نور کمپنی، انارکلی، لاہور نے چھاپ دیے ہیں۔ ان کے شروع میں مولانا کے حالاتِ زندگی و خدمات علمی کا اجمالی تعارف، میرا لکھا ہوا موجود ہے میں نے مولانا کے حالات پر ایک کتاب بھی لکھی ہے، جو آں مرحوم کے فرزند مخدومی مولانا محمد سلیمان کی عدم توجہ کی بناء پر حلیہ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی

۳۲......لکشاف عن مخطوطات خزائن الاوقاف، ص ۔ ۱۳۶ ۔تالیف محمد اسعد طلس مطبوعہ مطبعہ العالی بغداد ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء منشورات مدیریہ الاوقاف العامۃ ببغداد

۳۳......ایضاً ص ۱۴۸۔۱۴۹

۳۴......مضمون ''ہزارہ دوم یا الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ'' مشمولہ تذکرہ مجدّد الف ثانی، مرتبہ محمد منظور نعمانی، مطبوعہ کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ ۱۹۵۹ء ص ۔ ۲۸

۳۵......مکتوب حاجی عبدالغنی قندھاری بنام راقم الحروف

۳۶......مولانا شمس الدین نور اللہ مرقدہ کو حضرت شیخ مجدد قدس سرہٗ کی تعلیمات سے عشق تھا۔ انہوں نے تصوف اور بالخصوص سلسلہ مجددیہ کی نادر و نایاب کتابوں کو بڑے شوق سے جمع کیا تھا اگر مولانا اس وقت زندہ ہوتے تو میں ان کے کتب خانے سے کماحقہٗ فائدہ اٹھاتا۔ وَکَمْ حَسَرَاتٍ فِیْ بُطُوْنِ الْمَقَابِر

۳۷......چند مکتوبات کی بعض عبارتوں پر اعتراضات کے سلسلے میں تذکرہ نگاروں نے جو کچھ لکھا ہے اس کو ناکافی سمجھ کر براہِ راست معترضین کی کتب کو دیکھنے کی کوشش کی ۔ معارج الولایت (قلمی) مخزونہ، دانش گاہ پنجاب، نسخہ ذخیرہ آذر، ورق ۵۸۶ ب، بعد میں معاندانہ اور گستاخانہ انداز میں جو کچھ جمع کیا گیا ہے، وہ دیکھا۔ اور فہرست مخطوطات کتب خانہ آصفیہ کے ذریعے سید محمد برزنجی اور ابو علی حسن بن علی عجمی مکّی کے رسائل کے بے ہودہ مضامین سے آگاہی حاصل کی تو اندازہ ہوا کہ اس موضوع پر سینکڑوں صفحات لکھنے کی ضرورت ہے اور یہ مقدمہ ان مباحث کی طوالت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ توفیق ایزدی شامل حال رہی تو اس موضوع پر پھر کبھی لکھا جائے گا۔ اس موقع پر برزنجی کی تحریرات کی حقیقت واضح کرنے کے لیے فہرست مذکور میں درج، ملخص رسالہ کی ایک عبارت نقل کی جاتی ہے:

''در سال یک ہزار و نو دو سہ ہجری در شہر جمادی الآخر از ہندوستان خیالات شیخ احمد سرہندی بطور استفتاء در دیارِ عرب رسید کہ او دعوئ رسالت کردہ است'' (فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ، حصہ دوم، مخزونہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی، مطبوعہ دار المطابع سرکار عالی حیدر آباد ۱۳۵۷ھ، ص ۳۶۳، ۳۶۴)

(نوٹ:۔ یہ فہرست فارسی میں لکھی گئی ہے)

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ البرزنجی کے رسالے کا ردّ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے ''الکلام المنجی فی

ایرادالبرزنجی'' کے نام سے لکھا تھا۔ البرزنجی نے ایک نہیں دس رسالے لکھے تھے اور یہ علامہ کی وفات کے بعد لکھے گئے۔ البرزنجی کے آخری دو رسائل ۱۰۹۳ھ میں معرض تسوید میں آئے اور علامہ ۱۰۶۷ء میں وفات پا چکے تھے

حضرت شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ مجدد سے عارضی طور پر کچھ اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ جو جلد ہی رفع ہو گئے، اس پر بھی مفصل گفتگو کی ضرورت ہے اس لیے کہ بعض متجددین شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مند نہ ہونے کے باوجود اس مخلصانہ اور برادرانہ ''اختلاف'' کو ''خلاف'' بنا کر پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ شیخ اور مجدد صاحب ہم عقیدہ اور پیر بھائی تھے۔ اس مقام پر یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے ''حیات شیخ عبدالحق'' میں شیخ کا وہ رسالہ جس میں مجدد صاحب پر تنقید کی گئی ہے۔ معارج الولایت سے لے کر شامل کیا ہے۔ اس کا متن مخدوش ہے۔ محققین کو شیخ عبدالحق کا وہ رسالہ تلاش کرنا چاہیے جو اغلاط سے پاک ہو

۳۸...... رجوع کی قوت صرف عظیم انسانوں میں ہوتی ہے۔ چھوٹے آدمی رجوع کو کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ حضرت شیخ مجدد کا رجوع کرنا جہانگیر سے ٹکر لینے سے زیادہ ہمت کا کام ہے

۳۹...... لصوص ''لـــــص'' کی جمع ہے۔ جس کے معنی ڈاکو اور چور کے ہیں۔ مجدد صاحب فرماتے ہیں...... طالب علمانِ بے باک (آزاد خیال علماء) از ہر فرقہ کہ باشند لصوصِ دین اند، اجتناب از صحبتِ ایں ہا نیز از ضروریاتِ دین است'' (دفتر اوّل، مکتوب ۲۱۲) بد دینوں سے اجتناب کرنے والوں کو تنگ نظر کہنے والے حضرت شیخ مجدد کے اس ارشاد پر غور کریں

۴۰...... اِن ہی لوگوں میں سے ایک پروفیسر محمد حبیب ہیں جو ہندوستان میں ان کی نیابت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

☆......☆......☆

السیاستہ ومع کلمات فی العالم

۶

دفتر اول از مکتوبات قدسی آیات امام ربانی
مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی
نقشبندی سرہندی
قدس سرہ العزیز

صفحہ اول، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول (قلمی)

دفتر دوم از مکتوبات قدسی آیات امام ربانی مجدد الف ثانی
حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی قدس سرہ العزیز
محررہ سنہ ۱۲۰۴ھ
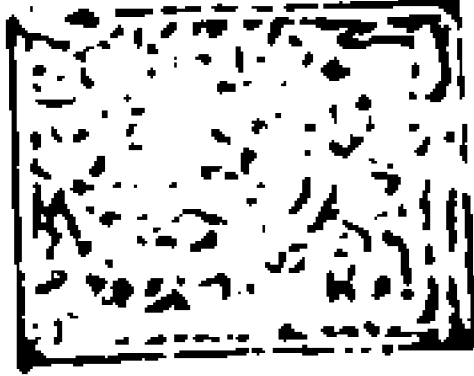
فقیر ابوالحسن الفاروقی المجددی

صفحہ اول، مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم (قلمی)

دفتر سوم از مکتوبات قدسی آیات امام ربانی مجدد الف ثانی
حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی قدس الله سره العزیز
محررہ سنہ ۱۲۰۴ھ

صفحہ اول، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم (قلمی)

یافت و آنا خود را برهان اصیل

المرء مع من احب خود را همان اصل خواهد یافت و همچنین چون آن اصل را اصل دیگر است
ازین اصل با آن اصل خواهد رفت بلکه خود را عین آن اصل خواهد یافت و هلم جرا الی
ان یبلغ الکتاب اجله این سیر سیر یا ورای آفاق و انفس است اما دانند که جمعی
انفسی را سیر فی الله گفته اند آن سیر که گفته شد ورای این سیر است که گفته اند
چه این سیر حصولی است و آن سیر وصولی و فرق در حصول و وصول در مکاتیب متعدده
بتفصیل نوشته است از آنجا معلوم کرده باشند دیگر از اقربیت ذات و صفات
و افعال واجبی جل سلطانه پرسیده بودند بیان آن سیر که هنوز تعلق دارد صلاح نیست
که نویسد و اگر نویسد مشغلق است معلوم نیست که فهم در آید و اگر تعذر حضور هم
مفهوم کرد مغتنم است دیگر از کمالات مرتبهٔ نبوت پرسیده بودند که فنا و بقا
و تجلی و مبدائیت تعین همه در مراتب کمالات نبوت بچه رو نیست توانند که
در مراتب عروج تا زمانیکه با یکدیگر متمیز اند و از اصل باصلی دیگر رفته میشود و آنهمه
کمالات داخل دایرهٔ ولایات است و چون این تمیز برطرف شود و این تفصیل کم
کرد و معامله با جمال و بساطت صرف افتد شروع در کمالات مرتبهٔ نبوت بوده و کرامت
نیز هر چند وسعت ان الله واسع علیم اما آن وسعت دیگر است و اگر تمیز است دیگر
زیاده ازین چه نویسد و چه مفهوم شود ربنا آتنا من لدنک رحمة وهیئ لنا من امرنا
رشدا بعضی اسرار را که پرسیده بودند جواب آنرا وقت دیگر انداخته شد
که الحال وقت بسیار تنگ است از دست زمانه و اهل زمانه سرقه کرده چیزی نوشته
می شود بر فقیر رحم کنید و باستغفار این دلریش نیز باشید ربنا اغفر لنا ذنوبنا و اسرافنا
فی امرنا و ثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکافرین الحمد لله رب العالمین و المنة
اولاً و آخراً و الصلوة و التحیة علی رسوله دائماً و سرمداً و علی آله الکرام و صحبه العظام
الی یوم القیام و السلام علی من اتبع الهدی و التزم متابعة المصطفی علیه و علی آله
الصلوة و السلام تمت قد وقع الفراغ من تسوید المکتوبات القدسیه
آیات امام الربانی و غوث الصمدانی شیخنا و امامنا شیخ احمد الفاروقی السرهندی
النقشبندی بید العبد الحقیر سید احمد الحسینی
غفر الله له و لوالدیه و احسن الیهما و الیه
فی یوم الاربعاء فی التاریخ
۱۰ شهر ذی القعده

در مراتب کمالات ولایت ثلثه است در سیر

صفحہ آخر، مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم (قلمی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکتوبات کے فہم و تفہیم میں حضرات مجددیہ کی کوششیں

پروفیسر محمد اقبال مجددی

مکتوباتِ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ میں شامل بعض دقیق مسائل کو سمجھنے کے لیے حضرت مجدد الف ثانی کی زندگی میں ہی سوالات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا خود آپ کے کئی اصحاب نے بعض مطالب کی تشریح کی درخواست کی تھی جن کے جواب میں خود صاحب مکتوبات نے خامہ فرسائی کی ہے۔ پھر آپ کے حینِ حیات آپ کے کلام پر بعض حاسدین اور کم فہم اصحاب نے اعتراضات شروع کیے تو آپ نے ان اعتراضات کے مدلل جواب مرحمت فرمائے۔ آپ کے حالات پر دو معاصر کتابوں یعنی زبدۃ المقامات اور حضرات القدس میں بھی اس کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ حضرات القدس میں شامل آپ کے ملفوظات میں

لہ حقیقت یہ ہے کہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اس عہد کی فکری و مذہبی تاریخ کا ایک ایسا ماخذ ہے کہ جب تک اس عہد کے جملہ مسائل سیاسی، معاشرتی، مذہبی اور فکری کا ایک ایسے تجزیاتی خاکے کا پہلے بغور مطالعہ نہ کریں اس وقت تک یہ سمجھ ہی نہیں آسکتا کہ ان مکتوبات کا لکھنے والا کن حالات میں یہ ساری احتیاطیں پیش کر رہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جس طرح مکتوبات کی شرح لکھنا از بس لازم ہے اسی طرح اس عہد کی ایک جامع فکری و نظریاتی تاریخ مرتب کی جائے جس کے پس منظر میں قاری بآسانی یہ سمجھ جائے کہ ان مکتوبات کے حقائق ہمیں آج کے حوالے سے کیا سبق دے رہے ہیں۔ لیکن اس مختصر مقدمہ میں اس کی گنجائش کہاں؟ اس کے لیے تو کئی جداگانہ دفتروں کی ضرورت ہوگی۔

ہم نے جانشین حضرت مجدد الف ثانی اور تحریک احیائے دین کے محرک اعظم حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال، تعلیمات اور افکار پر ایک ضخیم و جیم کتاب "مقامات معصومی" ایڈٹ کی ہے جس کی پہلی جلد (صفحات بقدر ۳۰۰) تو صرف مقدمہ پر مشتمل ہے جس میں اس عہد کی فکری، نظریاتی اور مذہبی تاریخ بیان کی ہے۔ یہ تمام تر معلومات اسی سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

آپ کی بعض دقیق تحریرات کی تشریحات بھی کی گئی ہیں [1]

فہم و تفہیم کے لیے یہ کوششیں حضرت مجدّد الف ثانی کے وصال (۱۰۳۴ھ) کے بعد بھی جاری رہیں آپ کے صاحبزادگان کے مکتوبات کے مجموعوں میں جابجا ایسے متعلق مقامات کی تشریحات کی گئی ہیں کہ ان کے بغیر مکتوبات کے سمجھنے کی کوشش کرنا عبث ہے۔

آپ کے فرزندِ گرامی حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ (ف ۱۰۷۱ھ) نے اپنے مکتوبات میں کئی مقامات پر آپ کے کلام کی توضیحات پیش کی ہیں۔ مثلاً مکتوب ۶/ ۱۲ وحدت الشہود کے بیان میں مکتوبات حضرت مجدّد کی تشریح ۶/ ۱۴ کرامات کے بیان میں ۲۰/ ۲۶ مرضِ موت میں مجہول کیفیت کا واضح ہونا' ۲۲/ ۲۸ رفع شبہات بر کلام حضرت مجدّد ۲۴/ ۲۹ معارف حضرت مجدّد کا بیان' ۲۸/ ۳۲ (بشارت بسلسلۂ قطب ۰۰۰۰۰) ۳۱/ ۷۳ (وحدت الوجود ۰۰۰۰) ۵۷/ ۱۱۲ (تشریح مکتوب حضرت مجدّد ۰۰۰۰) ۶۸/ ۱۲۷ (حقیقتِ کعبہ کا بیان)

اسی طرح آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم (ف ۱۰۷۹ء) نے بھی اپنے مجموعۂ مکاتیب میں جو تین ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے بڑے اہتمام سے مکتوبات و معارف حضرت مجدّد الف ثانی کی توضیحات پیش کی ہیں جن کی نشاندہی بجائے خود ایک طویل موضوعِ تحقیق ہے [2]

---

[1] بدرالدین سرہندی، حضرات القدس ۲/ ۱۱۳۔ ۱۴۲ (یہ پورا باب ہی مخالفین کے شبہات کے جواب میں ہے)

[2] چند اشارات ملاحظہ ہوں۔ مکتوبات معصومیہ ۱/ ۶۸/ ۱۸۷، ۹۹/ ۱۸۹، ۸۵/ ۲۰۲، ۸۸/ ۲۲۶۔ ۲۳۳، ۱۱۳/ ۲۶۰، ۱۱۹/ ۲۶۹، ۱۲۳/ ۲۷۸، ۱۸۰/ ۲۴۴، ۱۸۳/ ۲۵۶ (یہ پورا مکتوب معارف کی تشریح کے لیے اہم ہے) ۱۹۵/ ۳۴۱، ۱۹۶/ ۳۷۳، ۲۰۸/ ۳۸۷، ۲۲۲/ ۳۰۲ (ردِّ شبہات بر کلام حضرت مجدّد ۰۰۰۰) ۲/ ۷۶/ ۱۲۳ (لفظ قیوم کی تشریح) ۱۰۲۰/ ۱۶۰ (حقیقتِ کعبہ و معارف حضرت مجدّد کی شرح) ۱۰۵/ ۱۶۴ (اختلاف از ابن عربی) ۱۰۹/ ۱۷۹ (تجلی کی بحث) ۱۱۶/ ۲۰۰ (تحقیق زوالِ عین و اثر) ۱۱۹/ ۲۰۰ (رسالہ مبدا و معاد میں اصطلاح ولایت صغریٰ و کبریٰ کی تشریح) ۳/ ۳۸/ ۶۹ (فنا و بقا کی بحث) ۴۷/ ۷۹ (آپ کی نسبت ہزار سال کے بعد منصۂ شہود پر آئی ۰۰۰۰) ۶۲/ ۱۰۱ (حل شبہات بر کلام حضرت مجدّد) ۱۳۲/ ۱۸۲ (تجلی ذاتی برقی۔۔ نزد حضرت مجدّد تجلی ذات نیست ۰۰۰) ۱۵۰/ ۲۰۴

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

اسی طرح ان حضرات شیخین کے فرزندان گرامی نے بھی اپنے مکاتیب کے مجموعوں میں بھی یہی اہتمام کیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالاحد وحدت بن حضرت خواجہ محمد سعید کے مجموعۂ مکاتیب موسوم بہ گلشن وحدت، حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی (ف ۱۱۱۵ھ) بن حضرت خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات، وسیلۃ القبول الی اللہ والرسول کی دونوں جلدوں میں قابل توجہ اشارات پائے جاتے ہیں۔ حضرت مروج الشریعت محمد عبیداللہ (ف ۱۰۸۳ھ) بن حضرت خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات خزینۃ المعارف اور حضرت خواجہ سیف الدین (ف ۱۰۹۶ھ) بن حضرت خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات سیفیہ میں بھی مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے بعض مشکل مقامات کی تشریحات ملتی ہیں جن سے مکتوبات حضرت مجدد کو سمجھنے کے لیے استفادہ کرنا ازبس لازم ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے دونوں صاحبزادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم بڑے اہتمام کے ساتھ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کو سمجھانے کے لیے اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم کے نواسے شیخ صفر احمد معصومی نے ان حضرات شیخین کے درس مکتوبات کے سلسلے میں بڑی اہم اور عجیب روایت بیان کی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ درس کی مجلس میں حضرت خواجہ محمد سعید خاموش بیٹھتے تھے محض سماعت فرماتے تھے جبکہ حضرت خواجہ محمد معصوم مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کی شرح بیان کرتے تھے۔ مؤلف نے ان دونوں بزرگوں کے طریق کار میں فرق کی روایت اپنے والد بزرگوار شیخ محمد فضل اللہ (داماد حضرت خواجہ محمد معصوم) سے بیان کی ہے کہ حضرت خواجہ محمد سعید درس کے دوران حضرت مجدد الف ثانی کے فیض باطن سے فیض یاب ہوتے تھے اور وہی فیض آپ سامعین کے قلوب پر القا فرماتے تھے اور حضرت خواجہ محمد معصوم کا درس کے دوران باقاعدہ تقریر کرنا مفسرین اور محدثین کا اتباع تھا، لکھا ہے:

(بقیہ حاشیہ) (المعارفات مخصوصہ حضرت مجدد) ۱۵۵/ ۲۰۹ (حضرت مجدد کے مکتوب ۲/ ۷۰ کی شرح، ۱۹۸/۲۴۵ (خلقت حضرت محمد از بقیۂ طینت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام)

(شیخ محمد فضل اللہ) می فرمودند کہ درس مکتوبات قدسی سمات حضرت مجدد الف ثانی نزدیک حضرت خازن الرحمۃ (خواجہ محمد سعید) دوام داشتہ اما آنحضرت استماع آں بسکوت و ادب تمام می نمودند در معانی آں لب مبارک نمی کشودند الا ماشاء اللہ تعالیٰ و حضرت ایشاں (خواجہ محمد معصوم) ہم بر درس مکتوبات مداومت داشتند اما معانی آں بر حاضران موافق حوصلہ ہای آنہا افشا می ساختند...... روزی ایں درویش (صفر احمد معصومی) بعرض آنحضرت رسانیدند کہ وجہ سکوت خازن الرحمۃ و تقریر حضرت ایشاں اگر بیان فرمایند موجب تشفی خاطر نیاز مندان گردد (شیخ محمد فضل اللہ) فرمودند حضرت خازن الرحمۃ القار معانی را تفویض بر باطن فیض مواطن حضرت مجدد الف ثانی می نمودند تا ازاں برکات رشحہ بر اہل مجلس تقاطر نماید و خود بر اقبہ می ساختند و حضرت ایشاں (خواجہ محمد معصوم) کہ معانی آں می فرمودند پیروی مفسران و شراح حدیث می نمودند..... والقای معانی وصورتاً و معناً فائض اہل حضور شود و اجرین القا و بیان حاصل آید۔ [1]

یہی مؤلف ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ محمد معصوم مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ کبھی اپنے مکتوبات کی جلد اول کی سماعت بھی فرماتے تھے اور حضرت امام ربانی کے احوال مبارک پر دونوں معاصر کتابوں یعنی زبدۃ المقامات تالیف خواجہ محمد ہاشم کشمی اور حضرات القدس مؤلفہ ملا بدرالدین سرہندی بھی اسی مجلس شریف میں سنتے تھے، لکھتے ہیں:

بدرس کتب احادیث مثل صحیح بخاری و صحیح مسلم و مشکوٰۃ المصابیح می پرداختند و گاہی بر مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی می شنیدند و معانی

---

[1] صفر احمد: مقامات معصومی مرتبہ محمد اقبال مجددی زیر طبع (ص ۳۷۹ - ۳۸۰)

آں ہم درمیان می آوردند و گاہی جلد اوّل مکتوبات خود و گاہی مقامات مجددی شنوند......[2]

ایک اور معاصر تذکرہ نویس شیخ محمد امین بدخشی نے جو حضرت خواجہ محمد معصوم کے مُرید خاص تھے لکھا ہے کہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اور مکتوبات معصومیہ دونوں کا مدرسہ سرہند میں درس دیا جاتا تھا۔[3]

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قُدس سرّہٗ کے بعض بزرگ خلفا بھی مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرّہٗ کا درس دیتے تھے۔ ان میں چند نمایاں نام حسب ذیل ہیں۔

آپ کے نامور خلیفہ مفتی محمد باقر لاہوری[4] قدس سرّہٗ (ف حدود ۱۰۹۰ھ) جو عالم مفسر اور لاہور کے مفتی بھی تھے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرّہٗ اور حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرّہٗ کے مکتوبات کو بخوبی سمجھتے تھے اور ان کے مطالب پر عبورِ کامل رکھتے تھے اسی لیے حضرت خواجہ سیف الدین قدس سرّہٗ نے انہیں اس امر کی دعوت دی کہ تم طالبوں کو مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرّہٗ کی فہم و تفہیم کے سلسلے میں مدد کرو، فرماتے ہیں:

چوں شمارا در مکتوبات و معارف آنحضرت رضی اللہ عنہٗ مہارتِ تمام است آنچہ از ضروریات ایں راہ است بہ طالبان صادق رہنمونی می نمودہ باشند...[5]

---

[1] صفر احمد: مقامات معصومی مرتبہ محمد اقبال مجددی زیرِ طبع (ص ۳۷۹ - ۳۸۰) [2] ایضاً ۱۳۹

[3] محمد امین بدخشی: نتائج الحرمین (جلد سوم) خطی مخزونہ کتاب خانہ انڈیا آفس لندن نمبر ۶۵۲

[4] مفتی محمد باقر لاہوری حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلفاء میں بہت بلند مرتبہ کی مالک شخصیت تھے۔ آپ نے انہیں خلافت ہی صرف اور صرف اورنگ زیب کی تعلیم و تربیت کے لیے دی تھی اور موصوف مرکز میں اورنگ زیب کے ساتھ رہ کر احیائے دین اور ترویج شریعت کے لیے کوشاں رہتے تھے اور اس سلسلے میں بادشاہ کی حمایت حاصل کر کے تقویتِ دین متین کا باعث بنے تھے۔ آپ کی تالیفات میں سے منتہی الایجاز لکشف الاعجاز (۱) تفسیر قرآن مجید بزبان عربی) حاشیہ قرآن کریم، شمائل نبوی، دام حق (خلاصہ کیدانی کو فارسی نظم میں ڈھالا) اور کنز الہدایات قابل ذکر ہیں۔ آپ کو اورنگ زیب نے لاہور کا مفتی مقرر کیا تھا (مقامات معصومی ۴۵۲ - ۵۵ مع تعلیقاتِ محقق)

[5] سیف الدین خواجہ: مکتوبات ۱۴۱/۱۶۷

مفتی محمد باقر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اس حوزۂ علمیہ کی پہلی بزرگ شخصیت ہیں جنہوں نے مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مطالب کی وضاحت کے لیے کتابی صورت میں بھی کاوش کی اور ۱۰۸۹ھ کو کنز الہدایات کے نام سے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ، مکتوبات معصومیہ اور رسالہ مبدا و معاد کی عبارات کو موضوعی ترتیب سے یکجا کیا، خود توضیح فرماتے ہیں۔

اما بعد می گوید اضعف عباد اللہ المعین محمد باقر بن شرف الدین لاھوری العباسی الحسینی عفی عنہما کہ چوں مراتبِ حصول سلوک وحقائق وخصائص حضرت امام ھمام ...... مجدد الالف الثانی ...... در مکتوبات ...... حضرت مجدد الف ثانی ...... وحضرت پیر دستگیر قطب الانام ..... (حضرت خواجہ محمد معصوم) .... مرتبہ بعد مرتبہ مذکور نیست وبیانِ ترتیب ایں مراتب درانجا ملحوظ نہ بخاطر ایں فدوی ریخت کہ رسالہ مبدا و معاد ودفاتر ستہ مکاتیب حضرت مجدد الف ثانی وحضرت ایشان (خواجہ محمد معصوم) را رضی اللہ تعالیٰ عنہما درنظر داشتہ ایں لآلی منثورہ را منتظم سازد ...... فی الحادی والعشرین من شوال سنۃ الف وثمانین من الھجرۃ المبارکۃ .... اتممتُ تالیفہ فی تاسع ذی القعدۃ من العام المذکور اتماما ..... وبعد از اتمام بعضی خصائص درخاتمہ ذکر یافتہ ...... ایں فقیر التزام کردہ کہ عباراتِ اصل را بعینہا تبرکاً ایراد نماید مگر در بعضی مواضع کہ بجہت بعضی حکم بہ تغییر یسیر آوردہ ...... لفظ فائدہ بجای فصل اختیار نمودہ ..... ودر اثنای تالیف بارہا خوش وقتی حضرت مجدد الف ثانی وحضرت ایشاں رضی اللہ عنہما در باب ایں تالیف پرتو انداختہ و اتحادِ خاص بجنابِ آنحضرت ونسبتی خاص درخود یافتہ وتوفیق وامداد از آں جناب معلوم ساختہ ..... [1]

---

[1] محمد باقر مفتی لاہوری، کنز الہدایات مرتبہ مولانا نور احمد امرتسری، امرتسر، ۱۳۲۵ھ (آغاز)

کنز الہدایات کے عربی میں بھی ترجمے ہوئے ہیں اس وقت تک ہمیں صرف ان دو ترجموں کا علم ہے۔

۱۔ عربی ترجمہ از شیخ محمد باقر بن محمد جعفر حنفی دہلوی خطی نسخہ رباط مظہر۔ مدینہ منورہ

۲۔ حرز العنایات ترجمہ کنز الہدایات۔ از شیخ محمد مصطفیٰ آفندی، قلمی نسخہ مخزونہ کتب خانہ سلیمانیہ استنبول ترکی۔ یہ عربی ترجمہ ڈاکٹر امین اللہ وثیر نے مرتب کر کے مجلہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور جنوری۔ اپریل ۱۹۷۵ء کو شائع کرایا تھا[1]

کنز الہدایات کے فارسی متن کو مولانا نور احمد امرتسری مرحوم نے ایڈٹ کر کے ۱۳۲۵ھ کو امرتسر سے شائع کیا اور اس کتاب کا اردو ترجمہ اللہ والے کی قومی دکان کشمیری بازار لاہور سے قیامِ پاکستان سے قبل چھپا تھا۔

مفتی محمد باقر لاہوری قدس سرہٗ کے بھائی ملا محمد امین حافظ آبادی[2] بھی مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ماہرین میں شمار کیے جاتے تھے۔ انہیں ان کے پڑھنے اور پڑھانے کا اتنا درک اور شغف تھا کہ انہوں نے حضرت خواجہ سیف الدین بن حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہما سے "مکتوب خوان" کا خطاب پایا تھا معاصر تذکرہ نویس کا مشاہدہ ملاحظہ ہو:

"مہارتی بر مکتوبات کہ منورِ جہاتِ ستہ است حاصل کردہ از خدمتِ مخدوم زادہ قطب المحققین شیخ سیف الحق والدین قدس سرہٗ مکتوب خوان

---

[1] تعارف ترجمہ: اورنٹیل کالج میگزین لاہور (صد سالہ جشن نمبر۔ ۱۹۷۲ء)

[2] ملا محمد امین حافظ آبادی مفتی محمد باقر لاہوری کے حقیقی بھائی تھے سلوک کی ابتدائی تعلیم کا آغاز مفتی محمد باقر کی خدمت میں کیا اور خلافت حضرت خواجہ محمد معصوم سے حاصل کی۔ ملا محمد امین حافظ آبادی کے نام حضرت خواجہ محمد معصوم کے چار مکاتیب ہیں (۲/۱۱۹، ۱۵۵، ۳/۱۰۲، ۱۹۶) حضرت خواجہ کے وصال (۱۰۷۹ھ) کے بعد انہوں نے حضرت خواجہ سیف الدین سے منسلک ہو کر اس کارِ دعوت و عزیمت میں حصہ لیا۔ (مقاماتِ معصومی، تعلیقات ۴۹۰/۱۸)

خطاب یافتہ در گوشۂ وطن (حافظ آباد پنجاب) بہ خلافت حضرت ایشاں (خواجہ محمد معصوم) بہ ارشاد تمام نشستہ بہ مداریت آنجا سرافراز گشتہ[1]

اس اقتباس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مُلّا محمد امین حافظ آبادی حضرت مجدّدیہ کی محافل مبارکہ میں مکتوبات شریف کے درس کے دوران مکتوب کی قرأت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرّہٗ کے معروف خلیفہ حاجی حبیب اللہ حصاری بخاری قدس سرّہٗ[2] (حدود ۱۱۰۰ھ) کا تو شیوۂ مرضیہ ہی مکتوبات حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرّہٗ پر عمل کرنا اور ان مکتوبات شریف کے درس و تدریس کا انہوں نے ایسا اہتمام کیا تھا کہ اس کا عشرِ عشیر بھی ہندوستان میں نہیں تھا۔ شیخ صفر احمد معصومی قدس سرّہٗ کے عقیدت و احترام سے لبریز الفاظ ملاحظہ ہوں۔

شیوۂ مرضیۂ عمل بر مکتوبات قدسی آیات حضرت مجدّد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و درس آں دفاتر قرار گرفتہ، عزیزی نقل می کردند کہ آں قدر رواج درس مکتوبات احمدی و مرقومات معصومی ..... کہ در حضرت بخارا بہ نظر در آمدہ عشرِ عشیر آں در بلادِ ہندوستاں نمودار نشد .....[2]

---

[1] صفر احمد: مقامات معصومی ۴۹۰

[2] حاجی حبیب اللہ حصاری بخاری حضرت خواجہ محمد معصوم کے نامور خلیفہ تھے۔ موصوف حصولِ نسبت کے لیے مدتوں سرہند شریف آکر مقیم رہے۔ وسطی ایشیا کے وہ احباب جو حضرت خواجہ سے غائبانہ عقیدت و ارادت رکھتے تھے مسلسل استدعا کر رہے تھے آپ اپنا کوئی خلیفہ ان دیار میں بھیجیں تو آپ نے انہیں خلافت دے کر بخارا میں متعین کیا جہاں ان سے فیض یاب ہونے والوں کی اتنی کثرت تھی کہ خواجگانِ نقشبندیہ کی اولاد نے بھی ان سے روحانی فیض پایا وہ خود مؤسس طریقۂ نقشبندیہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری کے خلیفہ مولانا یعقوب چرخی کی اولاد میں سے تھے۔ بلخ و بخارا کا حاکم سبحان قلی (۱۶۸۰-۱۷۰۲ء) بن نذر محمد خان بھی آپ کا مُرید تھا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم، حضرت مروّج الشریعت عبید اللہ، حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی کے کئی مکاتیب حاجی حبیب اللہ بخاری کے نام ہیں۔ خواجہ محمد نقشبند ثانی نے اپنے ایک مکتوب بنام اورنگ زیب میں حاجی صاحب کی بہت تعریف کی ہے (وسیلۃ القبول ۲/۲۹/۹)۔ حضرت خواجہ محمد معصوم نے معروف شیخ طریقت شیخ مراد شامی کو خلافت دیکر شام کی طرف روانہ کیا تو انہیں چند دن حاجی حبیب اللہ کی خدمت میں رہنے کا حکم دیا۔ حاجی حبیب اللہ بخاری نے چار سو اصحاب

(بقیہ حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

اس مؤلف بزرگ نے لکھا ہے کہ موصوف اس کے درس کے اوقات کا اتنا اہتمام فرماتے تھے کہ اگر اس کی تفصیلات لکھی جائیں تو کئی جزبن جائیں۔

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرّہٗ کے ایک اور خلیفۂ نامدار شیخ محمد مراد شامی قدس سرّہٗ[1] (ف ۱۱۳۲ھ) شام میں مکتوبات شریف کا درس دیتے تھے بلکہ انہوں نے مکتوبات حضرت مجدد قدس سرّہٗ اور مکتوبات معصومیہ کا عربی میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ مقامات معصومی میں ہے:

"درس مکتوبات احمدی و معصومی دیدنِ خود گرفتہ بلکہ اکثر مکتوبات شریفہ کہ بزبان فرس اند معرب گردانیدہ[2]"

شیخ محمد مراد شامی کے مکتوبات شریف کے اس درس کے اہتمام اور اس کے عربی ترجمہ کے ترکی اور دیارِ عرب میں خوش گوار اثرات مرتب ہوئے۔ نہ صرف اہل عرب اس طریقہ مبارکہ کی حقانیت سے آگاہ ہوئے بلکہ ترک بھی اس کی عظمت کے معترف ہو گئے۔ ان کے معاصرین نے مکتوبات شریف کا ترکی زبان میں بھی ترجمہ کیا۔[3]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کو مرتبہ کمال و تکمیل پر پہنچا کر خلافت سے سرفراز کیا جنہوں نے نہ صرف وسطی ایشیا بلکہ عالم اسلام میں جا کر دعوت وارشاد کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ (مقامات معصومی، تعلیقات ۱۵/۴۶۸ ملخصاً)

[۲] صفر احمد: مقامات معصومی ۴۶۷ [۱] شیخ محمد مراد شامی حضرت خواجہ محمد معصوم کے ایسے خلیفہ تھے جن کی بدولت ترکستان میں سلسلہ نقشبندیہ کی نشرواشاعت عمل میں آئی۔ موصوف نے سرہند شریف میں صرف ایک ہفتہ قیام کر کے سلوک کی تمام منازل طے کرلیں اور خلافت معصومی کے حق دار ہوئے۔ حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی جب حدود ۱۰۹۷ھ کو حج کیلیے حرمین الشریفین حاضر ہوئے تو شیخ محمد مراد شامی بھی وہاں حاضر ہوئے اور ان کا استقبال کیا اور اخراجات کے لیے ایک لاکھ روپے بطور نذر پیش کیے شیخ محمد مراد شامی کے والدِ گرامی شیخ علی بن داؤد نے سلوک کی تعلیم حضرت مجدد الف ثانی سے حاصل کی تھی۔ شیخ محمد مراد نے طویل سفر کیے تھے۔ چار مرتبہ حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ سنوسی، بردکلمان، محمد خلیل مرادی، زرکلی اور کحالہ نے آپ کی تصانیف کا بھی تعارف کرایا۔ ان میں مفردات القرآنیہ (تفسیر قرآن مجید) بہت مشہور ہے جو آپ نے عربی، فارسی اور ترکی تینوں زبانوں میں تالیف کی تھی۔ شیخ محمد مراد شامی نے عربی زبان میں سلسلہ نقشبندیہ کی تشریحات پر قابل قدر رسائل بھی لکھے تھے (تعلیقات بر مقامات معصومی ۴۶۹-۴۷۰)

[۲] صفر احمد: مقامات معصومی ۴۶۹

[۳] ان تراجم کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

مُلّا مُوسیٰ بھٹی کوٹی رحمۃ اللہ علیہ (مِن مضافات جلال آباد افغانستان) بھی حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے جن کی کوشش سے سلسلہ نقشبندیہ کی بھٹی کوٹ اور ننگرہار میں نشر و اشاعت ہوئی۔ ان کے ایک فرزند میر سعد اللہ بھی تھے جو اپنے والد کے جانشین بنے اور انہوں نے سلوک کی تعلیم خواجہ محمد زبیر سرہندی قُدس سرہٗ کی خدمت میں مکمل کی۔ خواجہ محمد زبیر قُدس سرہٗ نے اپنے قیام کابل کے دوران (۱۱۱۴ھ) انہیں خلافت دیکر ان کے علاقے میں متعین کیا[1] وہ افغانستان میں خواجہ محمد زبیر قُدس سرہٗ کے خلیفہ تھے اور افغانستان میں اس سلسلہ کی اشاعت میں بھرپور حصہ لیا۔[2]

میر سعدُ اللہ بھٹی کوٹی مکتوبات حضرت مجدّد الف ثانی قُدّس سرہٗ کا درس بڑی متانت کے ساتھ دیتے تھے۔

درسِ دفاترِ مکتوباتِ قُدسی آیات بہ وقت و متانتِ تمام ہموارہ

مونسِ آیاتِ توفیق مراضی الٰہی جلّ شانہٗ شامل حال باد[3]

حضرت مجدّد الف ثانی قُدّس سرہٗ کے پوتے شیخ عبد الاحد وحدتؔ[4] قُدّس سرہٗ (معروف شاہ گل) متوفی ۱۱۲۶ھ نے بھی مکتوبات امام ربّانی کی شرح لکھی تھی ہمیں تاحال اس کے کسی خطی نسخے کا علم نہیں ہے۔ اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کیا وہ ہر سہ دفاتر مکتوبات کی شرح ہے یا بعض مکاتیب کی شرح لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ خاندانی مؤلف حاجی محمد فضل اللہ قندھاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت وحدت نے شرح کلمات قدسی آیات مکاتیب مجدّدی بھی تالیف کی تھی[5]

---

[1] کمال الدین محمد احسان، روضۃ القیومیہ ۱۲۸/۳، ۲۳/۴ [2] ایضاً ۲۹۴/۴ - ۲۹۵

[3] صفر احمد، مقامات معصومی ۴۶۱ [4] شیخ عبد الاحد وحدت بن حضرت خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدّد الف ثانی۔ آپ معروف عالم، شیخ طریقت اور فارسی شاعر تھے۔ شعراء کے تذکرہ نویسوں نے آپ کے کلام کو بہت سراہا ہے۔ ہم نے آپ کی ایک تالیف "لطائف المدینہ" ایڈٹ کی ہے جس کے مقدمہ میں آپ کے مفصل حالات تحریر کیے ہیں۔

[5] محمد فضل اللہ قندھاری، عمدۃ المقامات (بسال ۱۲۳۳ھ) لاہور ۱۳۵۵ھ

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے ایک خلیفہ حافظ محسن سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ[1] بھی مکتوبات شریف کا درس دیتے تھے۔ صاحب مقاماتِ معصومی نے مفتی محمد باقر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے۔

درس مکتوباتِ قدسی آیات را التزام داشتہ و معانی آں را بیان می ساختہ[2]

حضرت خواجہ محمد معصوم، خواجہ سیف الدین، خواجہ عبیدُ اللہ مروج الشریعہ قدست اسرارھم کے مکاتیب حافظ محسن سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے نام ان کے مجموعہ ہائے مکاتیب میں پائے جاتے ہیں۔ جن میں ان کی رُوحانی ترقی اور مدارج کا تذکرہ عمدہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

معروف شیخ طریقت حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی بن خواجہ محمد نقشبند ثانی بن حضرت خواجہ محمد معصوم قدست اسرارھم نے بھی مکتوبات شریف کا درس دینے کا اہتمام کیا۔ ۱۱۱۹ھ کو جب آپ نے لاہور میں عرصہ تک قیام فرمایا تو یہاں مجالس سکوت کے علاوہ مکتوبات شریف کے درس کا بھی خصوصی التزام کیا تھا۔ موصوف اپنی توجہ باطنی سے اس کے مطالب سامعین پر بھی القا کرتے تھے[3]

معروف تُرک خطاط اور عالم مستقیم زادہ سعدُ الدین سلیمان نقشبندیؒ نے ۱۱۶۲-۱۱۶۵ھ

---

[1] حافظ محسن سیالکوٹی اور حافظ محمد محسن دھلوی دو معاصر شخصیتیں تھیں دونوں حضرت خواجہ محمد معصوم کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ ثانی الذکر تو حضرت شیخ عبد الحق محدث دھلوی کی اولاد میں سے تھے۔ جن کا سیالکوٹ سے کوئی تعلق نہیں تھا اس لیے اوّل الذکر شخصیت نے ہی مکتوبات شریف کے درس کا اہتمام کیا تھا۔ ان دونوں کے مابین فرق اور دلائل کے لیے ملاحظہ ہو تعلیقات بر مقاماتِ معصومی ۲۹۳/۱۱-۱۲ [2] صفر احمد، مقاماتِ معصومی ۲۹۲

[3] کمال الدین محمد احسان، روضۃ القیومیہ ۴۲/۲

[4] حضرت خواجہ محمد معصوم کے ایک خلیفہ شیخ قل احمد معروف بہ احمد یک دست (ف ۱۱۱۹ھ) تھے جن کے ترک خلفاء میں سے ایک بزرگ شیخ محمد امین توقادی بھی تھے جن سے مستقیم زادہ سعد الدین سلیمان نے ظاہری و باطنی فیض پایا۔ (تحفۃ الخطاطین، مقدمہ ۴۵-۴۶)

کو مکتوباتِ معصومیہ کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا اور نقشبندی سلسلہ کے افکار پر ترکی زبان میں مستقیم زادہ کی کئی قابلِ توجہ کتابیں ترکی کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں[1]
اِن کُتب سے اس سلسلہ مبارکہ کا تعارف ترکستان کے مختلف علاقوں میں ہُوا اور طالبانِ حق جُوق در جُوق اس میں داخل ہوئے۔

مستقیم زادہ نے مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی قُدس سرّہٗ کا بھی ترکی میں ترجمہ کیا تھا جو ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء کو استنبول سے چھپ چکا ہے[2]

---

[1] مستقیم زادہ؛ تحفۃ الخطاطین ۴۶ و بہ بعد (مقدمہ)
[2] مکتوبات کا آخری ترکی ترجمہ حسین حلمی ایشق کا ہے جو انھوں نے خود استنبول سے کئی بار شائع کیا ہے ۱۹۷۵ء کا ایک ایڈیشن اس وقت پیشِ نظر ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَآءِ کَمَا ھِیَ
(یا اللہ! تو اشیاء کی حقیقتیں کما حقہ ہم کو دکھا۔)

معارفِ مکتوباتِ امام ربانیؒ

۱۹۸۳ء

(تفصیلی فہرست مکتوباتِ حضرت امام ربانی مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ)

تالیف

مولانا محمد نعیم اللہ خاں صاحب خیالی نوّر اللہ مرقدہٗ

ناشر
شاہ ابوالخیر اکاڈمی، درگاہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقالہ

بعنوان

مکتوبات

مجدد الف ثانی

تخریج احادیث

برائے پی۔ ایچ۔ ڈی

اسلامیات

اشراف

قبلہ پروفیسر ڈاکٹر

بشیر احمد صدیقی صاحب

(ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی)

عربی، اسلامیات، اسلامیات

(ایکس) چیئرمین ادارہ علوم اسلامیہ،

اسلامیہ یونیورسٹی

بہاولپور

اعداد

محمد بابر بیگ مطالی

(ایم۔ اے۔ اسلامیات،

عربی، فاضل عربی)

انسٹرکٹر گورنمنٹ کمرشل انسٹی ٹیوٹ

لیسرور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکتوبات امام ربانی کا عربی ترجمہ

عبدالحق انصاری

☆☆

حضرت شیخ احمد بن عبدالاحد فاروقی سرہندی المعروف بہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء کو مشرقی پنجاب کے شہر پٹیالہ کے قریب موضع سرہند میں ہوئی اور ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء کو وہیں پر وفات پائی۔ آپ نے صوفیہ کے اہم سلاسل چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ میں مختلف مشائخ سے اخذ کیا پھر آخرالذکر سلسلہ میں اہم مقام پایا اور اسکی شاخ نقشبندی مجددی آپ سے منسوب ہوئی جسے عرب وعجم میں بھرپور پذیرائی ملی۔

آپ نے مختلف موضوعات پر عربی وفارسی میں متعدد کتب تصنیف کیں جن میں سے آپ کے مکتوبات کے مجموعہ کو اہم مقام ملا اور بعض اہل علم وعرفان کے نزدیک یہ کتب احادیث کے بعد دنیا بھر میں افضل ترین کتاب ہے، تین جلدوں پر مشتمل اس کے فارسی متن کے پاک وہند اور ترکی سے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ نیز دیگر اہم زبانوں میں اس کے تراجم ہوے جیسا کہ استنبول کے مشہور عالم وفقیہ حنفی شیخ سلیمان بن محمد المعروف بہ سعدالدین مستقیم زادہ رحمۃ اللہ علیہ (م۔۱۲۰۲ھ/۱۷۸۸ء) نے اس کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا[1] اور اردو زبان میں اس کے متعدد تراجم سامنے آئے جن میں سے مولانا محمد سعید نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ مقبولِ عام ہوا جو کراچی سے شائع ہوا، اور مولانا محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ (م۔۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء) نے اردو میں اس کی اولین شرح بنام ''البینات شرح مکتوبات'' لکھی جس کی پہلی جلد حال ہی میں گوجرانوالہ سے[2] شائع ہوئی۔ لیکن یہاں پر مکتوبات شریف کے عربی ترجمہ کے بارے میں ہی معلومات قارئین کی نذر کرنا مقصود ہے، کہ یہ کام کب اور کن شخصیات نے انجام دیا۔
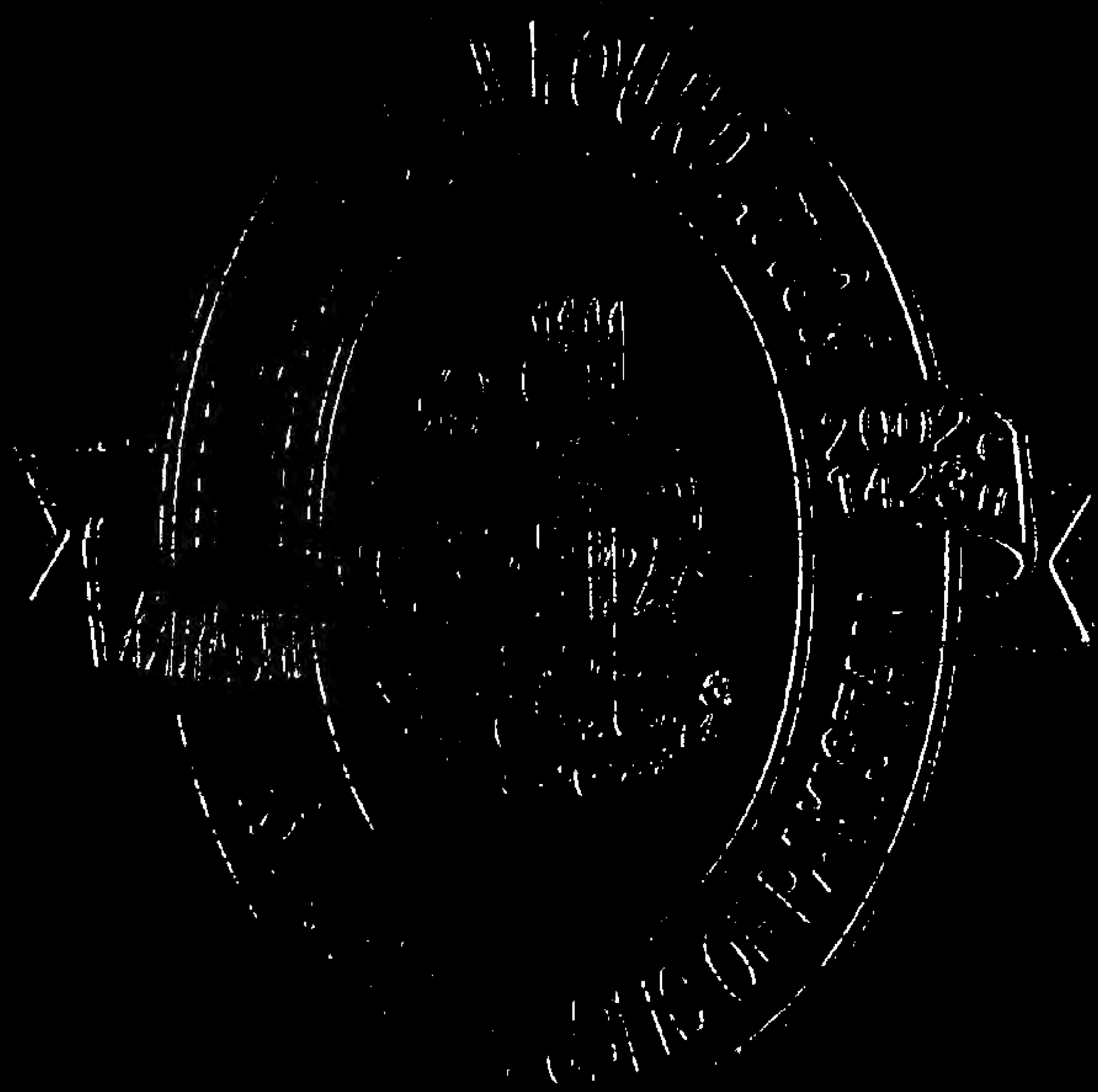
آپ کی تصنیفات عرب دنیا میں قدیم دور سے مقبول ہیں جس کا ایک ثبوت تو یہ ہے کہ ان کے قلمی نسخہ جات آج بھی وہاں کے اہم کتب خانوں میں محفوظ ہیں جیسا کہ مکہ مکرمہ میں مسجد حرم کے زیر انتظام ''مکتبہ حرم مکی'' میں آپ کی عربی تصنیفات کے مخطوطات حسب ذیل ناموں سے موجود ہیں:

۱......رسالة عجالة مشتمله على المعارف العاليه، نمبر ۲۳۲۲

۲......علوم الهية و معارف اِلهامية فى مسئلة التوحيدالوجودى، نمبر ۲۳۴۰

۳......اذكار طريقة الجشتية و النقشبندية، نمبر ۲۵۴۲

۴......الفيوضات الاحمدية فى المراقبات الاحمدية، نمبر ۲۲۸۵۔[۳]

علاوہ ازیں مکتوبات شریف کا عربی ترجمہ بطور خاص مقبول ہوا۔ دور حاضر میں ملک شام کے مشہور عالم وشریعت کالج دمشق کے صدر وصاحب تصانیف مفیدہ ڈاکٹر محمد سعید بن رمضان بوطی (پ ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء) کے والد گرامی جو دمشق کے اہم عالم ونقشبندی مجددی خالدی سلسلہ سے وابستہ تھے۔ ان کے بارے میں آپ کے فرزند ڈاکٹر بوطی لکھتے ہیں کہ آپ شیخ عبدالکریم بن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) کی تصنیف ''الرسالۃ القشیریۃ'' کو تصوف کی سب سے اہم کتاب اور مکتوبات امام ربانی کو اس موضوع کی دوسری اہم کتاب قرار دیتے تھے اور یہ بالعموم آپ کے مطالعہ میں رہتی۔[۴]

مکتوبات کے عربی ترجمہ کا عمل کب شروع ہوا، اس بارے میں معلومات یکجا نہیں، مولانا سید غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی اہم تصنیف سُبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ مکتوبات مجدد کا عربی ترجمہ ہو چکا ہے لیکن میں خود اسے دیکھ نہیں پایا،[۵] یہ اطلاع دینے کے بعد مولانا بلگرامی نے مکتوبات کے چند اقتباسات کا عربی ترجمہ خود کر کے حضرت مجدد کے حالات کے ضمن میں اس کتاب میں شامل کیا[۶] سبحۃ المرجان کا سن تصنیف ۱۱۷۷ھ ہے اور یہ اس کے تاریخی نام سے عیاں ہے۔ اس عربی کتاب کے اب تک دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ایک ۱۸۸۵ء میں بمبئی سے اور دوسرا ۱۹۷۶ء میں علی گڑھ سے شائع ہوا[۷]۔

مکتوبات کے عربی ترجمہ کے جو قلمی نسخے اس وقت عرب دنیا کے اہم کتب خانوں میں محفوظ ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔ مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں اسلامی دنیا کے عظیم الشان کتب خانہ بنام دارالکتب مصریہ میں ایک مخطوطہ بعنوان ''مکتوبات الشیخ احمد الفاروقی النقشبندی'' نمبر ۲۷۸ رتصوف موجود ہے[۸] اور اسی کتب خانہ میں مذکورہ مخطوطہ کی نقل ۲۲۴۵ ب محفوظ ہے جس کی کتابت محمد لُطفی خضر نے ۱۷ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ

مطابق ۳ اپریل ۱۹۴۲ء کو مکمل کی اور یہ ۱۹۵ صفحات پر مشتمل ہے[9] ادھر عراق کے دارالحکومت بغداد میں وزارتِ اوقاف کے زیر اہتمام عرب دنیا کے اہم کتب خانہ میں بعنوان ''مکاتیب الشیخ احمد النقشبندی''، نمبر ۵۲ ۴۷ محفوظ ہے اس مکتبہ کے فہرست نگار لکھتے ہیں کہ ۱۹۱ اوراق پر مشتمل یہ ایک خوشخط وصاف نسخہ ہے اور اسکے بعض مقامات پر نقیب الاشراف سید عبدالرحمٰن الکھف قادری رحمۃ اللہ علیہ کی قلمبند کردہ تعلیقات درج ہیں[10] اور مکتبہ وزارت اوقاف بغداد میں ہی اس کا ایک اور مخطوط بعنوان ''تعریب المکتوبات الصوفیۃ لاحمد النقشبندی الفاروقی'' نمبر ۱/۲۷۷۹ مجامیع خوشخط وصاف اور ۸۳ اوراق پر مشتمل ہے جس کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ عربی ترجمہ شیخ یونس نقشبندی نے کیا[11]۔

آئرلینڈ کے شہر ڈبلن میں واقع مشہور مستشرق شستر بیٹی کے متروکہ عظیم الشان عربی ذخیرہ کتب میں ایک مخطوط بعنوان ''زبدۃ الرسائل الفاروقیہ وعمدۃ المسائل الصوفیۃ'' اور اسی نسخہ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی کویت یونیورسٹی کے مرکزی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ جس کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ مکتوبات امام ربانی میں سے بعض کی شرح ہے جو بارہویں صدی ہجری کے عالم شیخ یونس بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے کی[12] ادھر دارالکتب مصریہ قاہرہ میں اسی نام کا ایک قلمی نسخہ نمبر ۲۷۱ م ہے۔ جس کے متعلق اطلاع دی گئی کہ یہ شیخ یونس کی تالیف اور مکتوبات شیخ فاروقی سے ماخوذ ہے[13] اور ملک شام کے دارالحکومت دمشق میں واقع اسلامی دنیا کے عظیم الشان کتب خانہ دارالکتب الظاہریۃ جس کا نیا نام مکتبہ اسد ہے اس میں مذکورہ نام سے ہی ایک مخطوطہ نمبر ۵۹۵۶ موجود ہے جو ۴۴ اوراق پر مشتمل ہے اور اس کے بارے میں کہا گیا کہ یہ آپ کے ۳۰۳ رسائل کی تلخیص وانتخاب ہے۔ جن کا عربی ترجمہ شیخ یوسف شامی نے کیا لیکن خود فہرست نگار نے مترجم کے نام پر شبہہ کا اظہار کیا ہے۔ اس نسخہ کے بعض مقامات پر علامہ محمد مبارک مرحوم کی قلمبند کردہ تعلیقات درج ہیں[14]۔

۱۳۰۶ھ میں دمشق کے شیخ عبدالمجید بن محمد خانی رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر مشائخ نقشبند کے حالات پر عربی کتاب ''الحدائق الوردیۃ فی حقائق اجلاء النقشبندیۃ'' تصنیف کی تو مکتوبات کا عربی نسخہ آپ کے پیش نظر تھا اور اس کے بارے میں آپ نے لکھا کہ شیخ یونس بن عبدالرحمٰن ایرانی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں سے بعض کا عربی ترجمہ کیا[15] پھر شیخ خانی نے اسی نسخہ سے چند اقتباسات اخذ کر کے اپنی مذکورہ کتاب میں امام ربانی کے حالات کے ضمن میں درج کیے[16]۔

گذشتہ سطور میں مکتوبات کے عربی ترجمہ کے بارے میں جو معلومات پیش کی گئیں ان پر غور کے بعد

راقم السطور نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مکتوبات شریف کا اولین عربی ترجمہ بارھویں صدی ہجری کے وسط میں شیخ یونس بن عبدالرحمٰن نے کیا جو ۳۰۳ مکاتیب کی تلخیص وانتخاب پر مشتمل ہے نیز آپ نے اس کی مختصر شرح لکھی اوراس ترجمہ کا ثبوت مولانا بلگرامی کی مذکورہ بالا تحریر سے ملتا ہے اوراس وقت دنیا کے مختلف کتب خانوں میں اس کے جو مخطوطات مذکورہ بالا چار ناموں سے موجود ہیں وہ دراصل شیخ یونس کے ترجمہ کے ہی متعدد نام ہیں اوران میں آخرالذکر نام یعنی ''زبدۃ الرسائل الفاروقیۃ وعمدۃ المسائل الصوفیۃ'' خود مترجم کا تجویز کردہ ہے۔ پھر شیخ سید عبدالرحمٰن قادری بغدادی اور شیخ محمد مبارک دمشقی نے مختلف اوقات میں اس کے الگ الگ نسخوں پر حواشی لکھے۔ نیز شیخ عبدالمجید خانی دمشقی نے اسی کے اقتباسات اپنی مذکورہ بالا کتاب میں درج کیے۔

مکتوبات پر شیخ یونس ومولانا بلگرامی کے اس کام کے لگ بھگ ایک صدی بعد ان پر عربی میں دوسرا اہم کام شیخ عبدالغنی دہلوی مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیا اور آپ نے ان میں مذکور تمام احادیث کی تخریج کر کے کتاب تالیف کی جس کا قلمی نسخہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی سے مغربی جانب چند میٹر کے فاصلہ پر واقع مکتبہ عبدالعزیز میں بنام ''تبریز المکنونات فی تخریج احادیث المکتوبات'' نمبر ۲۶۲ محمودیہ موجود ہے جسے صلاح الدین خواجہ بن فضل الدین خواجہ خوقندی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۵۲ء میں کتابت کیا جو ۴۸ اوراق پر مشتمل ہے [۱۷] اور بقول بعض مطبوع ہے [۱۸]۔

یہ ان ایام کا واقعہ ہے جب حجاز وشام، عراق وفلسطین مصر و یمن اور بلقان وترکی وغیرہ اسلامی ممالک خلافت عثمانیہ میں شامل اور استنبول شہر اس کا دارالخلافہ تھا اور تیرہویں صدی ہجری کے آخری عشرہ میں خادم الحرمین الشریفین ومسجد الاقصیٰ سلطان عبدالعزیز خان مرحوم حکمران تھے۔ عثمانی خلفاء حنفی المذہب تھے اور سلسلۂ رفاعیہ کے علاوہ نقشبندیہ سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ چنانچہ مذکورہ خلیفہ نے مشہور عالم وصوفی علامہ سید داؤد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے مکتوبات شریف کے مکمل عربی ترجمہ کرنے کی درخواست کی اوراس پر آپ کو انعامات واعزازات پیش کرنے کا عندیہ دیا لیکن علامہ بغدادی اس کام کو شروع نہ کر پائے حتیٰ کہ چند برس کے وقفہ سے دونوں نے وفات پائی [۱۹]۔

پھر چودھویں صدی ہجری کا سورج طلوع ہوا تو مکہ مکرمہ میں مشائخ نقشبند کے سرتاج ومسجد حرم کے امام وخطیب علامہ سید محمد صالح زواری شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مخلص خلیفہ شیخ محمد مراد منزلوی قازانی

رحمۃ اللہ علیہ، جو شاہ محمد مظہر مجددی دہلوی مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، انہیں نقشبندی مشائخ کے احوال و آثار پر کام کرنے اور بطور خاص مکتوبات کے مکمل عربی ترجمہ کے کام پر مامور کیا۔

شیخ قازانی نے مرشد کے اس حکم کو سر آنکھوں پر لیا اور یہ کام شانِ شایاں طریقہ سے انجام دیا چنانچہ آپ نے مکتوبات کے فارسی متن سے ترجمہ کا آغاز شعبان ۱۳۰۳ھ کو کیا اور ذیقعد ۱۳۰۴ھ تک اسے مکمل کر کے ''الدرر المکنونات النفیسۃ'' کا نام دیا۔ اور ترجمہ کے علاوہ مکتوبات کی متعدد عبارات پر حواشی لکھے نیز ان میں مذکور بعض احادیث بالخصوص پہلی جلد کی تخریج کی اور حواشی لکھتے وقت چند مقامات پر وہابیہ کا تعاقب کیا[۲۰]۔

شیخ عبدالحمید فردوس افغانی مکی خالدی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبداللہ زبیر رحمۃ اللہ علیہ جو ان دنوں مطبع میریہ مکہ مکرمہ میں تصحیحِ کتب کی خدمات انجام دیتے تھے انہوں نے اس ترجمہ کے کتابت شدہ نسخہ کی تصحیح کر کے اسے طباعت کے لیے تیار کیا نیز اول الذکر نے اس پر اختتامی کلمات لکھے اور اس کا قطعہ تاریخِ طباعت موزوں فرمایا پھر یہ ترجمہ چونتیسویں عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید خان دوم (م ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء) کے دورِ حکمرانی میں مذکورہ مطبع میں طبع ہوا۔ اس کی پہلی جلد ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں اور دوسری و تیسری یکجا ۱۳۱۷ھ کو طبع کی گئی اور یہ ایڈیشن آج کل مجلس علمی لائبریری نزد مزار قائداعظم کراچی میں محفوظ ہے۔ اور چند عشرے قبل استنبول سے مکتبہ فضیلت نے مکی ایڈیشن کا عکس بڑے اہتمام سے شائع کیا جو راقم کے پیش نظر ہے جو کل ساڑھے سات سو بڑے صفحات پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں دار الکتب علمیہ بیروت نے بھی اس کا عکس شائع کیا۔

مکی ایڈیشن اور استنبول و بیروت میں مطبوع اس کا عکس یہ محض ایک کتاب ہی نہیں بلکہ اس کے حاشیہ پر حسب ذیل رسائل و کتب بھی مطبوع ہیں۔ یوں یہ ایڈیشن نقشبندی مجددی سالکین کے لیے بالخصوص اور تصوفِ اسلامی کا ذوق رکھنے والوں کیلئے بالعموم، گویا ایک مکمل نصاب کی حیثیت رکھتا ہے:

☆ احوال الامام الربانی، تصنیف شیخ محمد مراد قازانی، سنہ تصنیف ۱۳۰۹ھ، ترمیم و اضافات از مصنف ۱۳۱۴ھ، جلد اول صفحہ ۱ تا ۱۸۳

☆ الرحمۃ الھابطۃ فی تحقیق الرابطۃ، تصنیف شیخ حسین دوسری بصری نقشبندی خالدی رحمۃ اللہ علیہ، تصورِ شیخ کے مسئلہ پر اہم کتاب، سنہ تصنیف ۱۲۳۷ھ، جلد اول صفحہ ۱۸۴ تا ۲۸۰

☆ الفقرات الاحراریہ، خواجہ عبید اللہ بن محمود احرار سمرقندی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۹۵ھ/۱۴۸۹ء) کے اقوال کا فارسی سے ترجمہ، جلد اول صفحہ ۲۸۱ تا ۳۵۳

☆ قصیدۃ ابن بنت میلق، تصوف کے موضوع پر مصر کے قاضی شیخ محمد بن عبدالدائم شافعی شاذلی المعروف بہ ابن بنت میلق رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۹۷ھ/۱۳۹۵ء) کا مشہور قصیدہ، جلد اول صفحہ ۳۵۶ تا ۳۸۴

☆ المبداء والمعاد، تصنیف حضرت امام ربانی، فارسی سے ترجمہ شیخ محمد مراد منزلوی قازانی، جلد دوم صفحہ ۲ تا ۱۶۲

☆ عطیۃ الوھاب الفاصلۃ بین الخطاء والصواب، شیخ محمد بیگ رحمۃ اللہ علیہ نزیل مکہ مکرمہ، امام ربانی کی بعض تحریروں پر کیے گئے اعتراضات کا جواب، سنہ تصنیف ۱۰۹۴ھ، جلد سوم صفحہ ۲ تا ۱۸۴

☆ تصوف کے بارے میں شیخ ابی محمد عبداللہ بن قاسم شہرزوری رحمۃ اللہ علیہ کا قصیدہ، جلد سوم صفحہ ۱۹۲ تا ۱۹۳

علاوہ ازیں شیخ قازانی نے مکتوبات پر پانچ صفحات کا مقدمہ بھی لکھا جس میں امام ربانی کا اسم گرامی حسب ذیل القاب کے ساتھ درج کیا:

> **الامام الربانی والغوث الصمدانی والقطب السبحانی والعارف الرحمانی نقطة دائرة الارشاد رحلة الابدال والاوتاد قدوة الكملاء الافراد واقف الاسرار الالٰهية كاشف دقائق المتشابهات القرآنية برهان الولاية الخاصة المحمدية سمی سيد المرسلين وافضل البرية بالاسم الذی بشربه المسيح على نبينا وعليه الصلاة والسلام والتحية. سيدنا وسندنا و وسيلتنا الى الله القديم الكريم الاحد الابدی الشيخ احمد بن الشيخ عبدالاحد السرهندی محتدا الفاروقی نسبا النقشبندی مشربا الحنفی مذهبا الشهير عند الاقاصی والادانی بمجدد الالف الثانی قدس سره و روح روحه ونور ضريحه وماض علينا من بركاته وجعل لنا نصيبا وافرا من جميع مقاماته بحرمة اشرف العباد وآله الامجاد**[۲۱]۔

مکتوبات کے عربی ترجمہ اور اس سے متعلق معاملات میں جن شخصیات کا ذکر گذشتہ صفحات میں آیا، ان کے مختصر حالات یہ ہیں:۔

۱......مولانا سید غلام علی آزاد بلگرامی

مولانا سید غلام علی آزاد بن نوح حسینی واسطی ہندوستان کے شہر بلگرام میں صفر ۱۱۱۰ھ مطابق ۱۶۹۸ء کو پیدا ہوئے۔ آپ نحو لغت شعر بدیع تاریخ و سیر اور انساب کے علوم میں اپنے دور کی بینظیر شخصیت تھے۔ آپ حضرت سید لطف اللہ حسینی بلگرامی چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے نیز ۱۱۵۱ھ میں حجاز مقدس میں حاضر ہوئے تو مدینہ منورہ میں مولانا محمد حیات سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح بخاری وغیرہ کتب پڑھیں۔ آپ نے مزار سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی زیارت کے لیے طائف کا سفر اختیار کیا۔ آپ نے عربی و فارسی میں متعدد کتب تصنیف کیں آپ کی عربی شاعری کے سات دواوین ہیں جن میں سے کچھ طبع ہوئے نیز فارسی شاعری کا ضخیم مجموعہ ہے۔ مولانا آزاد بلگرامی نے ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۵ء کو اورنگ آباد ہندوستان میں وفات پائی۔ مزید تصنیفات یہ ہیں:۔

۱......ضوء الدراری شرح صحیح البخاری، نامکمل

۲......سُبحة المرجان فی آثارِ ہندوستان

۳...... روضة الاولیاء

۴...... مآثر الکرام فی تاریخ بلگرام ..[۲۲]

۲......شیخ سید عبدالرحمٰن محض قادری

شیخ سید عبدالرحمٰن محض بن علی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۴۵ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب و طریقت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔ آپ نے خانقاہ قادریہ بغداد میں واقع مدرسہ میں تعلیم پائی علاوہ ازیں علامہ سید داؤد بغدادی اور محدث اعظم شاہ شیخ عبدالغنی غنیمی میدانی وغیرہ اکابرین سے اخذ کیا۔ شیخ عبدالرحمٰن محض عالم دین، صوفی، مرشد، ادیب و شاعر اور ملک کے اہم سیاسی رہنما تھے۔ آپ مجلس شوریٰ بغداد کے رکن ہوئے اور ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء کو آپ کے بڑے بھائی شیخ سلمان قادری رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی تو آپ ان کی جگہ مزار سیدنا عبدالقادر جیلانی کے متولی

نیز خانقاہ قادریہ کے جانشیں ہوئے علاوہ ازیں عراق بھر میں ساداتِ کرام کے نسب اور دیگر معاملات کی نگرانی کے لیے مقرر اعلیٰ ترین منصب ''نقیب الاشراف'' بھی آپ کے سپرد ہوا جس پر قبل ازیں آپ کے مذکورہ بھائی تعینات تھے۔

شیخ عبدالرحمٰن نے خانقاہ قادریہ پر عمارت کی دوسری منزل، حنابلہ کیلئے خصوصی مدرسہ، اوقات کے تعین کے لیے مینار، وضو کے لیے بڑا حوض تعمیر کرائے نیز وہاں پر زائرین کے قیام کیلئے مخصوص عمارت کی توسیع کرائی اور فقراء کے لیے لنگر جاری کیا۔ آپ زائرین کی خدمت اپنے ہاتھوں انجام دینے کے لیے مستعد رہتے اور ان کے تمام معاملات کی براہِ راست دیکھ بھال کرتے۔ عثمانی حکومت نے آپ کو متعدد اعلیٰ ایوارڈ پیش کیے۔

آپ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۲ء تک عراق میں بنی تین حکومتوں میں تینوں بار وزیر اعظم ہوئے اور ۱۹۲۲ء کو عراق اور برطانیہ کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس میں عراق کو آزاد مملکت تسلیم کیا گیا، ان مذاکرات میں آپ نے عراق کی نمائندگی کی اور اس معاہدہ پر دستخط کیے۔

آپ ملک کی ہردلعزیز شخصیت تھے اور علماء و مشائخ، سیاسی رہنماؤں کے علاوہ ادباء و شعراء سے آپ کے قریبی مراسم تھے۔ آپ نے ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۶ء کو بغداد میں وفات پائی اور مزار سیدنا عبدالقادر جیلانی کے احاطہ میں قبر بنی۔ آپ کے وصال پر ملک کے اہم شعراء نے مرثیے لکھے نیز عالم اسلام میں گہرا رنج و غم محسوس کیا گیا اور افغانستان' ہندوستان مراکش وغیرہ ممالک میں آپ کے ایصالِ ثواب کے لیے مجالس منعقد کی گئیں۔ شیخ ابراہیم دروبی کی تصنیف 'شیخ الاسلام سیدنا عبدالقادر الگیلانی واولادہ'' جو کراچی سے شائع ہوئی، اس کے صفحات ۳۱۶ تا ۳۳۰ پر شیخ عبدالرحمٰن کے مفصل حالات درج ہیں۔ آپ کی تصنیفات یہ ہیں:

۱......الفتح المبین فی الرد علی تریاق المحبین، مطبوع، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نیز ان کی اولاد کے حالات اور آداب سلسلۂ قادریہ کا بیان نیز اس پر وارد اعتراضات کے جواب۔

۲......المواعظ۔' آپ خانقاہِ قادریہ پر ہر برس ماہِ رمضان میں وعظ کی خصوصی مجلس منعقد کیا کرتے پھر انہیں جمع کر کے کتابی صورت دی گئی۔

۳......رسالۃ فی الادب، عراق کے مشہور شاعر حیدر حلی نجفی کے ساتھ ادبی معرکہ[۲۳]۔

ہندوستان کے اکابر علماء ومشائخ اہلِ سنت میں سے جو مختلف اوقات میں بغداد حاضر ہوئے اور شیخ عبدالرحمٰن محض سے ملاقات وعلمی روابط استوار ہوئے، ان میں مولانا فضلِ رسول بدایونی [۲۴] مولانا محمد عبدالباقی لکھنوی مہاجر مدنی [۲۵] اور خانقاہ قادریہ سولجر بازار کراچی کے صاحبِ مزار ابوالرجاء مولانا حافظ محمد غلام رسول قادری [۲۶] کے علاوہ علامہ ابوالکلام آزاد کے والد مولانا خیرالدین دہلوی [۲۷] شامل ہیں اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے مدینہ منورہ میں آپ سے ملاقات واخذ کیا [۲۸]۔

بعدازاں آپ کے پوتے شیخ سید طاہر علاؤالدین بن محمود حسام الدین بن عبدالرحمٰن محض رحمۃ اللہ علیہم ۱۹۵۴ء میں پاکستان میں ہجرت کر آئے اور کراچی وکوئٹہ میں سکونت اختیار کی حتیٰ کہ ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹۹۱ء کو جرمنی میں وفات پائی اور لاہور شہر میں مزار بنا۔ صاحب تفسیر ضیاء القرآن مولانا پیر محمد کرم شاہ ازہری چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ماہنامہ منہاج القرآن لاہور نے آپ کے وصال پر خصوصی شمارہ شائع کیا۔

۳......شیخ یونس

شیخ یونس بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فقط اتنی معلومات دستیاب ہیں کہ آپ بارہویں صدی ہجری کے وسط میں ہوگزرے اور ایران کے باشندہ نیز سلسلہ نقشبندیہ سے وابستہ تھے۔ مشاہیر کے حالات پر عربی کی متداول کتب میں آپ کے حالات درج نہیں اور بارہویں صدی کی شخصیات پر دمشق کے شیخ سید محمد خلیل مرادی نقشبندی مجددی کی تصنیف ''سلک الدرر'' بھی آپ کے تذکرہ سے خالی ہے [۲۹]۔

۴......شیخ سید محمد مبارک

شیخ سید محمد بن محمد مبارک حسنی مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی اپنے وطن الجزائر پر ۱۸۳۰ء میں فرانس کے قبضہ کے باعث ملک کے پانچ سو خاندانوں کے ایک قافلہ میں ہجرت کر کے بیروت (لبنان) پہنچے جہاں ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ء کو آپ کی ولادت ہوئی پھر آپ کا خاندان بیروت سے دمشق منتقل ہوگیا۔ جہاں آپ نے تعلیم مکمل کی۔ آپ کے بھائی شیخ سید محمد طیب مالکی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ شاذلیہ فاسیہ خلوتیہ کے مرشد تھے انہوں نے ۱۳۱۳ھ کو دمشق میں وفات پائی تو آپ ان کے جانشیں ہوئے اور صوف بازار کے قریب مدرسہ خضیریہ میں ان کی قائم کردہ خانقاہ میں رُشد وہدایت کا سلسلہ قائم رکھا۔

شیخ محمد مبارک عالمِ جلیل، صوفی کامل اور ادیب وشاعر تھے۔آپ علائق دنیا سے دور رہے، حکومت شام نے الجزائری مہاجرین میں زمین تقسیم کی تو آپ نے لینے سے انکار کردیا۔آپ اپنی مالی ضروریات پورا کرنے کے لیے خود کام کرتے۔ آپ از میر شہر کے قاضی تعینات رہے لیکن اس دوران بھی سرکاری تقریبات میں شریک ہونے سے الگ رہے۔تحریک آزادیٔ الجزائر کے مشہور رہنما امیر عبدالقادر الجزائری جو دمشق میں مقیم تھے ان کے ساتھ آپ کے گہرے مراسم استوار تھے اور انہوں نے اپنے فرزندان کو تعلیم کے لیے شیخ محمد مبارک کے سپرد کر کے اس کے لیے آپ کا مشاہدہ مقرر کیا۔آپ نے الجزائری مہاجرین کے لیے دمشق کے جنوب میں محلّہ شویکہ میں دینی مدرسہ اور پھر پرائمری اسکول قائم کیا۔آپ سے لاتعداد طلبہ نے استفادہ کیا اور مریدین کا وسیع حلقہ قائم ہوا۔آپ کے خلفاء میں مفتی مالکیہ دمشق شیخ عبدالباقی الجزائری اور شیخ محمد شریف یعقوبی اہم نام ہیں۔آخر الذکر نے آپ کی وفات پر خانقاہ خیریہ کا انتظام سنبھالا۔

آپ نے وفات کے روز تمام حاضرین کو الوداع کہا پھر ان احباب کو طلب کیا جو حاضر نہ تھے اور انہیں بھی فرداً فرداً خدا حافظ کہا اس کے بعد کلمہ شہادت پڑھا اور ہاتھ میں تسبیح کے دانے حرکت میں تھے کہ جملہ احباب کی موجودگی میں ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء کو وفات پائی۔شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے ملحق مسجد میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور قبرستان جبل صالحیہ دمشق میں مقبرہ نبی اللہ سیدنا ذی الکفل علیہ السلام کے احاطہ میں اپنے جلیل القدر نانا پیر طریقت شیخ محمد مھدی سکلاوی خلوتی الجزائری کی قبر کے ساتھ اور صاحب الفیہ امام محمد بن مالک رحمۃ اللہ علیہما کی قبر کے نزدیک آپ سپرد خاک کیے گئے۔

آپ کی تصنیفات یہ ہیں:

۱...... **غناء الهزار فی محاورة اللیل والنهار**، امیر عبدالقادر الجزائری کے مناقب پر مشتمل

۲...... **مقامة فی المخاخرة بین الغربة والاقامة**، امیر عبدالقادر کے ساتھ بعلبک کا سفر کیا، اس کی روداد

۳...... **لوعة الضمائر فی رثاء عبدالقادر**

۳...... **المقامة اللغزیه والمقالة الادبیة**

۴...... **المقامات العشر لطلبة العصر**

...... **بهجة الرائح والغادی فی احسن محاسن الوادی**، دمشق اور وادی بردی کے اوصاف

...... **معارج الارتقاء الی سماء الانشاء**

......غریب الابناء فی مناظرۃ الارض والسماء، مطبوعہ دمشق ۱۳۰۲ھ[۳۰]

آپ کے بیٹے شیخ عبدالقادر بن محمد مبارک (م ۱۹۴۵ء) عرب دنیا کے مشہور ماہرین لغت میں شمار ہوئے[۳۱] جبکہ آپ کے پوتے شیخ محمد بن عبدالقادر بن محمد مبارک (م ۱۹۸۱ء) حکومت شام میں وزیر مواصلات اور پھر وزیر زراعت رہے نیز عالم عرب کی متعدد جامعات میں استاد رہے اور کراچی ولاہور کا دورہ کیا[۳۲]۔

۵......شیخ عبدالمجید خانی

شیخ عبدالمجید بن محمد بن محمد خانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ء کو دمشق میں پیدا ہوئے اور شیخ علی خدوری حمصی نقشبندی سے ابتدائی تعلیم پائی۔ آپ کے دادا شیخ محمد خانی دمشق میں سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ خالدیہ کے مرشد کبیر تھے چنانچہ شیخ عبدالمجید نے اپنے دادا اور والد گرامی سے سلوک کی منازل طے کیں۔ اور اپنے والد کے استاد شیخ محمد طنطاوی ازہری سے امیر عبدالقادر الجزائر کی موجودگی میں فتوحاتِ مکیہ کے اکثر اجزاء پڑھے۔ علاوہ ازیں امیر عبدالقادر سے صحیح بخاری کا اکثر حصہ پڑھا۔ شیخ عبدالمجید خانی دمشق کے اہم شافعی عالم، فقیہ، مرشد، ادیب وشاعر اور مؤرخ تھے۔ آپ کے والد ماجد نے ۱۳۱۶ھ میں وفات پائی تو آپ ان کے سجادہ نشین ہوئے اور نقشبندی خالدی سلسلہ میں سالکین کی تربیت کے علاوہ مسجد وخانقاہ مرادیہ میں صحیح بخاری کا درس دیا کرتے۔

آپ چودھویں صدی کے ابتدائی عشروں میں شیخ محمد مبارک کے بعد دمشق شہر کے دوسرے بڑے ادیب وشاعر تھے۔ آپ نے طویل نعتیہ قصیدہ موزوں فرمایا نیز امیر عبدالقادر الجزائری کا قصیدہ لکھا۔ آپ کو تاریخی مادہ کے اخراج میں حیرت انگیز حد تک کمال حاصل تھا، ۱۲۸۹ھ کا سورج طلوع ہوا تو آپ نے خلیفہ عثمانی عبدالعزیز خان کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے طویل قصیدہ دالیہ تخلیق کیا جس کے ہر مصرعہ سے مذکورہ سنہ ہجری برآمد ہوتا ہے ایک شعر یہ ہے:

بالتهانی اشرق العام الجدید
منبئاء عن موسم البشر السعید

آپ اتحاد بین المسلمین کے اہم داعی تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے دارالخلافہ استنبول کا سفر کیا، جہاں علماء ومشائخ نے آپ کے علم وفضل کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ لیکن چند ہی دنوں بعد آپ نے وہیں

پر وفات پائی اور مقبرہ نشان طاش میں قبر بنی یہ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء کا واقعہ ہے۔آپ کی تصنیفات یہ ہیں:
۱......رسائل
۲......مقامات سبع، اپنے سلسلہ روایت واسناد کا بیان
۳......وجہ الحل فی جھد المقل، ضخیم شعری مجموعہ جس کا مخطوطہ آپکے پوتے شیخ عبدالرحمٰن خانی کے متروکہ ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔
۴......الحدائق الوردیۃ فی اجلا النقشبندیۃ، آپ کی انتہائی اہم تصنیف جو بڑی تقطیع کے ۳۱۶ صفحات پر مشتمل ہے اور اسکے لیے آپ نے بطور خاص فارسی زبان سیکھی اور پھر نقشبندی مشائخ کے حالات فارسی کتب سے اخذ کر کے اس میں درج کیے۔کتاب کا عمومی موضوع سلسلہ نقشبندیہ کا تعارف اور اس سے وابستہ عرب وعجم کے اکابرین کا تذکرہ ہے۔اور یہ ۱۳۰۸ھ کو مطبع عامرہ قاہرہ میں پہلی بار طبع ہوئی۔
۵......السعادۃ الابدیۃ فیما جاء بہ النقشبندیہ، سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ خالدیہ کا عمومی تعارف، اس کا تازہ ایڈیشن مکتبۃ الحقیقہ استنبول نے ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۲ء کو طبع کرا کے تقسیم کیا۔آپ نے ۱۳۱۳ھ میں اپنے دادا شیخ محمد بن عبداللہ خانی (م ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ھ) کی تصنیف البھجۃ السنیۃ کو مختصر کر کے یہ نام دیا اور خاتمہ کتاب پر اس کی وضاحت خود کی۔ مذکورہ صورت میں خیرالدین زرکلی کا البھجۃ السنیۃ اور السعادۃ الابدیۃ دونوں کو آپ کے دادا کی تصنیفات قرار دینا درست نہیں۔معلوم رہے کہ البھجۃ السنیۃ بھی مکتبۃ الحقیقہ نے ۱۹۹۲ء میں ہی الگ سے شائع کی۔

۴......شیخ عبدالغنی مجددی

شیخ عبدالغنی بن ابی سعید رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۲۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے اور اپنے والد نیز بڑے بھائی مولانا شاہ احمد سعید مجددی کے علاوہ شاہ محمد اسحاق دہلوی وغیرہ علماء سے تعلیم وتربیت پائی اور ۱۲۴۹ھ کو والد گرامی کے ہمراہ حج وزیارت کے لیے گئے تو مدینہ منورہ میں مولانا محمد عابد سندھی اور مکہ مکرمہ میں مفتیِ احناف علامہ سید عبداللہ میرغنی سے اخذ کیا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ایام میں آپ ہندوستان سے حجازِ مقدس ہجرت کر گئے اور مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی۔آپ نے والد ماجد سے خلافت پائی۔ اور آپ کا سلسلہ نسب وطریقت دونوں ہی امام ربانی سے جا ملتے ہیں۔
شاہ عبدالغنی اپنے دور کے محدث حجاز، مسند، فقیہ حنفی اور اہم نقشبندی مرشد تھے۔آپ سے عرب وعجم

کے لاتعداد اکابرین بالخصوص خطہ ہند، حجاز مقدس، شام اور مراکش کے علماء ومشائخ نے علمِ حدیث اور تصوف کے علوم میں اخذ کیا، ان میں آپ کے بھتیجا شاہ محمد مظہر بن شاہ احمد سعید مجددی، مولانا عبدالحلیم لکھنوی اوران کے فرزند مولانا محمد عبدالحئی لکھنوی، مولانا سید حسن شاہ رامپوری، مولانا محمد عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی، مفتی احناف مدینہ منورہ شیخ عثمان بن عبدالسلام داغستانی، مفتی شافعیہ مدینہ منورہ شیخ سید احمد بن اسمٰعیل برزنجی، شیخ محمد امین المعروف بہ اخوند جان بخاری مرغینانی، شیخ عارف بن احمد منیر دمشقی شافعی اور صاحب فہرس الفہارس کے والد علامہ سید عبدالکبیر کتانی مراکشی رحمھم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔ شاہ عبدالغنی مجددی نے ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ آپ کی مزید تصنیفات کے نام یہ ہیں:

۱...... **المسلسل باجابة الدعاء فی الملتزم،** مخطوط مخزونہ مکتبہ حرم مکی، نمبر ۳۸۰۳

۲...... **خلاصة الجواهر العلوية، مطبوعه**

۳...... **انجاح الحاجة عن سنن ابن ماجة،** مطبوعہ دہلی ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۹ء،

ڈاکٹر احمد خان مقیم اسلام آباد نے برصغیر سے شائع ہونے والی عربی کتب کے ناموں کی فہرست مرتب کی اوراس میں انجاح الحاجۃ کو کسی محمد بن اسمٰعیل کی تصنیف قرار دے دیا[۳۴]، جو درست نہیں۔ اور علامہ علی لکھنوی نے اسے سنن ابن ماجہ کا ذیل قرار دیا ہے[۳۵]۔ معلوم نہیں احادیث کی کتب صحاح ستہ میں شامل سنن ابن ماجہ پر ''ذیل'' سے ان کی کیا مراد ہے؟ صاحب فہرس الفہارس جنہوں نے انجاح الحاجۃ بچشم خود ملاحظہ کی، آپ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ یہ شیخ عبدالغنی مجددی دہلوی مدنی کی تصنیف اور سُننِ ابن ماجہ کی مختصر شرح ہے[۳۶]۔

اور خود شیخ عبدالغنی کے حالات واسانید نیز آپکے مشائخ کے احوال پر ان کے شاگرد مولانا محسن ترھٹی نے عربی میں کتاب ''الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی'' لکھی جو ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء کو دہلی سے طبع ہوئی۔ ڈاکٹر احمد خان نے اس کے مصنف کا نام محمد حسین الترھتی لکھا ہے[۳۷] جو صحیح نہیں۔ یہ کتاب بھی صاحب فہرس الفہارس کے پیش نظر تھی اور انہوں نے مصنف کا نام العلامۃ ابوعبداللہ محمد (بن) یحیٰ المدعو بالمحسن الترھتی الفرینی الھندی بتایا ہے۔

آپ کے حالات پر دوسری کتاب شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی دہلوی ازھری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء) کی ''القول السنی فی الذب عن الشیخ عبدالغنی'' ہے۔ یہ ضخیم کتاب ۱۳۶۰ھ میں تصنیف کی گئی اور تا حال طبع نہیں ہوئی[۳۸]۔

۷......سلطان عبدالعزیز خان

۱۶ر جولائی ۱۷۷۴ء کو خلافتِ عثمانیہ اور روس کے درمیان طے پانے والے معاہدہ کو چک کناری کے بعد عثمانی حکومت کا زوال تیز ہو گیا جو بالآخر ڈیڑھ صدی بعد ۱۹۲۴ء کو اس کے کلی خاتمہ پر منتج ہوا۔ خادم حرمین شریفین و مسجد اقصیٰ عبدالعزیز بن محمود دوم عثمانی کا عہد اسی دورِ زوال کا حصہ تھا آپ نے ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۱ء کو سلطنت عثمانیہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔

آپ کے عہد میں ملک کے بحری بیڑے کو اتنی ترقی دی گئی کہ عثمانی ترک یورپ کی تیسری بڑی بحری طاقت بن گئے۔ انہی ایام کے مصر میں جو عثمانی سلطنت میں شامل تھا، وہاں دو سمندروں کو آپس میں ملانے کے لیے ایک سو سات میل لمبی نہر سوئز کی کھدائی کا کام مکمل ہوا اور ۱۷ر نومبر ۱۸۶۹ء کو اس کا افتتاح ہوا۔ سلطان عبدالعزیز کے دور میں ترکی کے ایک سپہ سالار یعقوب بیگ نے چین میں شامل مسلم آبادی کے علاقہ مشرقی ترکستان سے چینیوں کو باہر نکال کر وہاں آزاد حکومت قائم کر لی۔ پھر سلطان عبدالعزیز کو خلیفہ تسلیم کیا اور ان کے نام کا خطبہ ترکستان کی مسجدوں میں پڑھا جانے لگا اور آپ کے نام کے سکے بھی ڈھالے۔ پھر سلطان نے یعقوب کی درخواست پر ایک فوجی وفد اور کچھ اسلحہ جو توپوں اور بندوقوں پر مشتمل تھا بمبئی کے راستے کاشغر بھیجا۔ کچھ ہی عرصہ بعد یعقوب بیگ نے زہر کے باعث وفات پائی اور چین نے مشرقی ترکستان کو پھر سے ملک میں ضم کر کے اسے سنکیانگ کا نام دے کر ایک صوبہ بنا دیا جو آج تک چین کی غلامی میں ہے[۳۹]۔

عثمانی خلفاء، علم و علماء اور کتاب و کتب خانہ سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ کرۂ ارض پر نجی کتب خانوں کا قیام تو اسی وقت شروع ہو گیا تھا جب انسان نے لکھنا سیکھا لیکن دنیا میں قائم اولین عوامی کتب خانہ کے بارے میں جو تازہ تحقیق سامنے آئی ہے اس کے مطابق ساتویں عثمانی خلیفہ فاتحِ استنبول سلطان محمد فاتح رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۸۶ھ/۱۴۸۱ء) نے ۱۴۷۱ء کو استنبول میں قائم کیا اور تب سے اب تک اس شہر کو اعزاز حاصل ہے کہ عثمانی سلاطین اور دیگر محبانِ علم نے مختلف ادوار میں یہاں کتب خانوں کے قیام کو اہمیت دی اور آج یہ شہر قلمی کتب کی موجودگی سے مالا مال پوری اسلامی دنیا کا سب سے اہم مرکز و مخزن ہے۔ سلطان عبدالعزیز کے دور میں ۱۸۷۱ء کو ان کی والدہ کے نام سے عوامی کتب خانہ قائم کیا گیا جو ان کے نام کی مناسبت سے مکتبہ برتونیال کہلایا جس میں ۳۲۹ قلمی کتب موجود تھیں ۱۹۲۴ء تک یہ کتب خانہ اپنی اصل عمارت میں موجود رہا پھر جدید

ترکی کے بانی مصطفیٰ کمال پاشا نے ملک بھر کے دینی مدارس اور خانقاہوں کو بند کیا تو شہر بھر کے ستر سے زائد کتب خانوں کو سمیٹ کر مکتبہ سلیمانیہ میں ضم کر دیا اور مکتبہ برتونیال انہی میں سے ایک تھا[۴۰]۔

سلطان عبدالعزیز نے ۱۸۶۳ء کو استنبول میں دارالفنون نام کی پہلی یونیورسٹی قائم کی جو ۱۸۶۹ء میں باقاعدہ یونیورسٹی کی شکل اختیار کر گئی[۴۱] اور ۱۸۶۴ء میں آپ مصر کے دورہ پر گئے تو قاہرہ کے مشرقی علاقہ میں جبل مقطعم کے قریب سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے بنوائے ہوئے قلعہ میں قیام کیا جس کی فصیل کے آثار آج تک باقی ہیں۔ قلعہ کی جامع مسجد میں اس وقت کے اہم مصری عالم وخطیب جامع ازہر شیخ ابراہیم سقا شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان کو خطبہ دیا[۴۲] اور ۱۸۶۴ء میں ہی ہندوستان کے مشہور اہلِ سنت عالم مولانا محمد رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ سلطان کی خصوصی دعوت پر مکہ مکرمہ سے دارالخلافہ استنبول پہنچے اور سلطان نے آپ کی خدمات کے اعتراف میں آپ کو خلعتِ فاخرہ کے علاوہ تمغۂ مجیدی پیش کیا نیز پانچ سو ریال مجیدی مشاہرہ اور گورنرِ مکہ مکرمہ کی مجلس مشاورت کا رکن مقرر کیا۔

مولانا کیرانوی نے سلطان اور دیگر اعیان کی تحریک پر عیسائیت کی تردید میں ضخیم عربی کتاب ''اظہار الحق'' تصنیف کی جسے سلطان کے اخراجات پر ترکی وغیرہ زبانوں میں تراجم طبع کرا کے اسلامی دنیا میں تقسیم کیا گیا[۴۳] اس کام کیلئے ۱۸۶۵ء کو وزارت تعلیم کے تحت مستقل شعبۂ ترجمہ قائم کیا گیا[۴۴] اور آپ کے عہد میں ۱۸۷۰ء کو مشہور جدت پسند رہنما جمال الدین افغانی پہلی بار استنبول وارد ہوئے لیکن وہاں ان کے افکار کو پذیرائی نہیں ملی[۴۵] اور اسی برس داغستان کی تحریک آزادی کے مشہور رہنما امام شامل نقشبندی (م۔ ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۱ء بمقام مدینہ منورہ) دارالخلافہ پہنچے اور درپیش معاملات پر سلطان سے مذاکرات کیے[۴۶]۔

۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء کو آزادی واصلاحات کے حامی ترکوں نے وزیراعظم مدحت پاشا کی سرپرستی میں سلطان عبدالعزیز خان کو بزورِ قوت معزول کر کے ان کے بھتیجا سلطان مراد پنجم کو تخت پر بٹھا دیا اور آپ کو پہلے محل میں نظر بند اور پھر قید خانہ میں ڈال دیا اور بالآخر اسی برس قید کی حالت میں آپ کو قتل کرا دیا۔ آپ بتیسویں خلیفہ عثمانی تھے اور آپ کی حکمرانی تین براعظم تک پھیلی ہوئی تھی۔

آپ کے فرزند سلطان عبدالمجید دوم (م ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء) سینتیسویں وآخری خلیفہ عثمانی ہوئے اور ان کے دورِ خلافت میں مصطفیٰ کمال پاشا کی قایم کردہ ترک پارلیمنٹ نے ۳/مارچ ۱۹۲۴ء کو عثمانی حکومت کے خاتمہ کا باضابطہ اعلان کیا۔ اور اس خاندان کے جملہ افراد کو ملک بدر کر دیا[۴۷]۔

۸......علامہ سید داؤد بغدادی

علامہ سید داؤد بن سلیمان بن جرجیس رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۳۱ھ مطابق ۱۸۱۶ء کو بغداد میں پیدا ہوئے اور وہاں کے اکابر علماء کرام سے تعلیم پائی اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ خالدیہ میں شیخ سید عبدالغفور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۸ء) سے خلافت پائی اور موصل وشام کا سفر کر کے وہاں کے مشائخ سے استفادہ کیا پھر حجازِ مقدس پہنچے اور مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ میں سترہ برس مقیم رہے اور وہاں پر وارد ہونے والے اکابر نیز مولانا محمد عابد سندھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ کیا۔ پھر لاتعداد طلبہ نے خود علامہ سید داؤد سے مختلف علوم میں تعلیم اور سند روایت پائی۔ آپ مدرسہ طبقجلی بغداد میں نحو، فقہ وغیرہ علوم کے استاد رہے نیز شہر کی اہم مسجد وزیر میں درس دیا کرتے۔ آپ بغداد میں حجۃ فی الدین، محدث کبیر، فقیہ شافعی، اصولی، ادیب وشاعر اور صوفیِ کامل تھے۔ آپ نے ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۲ء کو بغداد میں وفات پائی اور شہر کی مغربی جانب کرخ میں مسجد ست نفیسہ میں اپنے مرشد کی قبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کی تصنیفات کے نام یہ ہیں:

۱...... **اشدا الجهاد فی ابطال دعوی الاجتهاد**، وہابیہ نجد کے دعویٰ اجتہاد کی حقیقت اور اس کا رد، مطبوعہ، بمبئی ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۸ء

۲...... **بیان الدین القیم فی تبرئة ابن تیمیة و ابن القیم**

۳...... **رسالة فی الرد علی محمود الاوسی**

۴...... **صلح الاخوان من اهل الایمان**، تینوں یکجا مطبوعہ بمبئی ۱۸۸۹ء

۵...... **المنحةالوهبية فی الرد علی الوهابية**، بمبئی، قاہرہ، استنبول سے شائع ہوئی

۶...... **رونق الصفافی بعض مناقب والدالمصطفی**، مخطوط مخزونہ ریاض یونیورسٹی نمبر ۲۳۳۳

۷...... **مسلی الواجد**، مرتبہ مولانا خالد نقشبندی مجددی بغدادی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ، مخطوط مکتبہ اوقاف بغداد نمبر ۵۷۶۵

۸...... **تشطیر البردة**، قصیدہ بردہ کی تضمین

۹...... **دوحةالتوحید**

۱۰...... **الفوائد الجليلة فی نظم الرسالة الوضيعة**

۱۱...... **مناقب المذاهب الاربعة**

آپ کے حالات پر سید عبدالوہاب موسوی نیازی نے کتابچہ بنام " نبذة لطيفة فی ترجمة شیخ الاسلام داؤد البغدادی " قلمبند کیا جو ۱۳۰۵ھ کو بغداد سے شایع ہوا۔ ادھر وہابیہ نجد نے آپ کے خلاف تین سے زائد کتب تصنیف کیں۔ بعض نے علامہ سید داؤد بغداد کو حنفی عالم قرار دیا ہے لیکن یہ درست نہیں [۴۸]۔

آپ نے تین فرزند یادگار چھوڑے جو سب عالم وفاضل تھے ان میں سے شیخ احمد بن داؤد نقشبندی (م۔ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) عراق کے وزیرِ اوقاف تعینات رہے [۴۹]۔

۹...... علامہ سید محمد صالح زواوی

شیخ سید محمد صالح بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر حسنی زواوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ رجب ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور وہاں کے اکابر علماء کرام شیخ سید محمد سنوسی مالکی، شیخ احمد دہان حنفی وغیرہ سے تعلیم پائی نیز علماء مدینہ منورہ کے علاوہ حرمین شریفین حاضر ہونے والے عالمِ اسلام کے دیگر اہم علماء سے اخذ کیا اور نوعمری میں ہی یمن کا سفر کر کے وہاں کے اہلِ علم سے مستفید ہوئے۔ پھر آپ مسجدِ حرم میں مدرس نیز شافعیہ کے امام تعینات ہوئے۔

شیخ صالح زواوی نقلی وعقلی علوم کے عظیم ماہر اہل سنت وجماعت عالم دین تھے اور متعدد اکابر علماء مکہ کے فرزندان آپ کے ہاں زیرِ تعلیم تھے اسی دوران تقریباً ۱۲۷۶ھ کا واقعہ ہے کہ عارف کامل شاہ محمد مظہر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ میں ہندی وترکی وغیرہ مریدین کی تربیت کے لیے حلقہ منعقد کیے بیٹھے تھے کہ شیخ صالح زواوی ادھر جا نکلے، آپ خود فرماتے ہیں کہ جیسے ہی میری نظر اس محفل پر پڑی میں نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا، علم وعمل سے بیگانہ یہ لوگ پتا نہیں کیا کر رہے ہیں۔ ادھر منھ سے یہ الفاظ نکلے ادھر اللہ تعالیٰ نے دل پر القاء فرمایا اور کایا پلٹ گئی۔ آپ دل کی اس بدلتی کیفیت پر مشاورت کے لیے مشہور عالم وصوفی شیخ عبدالحمید داغستانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور انجام کار ان کی معیت میں شاہ محمد مظہر دہلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کی۔ شاہ محمد مظہر دہلوی مکہ مکرمہ سے واپس اپنے مستقر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے اور پھر علامہ سید صالح زواوی نے مکہ مکرمہ سے سات یا آٹھ سفر فقط اس لیے اختیار کیے تاکہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شاہ محمد مظہر دہلوی سے اخذ کر سکیں علاوہ ازیں آپ حسبِ معمول جب بھی مکہ مکرمہ حاضر ہوتے یا طائف میں مزار سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہا کی

زیارت کے لیے سفر کرتے تو سید صالح زواوی ہمہ اوقات آپ کی خدمت میں حاضر رہنے کی کوشش کرتے جس دوران کوئی لمحہ استفادہ سے خالی نہ ہوتا یوں آپ نے پچیس برس تک شاہ محمد مظہر دہلوی سے روحانی تربیت پائی اور پھر مرشد کی وفات پر ان کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔

شیخ سید محمد صالح زواوی نے مسجد حرم میں امامت و تدریسی خدمات کے ساتھ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں خانقاہ مظہریہ کی سرپرستی بھی سنبھالی اور اپنے مرشد کے طریقہ پر تعلیم و تربیت اور رُشد و ہدایت کا سلسلہ آخری سانس تک جاری رکھا۔ آپ کی ذات سے عرب دنیا میں تعلیماتِ تصوف اسلامی کو بالعموم اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ کو بالخصوص بھرپور فروغ ملا۔ آپ کے خلیفہ شیخ محمد مراد قازانی نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

مرشد السالکین ومربی الطالبین وقدوة الواصلین وزبدة العارفین شیخ الحرمین الشریفین وامام المقامین المنیفین حامی مهجة الطریقة النقشبندیة وحافظ النسبة الاحمدیة المجددیة سیدنا ومولانا ومرشد نا ووسیلتنا الی الله سیدی الشیخ الجلیل والسید النبیل ابی عبدالله محمد صالح بن عبد الرحمٰن الزواوی عامله الله تعالٰی بفضله العمیم ولطفه الحاوی آمین.

اور شیخ قازانی اپنی دوسری تصنیف میں آپ کے بارے میں یوں رقم طراز ہوئے:

قبلة ارباب الفضائل' کعبة اصحاب الفواضلٗ رحلة الفحول والاماثل قدوته العلماء الافاضلٗ ذوالنسب الطاهرٗ جامع المآثرٗ وحاوی المفاخرٗ بقیة السلف' حجة الخلف' منبع الجودٗ مرکز الشرف' مرشد الانامٗ ومصباح الظلامٗ وملاذ الکرام' افضل مشائخ الایامٗ الفرع الباسق من دوحة السیادةٗ الصاعد من حضیض العادة الی ذروة السعادة' المتمکن فی وسادة الافادةٗ السید المطواع قائد المسترشدین فی خیر البقاع بلانزاع مامن فضیلة الاهو لها حاوی سیدنا

ومولانا الشیخ ابی عبدالله محمد صالح ابن مولانا السید عبدالرحمٰن المعروف بالزواوی مدالله ظلال جلاله علی رؤس الاخوان وامطر نوال افضاله مه ی الایام والازمان هوحلیفة سید الشیخ محمد مظهر قدس سرة وقائم مقامه وولی عهده علی الاطلاق ونائب منابه ورابطة التأم السلسلة النقشبندیة المجددیة السعیدیة المظهریة ....

شیخ صالح زواوی نے ذالحجہ ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۱ء کو وبائی مرض کے باعث شہادت پائی [۵۰]، آپ کے شاگردوں میں شیخ ابوالخیر احمد بن عثمان عطار ہندی مالوی (م ۱۹۱۰ء بمقام بمبئی) [۵۱] اور شیخ ابوالفیض عبدالستار بن عبدالوہاب دہلوی مکی (م ۱۹۳۶ء) شامل ہیں [۵۲]۔

شیخ سید صالح زواوی کے بعد آپ کے فرزند جلیل شیخ سید عبداللہ زواوی رحمۃ اللہ علیہ جو مسجد حرم مکی میں مدرس نیز مفتی شافعیہ تھے اور ہاشمی عہد کی مملکت حجاز میں مجلس شوریٰ اور پھر سینٹ کے صدر رہے، آپ حجاز مقدس میں نقشبندی مشائخ کے سرتاج ہوئے۔ ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء کو نجدی افواج نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا تو حجازی افواج نیز وہاں کی اہم شخصیات طائف کے قلعہ میں محصور ہو کر رہ گئیں۔ بالآخر انہوں نے قلعہ پر دھاوا بول دیا اور اس دوران شیخ عبداللہ زواوی اپنے خاندان کے دیگر افراد سمیت نجدی افواج کے ہاتھوں قتل ہوئے [۵۳]۔

اسی دور کے مکہ مکرمہ میں ایک عالم شیخ احمد زواوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۱۶ھ) نام کے موجود تھے۔ بعض نے علاوہ سید عبداللہ زواوی کو ان کا فرزند قرار دیا ہے [۵۴] لیکن یہ صحیح نہیں۔

۱۰......شیخ محمد مراد منزلوی قازانی

شیخ محمد مراد بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ روسی ریاست قازان جس کا پرانا نام بلغار ہے اس کے ضلع اوفا میں واقع قصبہ منزلہ کے قریب مت نامی گاؤں میں بروز منگل وسط ربیع الثانی ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۵ء کو پیدا ہوئے اور چھ سال کی عمر تک اپنے والدین سے قرآن مجید پڑھا اور ابتدائی تعلیم پائی پھر اپنے ماموں عالمِ جلیل شیخ حسن الدین کے شاگرد ہوئے اور اٹھارہ برس کی عمر تک ان کی خدمت میں رہ کر جملہ اہم علوم پڑھے۔

پھر مزید حصول علم کے لیے آپ وطن سے نکل کھڑے ہوئے اور ۱۲۹۰ھ کو قازان شہر پہنچ کر متعدد کتب کے مصنف صاحب الناظورۃ علامہ شہاب الدین مرجانی کے مدرسہ میں داخلہ لیا لیکن وہاں جی نہیں لگا چنانچہ وہیں سے بخارا و ماوراء النہر کی راہ لی اور طرویسکی نامی مقام میں مدرسہ الحاج ملا شرف الدین میں دو برس قیام کیا۔ پھر وطن سے ہوتے ہوئے سمرقند پہنچے اور وہاں دو ماہ مقیم رہ کر اکابر علماء سے اخذ کیا۔ وہاں سے ۱۲۹۳ھ میں واپس بخارا پہنچے جہاں چھ ماہ مقیم رہ کر مفتی عبداللہ سرطاولی وغیرہ سے مستفید ہوئے۔ بعدازاں تاشقند پہنچے اور وہاں ایک مسافر خانہ میں دو برس مقیم رہ کر شہر اور اس کے گردونواح کے علماء سے اخذ کیا۔

۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء کے وسط میں تاشقند سے چند احباب کے ہمراہ حجازِ مقدس کا قصد کیا اور وہاں سے سمرقند، بلخ، کابل، جلال آباد، پشاور، لاہور ہوتے ہوتے امرتسر پہنچے۔ ان ایام میں امرتسر میں ایک پل ٹوٹنے کی وجہ سے راستہ بند تھا چنانچہ آپ چند روز وہاں مقیم رہنے کے بعد واپس لاہور آئے اور پھر ملتان، حیدرآباد سندھ ہوتے ہوئے کراچی اور وہاں سے سمندری راستہ کے ذریعے بمبئی جا اترے جہاں ماہ رمضان گزار کر بحری جہاز میں اٹھارہ روز کے سفر کے بعد جدہ اور پھر مکہ مکرمہ پہنچے۔ اور اسی برس مناسک حج ادا کیے۔

اس کے بعد آپ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہاں پھر سے حصولِ علم میں لگ گئے اور مدرسہ امین آغا، مدرسہ شفاء اور پھر مدرسہ محمودیہ میں عربی علوم و کتب تصوف کا سیر حاصل مطالعہ کیا نیز قرآن مجید حفظ کیا اور اس شہر مقدس میں موجود علماء و مشائخ سے اسناد اجازت حاصل کیں۔

اور مدینہ منورہ میں ہی **قطب وقته والمشار اليه بالبنان فى الطريقة والحقيقة فى عصره والذى لايشفى له غبار فيهما مولانا الشيخ محمد مظهر قدس الله سره وروح روحه ونور ضريحه** سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کی اور ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفۂ اکبر شیخ عبدالحمید داغستانی مکی رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ رہے اور جب انہوں نے بھی وفات پائی تو شیخ محمد مظہر دہلوی کے دوسرے خلیفہ شیخ محمد صالح زواوی کی خدمت میں حاضر ہوئے جنہوں نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا اور ان کی خواہش پر شیخ قازانی نے عربی میں تصنیف و تالیف اور ترجمہ کے ذریعے سلسلہ نقشبندیہ کی بھرپور خدمات انجام دیں۔ شیخ محمد مراد قازانی چالیس برس تک مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں مقیم رہے، اس دوران چند بار وطن واپس گئے لیکن حرمین شریفین نیز مشائخ کی محبت ہر بار واپس حجاز کھینچ لائی۔ پہلی جنگ عظیم برپا ہوئی تو حجازِ مقدس بدامنی اور غذا کی کمی کا شکار ہوا اس دوران آپ وطن گئے تو پھر واپس نہیں آئے

بلکہ روس سے چین کی راہ لی اور وہاں کے مقام چوکا چک میں سکونت اختیار کرلی حتیٰ کہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء کو وہیں پر وفات پائی۔ شیخ عبدالحمید فردوس نے آپ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا:

"العالم الفاضل الكامل الجامع بين علمي الظاهر و الباطن العلامة الشيخ محمدمراد القزاني المكي."

مکتوبات وغیرہ مذکورہ بالا کتب کے عربی ترجمہ کے علاوہ آپ کی چند مزید تصنیفات کے نام یہ ہیں:۔

۱......تاریخ قازان وبلغار

۲......تاریخ روس

۳......مشايعة حزب الرحمن، شیخ موسیٰ جار اللہ قازانی (م ۱۹۴۹ء) کا رد

۴......رشحات عين الحياة،

اکابر مشائخ نقشبند کے حالات پر مولانا حسین بن علی واعظ کاشفی کردی حسینی (م ۹۱۰ھ/ ۱۵۰۴ء) کی فارسی تصنیف کا عربی ترجمہ، شیخ صالح زواوی کے مالی تعاون سے ۱۳۰۷ھ کو مطبع میریہ مکہ مکرمہ میں طبع ہوئی جس کا عکس حال ہی میں دار صادر بیروت اور قبل ازیں مکتبہ اسلامیہ دیار بکر ترکی نے شائع کیا جو ۲۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس پر شیخ سید عبداللہ زواوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ سلیمان بن حسن زھری خالدی نقشبندی حنفی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۸ھ) کی تقریظات درج ہیں۔ معلوم رہے کہ شیخ محمد مراد سے پہلے شیخ تاج الدین بن زکریا سنبھلی مہاجر مکی (م ۱۰۵۰ھ/ ۱۶۴۰ء) نے اس کتاب کا عربی ترجمہ کیا تھا جس کا مخطوطہ مکتبہ ظاہریہ دمشق میں نمبر ۱۵۱۴، ۴، ۲۷ر تصوف بعنوان "تعریب رشحات عین الحیاۃ" ۱۸۰ اوراق پر محفوظ ہے[۵۵]۔

۔۔۔نفائس السانحات فی تذییل الباقیات الصالحات، رشحات عین الحیاۃ کا تکملہ بزبان عربی بقلم شیخ محمد مراد قازانی جو اسکے مذکورہ ایڈیشن کے حاشیہ پر طبع ہوا[۵۶]۔

شیخ محمد مراد کے شاگردوں میں سندھ پاکستان کے اہم عالم مولانا عنایت اللہ مٹاروی اور مراکش کے محدث و مسند شہیر صاحب فہرس الفہارس علامہ سید محمد عبدالحئی کتانی (م ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء) شامل ہیں جنہوں نے حجازِ مقدس میں آپ سے اخذ کیا[۵۷]۔

۱۱......شاہ محمد مظہر دہلوی

شاہ محمد مظہر بن احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ جمادی الاول ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۲ء کو دہلی میں پیدا ہوئے اور اپنے والد گرامی کے علاوہ مقامی علماء سے تعلیم وتربیت پائی۔ پھر آپ حج وزیارت کے لیے حجاز مقدس حاضر ہوئے اور یہ سعادت حاصل کر کے واپس آئے اور ۱۲۷۴ھ کو والد ماجد کے ہمراہ دہلی سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا بسے۔ آپ نے اپنے جلیل القدر والد سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں خلافت پائی۔ آپ تین بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے اور ۱۲۷۷ھ کو آپ کے والد نے وفات پائی تو ان کی جگہ سب سے بڑے فرزند شاہ عبدالرشید دہلوی مدنی مکی رحمۃ اللہ علیہ جانشین ہوئے۔ اس دوران شاہ محمد مظہر دہلوی کے دوسرے بھائی شاہ محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ حجاز مقدس سے واپس دہلی آکر یہاں رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے چنانچہ شاہ عبدالرشید نے ۱۲۸۷ھ میں وفات پائی تو مدینہ منورہ میں شاہ محمد مظہر نے مسند ارشاد سنبھالی اور اسلاف کے طریقہ پر امتِ مسلمہ کی رہنمائی کے کام کو مزید آگے بڑھایا۔

آپ نے ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء کو مدینہ منورہ میں قبرستان البقیع کے قریب ایک عظیم الشان تین منزلہ عمارت رباط مظہری تعمیر کرائی جس میں کتب خانہ، مدرسہ نیز حلقۂ ذکر کے انعقاد کے لیے الگ کمرے مخصوص کیے۔ آپ کا معمول تھا کہ قرآن مجید کا ختم ہفتہ بھر میں ایکبار اور ہر سال ماہ رمضان میں صحیح بخاری جبکہ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں صحیح مسلم کا ختم کیا کرتے اور دس محرم کے علاوہ ہر سوموار و جمعرات نیز ایام بیض کو روزہ رکھتے اور ختم خواجگان کے لیے ہفتہ بھر میں مریدین کے لیے مختلف اوقات مقرر کر رکھے تھے علاوہ ازیں کتب حدیث اور مکتوبات کا درس بھی آپ کے معمولات میں شامل تھا۔ آپ کو اپنے جدِ اعلیٰ حضرت امام ربانی کے مکتوبات پر گہرا عبور حاصل تھا۔ آپ کے مرید شیخ محمد مراد قازانی نے آپ کے اوصاف کو ان الفاظ میں بیان کیا:

> **کشاف رموز الحقائق مفتاح کنوز الدقایق مرشد الانام قدوۃ الکرام امام العارفین وقطب الواصلین مخزن العلوم الالٰھیۃ ومصدر الفیوض اللامتناھیۃ سیدنا وسندنا الشیخ محمد مظھر ابن الشیخ احمد سعید ابن الشیخ ابی سعید قدس اللہ ارواحھم وروح اشباحھم ونفعنا ببرکات**

انوارهم وارواناامن بحر اسرار هم وثبتنا على محبتهم
وحشر نافي زمرة خدامهم. آمين

شاہ محمد مظہر دہلوی نے محرم ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۳ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں اپنے والدگرامی کے پہلو میں قبر بنی۔اور عرب وعجم کے شعراء نے آپ کی رحلت پر مرثیے لکھے۔آپ کی تصنیفات کے نام یہ ہیں:۔

۱......الدرالمنظم ، وسیلہ کے اثبات، زیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور میلا دو قیام کے جواز پر آپ کی اہم عربی تصنیف جس پر آپ کے مرید نیز مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور عربی تصنیف الدولۃ المکیۃ کے مقرظ مولانا مفتی محمود بن صبغۃ اللہ مدراسی نے عربی شرح لکھی جو''السلک المعظم على الدر المنظم'' کے نام سے ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء کو مدراس سے شائع ہوئی۔

۲......مقامات سعیدیہ، اپنے والدگرامی کے احوال پر فارسی رسالہ شاہ محمد مظہر دہلوی سے جزیرہ عرب، ایران، افغانستان، ترکی، سمرقند و بخارا اور ہندوستان کے لاتعداد طالبان نے خلافت پائی جن میں شیخ سید محمد مکی، شیخ عبدالحمید داغستانی، شیخ سید محمد صالح زواوی اور مسجد حرم مکی کے امام و مدرس شیخ سید عمر بن عبداللہ سقاف شافعی (م ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۸ء) اہم نام ہیں۔آپ نے زندگی کے آخری ایام میں ایک وصیت تیار کرایا جس میں مریدین وخلفاء سے فرمایا کہ میرے بعد مذکورہ بالا اولین تین خلفاء میں سے کسی ایک کو میرا جانشین اور اپنا رہنما تسلیم کریں۔شاید آپ کی طرف سے تین نام نامزد کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم پوشیدہ تھا چنانچہ اس وصیت کے کچھ عرصہ بعد شیخ سید مکی رحمۃ اللہ علیہ نے تو مرشد گرامی سے قبل ہی وفات پائی اور جب شاہ محمد مظہر دہلوی نے وصال فرمایا تو شیخ صالح زواوی انڈونیشیا کے دورہ پر تھے لہٰذا انہیں اس سانحہ کی اطلاع وہیں پر ملی پھر شیخ عبدالحمید داغستانی نے خانقاہِ مظہریہ کا انتظام سنبھالا اور جملہ امور میں آپ کے جانشیں ہوے لیکن شیخ داغستانی اپنے محبوب مرشد کی وفات کے محض چند ماہ بعد ۱۳۰۱ ھ میں ہی ایام حج کے بعد رحلت فرما گئے جس پر شاہ محمد مظہر دہلوی کی وصیت میں مذکور تیسرے خلیفہ شیخ صالح زواوی کو آپ کا جانشین قرار دیا گیا[58]۔

بعض اہل علم نے شاہ محمد مظہر مجددی دہلوی مہاجر مدنی اور مولانا مفتی محمد مظہر اللہ مجددی دہلوی کو ایک ہی شخصیت خیال کر کے ان کے حالات گڈمڈ کردیے ہیں[59]، جبکہ یہ دہلی میں پیدا ہونے والی نیز سلسلہ

نقشبندیہ مجددیہ سے وابستہ دو مشہور شخصیات ہیں۔ان میں سے اول الذکر نے ۱۳۰۱ھ کو مدینہ منورہ میں وفات پائی اور انہی کے حالات گذشتہ صفحات پر پیش کیے گئے۔ چند برس قبل دہلی میں وفات پانے والے مشہور عالم و پیر طریقت شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی ازہری بن شاہ عبداللہ ابوالخیر بن شاہ محمد عمر دہلوی ان کے بھائی کے پوتے تھے۔

جبکہ ثانی الذکر ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے اور مسجد فتح پوری دہلی کے امام و خطیب رہے اور ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۶ء کو وہیں پر وفات پائی جو ماہرِ رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی مقیم کراچی کے والد ماجد تھے۔

۱۱......شیخ عبدالحمید فردوس

شیخ عبدالحمید بن محمد فردوس کے والد بچپن میں افغانستان سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ جا بسے، جہاں حصول علم کے علاوہ شادی کی اور ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۸ء کو مکہ مکرمہ میں ہی آپ کے ہاں شیخ عبدالحمید فردوس پیدا ہوئے اور وہاں کے اکابر علماء و مشائخ بالخصوص شیخ الخطباء والائمہ مسجد حرم شیخ احمد ابوالخیر مرداد حنفی، شیخ العلماء و مفتی شافعیہ شیخ سید احمد بن زینی دحلان، امام و مدرس حرم شیخ سید محمد کتبی حنفی، مدرس حرم شیخ سید سالم عطاس حضرمی شافعی سے تعلیم پائی۔ علاوہ ازیں مدینہ منورہ، بیت المقدس، شام، استنبول، انڈونیشیا، ہندوستان اور یمن کے سفر کیے اور وہاں کے علماء سے اخذ کیا۔

شیخ عبدالحمید فردوس عالم و فاضل ادیب و شاعر اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ خالدیہ سے وابستہ تھے۔آپ مطبع میریہ میں مصحح کے علاوہ مسجد حرم میں مدرس تھے جہاں آپ باب الوداع کے مینار کے قریب حلقۂ درس منعقد کیا کرتے جس میں بالعموم علمِ حدیث پر درس دیا کرتے۔آپ ۱۳۳۶ھ کو مکہ مکرمہ میں فوری انصاف مہیا کرنے والی عدالت کے قاضی اور پھر جدہ شہر میں تعزیرات عدالت کے اعلیٰ قاضی تعینات رہے۔آپ نے ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی [۶۰]۔

اعلام المکیین اور سیر و تراجم کے مصنفین نے شیخ عبدالحمید فردوس کو مولانا محمد عابد سندھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۷ء/۱۸۴۱ء) کا شاگرد قرار دیا ہے لیکن یہ ممکن نہیں اس لیے کہ مولانا سندھی آپ کی ولادت سے بھی اٹھارہ برس پہلے وفات پا چکے تھے۔

۱۳......شیخ عبداللہ زبیر

شیخ عبداللہ بن عبدالحئ زبیر حنفی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۷ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور شیخ العلماء سید احمد بن زینی دحلان، شیخ عبدالقادر خوقیر حنفی اور مفتی شافعیہ شیخ محمد سعید بابصیل وغیرہ علماء سے تعلیم پائی۔ شیخ عبداللہ زبیر عالمِ جلیل ادیب وشاعر، علم فرائض کے ماہر اور مسجد حرم میں مدرس ہوئے، جہاں خلقِ کثیر نے آپ سے متعدد علوم بالخصوص نحو وعروض میں تعلیم پائی۔ آپ کے شاگردوں میں صاحب نشر النور کا نام اہم ہے۔

شیخ عبداللہ زبیر انڈونیشیا کے دورہ پر گئے تو وہاں ایک برس سے زائد مقیم رہنے کے بعد ربیع الاول ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء کو وہیں پر وفات پائی[61]۔

مطبع میریہ مکہ مکرمہ

مطبع میریہ مکہ مکرمہ جس میں فتوحات کے عربی ترجمہ کا پہلا ایڈیشن طبع ہوا یہ گورنر حجاز عثمان بن فرید نوری پاشا کے حکم پر مسجدِ حرم سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۲ء کو نصب کیا گیا۔ اور شیخ سید احمد بن زینی دحلان شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو اس وقت مکہ مکرمہ میں اعلیٰ ترین دینی منصب ''شیخ العلماء'' پر تعینات تھے انہوں نے اس مطبع کی تاسیس میں بھرپور حصہ لیا۔ اور یہ مطبع مکہ مکرمہ میں ہی نہیں بلکہ جزیرۂ عرب یعنی آج کی مملکت سعودی عرب ویمن کی پوری زمین پر نصب کیا گیا اولین مطبع تھا۔ اسے مطبع ولایہ بھی کہا گیا۔ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں مکہ مکرمہ سے خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ کر کے وہاں مملکتِ ہاشمیہ حجاز قائم کر لی گئی تو یہ مطبع سابقہ خطوط پر جاری رہا پھر ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء کو مکہ مکرمہ سمیت پورے حجازِ مقدس پر اہلِ نجد نے قبضہ کر کے اسے مملکتِ سعودی عرب میں شامل کر لیا تو اسکا نام بدل کر مطبع ام القریٰ رکھ دیا گیا۔

عثمانی عہد کے دوران اس مطبع میں متعدد زبانوں کی دوسو چالیس سے زائد کتب طبع ہوئیں جن میں شیخ عبدالغنی نابلسی کی کفایۃ الغلام، علامہ ابن عابدین دمشقی کی رسالۃ الفوائد العجیبہ، امام غزالی کی ایھا الولد، علامہ طاش کبری زادہ کی شرح المقدمۃ الجزریۃ، علامہ جعفر برزنجی کا مولود نامہ، امام عبدالوہاب شعرانی کی المنح السنیۃ فی الوصیۃ المتبولیۃ، شیخ عبدالحمید داغستانی کی حاشیۃ علی تحفۃ المحتاج، شیخ ابن عربی کی الفتوحات

المکیۃ ، ملا علی قاری کی الحزب الاعظم والورد الافخم، علامہ سیوطی کی تشابہ القرآن، شیخ عبدالقادر جیلانی کی سرالاسرار اور غنیۃ الطالبین، شیخ محمد بن عمر جاوی کی شرح البردۃ، شیخ احمد حضراوی کی نفحات الرضا والقبول فی فضائل المدینۃ وزیارۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، علامہ سمہودی کی خلاصۃ الوفاء فی اخبار المصطفیٰ، امام حسن بصری کی رسالۃ فی فضل مکہ، علامہ تفتازانی کی شرح تصریف، مولانا قطب الدین نھر والی کی ادعیۃ الحج والعمرۃ، علامہ سید احمد دحلان کی اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب اور انڈونیشی زبان میں ابن عطاء اسکندری کی شرح الحکم شامل ہیں[۶۲]۔

اور اہم بات یہ کہ گورنر عثمان پاشا جن کے توسط سے یہ پورا خطہ مطبع جیسی مفید ایجاد سے متعارف ہوا بقولِ مورخین آپ خود پڑھ لکھ نہیں سکتے تھے[۶۳]۔

مطبع میریہ پر سعودی حکومت کے قبضہ کے بعد وہاں سے مکتوبات کے مزید ایڈیشن یا تصوف وعقائدِ اہل سنت پر دیگر کتب کی طباعت کا عمل ملک میں نافذ کیے گئے نئے قوانین کی رو سے روک دیا گیا۔ پھر کہا گیا کہ اس نوعیت کی کتب جہاں بھی نظر آئیں انہیں بحقِ سرکار ضبط کر کے جلا دیا جائے۔ اس کے بعد سرکاری مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نے فتویٰ نمبر ۳۹۳۴ جاری کرتے ہوئے سلسلہ نقشبندیہ نیز اس کے اوراد واذکار، ذکر اسمِ ذات، ذکرِ خفی اور تصورِ شیخ وغیرہ کو بدعت منکرہ قرار دیا[۶۴]۔ نیز ایسے لاتعداد فتاویٰ جاری کیے جن میں تصوف اور صوفیہ کو خارج از اسلام کہہ دیا۔ اسی کے ساتھ تصوف اسلامی اور صوفیاءِ کرام سے منسوب مختلف سلاسل کے خلاف کتب کی تصنیف واشاعت کی سرپرستی سرکاری سطح پر ہونے لگی اور اس ضمن میں سلسلہ نقشبندیہ و اس کے اکابرین کیخلاف ملک کے دارالحکومت ریاض سے مختلف اوقات میں تین کتب شائع کی گئیں جن میں سے دو راقم کے پیش نظر ہیں اور ان کے نام یہ ہیں:

۱......النقشبندیۃ، عرض وتحلیل، عبدالرحمٰن بن محمد سعید دمشقی مع تقریظ شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن جبرین رکن دارالافتاء ریاض، طبع اول ۱۹۸۴ء طبع سوم ۱۹۸۸ء، دار طیبہ ریاض، کل صفحات ۱۰۸

۲......حقائق خطیرۃ عن الطریقۃ النقشبندیہ، عبدالرحمٰن بن محمد سعید دمشقی، طبع اول ۱۹۹۸ء، دار مسلم ریاض، کل صفحات ۱۴۴+ ۸۴

اور ان مین سے آخر الذکر کتاب میں بطورِ خاص مکتوبات امام ربانی کی بعض عبارات سے من پسند مفہوم نکالنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن ان دونوں کتب کے مصنف عبدالرحمٰن کا اپنا علمی مقام وذاتی کردار کیا

ہے؟ اس کے لیے لبنان کے شہر بیروت میں سلسلۂ رفاعیہ سے وابستہ مشائخ کے جاری کردہ ماہنامہ ''منار الھدیٰ'' میں شائع شدہ بعض مضامین ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ تاہم عرب دنیا میں مذکورہ بالا کتب کے منفی اثرات کو زائل کرنے کے لیے مکتوبات کی توضیح وتشریح پر اکابرین کی تصنیف کردہ حسبِ ذیل عربی کتب کی وسیع اشاعت مفید ہوگی۔

۱......عطیة الوهاب الفاصلة بین الخطاء والصواب، شیخ محمد بیگ رحمۃ اللہ علیہ، مع تقاریظ اکابر علماء حرمین الشریفین، بمکتوبات کے مکی ایڈیشن کے حاشیہ پر مطبوع ہے۔

۲......نتیجة العلوم ونصیحة علماء الرسوم فی شرح مقالات السرهندی المعلوم، شیخ عبدالغنی نابلسی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۱ء)، مخطوطہ بخطِ مصنف مخزونہ دار الکتب ظاہریہ دمشق، نمبر ۴۰۰۸، سن تصنیف ۱۱۱۲ھ [۶۵]۔

۳......الکلام المنجی فی رد ایرادات البرزنجی، مولانا وکیل احمد سکندر پوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء)، مطبوعہ دہلی ۱۳۱۲ھ [۶۶]۔

اس موضوع پر امام ربانی کے پوتے شیخ فرخ شاہ سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء) کی فارسی تصنیف ''کشف الغطاء عن وجوہ الخطاء'' اور شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی ازہری رحمۃ اللہ علیہ کی اردو تصنیف ''حضرت مجدد اور ان کے ناقدین'' مطبوعہ ۱۳۹۶ھ کے عربی تراجم بھی کیے جائیں۔ مزید برآں امام ربانی کے احوال وآثار، دعوت وفکر کے موضوع پر مفصل عربی کتاب کا تصنیف کیا جانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

اس صورتِ حال میں ایک نقشبندی مجددی خالدی بزرگ شیخ حسین حلمی ایشیق میدان عمل میں اترے اور استنبول ترکی میں ایک اشاعتی ادارہ قائم کر کے مکتوبات کے عربی سمیت دیگر زبانوں میں تراجم پر تصوف وعقائدِ اہل سنت پر لاتعداد کتب کے بکثرت ایڈیشن طبع کرا کے دنیا بھر میں ان کی مفت ترسیل کا وہ عظیم الشان سلسلہ شروع کیا کہ دورِ حاضر کی پوری اسلامی دنیا میں کسی حکومت کی مدد کے بغیر بلکہ اس کے برعکس حکومتوں کی مخالفت کے ماحول میں اتنے منظم ووسیع پیمانہ پر اشاعتی کام انجام دینے کی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی۔

☆......☆......☆

حواشی

۱......الحدائق الوردیۃ فی حقائق اجلا النقشبندیۃ، شیخ عبدالمجید خانی، طبع اول ۱۳۰۸ھ، ناشر شیخ عبدالوکیل دروبی دمشق، صفحہ ۳

۲......البینات شرح مکتوبات، تنظیم الاسلام پبلی کیشنز ۱۲۱۔ بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ صوبہ پنجاب پاکستان

۳......معجم مؤلفی مخطوطات مکتبۃ الحرم المکی الشریف، عبداللہ بن عبدالرحمٰن معلمی، طبع اول ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۶ء، شاہ فہد قومی کتب خانہ ریاض، صفحہ ۳۲۰، ۴۹۵

۴......ھذا ولدی، ڈاکٹر محمد سعید رمضان بوطی، طبع دوم ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۸ء دارالفکر دمشق، صفحہ ۱۱۶

۵......سُبحۃ المرجان فی آثار ھندستان، مولانا سید غلام علی آزاد بلگرامی، مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۵ء، صفحہ ۴۸

۶......ایضاً صفحہ ۴۷ تا ۵۲

۷......معجم المطبوعات العربیۃ فی شبہ القارۃ الھندیۃ الباکستانیۃ، ڈاکٹر احمد خان، طبع اول ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۰ء، شاہ فہد قومی کتب خانہ ریاض، صفحہ ۱۵

۸......فہرس الکتب العربیۃ الموجودۃ بالدار، طبع ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۴ء، مطبع دارالکتب مصریہ قاہرہ، جلد اول صفحہ ۳۶۳

۹......فہرست المخطوطات، فواد سید، طبع ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۳ء، مطبع دارالکتب مصریہ قاہرہ، جلد سوم صفحہ ۱۰۴

۱۰......فہرس المخطوطات العربیۃ فی مکتبۃ الاوقاف العامۃ فی بغداد، عبداللہ جبوری، طبع اول ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء وزارت اوقاف بغداد، جلد دوم صفحہ ۵۰۲ تا ۵۰۳

۱۱......ایضاً جلد دوم صفحہ ۳۳۶

۱۲......فہرس المخطوطات العربیۃ المصورۃ الموجودۃ، بمکتبۃ المخطوطات بجامعۃ الکویت، احمد سعید خازندار، طبع ۱۹۸۹ء مطبع جامعہ کویت، جلد دوم صفحہ ۳۶۱

۱۳......فہرس الکتب العربیۃ الموجودۃ بالدار، جلد اول صفحہ ۳۱۴

۱۴......فہرس مخطوطات دارالکتب الظاھریۃ، قسم التصوف، محمد ریاض صالح، طبع ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء مجمع اللغۃ العربیۃ دمشق، جلد دوم صفحہ ۶

۱۵...... الحدائق الوردیۃ، صفحہ ۳

۱۶......ایضاً صفحہ ۱۸۳ تا ۱۹۰

۱۷......فہرس مخطوطات الحدیث الشریف وعلومہ فی مکتبۃ الملک عبدالعزیز بالمدینۃ المنورۃ، عمار بن سعید تمالت، طبع اول ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۲ء، مکتبہ عبدالعزیز مدینہ منورہ، صفحہ ۱۲۱

۱۸......فہرس الفھارس والاثبات ومعجم المعاجم والمشیخات والمسلسلات، علامہ سید عبدالحیٔ کتانی، تحقیق ڈاکٹر احسان عباس، طبع دوم ۱۴۰۲ء مطابق ۱۹۸۲ء، دارالغرب الاسلامی بیروت، جلد دوم صفحہ ۲۲۔

۱۹......الدرر المکنونات النفیسۃ، مکتوبات امام ربانی کا عربی ترجمہ از شیخ محمد مراد منزلوی قازانی، سنہ اشاعت مذکور نہیں، مکتبہ فضیلت استنبول، جلد سوم صفحہ ۱۹۲

۲۰......ایضاً جلد سوم صفحہ ۸۹،۱۸۵

۲۱......ایضاً جلد اول صفحہ ۲ تا ۳

۲۲......الاعلام، قاموس تراجم لاشھر الرجال والنساء من العرب والمستعربین والمستشرقین، خیر الدین زرکلی، طبع ششم ۱۹۸۴ء، دار العلم للملایین بیروت، جلد پنجم صفحہ ۱۲۱/حدائق الحنفیہ، مولانا فقیر محمد جہلمی، تحقیق خورشید احمد خان، م طبع چہارم، سن اشاعت مذکور نہین غالباً ۱۴۰۰ھ میں طبع ہوئی، مکتبہ حسن سہیل لاہور، صفحہ ۴۷۲ تا ۴۷۴/ نزھۃ الخواطر وبھجۃ المسامع والنواظر، حکیم عبدالحئ لکھنوی وعلامہ علی لکھنوی، طبع اول ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء، دار ابن حزم بیروت، صفحہ ۱۱۷۷ تا ۱۱۷۳/معجم المطبوعات العربیۃ الباکستانیۃ، صفحہ ۱۵ تا ۱۶

۲۳......تاریخ علماء بغداد فی القرن الرابع عشر الھجری، شیخ یونس بن ابراہیم سامرائی، طبع اول ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء، وزارت اوقاف بغداد، صفحہ ۳۵۷ تا ۳۵۹/الاعلام، جلد سوم صفحہ ۳۱۹/فہرس الفھارس، جلد دوم صفحہ ۴۲۷

۲۴......تذکرہ علماء اہلسنت، علامہ محمود احمد کانپوری، طبع دوم ۱۹۹۲ء، سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد، صفحہ ۲۰۸ تا ۲۱۰/ فہرس الفھارس، جلد دوم صفحہ ۴۲۷/نزھۃ الخواطر، ۱۰۶۵

۲۵......تذکرہ علماء اہلسنت، صفحہ ۱۷۲/فہرس الفھارس، جلد اول صفحہ ۱۸۱ تا ۱۸۲

۲۶......سندھ کے اکابرین قادریہ کی علمی ودینی خدمات، مقالہ برائے پی ایچ ڈی ڈاکٹر صاحبزادہ فرید الدین قادری، طبع اول ۱۹۹۸ء، قادری پبلی کیشنز سولجر بازار کراچی، صفحہ ۳۹۲ تا ۴۱۶

۲۷......تذکرہ علماء اہلسنت، صفحہ ۸۵ تا ۸۷

۲۸......تذکرہ علماء اہلسنت، صفحہ ۱۷۳ تا ۱۷۴/فہرس الفھارس، جلد اول صفحہ ۲۴۵ تا ۲۴۶/ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، شمارہ مارچ ۱۹۹۶ء، مولانا عبدالباری لکھنوی پر محمد صادق قصوری کا مضمون، صفحہ ۷۷ تا ۸۶

۲۹......سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر، محمد خلیل مرادی، تحقیق اکرم حسن علی، طبع اول ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۱ء، دار صادر بیروت

۳۰......تاریخ علماء دمشق فی القرن الرابع عشر الھجری، محمد مطیع الحافظ ونزار اباظہ، طبع اول ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء، دار الفکر دمشق، جلد اول صفحہ ۲۷۴ تا ۲۷۹/الاعلام، جلد ہفتم صفحہ ۷۷

۳۱......الاعلام الشرقیۃ فی المائۃ الرابعۃ عشر الھجریۃ، زکی محمد مجاہد، طبع دوم ۱۹۹۴ء، دار الغرب الاسلامی بیروت، جلد دوم صفحہ ۹۱۳ تا ۹۱۴/الاعلام، جلد چہارم صفحہ ۴۵/تاریخ علماء دمشق، جلد دوم صفحہ ۲۰۵ تا ۶۰۸

۳۲......اتمام الاعلام، ڈاکٹر نزار اباظہ ومحمد ریاض صالح، طبع اول ۱۹۹۹ء، دار صادر بیروت، صفحہ ۲۵۲/ذیل الاعلام، احمد علاونہ، طبع اول ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۸ء، دار المنارہ جدہ، صفحہ ۱۸۶ تا ۱۸۷/تاریخ علماء دمشق، جلد سوم صفحہ ۴۲۱ تا ۴۲۷

۳۳.....الطریقۃ النقشبندیۃ واعلامھا، ڈاکٹر محمد احمد درنیقہ، طبع اول ۱۹۸۷ء یا اس کے بعد طبع ہوئی، مطبع جروس برس طرابلس لبنان، صفحہ ۱۰۷ تا ۱۰۸/الاعلام، جلد چہارم صفحہ ۱۵۰، جلد ششم صفحہ ۲۴۲/الاعلام الشرقیۃ، جلد اول صفحہ ۳۴۷/تاریخ علماء دمشق، جلد اول صفحہ ۱۸۱ تا ۱۸۳/الحدائق الوردیۃ، حالات مصنف از قلم شیخ محی الدین بن احمد خانی، ضمیمہ صفحہ ۱ تا ۳

۳۴.....معجم المطبوعات العربیۃ الباکستانیۃ، صفحہ ۱۶۱

۳۵.....الامام السرھندی حیاتہ واعمالہ، علامہ علی لکھنوی، طبع دوم ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۵ء، دارالقلم کویت، صفحہ ۳۲۴

۳۶.....معجم المطبوعات العربیۃ الباکستانیۃ، صفحہ ۴۱۷

۳۷.....الاعلام، جلد چہارم صفحہ ۳۳/الامام السرھندی، صفحہ ۳۲۳ تا ۳۲۴/تذکرہ علماء اہلسنت، صفحہ ۱۲۵/حدائق الحنفیہ، صفحہ ۵۰۷ تا ۵۰۸/فہرس الفھارس، جلد دوم صفحہ ۷۵۸ تا ۷۶۳، ۱۱۶۵ تا ۱۱۶۶/معجم المطبوعات العربیۃ الباکستانیۃ، صفحہ ۱۶۱، ۳۶۹، ۴۱۷/معجم مولفی مخطوطات مکتبۃ الحرم المکی الشریف، صفحہ ۲۷۶ تا ۲۷۷/نزھۃ الخواطر، صفحہ ۱۰۲۴

۳۹.....ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، ثروت صولت، طبع پنجم ۱۹۹۲ء، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، جلد دوم صفحات ۴۴۵، ۴۵۲، ۴۶۹ تا ۴۳۰

۴۰.....ماہنامہ المنھل جدہ، شمارہ دسمبر ۸۸ء جنوری ۱۹۸۹ء، ڈاکٹر حسین مالی و ڈاکٹر انور طاہر رضا کا مضمون ''مکتبات استانبول''، صفحہ ۱۹۸ تا ۲۱۰

۴۱.....ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، جلد دوم صفحہ ۵۳۹

۴۲.....نزھۃ الفکر، فیما مضیٰ من الحوادث والعبر فی تراجم رجال القرن الثانی عشر والثالث عشر، شیخ احمد بن محمد حضراوی مکی، تحقیق محمد مصری، طبع اول ۱۹۹۶ء، وزارت ثقافت دمشق، جلد اول صفحہ ۴۴ تا ۴۶

۴۳.....اعلام الحجاز فی القرن الرابع عشر للھجرۃ، محمد علی مغربی، طبع دوم ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۴ء، مطابع دارالبلاد جدہ، جلد دوم صفحہ ۲۸۶ تا ۳۱۴/تجلیات مہر انور، مفتی سید حسین گردیزی چشتی نقشبندی، طبع اول ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء، مکتبہ مہریہ گولڑا، صفحہ ۳۱۰ تا ۳۳۵/ماہنامہ المنھل جدہ، شمارہ دسمبر ۸۸ء جنوری ۱۹۸۹ء، مسعود سلیم کا مضمون ''المدرسۃ الصولتیۃ وجہاد قرن من الزمان، صفحہ ۱۵۲ تا ۶۲''

۴۴.....ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، جلد دوم صفحہ ۵۳۹

۴۵..... ایضاً صفحہ ۵۳۵

۴۶.....نزھۃ الفکر، جلد دوم صفحہ ۳۳ تا ۳۴

۴۷.....ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، جلد دوم صفحہ ۴۵۲ تا ۴۷۸

۴۸.....الاعلام، جلد دوم صفحہ ۳۳۲/تاریخ علماء بغداد، صفحہ ۱۸۷ تا ۱۸۹، ۲۷۶، ۵۷۸، ۵۸۰ تا ۵۸۰/تکملہ حدائق الحنفیہ، صفحہ ۵۲۷ بقلم محقق/الطریقۃ النقشبندیہ، صفحہ ۸۷/فہرس الفھارس، جلد اول صفحہ ۱۰۷، ۳۶۷/معجم المطبوعات العربیۃ الباکستانیۃ، صفحہ ۱۵۶ تا ۱۵۷

۴۹.....الاعلام، جلد اول صفحہ ۱۲۳/تاریخ علماء بغداد، صفحہ ۵۶ تا ۵۷/الطریقۃ النقشبندیۃ، صفحہ ۲۶

۵۰.....نشر المآثر فی من ادرکتہ من الاکابر، شیخ عبدالستار دہلوی مکی، مخطوطہ بخط مصنف کی فوٹو کاپی مخزونہ، بہاء الدین زکریا لائبریری ضلع چکوال، صفحہ ۲۵/نظم الدرر فی اختصار نشر النور والزھر فی تراجم افاضل مکۃ، تصنیف شیخ عبداللہ ابوالخیر مرداد شہید مکی حنفی، تلخیص وترتیب شیخ عبداللہ غازی ہندی مکی، مخطوطہ بخط مرتب کی فوٹو کاپی مخزونہ بہاء الدین زکریا لائبریری ضلع چکوال، صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۱/اعلام المکیین من القرن التاسع الی القرن الرابع عشر الھجری، شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن معلمی، طبع اول ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۰ء، مؤسسۃ الفرقان للتراث الاسلامی لندن، جلد اول صفحہ ۴۸۷ تا ۴۸۸/المختصر من کتاب نشر النور والزھر فی تراجم افاضل مکۃ، شیخ عبداللہ ابوالخیر شہید، ترتیب وتلخیص محمد سعید عامودی واحمد علی، طبع دوم ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء، عالم المعرفۃ، جدہ، صفحات ۱۰۵، ۲۱۷، ۲۸۶، ۳۳۴، ۴۹۹/ نفائس السانحات فی تذییل الباقیات الصالحات، شیخ محمد مراد منزلوی قازانی، سنہ اشاعت مذکور نہیں، دار صادر بیروت، رشحات عین الحیاۃ کا تکملہ، صفحہ ۳، ۱۳۹ تا ۱۶۰/الدرر المکنونات، جلد اول صفحہ ۶

۵۱.....سیر وتراجم بعض علمائنا فی القرن الرابع عشر للھجرۃ، عمر عبدالجبار مکی، طبع سوم ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۲ء، مکتبہ تھامہ جدہ، صفحہ ۷۰/اعلام المکیین، جلد دوم صفحہ ۶۸۲ تا ۶۸۳/الاعلام، جلد اول صفحہ ۱۶۸/الاعلام الشرقیۃ، جلد دوم صفحہ ۸۴۷/ فھرس الفھارس، جلد سوم صفحہ ۴۳ تا ۴۴/نزھۃ الخواطر، صفحہ ۱۱۷۵

۵۲.....نشر الدرر فی تذییل نظم الدرر، شیخ عبداللہ غازی ہندی مکی، مخطوطہ بخط مصنف کی فوٹو کاپی مخزونہ، بہاء الدین زکریا لائبریری ضلع چکوال، صفحہ ۴۰/نشر القلم فی تاریخ مکتبۃ الحرم، محمد بن عبداللہ باجودہ، طبع اول ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۰۰۲ء، شاہ فہد قومی کتب خانہ ریاض، صفحہ ۱۱۰ تا ۱۱۲/اعلام المکیین، جلد اول صفحہ ۴۳۸ تا ۴۴۰/الاعلام، جلد سوم صفحہ ۳۵۴/ الاعلام الشرقیۃ، جلد دوم صفحہ ۹۰۶ تا ۹۰۷/سیر وتراجم، صفحہ ۱۹۶ تا ۱۹۹/معجم مؤلفی مخطوطات مکتبۃ الحرم المکی الشریف، صفحہ ۲۷۶/نشر المآثر، صفحہ ۲۵

۵۳.....اعلام المکیین، جلد اول صفحہ ۴۸۸/ الاعلام، جلد چہارم صفحہ ۱۳۲/ الاعلام الشرقیۃ، جلد اول صفحہ ۳۴۰/ نفائس السانحات، صفحہ اول، ۱۵۵، ۲۷۰

۵۴.....ماہنامہ معارف رضا کراچی، شمارہ فروری ۲۰۰۲ء، صفحہ ۱۶

۵۵.....فھرس مخطوطات دار الکتب الظاھریۃ، قسم التصوف، جلد اول صفحہ ۲۹۱ تا ۲۹۲

۵۶.....اعلام المکیین، جلد دوم صفحہ ۵۲۷/الاعلام، جلد ہفتم صفحہ ۹۵/الدرر المکنونات، جلد سوم صفحہ ۱۸۷، ۱۸۸ تا ۱۹۲

۵۷.....فھرس الفھارس، جلد اول صفحہ ۱۰۹، ۴۸۹، جلد دوم، صفحہ ۵۷۹، ۷۵۲، ۱۰۹۹/نزھۃ الخواطر، صفحہ ۱۳۱۵

۵۸.....علماء عرب کے خطوط فاضل بریلوی کے نام، محمد شہاب الدین رضوی، طبع اول ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۶ء، رضا اکیڈمی بمبئی، صفحہ ۷۴ تا ۷۵/الامام السرھندی، صفحہ ۲۳۲/فھرس الفھارس، جلد دوم صفحہ ۶۱۷/معجم المطبوعات العربیۃ الباکستانیۃ، صفحہ ۴۶۸/نزھۃ الخواطر، صفحہ ۱۳۷۲/نفائس السانحات، صفحہ ۱۱۴ تا ۱۳۱، ۱۴۶

۵۹.....علماء عرب کے خطوط، صفحہ ۷۴ تا ۷۵

۶۰.....اعلام المکیین، جلد دوم صفحہ ۷۶۳ تا ۷۶۴/سیر وتراجم، صفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۶/مختصر نشر النور، صفحہ ۲۳۶/نظم الدرر، صفحہ ۱۹۳ تا ۱۹۴

۶۱.....اعلام المکیین، جلد اول صفحہ ۴۶۷/مختصر نشر النور، صفحہ ۲۹۵ تا ۲۹۶/نظم الدرر، صفحہ ۱۹۹ تا ۲۰۰

۶۲.....الطباعة فی المملكة العربية السعودية، ڈاکٹر عباس بن صالح تاشقندی، طبع اول ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۹ء، شاہ فہد قومی کتب خانہ ریاض، صفحہ ۳۶ تا ۷۷

۶۳.....تاریخ امراء المدینة المنورة، عارف احمد عبد الغنی طبع اول ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۶ء، دار کنان دمشق، صفحہ ۴۱۲ تا ۴۱۴

۶۴.....مجلة البحوث الاسلامیہ، شمارہ نمبر ۳۵ مطابق ذیقعد ۱۴۱۲ھ، دار الافتاء ریاض کی طرف سے ہر چار ماہ بعد شائع ہوتا ہے صفحہ ۹۰ تا ۹۱

۶۵.....فهرس مخطوطات دار الكتب الظاهرية، قسم التصوف، جلد سوم صفحہ ۷ تا ۸

۶۶.....معجم المطبوعات العربية الباكستانية، صفحہ ۵۱۸

☆......☆......☆

والشمس وضحىها والقمر اذا تلىها والنهار اذا جلىها والیل اذا يغشىها والسماء وما بنىها والارض وما طحىها ونفس وما سوىها فالهمها فجورها وتقوىها قد افلح من زكىها وقد خاب من دسىها كذبت ثمود بطغوىها اذ انبعث اشقىها فقال لهم رسول الله ناقة الله وسقيىها

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکتوبات امام ربانی حضرت ضیاء المشائخ کی نظر میں

ضیاء المشائخ حضرت محمد ابراہیم مجددی

الحمد للہ عجزت الفحول عن کنہ ذاتہ وخلق الانسان واودع فیہ مکوناتہ و فضلہ علی سائر بریاتہ ولآلی الصلوات وفرائد التحیات علی اشرف مخلوقاتہ والمظہر الاتم لظہوراتہ سیدنا ونبینا محمد وجواہر التسلیمات علی آلہ واصحابہ الذین جاؤا بنعمۃ صحابتہ وعلی جمیع اولیاء امتہ الذین بذلوا ھممھم فی احیاء سنتہ وزینوا ظواھرھم وبواطنھم بمکارم اخلاقہ وشیمہ **اما بعد** برائے انسان ہیچ مقامے بالاتر از مقام معرفت نبودہ وہیچگونہ کیفیاتِ حسنہ برجستہ تر از کیفیتِ عرفان نیست گرچہ بطوریکہ شاید وباید نمی دانم کہ اسم مدارج کمال وصفائے وجدان وضمیر وپاکی طینت وطریق معرفت خداوندی جل شانہ را کہ بلفظ عرفان تعبیر نمودہ اند مراد اہل تصوف وطبقہ روحانیوں کہ راسخین در علم اند تنہا وتنہا بمعنائے نیکوئی وشناسائی کہ بکسر حرف اول است، دانستہ اند یا طورِ دیگر بہر حال در ادب کدہ ہائے معانی وحقایق ودر دوحہ ہائے عالی تفکر بشر رسیدہ تاکنون حالتے گوارا تر از حالِ عرفان بظہور نرسیدہ والبتہ طلوعِ این نجمِ ہدایت از سرزمینِ مشرق ظاہر وکیفیت ضوء آفتاب جہانتاب را در مرتبہ تکمیل کمیت وکیفیت خویش حائل نمودہ ودر اقطار گیتی وتکوین درمیان اقوام وعشائر ومسلک ہائے آں جامعۂ انسانیت کہ دوچار زکام تعصب نبودہ حالاتی حسنہ را بار آوردہ از کشفِ حقائقِ حقہ معرفت چہ در آفاق وچہ در انفس بل ماورائے آفاق وانفس وما ورائے طبیعت ریشہ طیبہ خود را دوانیدہ وفضائے برتر معرفت وعالم عقول ونفوس طیبہ را بہ کیفیاتِ روحانی ومعنوی

عطر آگیں ساختہ، بالغرض دین و آئین را اگر بحیث یک انسان بدانیم عرفان را دل او می یابیم و
اگر آنرا بہ شجرۂ طیبہ تعبیر کنیم باز عرفان ثمرۂ نیکوے آں شجرہ است کہ اصلها ثابت فی الارض
و فرعها فی السماء از آن بے نشان نشانہ است البتہ عرفان کعبہ و قبلہ مقصود است کہ سالکان
راہ رشد و محبت و عاشقان اسرار قدم و بقاء ازلیت و علم و معرفت بآں میرسند البتہ بنیان
گذار عرفان در سر زبان علوم مقدسہ تنزیلی بودہ کہ بواسطہ حضرات انبیاے عظام علیہم السلام در
ہر قرن و زمان علماً و ذوقاً و عملاً تمثیل گردیدہ بلے درک صحیح عرفان از حیث کیفیت و کمیت
آن ربط خلل ناپذیرے بدیں اسلام دارد کہ از آن تعبیر بروح قرآنی یا روح اسلامی نمودہ اند بلے بیت

گر نہ علم حال فوق قال بودی کے شدی • بندہ اعیان بخارا خواجہ نساج را

گفتہ می توانیم کہ تصوف حقایق دین و علم است و عارف واقعی کسے ہست کہ بر حقیقت فضائل و
رذائل واقف گشتہ متحلی بہ فضائل روحی و معنوی گردیدہ و متخلی از رذائل اخلاقی شدہ و با علاے صفائی
قلب و قالب و روح و نفس متصف گردیدہ و چناں وسعت فکری و انشراح صدری را دارا گشتہ کہ
صحبتش بہر جنسے از بشر کہ رسیدہ سبب ہدایت طرف مقابل و تکمیل ذاتی آن شدہ و بر عظمت دستگاہ
معرفت خداوند وقوف وجدانی و قلبی و روحی علمی و عرفانی حاصل کردہ چنانچہ آثار ایں وقوف در
تکوین و ما فوق تکوین از اعمال و اقوال و حالات ذوقیہ اہل معرفت ہویدا است بلے بیت

از در نفس تا بکعبۂ دل عارفاں را ہزار و یک منزل

ازہمیں سبب است کہ حدیث معرفت را تفہیم نمی تواند نمود و عبارات آنرا کماہی شرح نمی تواں کرد
ممکن نیست بخیال و فکر خود کسی از آں مقام تعبیر نماید و آنکہ می خواہد از آں حقیقت آگاہ گردد
باید بکوشد تا آنرا ببیند نہ آنکہ خبرے از آن بشنود و چنگ بدامن کسانی بخلوص محبت و پاکی باید زد
کہ بعین آن رسیدہ اند بلے بیت

پیش ارباب حسب ترک نسب باید کرد دیدہ و دل فرش ادب باید کرد

ہمیں است کہ در اصطلاح علم و در حقیقت بین ہر عالم و معلوم بالضرورۃ نسبت خاص وجود دارد کہ در

مصطلحات علمی آنرا تعلق نامیده تعلق بین دو چیز که باہم تمایز دارند قابل تصور است و تمایز حاصل نمی شود مگر وقتی که برائے ہر یک از آں دو چیز ثبوتے باشد والبتہ تعلق در خارج وجود ندارد و آں عبارت از امر یست کہ در ذہن موجود است و ایں موجود در ذہن علم است اگرچہ تعلق خارج از حقیقت علم است اما لازم ملزوم آنند علم و معلوم بالذات متحد اند و بالاعتبار مختلف، بل موجود ذہنی گاہی با موجود خارجی مطابقت دارد و گاہی مطابقت ندارد و باعتبار مطابقت عقل می تواند احکام خارجی را بہ موجود ذہنی مترتب ساخت چنانچہ آثار بزرگی در مسائل علمی و عرفانی برایں اصل از طریق شناخت ماہیت علم موجود است و کذا کیفیات حسنا از راہ ادراک ذوقیات باطنی و روحی در حضرت انسان حاصل می گردد لہذا جماعہ متصوفین کہ عرفائے حقیقی اند ایں مطابقت را از طریق عرفان دریافتہ اند و از طریق شناخت شعبہ ہائے علمی کہ عبارت از بدیہیات حسیات و وجدانیات و مشاہدات و الہامات است بدیں منزلت قصوی کہ حصول عرفان حقیقی است نائل گردیدہ اند بلے بیت

جسمِ خاک از عشق بر افلاک شد کوہ در رقص آمد و چالاک شد

لہذا تصوف در ہر مسلک و دین موجود بودہ والبتہ صورت حقیقی آن در اسلام بطوریکہ شاید و باید جلوہ نمود چنانچہ حقایق نص قرآنی و دقایق سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام در محکمات و متشابہات کتاب عزیز و فرقان حمید معلوم و در آثار قولی و فعلی و تقریری نبویؐ ہویدا است اما تکمیل تدوین عرفان در قرن دوم ہجری بوجود آمدہ زیرا شریعت اسلامی اہتمام بعبادات و معاملات و حیات اجتماع را کہ دارا ست ہمچنان اہتمام بمجاہدہ و محاسبہ و مراقبہ و تزکیہ نفس و تصفیہ قلب و تطہیر قالب ہم لازم می داند ازیں حیث صنفی از دانشمندان در تحقیق عبادات و معاملات و اجتماعیات و طبعیات پرداختند کہ بنام محدث فقیہ عالم متکلم یاد میشوند و صنفی بمجاہدہ و تزکیہ و تطہیر قالب و تقویۃ غرائز حسنہ و کیفیات ذوقی و روحی و ماورای طبیعت ہمت گماشتند کہ آنرا صوفیہ میگویند البتہ موضوعات تصوف در قرن دوم ہجری

تحت عنوانہاے ورع وتقوی ومراقبہ وزہد وتوکل وشکر ومجاہدہ واخلاص ومحبت ومعرفت و
ولایت وعشق بصورت یک عرفان مکمل حقیقی ومعرفت لازمی برائے انسان مکرم تبارز نمود
چنانچہ این مقامات مذکور توسط بزرگترین دانایان راہِ عرفان وبرگزیدگان حضرت سبحان جلشانہٗ
تمثیل گردید وصورت حالی را بخود گرفت کہ از طریق تصفیہ وتزکیہ وتخلیہ وتجلیہ انسانہا با سرمایۂ
(بدون داشتن کامل سرمایۂ ظاہر شریعت)
علوم ظاہر شریعت بہ آن عرفان ومعرفت نایل گردیدند، این طبقہ ہمیشہ کوشش ومجاہدہ میگردند کہ از
وساوس نفسانی وخطرات قلبی وتشوشات جسمی رہائی یابند ومیکوشیدند تا برخواطر قلبی و
نفوس حاکمیت پیدا کنند وآنرا محکوم خود سازند چنانچہ می فرماید. مثنوی

چون بدانستی تو اورا از نخست — سوے آنحضرت نسب کردی درست
چون کہ دانستی کہ ظل کیستی — فارغی گر مردی وگر زیستی

واین سلسلہ رفتہ رفتہ در قرن سوم وچہارم بصورت دو مکتب عرفانی کہ بنام وحدت الوجود ووحدت الشہود
نامیدہ میشوند بظہور آمد وہزاران اہل معرفت از عرفان آن بہرہ ور گردیدند وطریق حصول معرفت را برائے
حضرتِ انسان این دانایان وآنہائیکہ در رأس این ادب کدہ ہاے عرفانی قرار داشتند تلقین وتدریس
نمودند واز اذواق روحانی وکیفیات عالم ناسوت وملکوت وجبروت کہ از مصطلحات تصوف است
آگاہ گردیدند بمراتب علم الیقین وعین الیقین وحق الیقین رسیدہ از معارف کہ بآفاق وانفس متعلق
است ویا اثرے کہ در مراتبِ کثرت از مراتب وحدت ظہور فرمودہ یقین قلبی حاصل کردند وبحفظ تہذیب
غرایز انسانی ہمت گماشتند وتکریمات فضائل انسانیت نائل شدند بل بزرگترین شعبۂ علم در
اسلام تصوف است کہ این عرفانِ عالی حقایق علیا کرامتِ انسانی را بظہور می آورد البتہ تفصیل
این سلسلہ یک کتاب خاصی را می خواہد کہ دارا باشد ودر ہمین تقریظ بہمین اندازہ اکتفا نمودہ میگویم بیت

نہ حسنت غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایان — بمیرد تشنہ مستسقی ودریا ہمچنان باقی

آرے من افتخار دارم وبدان می نازم کہ افکار پریشان من مشغول نوشتن جلالی است کہ
حاوی بیان بمقام آن ذات برگزیدہ است کہ کاشف اعظم حقایق تصوف اسلام بودہ ودر فن حصول

احسان وتقوی مجدد کامل بود آرے پیشِ نظرِ ضمیر و وجدان من شخصیتے ظاہر می گردد مستی نمایان میشود کہ در وقتِ خود مجموعِ فضائل عرفانی وجامع کمالاتِ انسانی وتہذیبات اخلاقی بود بطورِ مثال حافظِ قرآن، عارفِ اسرار معارف تشابہات ومحکمات ومقطعاتِ قرآنی مدرس حقایق علوم منقول ومعقول محدث اسرارِ سنتِ نبوی، فقیہ صاحب ملکہ علیا در استنباطات علمی وحقوقی واعظ منبر علیای مراکزِ دینی اسلام صوفی صاف طینت حقیقت عرفانیات مراتب وجود ووجوب و شیونات و اعتبارات ومقام لاہوت وجبروت ومتکلم کیفیات مسائل کلامیہ ودقایق ونکات بارعہ اسرار قدم وقضا وقدر و بیان معاد ومعاش ومبین رموز تکوینیات علوی وسفلی وناشر قواعد غرائے مدنیت وشریعت بیضا ملت حنیفہ اسلام ادیب برجستہ وصاحب وجدان راسخ در اذواق روح افزائے بلاغت ومعانی ومکنونات بدیعہ کمالات فصاحت صاحبِ خانقاہ کہ در وصفش گفتہ شدہ بیت

تصنیفِ اوست درس مقیمانِ مدرسہ تلقین اوست ذکر مریدان خانقاہ

اعنی صاحب المجد ابوالمکارم مجدد الفِ ثانی محدث رحمانی الشیخ الاجل احمد الفاروقی الکابلی السرہندی قدس سرہ السامی

بہر حال من امروز خود را در مقابلِ آن شخصیت مشاہدہ میکنم کہ استاذ بزرگ در راہِ عرفان است وباب توین در معرفت برائے عالم باز نمود و در تقویتِ ملت بیضا اسلام چنان ہمت گماشت کہ آثار اسلامی کہ قریب بمتلاشی شدن بود ہر دو بارہ آن را مستقر نمود مومنین ومومنات را بہ ثقافتِ اسلامی ہدایت نمود، صراط المستقیم شرع مطہر اسلامی را از طریق علم بروے ابنائے آن وقت کشود وثابت ساخت کہ ملتِ اسلام در حفظ حیات مادی ومعنوی احتیاج باساس اسلامی داشتہ وبدون انکار بدین ناموس الٰہی نمیتواند حیات خود را وقایہ نماید وہم استقلال تصوف اسلام را بدلائل واضح عرفانی بمسلمانان از طریق علم ومعرفت ثابت ساخت کہ تصوف اسلام زادۂ خود دین اسلام است این شخصیت بزرگ وصاحب معرفت علیا کہ در تصوف تجدید نمود و آثار بزرگی را از طریق عرفان ومعرفت وکشف بصورت یک وثیقہ مقدس گران بہائے عرفانی تدوین و دوقا

وحالاً وعلماً آنرا ثابت فرمود ملقب بمجدد الف ثانی گردید وطریق شناخت علوم باطنیہ ورسیدن باسرار ومعارف ذوقیہ روحیہ را آب وتاب ویگری داد واز اسرار ومعارف ذات مقدس وشیونات واعتبارات مراتب وجود ووجوب عالم اسلام را آگاہ ساخت واز مراتب محبت ومحبوبیت ومحبوبیت وخلت وفنا وبقاء وسیر اربعہ وجواہر خجستہ معارف بزرگ را در معرض بیان وتبیین آورد چنانچہ آثار برگزیدہ عرفانی حضرتش شاہد عدل درایں مدعا است این ذات خجستہ ومجتہد اعظم در علم عقائد وتصوف اسلامی ومجاہد اکرم در ابقا واعتلاے دین قویم اسلام ثابت فرمود کہ شریعت وطریقت وحقیقت باہم ارتباط ذاتی و صفاتی داشتہ از یک منبع بزرگ علوم ذات الٰہی جل شانہ سرچشمہ گرفتہ آنجا کہ گفت طریقت وحقیقت خادمان شریعت اند ورسیدن بمراتب عرفان را منابع کیفیات علیاے شریعت اسلام دانستہ بیت

شرع بیضا محمدؐ را یقین حامی توئی   معدن الطاف فیض پاک سبحانی توئی

حضرت مجدد الف ثانیؒ در مکتوبات معدن الفتوحات کہ بنام درالمعرفۃ ونورالخلائق و معرفۃ الحقائق یاد می شود روشنی علیا بر تصوف انداختہ ودر رسائل مقدس عرفانی خویش کہ بنام مبدأ ومعاد ومعارف لدنیہ ومکاشفات غیبیہ واثبات نبوت ورسالہ اسرار توحید مسمی بہ تہلیلیہ بزرگترین دقائق عالیہ عرفان را بیان فرمودہ کہ بر اصحاب کہ بصیرت علمی   واذواق عرفانی دارند مخفی نماندہ دریں وقت چوں ضرورت مبرم بشرح اصول عرفان مجدد الف ثانیؒ دیدہ میشود جامعہ را بطرف اذواق عرفانی ومعنوی متوجہ اند احتیاج بزرگ برائے فہم اصول این تصوف کہ در الف ثانی بظہور پیوستہ داشتند۔ بہ عقیدہ من دانایان راز ہائے آفاق وانفس و مربیان عالم انسانیت بجان کرامنہائے اخلاق وتہذیب حیات مدنی اثر علمی وعرفانی آنہا در وقت معلوم ومویدا می گردد کہ آنہا در زمانہ کہ حیات بسر می بردند مورد مطالعہ قرار گیرد لذا نظر بسیطی بدورہ حیات حضرت مجدد الف ثانیؒ چوں می نمائیم نیم قارہ ہند در آں وقت بطرف ارتجاع در مسائل دیانوی اسلام مواجہ بودہ بالخاصہ اصول تصوف اسلامی تحت تاثیر طبقہ مرتاضیان ہنود آمدہ ومی خواستند کہ کہ تصوف اسلامی را صبغ رہبانیت دادہ واصولیکہ برائے حفظ مقام برتر تنزیہ احدیت از عنصرہا

بزرگ روحانیون اسلامی ہویداست، آنرا بغبار ظلمانی حلول واتحاد مراتب جلوۂ وحدت در کثرت دخل دہند وصورتِ انقطاع کلی را از تشبث بہ اصلاح عامہ وحیاتِ معاش بترک التعرض وحیاتِ منفی از کیفیت وارتقا ر رشد وہدایت تودہ بوجود آرند صوفیۂ خام کہ در قرون پنج تا ہشت زندگانی داشتند کیان علمای تصوف اسلام را نادیدہ پنداشتہ بحیات ریاضت مشغول بودہ حجرہ نشینی ہا را اختیار کردہ بودند ریاضاتِ شاقہ آن غیر از ینکہ با شراق نفس را می افزود دیگر ثمرہ برای اعلای روح وکیفیت بلند بردن غرائز علیا وتہذیب وانکشاف مقام برتر آفاقی وانفسی ووصول معارف مراتب صفات وشیونات وکشف اسرار روح اسلامی را دارا نبودہ حتی با صول بودا یزم کہ تمایل عوام بہم رسیدہ بود کہ از اصول عباداتی آن کہ بر ثنویت بنا دارد وبطرف تناسخ وحلول مایل است پیروی می کردند واز جانب دیگر اصول ظاہر شریعت غرا اسلامی وملتِ حنیفۂ اسلام نیز رو بضعف و انحطاط نہادہ بود واساس اسلامی از یک مفہوم ہمہ جانبہ وشامل از بدقہا وموقیت ہای زندگانی باسعادت نزول نمود وقریب بود کہ ساقط شود واسلام بصورت تنہا یک اساس عبادتی درآید گرگ می خواستند معاندین کہ دین اسلام را کہ بصفت یک دستور مکمل وہمہ جانبہ وشامل بر تمام کیفیات حیاتی بشر حکم میکرد از بین ببرند بل اساسی کہ بر اقتصادیات واجتماعیات زندگی بشر حکومت می نمود وبر مادیات ومعنویات تاثیر بارز کی داشت وبر سیاسیات وافکار ومشاعر آن نفوذ قوی را دارا بود وبر روشہای عملی زندگی فردی وفامیلی بطور یک وثیقہ مقدس حاکمیت داشت از مفاہیم اصلیہ خود پاشیدہ گردد بصورت ادراکات سرگشتہ وبی پایہ ظاہر شود تا نعوذ باللہ ہیچ گونہ از واقعیت واعتباری را حائز نباشد ودر اذہان مردم بطور عبادت خالص جلوہ کند در حالیکہ اسلام اساسی است کہ زندگانی فردی واجتماعی وحیات زن ومرد وخانوادہ را شامل است وبحیات دنیا و آخرت وعلوم زمین وآسمان وطبیعیات وماوراء طبیعت احاطہ دارد ——— آیا چگونہ این افکار بیگانہ وذلیل کنندہ حریتِ بشری در مزرعہ دلہا وحجرہ ہای افکار دماغی وغرائز نفسی کشت گردید وچگونہ در درون مسلمین ومسلمات مستقر گردید کہ آنہا از سیستم ہای غیر اسلامی کہ در

آن وقت در نیم قاره هند که صورت مرکزیت را در ایشیا دارا بود استفاده کنند و اصول حقه و برتر ثقافت اسلامی را فراموش کنند این قسم پیش آمد سوء در آن زمان بظهور آمده و قریب بود که مقابل امانت بزرگ خداوندی جل شانه که ناموس بزرگ اسلام است توده مسلم آن وقت مرتکب خیانت بزرگ گردند لا سمح الله بطور مثال یعنی شرک بکنند و دروغ بگویند و کینه ورزی کنند و پرده ناموس را ببرانند و غیبت کنند و چنان بترک التعرض اغشته شوند که حفظ ناموس اجتماع و ناموس فرد را فراموش نمایند و زندگانی بر مراد خود را دیگران نمایند و مسلمانان بمرگ جاودان مواجه شوند خلاصه آنکه اسلام را با زندگانی چه کار و دین را با واقعیت هاے که مردم بروے زمین در آن دارند و بطور خفیفت دران زندگانی بکنند و حفظ حقوق عامه و خاصه دران بعمل می آید چه پیوند و چه ارتباط البته براے ثبوت این امر وسائل بسیار در آن وقت موجود بود مراکز اداره که عبارت از قوۀ حاکمۀ آن وقت بود تحت تاثیر مفاسد اخلاقی آمده و مبتلا بمفاسد اجتماعی و فردی بودند و قواے استعمار غرب در تقویه این مفاسد مداخله میکرد البته صحف تواریخ به این ارتجاع روشنی انداخته و دور مسلمانان را از ثقافت اسلامی بیان کرده در آن هنگام بود که اختلاف بزرگ در اجتماع پدید آمد و اختلال کلی واقع گردیده ، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح در نصف شب جمعه بتاریخ ۱۴ شوال ۹۷۱ هجری قمری در شهر مشهور سرہند بسراے وجود بظهور آمد و در حجر تربیت والد با فضیلت خود که عالم و فقیه و حافظ آداب ظاهره اصول اسلام و صاحب معارف بلند روحانی تصوف اسلام بودند تربیه گردید بسیارے کتب عربیه و حفظ قرآن مجید را در فصل اول صباوت فرمود سپس بمرحله دومی حیات نیک اسلامی پا نهاد به فراگرفتن و حصول تعلیمات ثقافت اسلامی اشتغال ورزیده و حصول علمی منقول و معقول را با انتهار تحقیق و تدقیق از جماعه فحول علماء و مدققین آن زمان که متصف بتقوی و حفظ نوامیس اسلامی بودند فراگرفتند مثل مولنا کمال الدین کشمیری و مولنا یعقوب الکشمیری للصرفی و این ذوات از کبار محققین طبقه دانایان ثقافت اسلامی در آن وقت بوده اند در سلسله حدیث و تفسیر بسیط و وسیط و وجیز و اسباب نزول واحدی و تفسیر بیضاوی و منهاج الاصول و غایت قصوی و صحیح بخاری و مسلم

ومشکوٰة مصابیح وجامع صغیر سیوطی وغیره را از عالم ربانی قاضی بهلول بدخشانی فرا گرفتند حضرت مجدد الف ثانیؒ تمام این علوم را که سنین عمر این پیشوای بزرگ اسلام به هفدهم سال رسیده تمام نمودند طرق روحانی که مربوط سلسلهٔ قادریه وسهروردیه وچشتیه بودند از حضور والد بزرگوار وصاحب معارف علیا شیخ عبدالاحد قدس سره اخذ نمودند در طریقهٔ عالیه نقشبندیه که سبب ارتقاء تمام کیفیات تقوی وفضیلت ظاهری وباطنی حضرت امام گردید از حضور مؤید الدین الرضی محمد باقی بالله قدس سره در مدت دو ماه وایام چند نسبت باطنیه حاصل نمودند وسلسلهٔ نسبی حضرت امام بحضرت خلیفهٔ دوم اسلام الناطق بالحق والصواب فاروق اعظم سیدنا عمر بن الخطاب رضی الله تعالی عنه منتهی می شود[1] واجداد حضرت امام از افغانستان که وطن اصلی شان بوده در حدود سنه ۷۵۰ هجری برای ایفای جهاد با فیروز شاه تغلق که به هند رفته و جدِ حضرت مجدد الف ثانی که امام رفیع الدین قدس سره نام دارند واز کبار روحانیون آن وقت بودند با فیروز شاه تغلق به هند آمد و در شهر سرهند یا سهرند توقف نمودند ومرکز رشد وهدایت در شهر سرهند اقامه فرمودند ولادت حضرت امام در همین شهر واقع شد که قبلاً به آن اشاره گردید حضرت امام از بدو حیات به نشر علوم دینی اسلامی در سرهند پرداختند وتربیه روحانی به اساس طریقهای قادری سهروردی وچشتی اشتغال داشتند وبعد از وفات والد معظم خود در سال ۱۰۰۸ھ بحضور حضرت خواجه باقی بالله قدس سره رسیده وبه اجازه مطلقه از طرق عالیه نقشبندیه نایل گردید وبه امر مرشد عالی مقام خود بنشر طریقهٔ نقشبندیه همت گماشتند چون مناسبت این طریق بظاهر شریعت اسلامی بیشتر بود انکشاف کامل حضرت امام ربانی بدین سلسله گردید ودر این راه عرفانی نفوس بشریت را بطرف تصفیه وتزکیه متوجه ساخت واز انعکاسات آثار آفاق و انفس کیفیات ولایت سه گانه وروایح لطائف خمسه حظی وافر ذوق وحال نفوس طیبه را بخشید واز اسرار خاصهٔ محبوبیت علیا وخلت ومحبت ومحبوبیت بر لطائف طالبین راه جذبه وسلوک آثار گرانبهای تصوف را تزئین فرمود واز مراتب هفت گانه فهم قرآن مجید ضمائر ووجدان ومدرکه آنها را استعداد بفهم آن در مکنون ساخت بلی این آثار برگزیده که ذکر یافت از علوم وعرفان خاص مجدد الف ثانیؒ که نائب پیغمبر اولوالعزمست

[1] له و مادر حضرت امام از طرف پدر نژاد افغان بوده نسب مادری ایشان به زین العابدین می رسد

له اسم [illegible]

بوده که در آثار قلمی آں عارف ربانی بیان گردیده بلے بیت

ہمین فرزند فاروق است چون اب — کنون نطق از زبان او کند رب

سراپا نسخۂ اخلاق فاروق — بزهر منقصت تریاق فاروق

حضرت مجدد الف ثانیؒ که سنین عمر مبارکش بسنت نبوی بسال شصت وسه ۶۳ رسید بحکم قضا و قدر سفر آخرت اختیار فرمود و در سرہند مدفون گردیدند که مصادف بسال ہزار و چہل و سه ۱۰۴۳ بوده بطرف جنت شتافت (اکتب بعام رحلته وارث الرسول) تاریخ وصال آں سر دنامی اسلام است و بر مزار مبارکش قبۂ علیا و مسجد کبیر بنا شده و ہم مدرسۂ بنام مدرسه مجدد اعظم تعمیر یافت و سرہند بنام دار الارشاد مسمی گردید و طریق تصوف بر اساس وحدت الشهود بلکه بالاتر علم از حضرتش بصورت یک دستور ثابت روحانی و وثیقۂ عرفانی باقی ماند که بہزاران مرد مسلم و زن مسلمه ہر کدام باندازۂ قابلیت خود نموده و می نمایند اصول علیا که در تصوف کیان عرفاے اسلامیؒ محافظ نموده اہل سلوک از آن علماً و عملاً و ذوقاً پیروی کرده و میکنند۔

از مدتے بود که آرزوے اکثر شان براین تمنا بود تا شرحی بمکتوبات معدن الفتوحات کرده شود لذا فاضل دانشمند مولوی نصر اللہ ہوتکی بر مکتوبات معدن الفتوحات شرح نمودند آرے مولنٰناے مذکور سالیان متمادی در حضور حضرت شیخ الاسلام صاحب قدر البارزغ مرشدنا نور المشائخ قدس سرهٗ از معارف که خاصۂ مکتب وحدت الوجود و وحدت الشهود بطریق خاص تصوف مجدد الف ثانیؒ ہست بصفت تلمیذ رشید آں قبلہ صفاکیشان بہرۂ علمی و ملکۂ علیا حاصل نموده و دریں ایام بشرح مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی نائل گردیده و اینک یک وثیقۂ مقدس عرفانی و یک ذخیرۂ بزرگ معارف روحانی را براے برادران اسلامی خود ترتیب نمودند این شرح بنام معنی خواندہ را باصول تصوف دورۂ جدید عرفان آشنا سازد و از دوحۂ برگزیده این بوستان معرفت ابناے مسلمین رائحۂ خوشگوار روح افزا را استشمام خواہند نمود و بہ منازل و مدارج قصوی کرامت انسانی نائل خواہند گردید۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مقدمہ شرح مکتوبات

مولوی نصر اللہ ہوتکی

خداوند ہادی دانا و توانا را شکر گذاریم کہ توسط حضرات انبیاے عظام کہ فرستادگانِ خاص حضرت حق سبحانہ می باشند از ذاتِ مقدس وصفات ثمانیۂ خود ما ناقصان عقل را باخبر و آگاہ ساختہ اند و اگر وجود شریف حضرات پیغمبران نمی بود ما ہم مانند فلاسفۂ یونان از سعادت معرفت حق سبحانہ بے بہرہ می ماندیم چنانچہ فلاسفۂ یونان کہ بزعم خود خود را استادِ کل و اعقل زمان می دانستند باوجود چنیں ادعا از معرفت خالق لایزال محروم و بے بہرہ ماندند و از راہ خداشناس انحراف ورزیدند و در مسائل توحیدِ ذات و قدم صفاتِ ثمانیہ او تعالیٰ خبطہا نمودند چوں عنایت خداوند شاملِ حالِ ما بود لہٰذا از طریق شرائع بہ اسرار ذات مقدس وصفات ثمانیۂ خود واقف و بآں مصدق گردانید، نحمدہ حمداً کثیراً علیٰ ہذہ النعماء الکاملہ

ہمچنیں بر روح مبارک سردار دو عالم کہ خاتم النبیینؐ است درود بے پایاں می فرستم کہ فخر کائنات بودہ و تمام عالم بواسطۂ او ایجاد گردیدہ است، دریں مورد مؤلف کتاب مجموعہ خوانی در شعرے چہ خوش بیان داشتہ اند

لہ ہمم لا منتہا لکبارہا وھمتہ الصغریٰ ان اخرج الدنیا من العدم

یعنی سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دارائے آں ہمتہاے عالی است کہ بزرگی آں انتہا ندارد، اما از خورد ترین ہمت شان این است کہ ببرکت آں دنیا از کتم عدم بصحرائے وجود آمدہ است۔

علی الخصوص کہ ما مسلمانان جہان را از تاریکی شرک وجہالت نجات دادہ و بشاہراہ مرضیات

خداوند متعال ہدایت فرمودہ اند و اگر ہدایت ایشان نمی بود ما ہم مثل دیگران از مفاد معاش و معاد بے خبر و در گو دال جہالت باقی می ماندیم، و نیز شکر گذاریم کہ خداوند مہربان از لطف و مرحمت خود ما را باخلاص دوستان خود مشرف ساختہ و بکمالات قدسیہ شان معتقد گردانیدہ علی الخصوص در فہم مکتوبات قدسی آیات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی یک اندازہ ملکہ عالی عطا فرمودہ و مکتوبات شان کہ معلم ظاہر شریعت و مبین باطن شریعت بودہ و مشتمل بیان درجات ہفتگانہ متابعت سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم است و مسائل بزرگ عقائد اسلامی کہ علمائے کرام اسلام بروئے علم و استدلال بیان کردہ اند، دریں کتاب از روئے کشف و ذوق تشریح گردیدہ است و مسائل مہمی کہ اکثر دانشمندان جہان در حل آن عاجز شدہ اند در این کتاب بصورت واضح موجود است۔ چنانچہ در مورد اینکہ وجود حق سبحانہ عین ذات او تعالیٰ بودہ است و یا غیر ذات مقدس او دریں کتاب مفصل تشریح شدہ کہ حق سبحانہ بذات خود موجود است نہ بوجود، و صفات ثمانیہ حق تعالیٰ بذات پاک او موجود ند نہ بوجود و وجود و وجوب ہم دران بارگاہ مقدس رسیدہ نمی توانند۔ بیت

زاعلیٰ بالا و بالا زبالا بلندی ہم نمی گنجد در آنجا

و حل ایں مسائل از فہم و ادراک بسیارے علماء و عرفاء و دانشمندان سراسر جہان بلند است اما در مکتوبات قدسی آیات تمامی ہمچو مسائل بیک منطق سلیم و اصول قوی علوم عرفانی توضیح کامل یافتہ است۔ راجع بمراتب حقیقت محمدی و حقیقت احمدی و حقیقت کعبہ معظمہ و حقیقت قرآن کریم و حقیقت صلوٰۃ کہ دریں وثیقہ منظمہ عرفان تفصیل دادہ شدہ در کتب دیگر دیدہ نمی شود۔ حقائق سبعہ کہ عبارت از حقیقت ابراہیمی و حقیقت موسوی و حقیقت محمدی و حقیقت احمدی و حقیقت کعبہ معظمہ و حقیقت قرآن کریم و حقیقت صلوٰۃ و ہمچنان برتری یک حقیقت بحقیقت دیگر دریں کتاب مقدس بیان گردیدہ بیگانہ دستور قصوی و کیان علمی است کہ از سینہ مملو از حقایق روحانی حضرتش بظہور پیوستہ و از مختصات کمالات مجدد الف ثانی است، و ہم در بارے فضائل صحابہ کرامؓ و برتری شان نسبت باولیائے امت و افضلیت خلفائے راشدین بیش از ہر کتاب دیگر بیانات کافی دادہ شدہ است۔

مطالب ارزندہ کہ راجع بولایتِ صغریٰ کہ ولایتِ اولیاے کرام است وولایتِ کبریٰ کہ ولایتِ انبیاے عظام است وولایتِ علیا کہ ولایت ملاء اعلیٰ است چنین اقناع کنندہ بحث علمی در ہیچ اثرے از علومِ روحانی دیدہ نشدہ در مورد کمالاتِ نبوت وکمالاتِ رسالت وکمالات حضرات انبیاے اولوالعزم نیز درین کتاب مطالب مفید بتفصیل ذکر است۔

کمالات لطائف عشرہ انسانی کہ پنج آن از عالمِ امر است یعنی قلبِ نوری وروح وسر وخفی واخفیٰ۔ وپنج دیگر از عالم خلق اند کہ عبارت از نفس ناطقہ وعناصر اربعہ بودہ، ومبدا فیض آنہا کہ از عالم وجوب است در تمام صفحاتِ علمی چنیں توضیح نامہ شایستہ مقام کیفیات باطنی انسان ذکر نشدہ است۔

تفصیلات مبادی فیوض لطائف انسانی کہ درین کتاب مذکور است در کتب دیگر یافت نمی شود ودر مورد مبادی فیوض لطائف انسانی فرمودہ اند۔ مبدا فیض قلب نوری، صفات اضافیہ وفعلیہ است کہ برزخ وجوب وامکان است، ومبدا فیض روح صفاتِ ثبوتیہ ثمانیہ می باشد و مبدا فیض لطیفۂ سر شیونات ذاتیہ است، ومبدا فیض خفی صفاتِ سلبیہ است کہ با عتباراتِ ذاتیہ راجع می شود، ومبدا فیض اخفیٰ شان العلم کلی می باشد۔

مبدا فیض نفس ناطقہ وعناصر ثلاثہ غیر از عنصر خاک اسم باطن خدا وند جل شانہ است (دوائر ثلاثہ) ومبدا فیض عنصر خاک تجلیاتِ ذاتیہ است وادراک ذات مقدس او تعالیٰ بہیئتِ وحدانی انسانی مربوط است وبتفصیل آمدہ کہ مبدا فیض کدام پیغمبر اولوالعزم کدام صفت حق تعالیٰ است، ومبدا فیض پیغمبر اولوالعزم دیگر کدام صفت حق جل جلالہ است، ومبدا فیض اولیاے آدمی مشرب کدام صفت خداوند کریم است، ومبدا فیض اولیاے نوحی مشرب کدام صفت او تعالیٰ بودہ، ومبدا فیض اولیاے ابراہیمی مشرب کدام صفت باری تعالیٰ می باشد ومبدا فیض اولیاے موسوی مشرب کدام صفت بودہ، و مبدا فیض اولیاے عیسوی مشرب کدام صفت مربی آنہا است، ومبدا فیض اولیاے محمدی مشرب کدام صفت قادر سبحان است وایں مسائل دقیق کہ اولیاے ایں امت مرحومہ چرا مشارب انبیاے عظام گزشتہ بودہ باشند درین کتاب مبارک تفصیلات زیادی دادہ شدہ است۔

ہمچنین تعین اول ظہور ممکناتِ عالم کہ دریں کتاب تفصیل دادہ شدہ نسبت بتعینِ اول کہ دیگران گفتہ اند پنج مرتبہ برتراست و درباره اینکہ ظہورِ اول ممکنات کدام چیز بودہ است نیز مطالب ارزندہ دارد و بعض مسائل مہم عقائد اسلامی کہ علماے ماتریدیہ و اشعریہ دران اختلاف نظر داشتہ و بکدام فیصلہ نرسیدہ اند، حضرت امام فیصلہ آں مسائل را بہ محضر حضرات انبیاے عظام عرض کردہ و فیصلہ تصویب مبارک شان را حاصل داشتہ و برائے ما عنایت فرمودہ اند، این موضوع درمکتوب ۵۹ مفصل بیان شدہ است۔ سبحان اللہ چہ لیاقت خدادادی کہ در حین حیات این جہانِ فانی بہ زندگان جہان ابدی ملاقات می نمایند و از حضور شان فیصلہ میگرد و درمورد اینکہ حق سبحانہٗ "از ما بما نزدیکتر است" توضیحات فرمودہ و روشن ساختہ کہ بماہیت ظلی نسبت بخود ماہیت ظلی ماہیت اصل نزدیک تراست، زیرا کہ قیام ظل بہ وجود ظلی خود نبودہ بلکہ قیام آں بواسطۂ اصل او بودہ لہذا چیزے کہ سببِ قیام ماست ذات مقدس او تعالیٰ است کہ از ما بما نزدیک تراست۔

وہم درمکتوب ۱۱ حصہ ششم فرمودہ اند کہ "قلب انسان نسبت بہ عرش مجید یک فضیلت جزئی دارد زیرا کہ عرش مجید مظہر ذات و صفات ثمانیہ او تعالیٰ است اما قلب عارف کہ عاشق ذات مقدس است تنہا مظہر ذات منزہ او تعالیٰ میگرد و چنانچہ بزرگان فرمودہ اند۔ بیت

عرش و غرنین ہر دو یک طبق است　　　　بلکہ غرنین شریف تر طبق است

و درباره اینکہ مقام عروج و مقام استقرار انبیاے عظام از ہم جدا می باشد و مقام استقرار شان صفت مربی آں بزرگواران است و عروجاتِ شان بذات مقدس او تعالیٰ است و نیز عروج اولیاے کرام از مقام استقرار انبیاے عظام فوق تر واقع می شود اما عروجات حضرات انبیاے عظام غیر متناہی است و مقام استقرار ہر کدام از انبیاے عظام و اولیاے کرام صفت مربی آنہا است و عروج شان از مقام استقرار شان بلند تر می باشد و اقل قلیل از اولیاے کرام بعروجات حضرات انبیاے عظام مشرف می شوند۔

راجع بتصدیق قلب ویقین آن فرمودہ کہ تصدیق عبارت از یقین و تسلیم وگرویدن است و
یقین تنہا ایقان بدون تسلیم است، چنانچہ کسے فکر کند کہ شخص دیگرے نسبت باو فاضل تر است
کہ اگر فضیلت او را نسبت بخود قبول نماید دراین صورت یقینِ او تصدیق گفتہ می شود ورنہ صرف
یقین است واز اینجاست کہ در داشتن ایمان بشریعت محمدی تنہا یقین را اعتبار نداده تصدیق را
ایمان دانستہ اند۔ چنانچہ یہود ونصاریٰ بحقیقتِ قرآن ورسالت حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
یقین داشتہ اما تصدیق ندارند (این مطلب بہ مکتوب ۵۱ حصہ ہشتم موجود است)۔

خلاصہ اینکہ معارف مکتوبات قدسی آیات از فہم اکثر علما حتی از فہم خواص کہ اولیاء اند
نیز بلند تر است، چنانچہ خود حضرت امام در مکتوبے می فرماید" این معارف خاصہ اولیاے
مرادان ومحبوبان است اولیاے مریدین ومحبین در عمر حضرت نوحؑ ہم باین معارف نمی رسند
بلکہ این معارف خاصہ محبوبان است محبان اینجا قدمگاہ ندارند اگرچہ اولیاے محبین و
مریدین در سیرہاے عرفانی متوجہ عالم ملکوت وجبروت ولاہوت ہم گردند نمیتوانند بدین دقت
وتوانائی کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ ارشاد نمودہ اند مہتدی گردند" ونیز فرمودہ کہ" این معارف معارف
حضرات انبیاے عظام است واز معارف اکثر اولیاے کرام برتر است ذلك فضل الله يؤتيه
من يشاء والله ذو الفضل العظيم

ونیز در مکتوب ۲۵۱ فرمودہ اند" انگارم کہ حضرت مہدی موعود کہ بامکملیت ولایت معہود
است نیز برین نسبت خواہد بود وتتمیم وتکمیل این سلسلہ علیہ خواہد فرمود۔"

اے عزیز! کمالات حضرت امام کمالات حضرات انبیاے عظام می باشند از ادراک اکثر اولیاے
کرام بلند تر است بسیار اقل قلیل اگر بامثال معارف حضرت امام رسیدہ باشد یقین است کہ بعین حضرت
امام نرسیدہ اند واین طور اشخاص اقل قلیل می باشند۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء
والله ذو الفضل العظيم

مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کہ علماے علام پایۂ علمیت اورا می دانند از جملہ خادمان وزمرۂ

خلفاے حضرت امام است در مدح حضرت امام میفرمایند ملجاے مشیخت معدن عرفان حضرت شیخ فضل اللہ برہانپوری صدیقی کہ معاصر حضرت امام بودہ میفرمودند آں چیزے کہ قطب الاقطاب حضرت مجدد میفرمایند ہمہ صحیح می باشد واو دربیان آن اسرار صادق و آن اسرار شرف است۔ حضرت شیخ حسن غوثی در کتاب مناقب اولیا حضرت مجدد را براین طور می نویسند بالانشین مسند محبوبیت صدر آراے محفل وحدانیت خداوند مقام فردیت صاحب مرتبۂ قطبیت۔

از مردم معتمد منقول است کہ یک نفر مریدے میر مومن بلخی براے اخذ فیض بحضور حضرت امام حاضر و سلام شیخ خود را و سلام مولانا میرک شاہ و سلام شیخ حسن قبادیانی و سلام قاضی القضاۃ تولک را بحضور حضرت امام رسانید و عرض نمود کہ شیخ من گفت کہ اگر کبر سن و بعد مسافت مانع نمی بود بخدمت او حاضر و عمر باقی را بحضور شان می گذراندم۔ چون موانع موجود است بنابر آن امید دارم کہ مرا غائبانہ در جملۂ مخلصین خود حساب فرمایند و طور غائبانہ از انوار خود افاضہ فرمودہ باشند و نیز منقول است کہ یک عزیز از بلخ بہ ہندوستان آمدہ بود گفت وقتی کہ میر محمد مومن بلخی مکتوبات حضرت امام مطالعہ کرد آنرا بالاے سر خود گذاشتہ و بدون اختیار رقص کرد و گفت کہ اگر این بزرگ بزمانۂ سلطان العارفین و در وقت سید الطائفہ حضرت جنید می بود خدمت او را می کردند۔

حضرت شیخ احمد جام زندہ فیل نوالہ حضرت عبد اللہ بجلی یمنی کہ از جملہ اصحاب کرام بود و از جملہ بسیار اولیاے قدیم است میفرماید کہ ما چند احمد می باشیم احمد آخرین ما کہ در ہند خواہد بود بہ تہنیت ہمہ ہم نام ہاے خود بلند تر و کامل تر است۔

حضرت شیخ خلیل اللہ بدخشی کہ مزار مبارک او در قریہ اورسج و پرخار می باشد و از مشائخ سہروردیہ است در مدح حضرت امام فرمودہ کہ در ہند یک شخص ظہور خواہد کرد کہ عالم را انوار خود منور خواہد ساخت، کاشکے حیات وفا میکرد کہ از حضور شان استفادہ می کردم از مقدرات خداوندی وفات حضرت خلیل اللہ و تولد حضرت امام در یک سال رخ دادہ است

بہ علماے کرام معلوم است کہ کتاب تتمہ علم عقائد کہ کتاب بسیار نادر و بسیار دقیق است تصنیف علامہ یوسف کوسیج قرہ باغی است مولانا محمد یوسف مذکور از جملہ مخلصین حضرت شیخ خلیل اللہ بودہ و تتمہ را در خانقاہ حضرت شیخ تصنیف فرمودہ بنا بران نام آنرا خانقاہی گذاشتہ اکثر علماء آنرا نہ خواندہ نہ دیدہ اند اما از فضل و مرحمت وہاب حقیقی بندہ بقرائت آن مشرف شدہ ام لطیفہ اینکہ دیگر اینکہ نام پسر مولاناے مذکور یعقوب بودہ بنا براں در مرثیہ پدر خود فرمودہ مصرع

رفت یوسف ز خانۂ یعقوب

حضرت امام میفرماید کہ در ابتداے احوال سلوک بہ مزارات بزرگان می رفتم دران اثنا بہ زیارت شاہ ابوی بخاری سرہندی مشرف شدم فرمودند کہ تو یک نفر مہمان عزیز می باشی نزد ما چیز نیست کہ بخدمت شما تقدیم گردد این قدر ہست کہ تصرف سرہند را بہ من سپردہ بودند آنرا بہ تو بخشیدم۔

این بود نمونۂ از خصوصیات بعض از معارف حضرت امام کہ مشت نمونہ خروار براے علاقمندان عقاید و دوستداران عرفان و تصوف عرض شد و نیز کار احصاے تمام کمالات حضرت امام ربانی درین مقدمہ مختصر گنجایش ندارد۔

خلاصہ تشریح این کتاب مقدس یک انعام بزرگی است از حق سبحانہ تا تمام مسلمانان بمعارف عالیہ آن کتاب مستطاب یک اندازہ آشنا شوند و این تشریح فی الجملہ کہ ما نمودہ ایم نیز از اثر فیض تعلیمات قطب ارشاد وقت خود جناب شیخ الاسلام حضرت نور المشائخ قدس سرہ بودہ است یعنی این کمینہ بحیث تلمیذ آن عارف سبحانی مکتوبات قدسی آیات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ را کہ در ۹ حصہ و در داخل سہ دفتر می باشد کہ دفتر اول آن حاوی ۳۱۳ مکتوب در داخل پنج حصہ بنام در المعرفت، و دفتر دوم آن داراے ۹۹ مکتوب در دو حصہ بنام نور الخلائق، و دفتر سوم آن داراے ۱۲۴ مکتوب در دو حصہ بنام معرفت الحقائق یاد می شود۔ از نزد این شخصیت عالی عرفانی خاندان مجددیہ استفادہ نمودہ ام و در طول زندگی تدریس و تعلیم آن را بطالبان و علاقمندان

آن این مکتب عرفانی بکمال اخلاص و علاقه قلبی شیوهٔ خود قرار دادم و در خلال تدریس این رشتهٔ تصوف سالها باین اندیشه و آرزو بودم تا بتوانم استفاده این مسائل دقیق علمی و تصوفی را که از جناب نور المشائخ علیه الرحمه بدست آورده ام بنام شرح مکتوبات شریف در قید تحریر آورده باستفاده و مطالعه کافه علاقه مندان و برادران دینی عرضه نمایم۔

بالآخره بعد از پنجاه سال تعلیم و تعلم درین سالهای اخیر فرصتی بمن دست داد تا بهمکاری برادر عزیزم حفیظ الله خان سیرت بدخشی تالقانی که در مضامین مکتوبات قدسی آیات آشنا بوده کتابت و ترتیب شرح این کتاب مقدس را به عهده داشت به تحریر و ترتیب آن پرداختیم و در نتیجه بروز دوشنبه ۱۷ شوال سال ۱۳۹۶ ہجری قمری که مطابق به ۱۹ میزان ۱۳۵۵ شمسی است۔

پوشیده نماند که مدیر صاحب مطبوعات آغای خیری نزد در بعض مسودات با ما معاونت زیاده فرموده اند، و درین راه آرزوی دیرینه ام از لطف و مرحمت خداوندی برآورده شد۔ وما توفیقی الا بالله علیه توکلت والیه انیب۔

یارب آن غنچهٔ خندان که سپردی بمنش   می سپارم بتو از کید حسود چمنش

مولوی نصر الله

(مقدمه شرح مکتوبات قدسی آیات از مولوی نصر الله ہوتکی، مطبوعه کراچی)

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

قاضی عالم الدین نقشبندی مجددی

(مکتوبات امام ربانی کا ایک مترجم)

مولانا محمد عالم مختار حق

☆☆

برصغیر پاک وہند میں تصوف کی جن کتابوں کو ان کے اسرار و معارف کے سبب قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا ان میں مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی غالباً سرفہرست ہیں۔ ان مکتوبات کی پذیرائی کا یہ عالم ہے کہ ان کی نقلیں شیخ سرہندی کی حینِ حیات ہی چار دانگ عالم میں پھیل گئی تھیں اور آج بھی ان کی مقبولیت میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء۔ یہ مکاتیب جملہ امور و مسائلِ دینی و دنیوی پر بحث کرتے ہیں۔ حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ان کا تجزیہ اس طرح کرتے ہیں:۔

> مکتوباتِ قدسیہ میں زیادہ تعداد ایسے مکاتیب کی ہے جو مسائلِ شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت پر مشتمل ہیں اور بعض میں مصلحانہ اور مجددانہ انداز میں جادۂ شریعت سے ہٹے ہوئے صوفیہ عظام کی غلط روش اور ان کے ناپسندیدہ افعال پر تنقید کی گئی ہے جن علماء سوٗ کی جاہ پسندی سے اسلام کو جو نقصان عظیم پہنچ رہا تھا اس پر اظہارِ تاسف کیا گیا ہے۔ اکبر بادشاہ اور اس کے ملحد امراء کے کفریہ عقائد کی وجہ سے دینِ مبین پر جو مصیبتیں نازل ہو رہی تھیں ان کے دفعیہ کے لیے امراء، علماء اور صوفیہ کو متوجہ کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کے

میل جول سے مسلمانوں میں قبیح رسوم رائج ہوگئی تھیں ان سے اجتناب اور بدعت کو محو کر کے سنت کو زندہ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔
غیر مقلد شیخ مبارک کے بیٹوں ابوالفضل اور فیضی کے ملحدانہ خیالات اور ناپاک عزائم کے اثراتِ بد، روافض، خوارج، نواصب و دیگر فرقِ باطلہ کے برے عقائد اور مفاسد و مضار کے استیصال کی کوشش کی گئی ہے۔
تفضیلیہ کو اہلِ سنت و جماعت سے خارج بتایا گیا ہے۔ عقائدِ اہلِ سنت پر پختگی سے کاربند رہتے ہوئے حضرات اہلِ بیت، شیخین، ختنین اور جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محبت و احترام کا سبق دیا گیا ہے غرض کہ سیکڑوں مسائلِ شریعت و طریقت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ہر مکتوب کا لبِ لباب یہی ہے کہ اسلام کو زندگی کے ہر شعبہ پر مکمل طور پر نافذ کیا جائے شریعت کو طریقت پر مقدم رکھا جائے جو طریقت مخالفِ شریعت ہے وہ الحاد و زندقہ ہے۔

(مقدمہ از حکیم محمد موسیٰ امرتسری مشمولہ مکتوبات امام ربانی (اردو ترجمہ) مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۰ء)

مکتوبات مجدد الف ثانی کے ادق فارسی زبان میں ہونے کے سبب اردو دان طبقہ اس کے معارف سے استفادہ و استفاضہ کرنے سے یکسر محروم تھا۔ ان کی اس محرومی کے ازالے کے لیے بعض اہلِ علم نے مکتوبات کا اردو میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی مگر اس بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دیا اور ان کے ترجمے ادھورے ہی رہ گئے۔ بعض اصحاب نے مکتوبات کے خلاصے مرتب کیے تاکہ مکروہاتِ دینوی میں جکڑا ہوا طبقہ چند نشستوں میں مکتوبات کے مطالب سے آگاہ ہوسکے۔ ذیل میں ہم ان کوششوں کی تعارفی فہرست پیش کر رہے ہیں۔ اس کے بعد مکتوبات مجدد الف ثانی کے مکمل تراجم کا ذکر خیر ہوگا۔

الف۔ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کے جزوی تراجم باعتبار توقیت

۱۔ الطاف رحمانی (پارۂ اوّل) ترجمہ اردو مکتوبات امام ربانی۔ مترجم: مولوی محمد حسین ابن مولوی قادر بخش ساکن احمد آباد ضلع جہلم، ناشر: مولوی امام الدین تاجر کتب راولپنڈی ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۶ء) پہلے بیس مکتوبات کا ترجمہ (متن فارسی بہ حروفِ جلی اردو ترجمہ بین السطور)

۲۔ مکتوبات امام ربانی مشرح حصہ اوّل مع سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی۔ مولوی عبدالرحیم منشی فاضل۔ مولوی فاضل، اسسٹنٹ ایڈیٹر اخبار وکیل امرتسر، شرکت ادبیہ، امرتسر ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۲ء) پہلے حصہ میں خواجہ باقی باللہ کے نام کے مکتوبات چھوڑ کر اگلے سترہ مکتوبات کا ترجمہ وتشریح۔[۱]

۳۔ گنجینہ انوارِ رحمانی اردو ترجمہ مکتوبات امام ربانی، اسلامی دکان، کشمیری بازار لاہور، (۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء) (ابتدائی چالیس مکتوبات کا اردو ترجمہ)

ب۔ ملخصات مکتوبات امام ربانی

۴۔ تلخیص مکتوبات مشمولہ سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی سرہندی۔ علامہ ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی گورکھپوری۔ ہمدرد کمرشیڈ پریس۔ دہلی ۱۹۲۶ء

۵۔ دُرِّ لاثانی (جلد اوّل)۔ شاہ ہدایت علی نقشبندی مجددی جے پوری (متوفی ۱۷/ جمادی الثانی ۱۳۷۰ھ)۔ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء)

دُرِّ لاثانی (جلد دوم وسوم)۔ انتظامی پریس کانپور۔ ۱۳۵۹ھ (۱۹۴۰ء) (دوران زندان ترتیب دی گئی)[۲]

۶۔ تجلیاتِ ربانی (۳ جلد)۔ نسیم احمد فریدی۔ دارالفرقان لکھنو ۱۳۷۶ھ (۱۹۵۶ء)

۷۔ حضرت مجدد الف ثانی کے (۳۶) سیاسی مکتوبات۔ آبادشاہ پوری، مکتبہ چراغ اسلام۔ اردو بازار لاہور ۱۹۷۷ء (آخر میں اس مقالہ کی ۳۵ شخصیات کے حالات بھی شامل کر دیے گئے ہیں)

ج۔ مکمل تراجم مکتوبات مجدد الف ثانی

۸۔ ''کنز القدیم فی آثار الکریم'' کے مطالعہ سے منکشف ہوا کہ مکتوبات کا سب سے پہلے اردو میں مکمل ترجمہ کرانے کی سعادت جناب قبلہ حافظ محمد عبدالکریم صاحب نقشبندی مجددی کو حاصل ہوئی انہوں نے ایک سرحدی مولوی صاحب سے ترجمہ کرایا اور قاضی محمد حسن صاحب ساکن موضع کالس ضلع جہلم سے جو حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کے خلفاء میں سے تھے اور ایک عالم اجل ہونے کے علاوہ بڑے خوشنویس اور کاتب تھے تینوں دفتر تین ضخیم جلدوں میں بمعہ اصل فارسی اور بین السطور اردو ترجمہ لکھوایا جو مدتِ مدید تک دربارِ عالیہ میں رہے اور موجودہ مکتوبات (ترجمہ قاضی عالم الدین) کے طبع ہونے کے بعد حضرت مجدد

صاحب علیہ الرحمۃ کی اولاد میں سے ایک بزرگوار جو علاقہ یاغستان میں رہتے ہیں ان کو حضرت صاحب نے ہدیۃً عنایت فرمائے۔(ص ۲۹۱)

افسوس کہ مصنف کتاب نے نہ تو مترجم کا نام لکھا اور نہ ہی یاغستانی بزرگوار کی جن کو یہ خطی نسخہ عنایت ہوا تھا نشاندہی کی۔ اگر یہ صورت صیغۂ خفا میں نہ رہتی تو اس ترجمہ کے فنی محاسن سے بھی آگاہی ہو جاتی۔

۹۔ مندرجہ بالا اردو ترجمہ کے بعد حضرت ہی کے ایماء و ارشاد پر قاضی عالم الدین ''فخر خاندان نقشبندیہ مجددیہ'' کو مکتوباتِ مجدد الف ثانی کا دوسرا مکمل ترجمہ (طباعت کے حوالہ سے پہلا مکمل ترجمہ) کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ ترجمہ حضرت صاحب کی زیر نگرانی پایہ تکمیل کو پہنچا۔ مکتوبات ادق فارسی زبان میں ہیں اور اصطلاحاتِ تصوف سے مملو ہیں جن کے حل کے لیے کسی صاحبِ حال بزرگ کا تعاون شامل حال ہونا ضروری تھا اور یہ بحمد اللہ مترجم کو اپنے شیخ کی صورت میں آخر تک حاصل رہا۔ اس حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ مکتوبات کا یہ ترجمہ قارئین کرام کے لئے سہل اور سریع الفہم ہے۔ اس ترجمہ کی اشاعت کی سعادت ملک فضل الدین (اللہ والے کی قومی دکان کشمیری بازار لاہور) کے حصہ میں آئی جسے بار دوم ۱۹۱۳ء میں شائع کیا گیا۔ (طبع اول غیر مؤرخہ ہے) اور تیسری مرتبہ اس ترجمہ کو ملک صاحب کے فرزند ملک چنن دین نے ۱۹۵۷ء میں شائع کیا۔

۱۰۔ مکتوبات کا تیسرا مکمل ترجمہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش کے ہاتھوں انجام کو پہنچا۔ یہ ترجمہ مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی نے ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۲ء کے سہ سالہ عرصہ کے دوران تین جلدوں میں زیور طبع سے آراستہ و پیراستہ کر کے شائع کیا جس کی علمی حلقوں میں خوب پذیرائی ہوئی۔

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کا چوتھا مکمل ترجمہ سید زوار حسین شاہ نے (بہ تعاون پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد عادل) کیا تھا جو ۱۹۸۸ء اور ۱۹۹۳ء کے درمیان چار مبروں میں ادارۂ مجددیہ کراچی نے مفید اشاریوں کے ساتھ شائع کر دیا۔

جہاں تک کراچی والے ترجمہ کا تعلق ہے اس کے لیے نہایت دکھ کے ساتھ یہ تلخ حقیقت قارئین کرام کے علم میں لائی جا رہی ہے کہ قاضی عالم الدین صاحب اور مولانا سعید احمد نقشبندی کے ترجموں کے تقابلی جائزہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ مولانا نقشبندی صاحب کا ترجمہ بعض مقامات پر معمولی ردو بدل کے بعد قاضی صاحب کے ترجمہ ہی کا چربہ ہے۔ سوائے اس کے کہ قاضی صاحب نے مکتوبات کے عربی و فارسی

اشعار کا ترجمہ اردو اشعار میں کیا تھا نقشبندی صاحب نے اردو نثر میں کر دیا۔ بعض مکاتیب میں تو ردوبدل کو بھی گوارا نہیں کیا گیا بلکہ عین غین پورے کے پورے مکاتیب نقطے اور شوشے تک کے فرق کے بغیر نقل کر دیے گئے۔

ایسی صورت حال متقاضی تھی کہ قاضی عالم الدین صاحب کے اردو ترجمہ مکتوبات کو ہر قسم کے غل وغش سے پاک کر کے منقح صورت میں طباعت کے جدید تقاضوں کے مطابق اصل حالت میں بحال کیا جائے۔ اس لئے ضروری تھا کہ

مردے ازغیب بروں آید و کارے بکند

بحمداللہ اس مردغیب کا قرعہ فال کارکنانِ قضاء وقدر نے ادارہ ضیاء القرآن گنج بخش روڈ لاہور کے روح رواں جناب الحاج محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب مدّ ظلہٗ خلف الرشید ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے نام نکال دیا جونہایت آب وتاب سے یہ ترجمہ شائع کر رہے ہیں۔ ہم صاحبزادہ صاحب کی کتاب دوستی اور معارف پروری کے اوصاف کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے اور اس موقع پر ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ ع۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند اہلسنت و جماعت کا یہ عظیم اشاعتی ادارہ ''انقلاب بذریعہ کتاب'' کا فریضہ بہ احسن طریقہ انجام دے رہا ہے، دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ مہتمم ادارہ و دیگر اراکین ادارہ کی مساعیِ جمیلہ کو شرفِ قبولیت سے نوازے، آمین۔

صاحب ترجمہ

ہمارے ممدوح اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مترجم قاضی عالم الدین ولد قاضی غلام مصطفیٰ نے جب اپنے شیخ طریقت حضرت حافظ محمد عبدالکریم رحمہ اللہ کے سوانح حیات بعنوان ''کنز القدیم فی آثار الکریم'' (۱۳۵۵ھ) قلم بند کیے تو اس میں ضمناً اپنے حالات بھی حضرت کے خلیفہ ہونے کے ناطے ''خلفائے عظام'' کے باب میں قلمبند کر دیے۔ یہ ابتدائی حالات وہیں سے اخذ کیے گئے ہیں۔

''بندہ موضع بھڈیار، تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کا رہنے والا ہے۔ حصولِ تعلیم کے لیے لاہور گیا۔ وہاں جس جگہ بندہ پڑھتا تھا وہیں مولوی محمد حسین صاحب پسروری بھی پڑھتے تھے۔ مولوی صاحب موصوف حافظ فتح دین صاحب رنگپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے جو حضرت خواجہ فقیر محمد صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ ان سے ملاقات ہونے پر اس سلسلہ میں داخل ہونے کا شوق دامنگیر ہو گیا۔ نیز اولیاء کرام کے حالات کتابوں میں ملاحظہ کرتے وقت جب حضرت ابوالحسن خرقانیؒ و بہاء الدین نقشبند وعبید اللہ احرار ومجدد صاحب وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے حالات پڑھتا تو طبیعت میں ایک کشش اور محبت پیدا ہو جاتی۔ جب مولوی صاحب کے پاس شجرہ خواجگان رحمۃ اللہ علیہ دیکھا تو پھر خوشی کی انتہا نہ رہی کہ ہر سہ بزرگوار اسی سلسلہ کے بزرگواروں میں سے ہیں۔ غرض تعلیم سے فارغ ہو کر مولوی صاحب پسرور نوکر ہو گئے اور بندہ کا آب ودانہ بصیغہ ملازمت گوجرانوالہ لے آیا۔ مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ جب حضرت خواجہ فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پسرور تشریف لاویں تو بندہ کو اطلاع دیں تا کہ بندہ شرفِ زیارت وبیعت سے مشرف ہو سکے۔ تھوڑے عرصے کے بعد مولوی صاحب کا خط آیا کہ جناب قبلہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سیالکوٹ رونق افروز ہیں۔ ایک دو دن تک ان شاء اللہ پسرور آ جائیں گے تم رخصت لے کر آ جاؤ۔ خط پڑھ کر دل نہایت خوش ہوا۔ دوسرے دن رخصت کے واسطے بندوبست کر ہی رہا تھا کہ مولوی صاحب کا خط آ گیا کہ جناب قبلہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سیالکوٹ ہی سے واپس تشریف لے گئے ہیں، اس لیے اب نہ آویں۔ بندہ کی وہ سب خوشی غم ورنج میں بدل گئی اور اس سے بڑھ کر زیادہ صدمہ لاحق ہوا۔ جبکہ آٹھ دس روز کے بعد مولوی صاحب کا خط آ گیا کہ جناب خواجہ فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو چکا ہے اس صدمۂ جانکاہ سے اپنی بدقسمتی پر روتا تھا اور اپنی ناکامی پر ماتم کرتا تھا۔ اسی سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں ایک دن پھرتا ہوا بازار میں آ نکلا۔ وہاں ایک کتب فروش کی دکان پر بابو کرم الدین صاحب مرحوم ومغفور بیٹھے ہوئے تھے۔ بندہ کے واقف نہیں تھے اور نہ ہی بندہ ان کو جانتا تھا مگر وہ دکاندار ہم شہری ہونے کے باعث ان سے واقف تھا اور بندہ کا بھی واقف تھا۔ بندہ بھی اس کے پاس بیٹھ گیا۔ سلسلہ گفتگو چلتے چلتے حضرت بابو صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ سخن حضرت خواجہ فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا تو بابو صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس قدر زار زار رونے لگے کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ چونکہ بندہ کو بھی حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ ان سے دریافت کیا کہ یہ بزرگ آپ کے کیا لگتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ میرے پیرومرشد ہیں۔ پھر بندہ نے اپنا سارا قصہ سنایا اور عرض کیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ ان کے کسی خلیفہ صاحب یا فرزند ارجمند کا پتا دیں جن کے غلاموں میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہو جاوے۔ بابو صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا کہ راولپنڈی

شریف میں جناب حافظ جی صاحب ان کے کامل و مکمل خلیفہ موجود ہیں، ان سے رابطہ پیدا کرو۔ چنانچہ بندہ نے بھی اور حضرت بابو صاحب نے بھی بندہ کی طرف سے پے در پے نیاز نامے لکھے۔ جن کا جواب یہی آتا رہا کہ جب کبھی بارادہ سفر گوجرانوالہ آنے کا اتفاق ہوا تو دیکھا جاوے گا۔ غرض جب حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ گوجرانوالہ تشریف لائے تو بابو صاحب نے بندہ کو اطلاع کر دی۔ بابو صاحب خود لالہ موسیٰ سے گوجرانوالہ آ گئے۔ ان دنوں صرف بابو صاحب کے گھر کے چند آدمی بیعت تھے، انہی کے مکان پر قیام تھا۔ بندہ عصر کے وقت حاضر خدمت ہو گیا۔ شام کی نماز کے لیے جناب حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ قبرستان کی مسجد میں تشریف لے گئے۔ نماز کے بعد بابو صاحب نے عرض کیا کہ جناب قاضی صاحب حاضر ہیں اور بیعت ہونا چاہتے ہیں۔ قبلہ عالم نے فرمایا کہ پڑھے لکھے مولوی آزمائش اور امتحان کے لیے آتے ہیں۔ خالص نیت سے نہیں آتے بندہ نے عرض کیا۔ کہ حضورِ عالی! بندہ محض خالصاً لوجہ اللہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا ہے کسی دنیاوی غرض کے لیے نہیں آیا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس بات سے بہت خوش ہوئے اور پھر بندہ کو بیعت فرمایا اور بہت شفقت و عنایت فرمائی اور فرماتے رہے۔''

آثار الکریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی عالم الدین صاحب حضرت حافظ عبدالکریم کے چہیتے خلفاء میں سے تھے۔ سفر و حضر میں اکثر آپ کے مشایعت میں رہتے اور آپ کی خدمت اور کفش برداری کو اپنے لیے باعثِ افتخار سمجھتے۔ ایسے اسفار کی نشاندہی جن میں آپ حضرت کے ہمرکاب رہے آثار الکریم میں جستہ جستہ مقامات پر کی گئی ہے۔ حضرت اکثر اسفار اولیائے کرام اور مشائخ عظام کے مزارات کی زیارت کے لیے اختیار فرماتے۔ قبلۂ عالم جن مزارات پر تشریف لے جاتے وہاں متوجہ بروح پر فتوح ہو کر برکات و افاضات بے غایات سے مشرف و معزز فرمائے جاتے۔ ساتھ کے ساتھ آپ کے یہ خادم خاص بھی ان نوازشات سے حظِ وافر پاتے' اولیائے کرام کی روحانیت سے استفاضہ فرماتے۔ ایسے اسفار کی روداد انہوں نے آثار الکریم میں بڑے دلچسپ پیرائے میں قلمبند کی ہے اور ان مردانِ پاک کی حضوری میں جو نوازشیں اور عنایتیں ہوئیں ان کا برملا اظہار بطور تحدیثِ نعمت کیا ہے۔ چنانچہ حضرت کے ساتھ سفر اجمیر شریف میں انہیں خواجۂ خواجگان حضرت معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہِ عالیہ سے دستارِ فضیلت عطا ہوئی اسی طرح سرہند شریف کے سفرِ مقدس میں بھی غالباً دو مرتبہ حضرت کا ساتھ نصیب ہوا۔ ایک مرتبہ تو حضرت مجدد الف ثانی کے مزار کی زیارت کے وقت عالمِ بے خودی میں دیگر عجائبات کے

علاوہ آنحضرت ﷺ کے روضۂ مبارک کی زیارت نصیب ہوئی جب کہ دوسری مرتبہ کے سفرِ سرہند شریف میں خواجہ محمد معصوم (فرزند حضرت مجدد الف ثانی) کی عالم رؤیا میں زیارت نصیب ہوئی تو خواجہ محمد معصوم نے حضرت مجدد الف ثانی کے وضو کرنے کا طریقہ آپ کو تعلیم فرمایا۔

آثار الکریم میں اپنے پیرو مرشد کے حالات قلمبند کرنے کے ضمن میں وہ اپنی خدمات کا ذکر بھی نہایت عجز وانکسار کے پیرایہ میں کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب انہوں نے مکتوبات مجدد الف ثانی کا اردو میں ترجمہ کیا تو اس کا سہرا بھی حضرت کے سر باندھا۔ ان کے اظہار عجز کے انداز سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ مکتوبات کے مترجم ان کے شیخ طریقت ہیں نہ کہ خود قاضی عالم الدین صاحب۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

> مترجم اگرچہ راقم الحروف کو ٹھہرایا گیا ہے مگر من آنم کہ من دانم۔ یہ تمام جناب حضرت کی نظر کیمیا اثر کا نتیجہ ہے۔ بعض مقامات ایسے تھے کہ جن کا سمجھنا سوائے صاحب حال کے محال تھا۔ جناب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زیر نگرانی اس مسکین سے یہ کام کرایا اور جیسا چاہا لکھوایا۔ الامر فوق الادب کے مطابق جو ارشاد ہوا بندۂ مسکین بجالایا۔ (ص ۲۹۳ آثار الکریم)

ترجمہ اردو کی تکمیل پر حضرت صاحب نے قاضی صاحب کو "فخرِ خاندان نقشبندیہ مجددیہ" کے لقب دلپذیر سے نوازا۔

شاعری

آثار الکریم اور اردو ترجمہ مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کو شاعری سے بھی خاصا لگاؤ تھا۔ فارسی، اردو اور پنجابی تینوں زبانوں میں مشقِ سخن کرتے رہے، مسکین تخلص کرتے تھے۔ آثار الکریم کی ابتداء اپنے شیخ طریقت حاجی حافظ محمد عبدالکریم کی منقبت سے کی ہے جس کا مقطع اس طرح ہے:

اسم دارد با مسمیٰ اے فہیم
ہست محبوبِ خدا عبدالکریم

جب کہ کتاب کا اختتام مناجات بہ درگاہِ قاضی الحاجات پر کیا ہے۔اس مناجات کے آخری دو اشعار ملاحظہ ہوں:

گرچہ یہ مسکین ہے بڑھ کر برا
تیرا ہی بندہ ہے در پر آگرا
کر مجھے تو رد یا مجھ کو قبول
ہے مرا ہاتھ اور دامانِ رسول

فنِ تاریخ گوئی پر بھی انہیں دسترس حاصل تھی۔ چنانچہ جب ان کے شیخ طریقت کا مورخہ ۲۸ر صفر المظفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۹۳۶ء کو انتقالِ پُر ملال ہوا تو انہوں نے فی البدیہہ یہ قطعہ سنہ وصال تصنیف فرمایا:

حافظ عبدالکریم باکمال و بے مثال
کرد رحلت سوئے جنت چوں بحکمِ ذوالجلال
بندۂ مسکین عاجز گفت از رنج و ملال
"قطبِ عالم کعبۂ کونین" تاریخِ وصال
۱۳۵۵ھ

مکتوبات مجدد الف ثانی میں جہاں جہاں فارسی یا عربی اشعار استعمال ہوئے ہیں قاضی صاحب نے ان اشعار کا ترجمہ ہم وزن اردو اشعار میں کر کے اپنی فنی چابکدستی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

تصانیف

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کے اردو ترجمہ کے علاوہ انہوں نے اپنے شیخ طریقت حضرت حافظ، حاجی محمد عبدالکریم نقشبندی مجددی کی سوانح عمری بعنوان "کنز القدیم فی آثار الکریم" تصنیف فرمائی جو حمایت اسلام پریس لاہور سے ۱۹۳۷ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ علم تصوف میں بھی انہوں نے ایک کتاب فیض الکریم تصنیف کی جسے آستانۂ عالیہ عیدگاہ شریف راولپنڈی نے ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۶ء میں بادِ دگر شائع کیا۔ قاضی صاحب کی دونوں کتابیں کنز القدیم اور فیض الکریم "مجموعہ گلزار حافظ عبدالکریم" میں بھی شریک اشاعت ہیں یہ

مجموعہ دربار عالیہ محمدیہ نقشبندیہ عیدگاہ شریف راولپنڈی نے بعد تاریخ شائع کیا ہے۔

پنجابی میں چرخہ اورسی حرفی بھی آپ سے یادگار ہیں۔ قاضی صاحب سہسالہ طویل علالت کے بعد مورخہ ۳۱ رجولائی ۱۹۴۲ء کو نمازِ تہجد ادا کرنے کی حالت میں اپنے معبود حقیقی سے جا ملے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور آپ کو گوجرانوالہ کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا[۳]۔

رہے نام اللہ کا۔ وماتوفیقی الا باللہ

☆......☆......☆

حواشی

۱...... سیرت مجدد الف ثانی از پروفیسر محمد مسعود احمد۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۸۳ء میں ''اردو ترجمہ'' کے تحت ایک ہی شخصیت مولوی عبدالرحیم کو شمارہ نمبر۲ و نمبر۶ کے تحت سہو قلم سے الگ الگ ظاہر کیا گیا ہے۔

۲......اس ایڈیشن کے بعد تلخیص ہذا مندرجہ ذیل اداروں کی طرف سے بھی شائع کی گئی:۔

ا۔حکیم محمود علی (خلیفہ شاہ ہدایت علی نقشبندی مجددی) کراچی ۱۹۶۳ء

ب۔مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور ۱۳۹۶ھ (۱۹۷۲ء)

ج۔ایچ ایم سعید کمپنی۔ادب منزل کراچی ۱۴۰۰ھ

۳۔ (ماخوذ از مکتوبات امام ربانی، جلد اول، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۰ء، ص ا تا ی) (صاحبِ مضمون کی نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا مرتبین)۔

☆......☆......☆
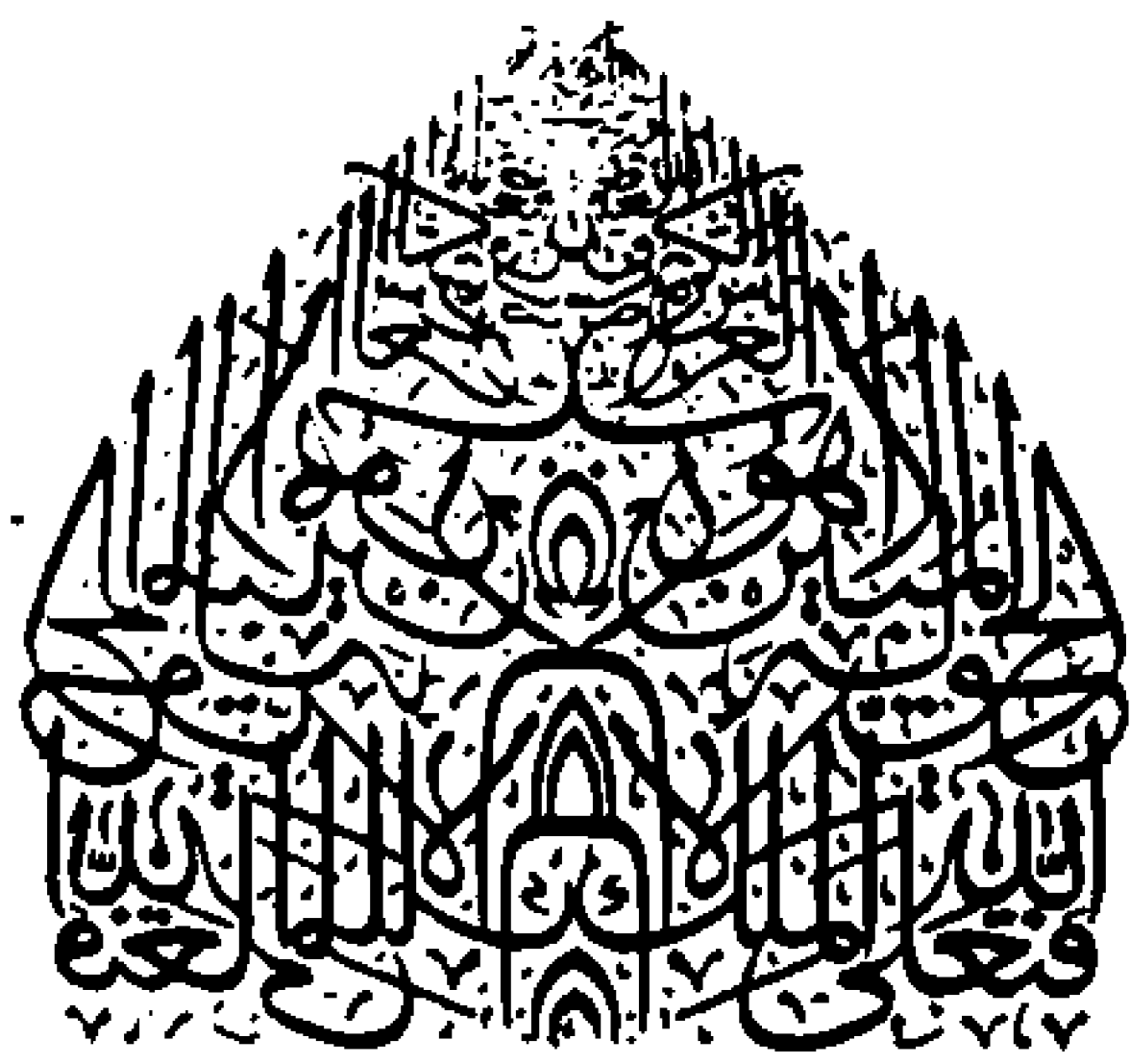
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشورِ دوم

اعلیٰ ہیں حقائق تو معارف بھی ہیں بالا
ایسا کوئی نکلا نہ حقیقت کا خبردار

(تاجؔ)

مکتوب چہل و ہفتم (۴۷)

بسلطانِ وقت مدّ ظلّہٗ در اسرارِ دعا و مذمّتِ علما و صلحا کمترین دعا گویان احمد بعرض باریافتگانِ معلّی درگاہ و خادمانِ والا بارگاہ میرساند و اظہارِ شکستگی و نیازمندی مینماید و شکرِ نعمتِ امن و امانے کہ بدولت و اقبالِ بندگان شاملِ حالِ عوام و خواص ست بجا می آرد و در اوقاتِ رجا و اوانِ مظنّہ اجابتِ دعا و زمانِ اجتماعِ فقرا فتح و نصرتِ عسکرِ ظفر قرین میخواہد زیرا کہ شعر ہر کسے را بہر کارے ساختند + کہ عبث در کار خانہ خداوندی ممنوع ست کار یکہ بلشکرِ غزا و جہاد مربوط ساختہ اند تقویت و تائید پایہ دولتِ قاہرہ سلطنت ست کہ ترویج شریعتِ غرّا منوط بآن ست کہ اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّیْفِ گفتہ اند و ہمین کار جلیل الاعتبار نیز مربوط بلشکرِ دعا ست کہ از اربابِ فقر و اصحابِ بلا اند چہ فتح و نصرت دو قسم ست قسمے ست کہ آنرا مربوط باسباب ساختہ اند و آن صورتِ فتح و نصرت ست کہ تعلّق بلشکرِ غزا دارد و قسم دیگر حقیقتِ فتح و نصرت ست کہ از نزدِ مسبّب الاسباب ست و کریمہ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ اشارت بآن ست تعلّق بلشکرِ دعا دارد و بس لشکرِ دعا بواسطہ ذلّ و انکسارِ خود از لشکرِ غزا سبقت نمودہ و از سبب بمسبّب والت فرمودہ چہ رندِ شکستگان ازین میدان گوی میرباید ایضًا دعا ردِ قضا مینماید چنانچہ مخبرِ صادق فرمودہ علیہ و علی آلہ الصّلوٰۃ والسّلام لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ و سیف و جہاد این قدرت ندارد کہ ردِ قضا نماید پس لشکرِ دعا باوجودِ ضعف و شکستگی بقوت تر آمد از لشکرِ غزا و نیز لشکرِ دعا ہمچون روح ست مر لشکرِ غزا را و لشکرِ غزا قالب ست مر او را پس لشکرِ غزا را از لشکرِ دعا چارہ نبود کہ قالبِ بے روح قلیل تائید و نصرت نباشد ازینجاست کہ گفتہ اند کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِیْكِ الْمُہَاجِرِیْنَ یعنی پیغمبرِ خدا طلبِ فتح و نصرت میفرمود بتوسّلِ فقرا مہاجرین باوجودِ لشکرِ غزا و جہاد پیلائے محاربان پس فقرا کہ لشکرِ دعا اند باوجودِ خواری و زاری و بے اعتباری کہ اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْہِ فِی الدَّارَیْنِ گفتہ اند روزگار بکار مے آیند و باین بے اعتباری اعتبار پیدا میکنند و از ہمگنان و ہمکاران پیش قدم میگردند مخبرِ صادق فرمودہ علیہ من الصّلوات اتمّہا کہ فردائے قیامت خونِ شہدا را با سیاہیِ علما وزن کنند پلہ آن سیاہی راجح آید سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ این سیاہی این سیاہ روئی باعثِ عزت و سرخروئی ایشان گشت و پایہ ایشان را از حضیض باوج رسانید شعر بتاریکی درون آبِ حیاتست + شاعرے گوید شعر غلام خویشتنم خواند ماہ رخسارے + سیاہ روئی من کرد عاقبت کارے + ہر چند این کمترین شایانِ آن نیست کہ خود را معدود لشکرِ دعا داخل سازد لیکن بمجرد اسمِ فقر و احتمالِ اجابتِ دعا خود را از دعائے دولتِ قاہرہ فارغ نمیدارد و بلسانِ حال مع قال بدعا و فاتحہ سلامت رطب اللسان میباشد رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

مکتوب شریف بنام جہانگیر بادشاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

زبدۃ المقامات اور حضرات القدس کا تقابلی مطالعہ

پروفیسر سید خورشید حسین بخاری

☆☆

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی حیاتِ مبارکہ اور تجدیدی کارناموں پر اب تک بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جارہا ہے۔ لیکن اس ضمن میں دو کتابوں یعنی مولانا محمد ہاشم کشمی کی ''زبدۃ المقامات'' اور مولانا بدرالدین سرہندی کی ''حضرات القدس'' کو شہرت، حُرمت اور ثقاہت کا جو درجہ حاصل ہے وہ ان تصانیف کے بعد لکھی جانے والی کتب کے حصے میں شاید ہی کسی اور کو نصیب ہوا ہو۔ یہ دونوں کتابیں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی زندگی میں ہی لکھی گئیں اور ان میں وہ جملہ معلومات درج کردی گئی ہیں جو ممکن حد تک دستیاب تھیں۔ اس طرح ان دونوں کتابوں کو بنیادی اور ثقہ مآخذ کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ گویا یہ دو چراغ ہیں، جن سے بعد میں حضرت مجدد الف ثانی کے تذکرہ نویسوں نے روشنی حاصل کی۔ مگر ان کی اپنی روشنی میں کوئی فرق نہ آیا اور اسطرح ان چراغوں سے بہت سے دوسرے چراغ روشن ہوتے چلے گئے۔

زبدۃ المقامات اور حضرات القدس کے مصنفین کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا جلوت وخلوت میں انیس وجلیس اور بعد میں خلیفہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ چنانچہ انہوں نے جو کچھ مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اور آپ کی اولاد وخلفاء کے بارے میں لکھا، وہ عینی شاہد اور محرم راز کی حیثیت سے لکھا۔ اس لیے ان کی فراہم کردہ معلومات وقیع اور قابل اعتبار ولائق استناد ہیں۔

زُبدۃُ المقامات:

خواجہ محمد ہاشم کشمی بن محمد قاسم البنغالی البدخشانی[۱] (م ۱۰۵۴ھ) کے نام حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے تیرہ مکتوبات (دفتر اول: ۲۹۰، ۳۱۰، ۳۱۳، دفتر دوم ۷۴، ۹۳، ۹۷ اور دفتر سوم ۴۲، ۵۲، ۶۸، ۷۵، ۹۰، ۹۲، ۹۶)

ہیں۔ انہیں یہ شرف بھی حاصل ہے کہ انہوں نے ۱۰۳۱ھ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات کی تیسری جلد بھی مرتب کی تھی۔ جس کا تاریخی نام ''معرفت الحقائق'' ہے اور جس میں ایک سو چوبیس مکتوبات ہیں علاوہ ازیں مولانا محمد ہاشم کشمی نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بعض ایسے مسودات کا مجموعہ جو بعض (خلفاء) حضرات نے محفوظ کر لیے تھے اور اگر چہ اس کے بعض مضامین حضرت کے مکتوبات شریفہ اور رسائل انیقہ میں آ چکے تھے لیکن آپ نے بہ تمام وکمال ان کو مرتب فرما کر اس کا نام ''مکاشفات عینیہ'' رکھا۔ جس کی آغازِ ترتیب کا سال ۱۰۵۱ھ ہے اور مکاشفاتِ عینیہ مجددیہ سے تاریخی سال ۱۰۵۳ھ تکمیل کا سال ظاہر ہوتا ہے۔ آپ حضرت خواجہ میر محمد نعمان کے داماد بھی تھے اور مرید بھی اور کشم علاقۂ بدخشاں سے آنے کے بعد آپ انہی کے ساتھ سہارنپور میں رہائش پذیر تھے اور سلسلۂ نقشبندیہ کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ۱۰۳۱ھ میں حضرت مجدد الف ثانی نے خود آپ کو اپنے پاس بلا لیا تھا، اور خواجہ میر محمد نعمان کو لکھا تھا کہ:

> اگر چاہیں تو خواجہ محمد ہاشم کو بھیج دیں۔ تا کہ چند روز صحبت میں رہے اور بعض علوم ومعارف اخذ کرے۔ کیونکہ جوان قابل نظر آتا ہے اور آپ سے صحبت یافتہ ہے اور آپ کے مذاق کو بھی جانتا ہے[۲]۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ساتھ آپ کا تعلق اور سلسلۂ خط وکتابت خواجہ میر محمد نعمان کی خدمت کے دورانِ قیام کی ابتدا میں ہی قائم ہو گیا تھا۔ مکتوبات امام ربانی کے دفتر اول کے پہلے تین مکتوب اس بات کی شہادت دیتے ہیں اور یہ دفتر ۱۰۲۵ھ میں مکمل ہو چکا تھا۔ ۱۰۳۱ھ میں سرہند شریف آ جانے کے بعد آپ دو سال تک سفر وحضر میں حضرت مجدد الف ثانی کے دامنِ فتراک سے وابستہ رہے اور اس قلیل عرصے میں جو فوائدِ کثیرہ حاصل ہوئے۔ الفاظ میں بیان نہیں کیے جا سکتے[۳]۔

زبدۃ المقامات کی وجہ تصنیف کے بارے میں مصنف کا بیان ہے کہ آپ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی مخدوم زادوں کی فرمائش پر ان معارف وفوائد کو لکھنا شروع کر دیا تھا جن کو جلوت وخلوت میں حضرت اقدس کی زبانِ گوہر بار سے سنا تھا۔ نیز حضرت اور حضرت کے پیر ومرشد کے عادات واطوار، انوار وبرکات اور خوارق وکرامات لکھنے کا ارادہ کیا۔ ابھی چند ورق ہی لکھے تھے کہ حضرت کا وصال ہو گیا وصال مرشد کے بعد اس کام کی طرف توجہ زیادہ ہو گئی۔ کیونکہ دلِ مہجور کو تسلی دینے کے لیے اس سے بہتر اور کیا مشغلہ ہو سکتا تھا۔ کہ اپنے پیر باکمال کے اقوال واحوال کو لکھیں اور گزری ہوئی صحبتوں کو یاد

کر کے قلب وروح کو یک گونہ تسکین دیتے رہیں۔ چنانچہ حضرت کے پیرومرشد، خلفاء اور صاحبزادگان وغیرہ کے حالات میں نہایت جامع اور مستند مجموعہ لکھا۔ جس کا نام ''برکات الاحمدیہ الباقیہ'' رکھا اور تاریخی نام ''زبدۃ المقامات'' ۱۰۳۷ھ قرار پایا[۴]۔

اگرچہ یہ کتاب ۱۰۳۷ھ میں لکھی گئی لیکن اس میں اس کے بعد بھی ترمیم ہوتی رہی۔ مثلاً خواجہ حسام الدین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

اب ۱۰۴۰ھ ہے اور آپ کی عمر شریف ساٹھ سال کو پہنچی ہے[۵]۔

مصنف نے کتاب کو دو مقاصد میں تقسیم کیا ہے اور پھر ہر مقصد کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے مقصد اول حضرت خواجہ باقی باللہ کے احوال پر مشتمل ہے۔ اور مقصد دوم میں حضرت مجدد الف ثانی کے آباؤاجداد، صاحبزادگان اور خلفاء کا بیان ہے۔ پہلے مقصد میں چار فصل ہیں اور دوسرے میں گیارہ، ہر فصل کا موضوع بالکل جدا ہے۔ کتاب کی ترتیب کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مقصدِ اول: در بیان، احوال پیر بزرگوار حضرت ایشاں اعنی خواجہ عالی شان، سراج العارفین، خواجہ محمد الباقی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز وفرزندان وخلفائی آن حضرت واین مقصد مشتمل است بر چہار فصل۔

فصل اول: در بیان احوالِ ہدایت ونہایت آنحضرت تا ایّام سکونت ایشاں بہ فیروز آباد دہلی وتوجہ ایشاں بارشاد ہدایت طالبان معنوی۔

فصل دوم: در بیان مجملاتِ احوال شریفہ آن حضرت از خشوع وافتقار وتصرفات واضافات وتحمل وتفرید وتبتل وغیر ہامن الصفات الملکیہ والاطوار الطرفیہ بابیان قضیہ انتقال ایشاں ازیں دار الملال۔

فصل سوم: در کلماتِ لطیفہ وانفاس شریفہ ایشاں۔

فصل چہارم: در ذکر احوال فرزندان وخلفائی حضرت خواجہ قدس اللہ سرہٗ العالی

مقصد دوم: کہ علت غائی بر تالیف این کتاب این مقصد، بودہ واین مشتمل است بر یازدہ فصل کہ ''رایت احد عشر کوکب'' وصف حال آنست۔

فصل اول: در بیان احوال بعض اجداد کبار حضرت ایشاں و والد بزرگوار ایشاں رحمہم اللہ

فصل دوم: در بیان ولادت صوری حضرت ایشاں قدس اللہ سرہٗ الاقدس وہدایت حال آن حضرت از تحصیل علوم دینی واستقامات یقینی از پدر بزرگوار خود رحمہم اللہ وغیرہ تاذکر وصول ایشاں بشرف صحبتِ خواجہ عالی شان طاب ثراہ۔

فصل سوم: در بیان وصول حضرت ایشاں بشرف صحبتِ پیر بزرگوار ایشان خواجہ باقی باللہ رحمہما اللہ وازیمن تربیت وانظارِ آن قدوۃ الاخیار بذروۂ کمال واکمال رسیدن۔

فصل چہارم: در ایراد بعض عرائض حضرت ایشان بعضی فقرات، ماخوذ بعضی آن عرائض۔

فصل پنجم: در بیان آن معاملاتِ بزرگ ومراتب شگرف کہ حضرت حق سبحانی وتعالیٰ ایشان را بمحض فضل وکرم بآن اختصاص بخشیدہ۔

فصل ششم: در بیان عبادات وعادات یومیہ ولیلیہٗ آن حضرت برطبقِ عزیمت وغایۃ اتباعِ سنت باندکی از شرح بعض عقاید شریفہٗ ایشان۔

فصل ہفتم: در بیان مدحت علومعارف ایشان۔

فصل ہشتم: در بیان بعض خوارق حضرت ایشان قدس اللہ سرہٗ الاقدس۔

فصل نہم: در بیان انتقال حضرت ایشان ازیں جہان بفرادیس الجنان۔

فصل دہم: در ذکر احوال حضرات مخدوم زادہائی کبار۔

فصل یازدہم: در بیان احوال خلفاے حضرت ایشان ودیگر یارانِ صاحب دل آن قدوۂ صفا کیشان۔

زبدۃ المقامات کے قلمی نسخے خانقاہِ کندیاں شریف (پنجاب) خانقاہ موسیٰ زئی شریف۔ مولانا ہاشم جان مجددی ٹنڈو سائیں داد (سندھ) اور مُرادمُلّا (استنبول، ترکی) کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

زبدۃ المقامات کو پہلی مرتبہ جنوری ۱۸۹۰ء میں منشی نولکشور نے کانپور سے طبع کر کے شائع کرایا۔ پاکستان میں مقبول اکیڈمی لاہور نے محکمہ اوقاف مغربی پاکستان کی اعانت سے بھی اس کتاب کو شائع کیا، لیکن طباعت وکتابت کے لحاظ سے اس کا معیار نہایت ہی پست تھا۔ ۱۳۹۷ھ (۱۹۷۷ء) میں ترکی سے حسین حلمی بن سعید استانبولی نے نولکشور ایڈیشن کو فوٹو آفسٹ پر دوبارہ طبع کرا کے شائع کیا۔ البتہ اس کا نسخہ

مُرادمُلا سے موازنہ کر کے اختلافِ عبارت کو کتاب کے آخر میں شامل کر دیا ہے اور اس کی نشاندہی متعلقہ صفحات پر بھی کر دی ہے۔اس طرح یہ کہ ایک گراں قدر ایڈیشن بن گیا ہے۔

زبدۃ المقامات میں حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے خلفا کے علاوہ حضرت خواجہ باقی باللہ اور ان کے خلفاء کے بارے میں بھی مفید معلومات ملتی ہیں۔اس طرح یہ کتاب ان حضرات کے بارے میں پہلی کتاب ہے۔جس میں ان حضرات سے متعلق جملہ معلومات یکجا کر دی گئی ہے۔ بعد میں آنے والے تمام مولفین نے ان حضرات کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ زبدۃ المقامات کی ہی خوشہ چینی ہے۔مصنف نے اپنی کتاب میں ان تمام فوائد کو جمع کیا ہے۔جو مکتوبات امام ربانی میں نہیں آسکتے تھے[۶]۔

اس کتاب میں مصنف کے پیر بھائیوں کے متعلق بھی نہایت مفید معلومات ملتی ہیں، جو اس دور کے کسی دوسرے تذکرے میں نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً محمد صدیق کشمی کے بارے میں لکھا ہے کہ انہیں حضرت مجدد الف ثانی کے علوم و معارف کے بارے میں مکمل معلومات حاصل تھیں۔عمدہ شعر کہتے تھے اور انہوں نے حق الیقین کے موضوع شیشہ کر ماچین کے پردے میں مثنوی مولانا روم کے انداز پر ایک سنجیدہ مثنوی لکھی تھی۔اس کے علاوہ خسرو شیریں کے وزن پر بھی ایک مثنوی لکھی تھی۔مصنف نے موخرالذکر مثنوی کے چند اشعار بطور نمونہ کتاب میں درج بھی کیے ہیں[۷]۔

مصنف نے حضرت خواجہ باقی باللہ کے حالات کے سلسلے میں معلومات بڑی جستجو اور تلاش کے بعد فراہم کیں۔اس سلسلے میں وہ حضرت خواجہ کے خلفاء اور متوسلین سے ملے۔ کیونکہ حضرت خواجہ آپ کے ہندوستان آنے سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔آپ کے پاس حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے خواجہ کلاں حضرت عبیداللہ کے مکتوبات بھی کافی تعداد میں تھے۔یہ مکتوبات نہایت فصیح و بلیغ تھے اور ان میں سے بیشتر پر مکتوب نویس کے اپنے دستخط ثبت تھے[۸]۔

مصنف نے خواجہ کلاں کے ایک مکتوب کی نقل بھی درج کی ہے۔جو عربی زبان میں ہے[۹] اسی طرح مصنف نے خواجہ خرد کے دو مکتوبات بھی کتاب میں محفوظ کر لیے ہیں[۱۰]۔حضرات القدس کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ مصنف نے حضرت مجدد الف ثانی کی نامکمل شرح عوارف المعارف دیکھی تھی۔اور ان کی ایک بیاض خاص بھی ملاحظہ کی تھی[۱۱]۔اسی طرح مصنف کی نظر سے خواجہ محمد سعید کی تعلیقات مشکوٰۃ المصابیح بھی گزری تھی۔جس میں ایسی احادیث کی تحقیق ہے جو فقہ حنفی کا ماخذ ہیں[۱۲]۔مصنف نے حضرت خواجہ محمد معصوم

کی ایک بیاض خاص ''چراغ ہفت محفل خواجہ محمد معصوم'' کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ جو ایسے اسرار و رموز پر مبنی ہے۔ جو حضرت خواجہ محمد معصوم نے حضرت مجدد الف ثانی سے خلوتوں میں سنے تھے[۱۳]۔ مصنف یہ بھی بتاتا ہے کہ شیخ تاج الدین سنبھلی نے سلسلۂ نقشبندیہ کو ملک حجاز میں پھیلانے میں بہت جدوجہد کی اور اس غرض سے بنفسِ نفیس حجاز مقدس گئے[۱۴] اور بصرہ کا حاکم آپ کے مخلصین میں داخل ہوا [۱۵]۔ حجاز میں شیخ محمد علاّن جو اعیان و اکابر حرم میں سے تھے۔ آپ کے مرید ہوئے۔ انہوں نے ''رشحات عین الحیات'' کا ترجمہ عربی زبان میں کیا۔ جسے پڑھ کر بہت سے لوگ نقشبندیہ سلسلے میں داخل ہوگئے[۱۶]۔

زبدۃ المقامات میں ایسی بہت سی کتب کا تذکرہ بھی آیا ہے جو اس زمانے میں تو دستیاب تھیں۔ لیکن آج وہ بالکل ناپید ہیں۔ زبدۃ المقامات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر بادشاہ نے حضرت مجدد الف ثانی کو اپنے ساتھ لشکر میں رکھا ہوا تھا[۱۷]۔

زبدۃ المقامات کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے فیضی کے سامنے تفسیر بے نقطہ کا ایک صفحہ لکھ کر حیران کر دیا تھا[۱۸]۔

خواجہ حسام الدین کے خیال کے مطابق اس دور میں درویش و فقراء کی قدر و منزلت میں کمی اس لیے واقع ہوگئی تھی کہ وہ زمانۂ ماضی کے درویشوں کے جیسے خصائل و عادات کے حامل نہ رہے تھے[۱۹]۔

دوسری طرف حضرت خواجہ باقی باللہ کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ لاہور شہر میں سخت قحط پڑ گیا۔ اس زمانے میں آپ لاہور میں تشریف رکھتے تھے۔ کئی روز تک آپ نے کھانا نہیں کھایا۔ جب آپ کے سامنے کھانا لایا جاتا تو فرماتے۔ انصاف سے بعید ہے کہ کوئی بھوکا پیاسا گلی کوچوں میں جان دے دے اور ہم کھانا کھائیں۔ جس قدر کھانا ہوتا آپ سارے کا سارا بھوکوں کو بھجوا دیتے[۲۰]۔

اس کتاب سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ حضرت مجدد الف ثانی کے روحانی کمالات اور ترقیٔ مقامات سلوک کی بے حد تعریف فرمایا کرتے تھے[۲۱]۔ مصنف نے اُن تمام واقعات کو بیان کیا ہے۔ جن کا تعلق حضرت مجدد الف ثانی کی حیاتِ مبارکہ سے تھا اور جو خود مصنف نے دیکھے تھے یا سنے تھے اور اس ضمن میں داخلی شہادتوں سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اور جہاں بعض وجوہ کی بنا پر خود موجود نہ تھے۔ یا حاضر نہ ہو سکے وہاں کے واقعات کے لیے بھی مستند اور ثقہ مصنف کا سہارا لیا ہے۔ مثلاً حضرت مجدد الف ثانی کے وصال سے سات ماہ قبل مصنف حضرت مجدد الف ثانی سے رخصت ہو کر برہانپور چلے آئے۔ حضرت

مجدد الف ثانی کی حیاتِ مبارکہ کے ان سات مہینوں کی تفصیل آپ نے شیخ بدرالدین سرہندی کے حوالے سے لکھی۔

اواخر ماہ رجب سنہ ہزار وسی وسہ بود کہ بندہ مرخص گشت از ان ایام تا زمان انتقال حضرت ایشان کہ مدت ہفت ماہ باشد شیخ بدرالدین سرہندی از قبولانِ حضرتِ ایشان بتائید وتقریر حضرات مخدوم زاد ہائی شان سلمہم اللہ سوانح این شہور سبعہ را رقم نمودہ۔

ساری کتاب نثر مرجز میں لکھی گئی ہے۔ صنائع بدائع سے گریز کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں مسجع و مرصع عبارتیں مل جاتی ہیں۔ لیکن یہ قلم سے بے ساختہ ہی ٹپک پڑی ہیں۔ اسے دانستہ کوشش پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ عربی عبارات سے بھی گریز کیا گیا ہے۔ اسنادِ خرقہ ہائی خلافت یا چند احادیث کے علاوہ مصنف نے اس دور کے مصنفوں کی طرح فارسی متن میں عربی عبارات آرائی نہیں کی ہے۔ عبارات کی اس سادگی اور متن کی اس روانی نے کتاب کی ادبی اہمیت دو چند کردی ہے۔ طویل فقرات کے ساتھ مختصر فقرات کی پیوندکاری سونے پر سہاگے کا کام کرتی ہے۔ بزرگان سے عقیدت اس کتاب کے ایک ایک صفحہ سے نمایاں ہے۔ جہاں کہیں بزرگان سلسلہ کا نام آتا ہے۔ مصنف انتہائی عقیدت کے ساتھ مناسب القابات کے ساتھ انہیں یاد کرتا ہے۔ مصنف نہایت نفیس شعری ذوق کا حامل تھا۔ اور خود بھی نغز گو شاعر تھا۔ اس لیے کتاب کو مناسب اشعار سے آراستہ کیا ہے۔ ان اشعار میں سے بیشتر مصنف کے اپنے ہیں۔ اسطرح اشعار سے مطالب کتاب میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ آسان ورواں زبان سادہ انداز بیان، موزوں ومتناسب جملوں، عام فہم الفاظ کا استعمال اور عبارات آرائی سے پرہیز بھی زبدۃ المقامات کی شہرت کے بال وپر بنے ہیں اور اسے نمایاں تاریخی وادبی مقام بخشا ہے۔ مولانا نسیم احمد نے لکھا ہے۔ کہ ''اس کتاب میں نشاطِ روح کا نہایت کافی سامان موجود ہے۔ حضرت کے حالات میں اس سے زیادہ مستند اور قدیم کتاب غالبًا کوئی اور نہ ہوگی۔ حضرت کے احوال واقوال کو نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔ بے جا مبالغہ سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے اور مجالس مجددیہ کی ایسی مکمل تصاویر کھینچی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے۔ گویا ناظر کتاب دربارِ فیض آثار میں بیٹھا ہوا حضرت کو دیکھ رہا ہے۔ حضرت کے ملفوظات سن رہا ہے اور دریائے معارف کو اپنے دامن میں بھر رہا ہے[۲۲]۔

حقیقت یہ ہے کہ مصنف نے داخلی اور خارجی شہادتوں اور سوانحی مواد کو اس خوبی سے ترتیب دیا ہے اور موضوع کو اس خوبی سے نبھایا ہے کہ بقول ''شیخ محمد اکرام'' یہ کتاب باسلیقہ فن سوانح نگاری کا ایک قابل قدر نمونہ بن گیا ہے[۲۳]۔

حضرات القدس:

حضرات القدس کے مصنف مولانا بدرالدین بن شیخ ابراہیم سرہندی بھی حضرت مجدد الف ثانی کے مقرب ترین خلفاء میں سے تھے۔ آپ کے نام حضرت مجدد الف ثانی کے چار مکتوبات (دفتر اول ۲۸۹، ۲۹۷، دفتر دوم: ۴۰ اور دفتر سوم: ۳۱) ہیں اور آپ حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں سترہ سال تک رہے[۲۴]۔

زبدۃ المقامات کی طرح حضرات القدس کو بھی حضرت مجدد الف ثانی کی معاصر سوانح عمری ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس کا تاریخی نام ''درجات الابرار'' (۱۰۴۳ھ) ہے اور زبدۃ المقامات کے بعد حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں یہ دوسرا قابل اعتبار تذکرہ ہے۔ اگرچہ حضرات القدس ۱۰۴۳ھ میں لکھی گئی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مصنف بعد میں بھی ترمیم و اضافہ کرتا رہا۔ کیونکہ اس میں شیخ عبدالحئی کے حالات میں ان کے عازم حرمین شریفین ہونے کی تاریخ ۱۰۵۴ھ درج ہے[۲۵]۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرات القدس کا تاریخی نام یعنی درجات الابرار اس کے اختتام کے بجائے سنہ آغاز کا پتا دیتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ جیسا کہ مصنف کے اپنے ایک بیان سے ظاہر ہے[۲۶]۔

اگرچہ زبدۃ المقامات کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ حضرات القدس سے پہلے پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی تھی لیکن مصنف حضرات القدس کے بیان کے مطابق مقامات مجددیہ پر پہلی تالیف انہوں نے ''سیر احمدیؒ'' کے نام سے مرتب کی اور جب ''سیرِ احمدیؒ'' لکھ کر حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں پیش کی۔ اور حضرت مجدد الف ثانی اس مقام پر پہنچے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کو حضرت خواجہ امکنگی نے استخارہ کے لیے حکم دیا تھا اور حضرت خواجہ نے استخارہ میں ایک طوطی کو دیکھا کہ شاخ درخت سے اڑ کر حضرت خواجہ باقی باللہ کے دست مبارک پر بیٹھ گیا... بدرالدین سرہندی نے طوطی کو طائرِ ہندی لکھ دیا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اس کو کاٹ کر طوطی تحریر فرما دیا اور بر سبیل مطائبہ فرمایا کہ تمہاری پہلی تصنیف ہمارے احوال کے ذکر میں واقع ہوئی ہے گویا از راہِ کشف معلوم فرمالیا تھا کہ بدرالدین سرہندی اور بہت سی دوسری کتب کے مصنف

بھی ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت مجدد الف ثانی کے وصال کے بعد بدرالدین سرہندی نے کتاب کرامات الاولیا تصنیف کی حضرت غوث پاک کی کتاب ''فتوح الغیب'' کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ اصطلاحات صوفیہ اور اشغال اولیائے قادریہ ونقشبندیہ کے بارے میں ''روائح'' نامی ایک کتاب مرتب کی اور ایک دوسری کتاب ''سنوات الاتقیاء'' میں حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے اپنے وقت تک کے اربابِ کمال کے حالات میں تالیف کی۔ اس دوران میں ''سیر احمدی'' کا مسودہ حضرت مجدد الف ثانی کے زمانہ حیات میں ہی دوسرے سامان کے ہمراہ چوری ہوگیا۔ مصنف کو اس کا بہت رنج وغم ہوا اور اس کی طبیعت پژمردہ وافسردہ ہوگئی۔ پھر (غالباً ۱۰۳۷ھ میں زبدۃ المقامات کی اشاعت کی وجہ سے) ۱۰۳۹ھ میں مصنف کے دل میں حضرت مجدد الف ثانی کے مناقب کی تالیف کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ یہ کام شروع کردیا گیا۔ لیکن ۱۰۴۳ھ میں حالتِ تفرقہ پیدا ہوئی اس پریشانی میں ہی ان مسودات کو جمع کیا۔ ''درجات الابرار'' اس کی تاریخ تالیف نکلی۔ اس کی تسوید سے فارغ ہوکر مسودہ کو صاف کرنے کا ارادہ تھا کہ سرہند کے ایک سابق کروڑی نے حالاتِ اولیاء پر مشتمل ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کردی۔ چنانچہ ۱۰۴۳ھ میں ایک ہزار پانچ سو اولیاء کے حالات پر مشتمل ایک کتاب ''مجمع الاولیاء'' کے نام سے لکھی اور ''منازل شیوخ'' ۱۰۴۳ھ اس کا تاریخی نام رکھا۔ اب حضرات القدس یا درجات الاولیاء کی طرف دوبارہ توجہ دینا شروع کی تو مذکورہ کروڑی نے مجمع الاولیاء کے مسودات صاف کرنے اور تصحیح ومقابلہ کرنے کے لیے بلالیا۔ اس کام میں تین سال لگ گئے۔ اب جو حضرات القدس پر کام کرنا شروع کیا تو شہزادہ داراشکوہ نے ''بہجۃ الاسرار'' جو حضرت غوث الاعظم کے مناقب میں ہے، کو فارسی میں ترجمہ کرنے پر مامور کردیا۔ اس کا ترجمہ ''مقامات غوث الثقلین'' کے نام سے کیا۔ اس کے بعد ''روضۃ النواظر'' کے ترجمہ کی ذمہ داری سونپی۔ ترجمہ سے فراغت کے بعد داراشکوہ نے ''تفسیر عرائس البیان'' تصنیف روزبہان بقلی کے ترجمے کی فرمائش کی اور ذمہ داری سونپی۔ اس سارے عرصے میں مصنف حضرات القدس کی طرف سے غافل نہیں رہے۔ مذکورہ مصروفیات کے ساتھ ساتھ حضرات القدس کا مسودہ بھی صاف کرتے رہے۔ چنانچہ تفسیر عرائس البیان کے ربع حصے کا ترجمہ کرلینے کے بعد وہ اس کا کام روک کر حضرات القدس کی طرف پوری طرح متوجہ ہوگئے [۲۷]۔ مصنف کی یہ مصروفیات تھیں جنکی وجہ سے حضرات القدس کی تکمیل کا کام تعویق میں پڑا رہا، چنانچہ مصنف نے اس دوران میں کوشش کی ہوگی کہ بعض مزید معلومات حاصل کرلی جائیں اور کتاب کو

جامع تر بنا دیا جائے۔ جیسا کہ شیخ تاج الدین سنبھلی اور سید آدم بنوری کے حالات پڑھنے سے پتا چلتا ہے۔
اس طرح یہ کتاب ۱۰۵۴ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔
کتاب کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ:

منقول ہے کہ جو شخص صوفیائے کرام کے حالات اور ارشادات اور ان کے مقامات اور اپنے پیرانِ سلسلہ کی کرامتیں لکھے تو ہر ایک حروف کے بدلے ستر ستر نیکیاں اس کے اعمال نامے میں لکھی جاتی ہیں۔ اس بنا پر اس کمترین خاک نشینان بارگاہِ انور بدرالدین شیخ ابراہیم سرہندی نے پیرانِ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے مقامات کو اول سے آخر تک کہ (کسی اور نے اس طور سے اس وقت تک ان مقالات کو جمع کرنے کی توفیق نہ پائی تھی) جمع کر دیا اور اس کا نام ''حضرات القدس'' رکھا[۲۸]۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

اس کتاب حضرات القدس کی بنا صرف حضرت کے مناقب و مآثر و مقامات و کرامات کے ذکر پر ہے اور تصنیفِ کتاب کا مقصودِ اصلی اور علت غائی آنحضرت کے مقامات کا بیان کرنا ہے[۲۹]۔

مصنف حضرات القدس نے حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں اپنی عمر کا بیشتر حصہ گزارا تھا اور اس دوران میں بے شمار واقعات دیکھے اور سنے تھے۔ اور ان میں سے انہوں نے صرف چند بیان کیے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے دیگر اکابر اور خانوادۂ مجددی کے بزرگوں کے مقاماتِ عالیہ اور طریقِ تربیت سالکین کا صحیح اندازہ پوری کتاب پڑھنے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔

مولانا بدرالدین سرہندی نے حضرات القدس کو بارہ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ اور ہر باب کے لیے حضرت کا عنوان تجویز کیا ہے۔ حضرت اولیٰ کے آغاز میں جناب رسالت مآب ﷺ کے چاروں خلفاء حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے مختصر حالات و فضائل تحریر فرمائے ہیں۔ اس کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ تک تمام اکابر نقشبندیہ اور ان کے بعض خلفائے عظام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ آج کل یہ باب، کتاب کی علیحدہ جلد یعنی

جلد اوّل کی صورت میں دستیاب ہے، اور باقی گیارہ ابواب جلد دوم کی صورت میں دستیاب ہیں۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

الحضرة الثانيه:

فی بیان مجمل مبادی الحالات الی منتهی المقامات لشیخنا وامامنا وقبلتنا قطب الاقطاب غوث الشیخ والشاب حضرة مجدد الف ثانی خازن الرحمة الربانی، بحرالاسرار الالهية مزین الاطوار النقشبندیه حجة العرفاء المحققین ختم العلماء الراسخین شیخ الاسلام والمسلمین الشیخ احمد الفاروقی الکابلی النقشبندی السرهندی۔

الحضرة الثالثه:

فی بیان درجاته التی ظهرت علی خیر عبادالله واولیاء الله قبل ظهوره وبعده رضی الله تعالیٰ عنهم.

الحضرة الرابعه:

فی بیان شطرمن مقاماته الخاصة ودرجاته العالیة التی خصه الله تعالیٰ بها من بین اولیائه

الحضرة الخامسة:

فی وظائفه وطاعاته واخلاقه رضی اللہ عنہٗ

الحضرة السادسة:

فی مکاشفاته رحمه اللہ تعالیٰ

الحضرة السابعه:

فی دفع شکوک المخالفین فی کلامه رضی اللہ تعالیٰ عنه وذکر مدائح کلماته قدس سرہٗ

الحضرة الثامنه : فی ملفوظاته قدس سرہٗ

الحضرة التاسعه:

فی حلیۃ و تصرفاته و کراماته

الحضرة العاشرة:

فی تواریخ وصاله رضی الله عنه

العضرة الحادی عشرة :

دربیا ن مقاماتِ فرزندانِ گرامی و خلفائے آنحضرت رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم

الحضرة الثانیه عشر:

فی بیان احوال خلفاء قدس سرهم

حضرات القدس کے متعدد قلمی نسخے پاکستان کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ مثلاً خانقاہِ گندیاں شریف (پنجاب) خانقاہِ موسیٰ زئی شریف آغا ہاشم جان (سندھ) وغیرہ ا۱۹۷ء میں محکمۂ اوقاف پنجاب نے مولانا محبوب الٰہی کے مقدمہ، تحقیق وتصحیح کے ساتھ اس کی جلد دوم طبع کرا کے شائع کی ہے۔

زبدۃ المقامات اور حضرات القدس، دونوں کتابیں معاصر مولفین کی لکھی ہوئی ہیں اور دونوں حضرت مجدد الف ثانی کے خلفاء میں سے ہیں لیکن زبدۃ المقامات کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ حضرات القدس سے پہلے شائع ہوگئی۔

اگرچہ مولانا بدرالدین سرہندی کی سیر احمدی، زبدۃ المقامات سے بہت پہلے حضرت مجدد الف ثانی کی نظر مبارک میں شرف قبولیت حاصل کر چکی تھی۔ لیکن اس کے مسودات چوری ہو جانے کی وجہ سے ہی کتاب منصۂ شہود پر نہ آسکی۔ چنانچہ جب زبدۃ المقامات شائع ہوئی تو حضرات القدس کے مصنف کو ایک بار پھر اپنے پیر و مرشد کی سوانح عمری لکھنے کا خیال پیدا ہوا اور اسطرح انہوں نے اپنے ارادے کی تکمیل ۱۰۵۳ھ کے بعد کی۔ اس طرح مولانا بدرالدین سرہندی کو زبدۃ المقامات سے استفادہ کا موقع بھی مل گیا۔ چنانچہ دونوں کتابوں کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مولانا بدرالدین سرہندی نے بعض حالات و واقعات زبدۃ المقامات سے بھی اخذ کیے ہیں۔ مثلاً دونوں کتابوں میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے تین خلفاء اور دو صاحبزادوں کے حالات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ایک مصنف نے دوسرے کی پیروی میں

صرف تین خلفاء کے حالات درج کرنے پر ہی اکتفا کی ہے۔ جبکہ شیخ تاج الدین سنبھلی، شیخ حسام الدین اور شیخ الہداد کے علاوہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلفاء اور مریدین میں سید مصطفیٰ باغپت [۳۰] شیخ احمد برکی [۳۱]، شیخ مرتضیٰ سنبھلی [۳۲] شیخ نعمت اللہ جونپوری [۳۳] اور شیخ نور الحق ابن مولانا عبدالحق [۳۴] کے نام بھی ملتے ہیں اور طبقاتِ شاہجہانی کے مصنف نے ان حضرات کے جو حالات لکھے ہیں۔ اس سے ان کے روحانی کمالات اور رتبۂ عالی کا پتا چلتا ہے۔ صاحب زبدۃ المقامات نے اقوال اکابر اور کرامات یا مکتوبات وغیرہ سے اقتباسات کے لیے ''ب'' کی اصطلاح اپنی کتاب میں استعمال کی ہے۔ اس کے برعکس مولانا بدرالدین سرہندی نے حضرات القدس میں ابواب کتاب کو 'حضرات' کے عنوان سے، اقوال اکابر کو قدسیہ یا ملفوظ سے اور مقامات کو درجہ اور کرامات کو کرامت یا تصوف سے تعبیر کیا ہے۔ زبدۃ المقامات میں شخصیات کے سوانحی واقعات اور مذہبی رجحانات کو اس شرح وبسط کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا۔ جس کے ساتھ وہ حضرات القدس میں بیان ہوئے ہیں۔ حضرات القدس کے حضرت اولیٰ کے آغاز میں جناب رسالت مآب ﷺ کے چاروں خلفاء کے مختصر حالات وفضائل تحریر فرمانے کے بعد حضرت سلمان فارسی سے لے کر حضرت خواجہ باقی باللہ تک تمام اکابر نقشبندیہ اور انکے بعض خلفائے عظام کا تذکرہ فرمایا ہے اور حضرت ثانیہ سے حضرت دوازدہم تک میں حضرت مجدد الف ثانی کے سوانحی حالات، کشف وکرامات، اولاد امجاد اور خلفاء کا تذکرہ کیا ہے۔ اس طرح کتاب کے دو مجلدات تیار ہو گئے۔ لیکن زبدۃ المقامات کے مصنف نے اپنی کتاب کو حضرت خواجہ باقی باللہ کے احوال سے شروع کیا۔ اور ان کی اولاد خلفاء کا ذکر کرنے کے بعد حضرت مجدد الف ثانی کے آباؤ اجداد میں سے شیخ شہاب الدین علی الملقلب بفرخ شاہ فاروقی کابلی اور امام رفیع الدین کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی کے والد گرامی حضرت شیخ عبدالاحد کا تذکرہ کیا ہے اور پھر حضرت مجدد الف ثانی کے سوانح اور تجدیدی کارناموں پر روشنی ڈالی ہے اور آپ کی اولاد اور خلفاء کا تذکرہ کیا ہے۔ اس طرح اگر ایک طرف حضرات القدس میں فاضل مصنف نے حضرات نقشبندیہ کا تذکرہ محفوظ کر دیا ہے تو دوسری طرف حضرت مجدد الف ثانی کی سوانح حیات ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی کتاب میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے آباؤ اجداد حتی کہ آپ کے والد ماجد تک کا ذکر نہ کر کے قائین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اس کے برعکس زبدۃ المقامات کے مصنف نے اپنی کتاب حضرت خواجہ باقی باللہ کے احوال سے اس لیے شروع کیا ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ حضرات نقشبندیہ کے احوال وافکار

متفرق تذکروں میں مل جاتے ہیں۔ اس لیے اپنی کتاب کو ان کے احوال وافکار سے مزین کرنے کا مطلب کتاب کی ضخامت کو بڑھانے کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ البتہ اگر وہ اختصار کے ساتھ بدرالدین سرہندی کی طرح حضرات نقشبندیہ کے حالات اپنی کتاب میں درج کردیتے تو ایک اچھی بات تھی۔ اس لحاظ سے حضرات القدس کو زبدۃ المقامات پر فوقیت حاصل ہے۔ لیکن صاحب حضرات القدس نے حضرت مجدد الف ثانی کے آباؤاجداد خصوصاً والد ماجد کے حالات کتاب میں شامل نہ کرکے ایک تاریخی غلطی کی ہے اور یہ نقص بہت بڑا ہے۔ تذکرہ میں صاحب تذکرہ کے آباؤاجداد کے ذکر کو سرے سے نظرانداز کردیا جائے۔ اس کی کوئی منطقی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔

مصنف زبدۃ المقامات نے اپنی کتاب میں حضرت مجدد الف ثانی کے مندرجہ ذیل تیئس خلفاء کا تذکرہ کیا ہے جن میں وہ خود شامل نہیں ہے۔

محمد نعمان، شیخ طاہر لاہوری، شیخ بدیع الدین، نور محمد پٹنی، شیخ حمید بنگالی، طاہر بدخشی، احمد برکی، شیخ عبدالحیٔ، یار محمد قدیم طالقانی، شیخ حسن برکی، عبدالہادی بدایونی، یوسف برکی، خضر افغان، کریم الدین بابا حسن ابدالی، شیخ احمد دیبنی، شیخ مزمل، مولانا یوسف سمرقندی، محمد صالح، محمد صدیق کشمی، قاسم علی، محب اللہ مانکپوری۔ عبدالواحد لاہوری، امان اللہ لاہوری۔

حضرات القدس کے مصنف نے صرف بیس خلفاء کا ذکر کیا ہے۔ جن میں وہ خود بھی شامل ہے اور مذکورہ بالا خلفاء میں سے اوّل الذکر پندرہ بھی شامل ہیں۔ یعنی محمد نعمان شیخ احمد دیبنی۔ موخرالذکر آٹھ خلفاء کے بجائے مندرجہ ذیل پانچ خلفاء کا تذکرہ صاحب حضرات القدس نے مزید کیا ہے۔

خواجہ محمد صادق بدخشانی، محمد صادق کابلی، خواجہ محمد ہاشم کشمی، سید آدم بنوری بدرالدین سرہندی (یعنی مصنف بذات خود)۔

ممکن ہے کہ صاحب زبدۃ المقامات نے اپنا تذکرہ تو کتاب میں اپنی طبعی انکساری کے پیش نظر نہ کیا ہو۔ لیکن حضرت سید آدم بنوری اور بدرالدین سرہندی ایسے بزرگوں کا تذکرہ نہ کرنا محل نظر ہے حضرات القدس میں حضرت مجدد الف ثانی کے خوارق وعادات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے مگر زبدۃ المقامات میں ان چیزوں کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اس طرح دونوں کتابیں اپنے اپنے مصنف کے فلسفۂ تاریخ، زاویۂ نظر اور اندازِ تحریر کی نمائندگی کرتی ہیں۔ زبدۃ المقامات کی تحریر میں اختصار،

جامعیت اور منطقی استدلال ہے تو حضرات القدس کی تحریر میں وسعت، پھیلاؤ اور سادگی ہے اگرچہ حضرات القدس کے مصنف نے سلاست زبان اور روانی بیان کا پورا پورا التزام کیا ہے لیکن زبان و بیان کے لحاظ سے زبدۃ المقامات کا پلڑا بھاری ہے۔ زبدۃ المقامات کی سی چاشنی حضرات القدس میں مفقود ہے اور زبدۃ المقامات کی یہ خوبی اس کی جامعیت اور اختصار کی وجہ سے ہے۔

زبدۃ المقامات اور حضرات القدس، دونوں کتابیں، ہمیں تاریخی معلومات فراہم کرتی ہیں اور اکبری اور جہانگیری عہدِ حکومت کی مذہبی اور معاشرتی حالت کا مرقع پیش کرتی ہیں۔ جو مورخ عبدالقادر بدایونی کی ''منتخب التواریخ'' کے مندرجات کو شک وشبہہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ ان کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کریں تو ان پر واضح ہوجائے گا کہ بدایونی نے اکبری عہد کی بالکل صحیح عکاسی کی ہے۔ زبدۃ المقامات اور حضرات القدس کے ایسے جملے قابل غور ہیں۔

> رکن السلطنت شیخ ابوالفضل ......کوملت احمدی اور خصوصاً اہل کمال سے بہت ہی دشمنی تھی [۳۵]۔

> ارباب تشیع ان دنوں ملک میں بے اندازہ حشمت وجاہ کے مالک تھے اور بادشاہ کے مقرب بنے ہوئے تھے اور بادشاہ بھی دین اور ارباب دین سے سخت عداوت رکھتا تھا [۳۶]۔

> اس ابوجہل وقت (یعنی ابوالفضل) دشمن دین احمد علیہ الصلوۃ والسلام کی ایذارسانی [۳۷]۔

> باوجود ضعف اسلام اور غلبۂ کفر ہزاروں کافر آپ کے دستِ مبارک پر مسلمان ہوئے اور جماعت کثیر فساق وفجار آپ کے اخلاق کے مطالعہ سے تائب ہوگئی اور صلاح وتقوٰی اور خداترسی وحق پرستی میں مشغول ہوگئی [۳۸]۔

دونوں کتابیں حضرت مجدد الف ثانی اور خواجہ باقی باللہ کے باہمی روابط پر گہری روشنی ڈالتی ہیں ان کتابوں کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ اگر حضرت خواجہ باقی اللہ حضرت مجدد الف ثانی کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان تھے [۳۹] تو حضرت مجدد الف ثانی بھی ان کی عزت واحترام میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ

فرماتے اور انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ مثلاً ایک موقع پر حضرت خواجہ باقی باللہ حضرت مجدد الف ثانی سے ملنے کے لیے آئے تو آپ نے بے قرار ہوکر دروازہ کھولا اور باہر آئے اور نہایت عجز وانکسار کیساتھ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے[۴۰]۔

حضرات القدس کے بعض مندرجات تاریخی اعتبار سے درست قرار نہیں دیے جاسکتے۔ جبکہ زبدۃ المقامات کے مصنف نے صحت واقعات کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ مثلاً تفسیر بے نقطہ کو مصنف حضرات القدس نے ابوالفضل سے منسوب کیا ہے[۴۱]۔ جو درست نہیں۔ اسی طرح فاضل مصنف نے تفسیر بے نقطہ کے ضمن میں حضرت مجدد الف ثانی کی معاونت کا جو ذکر کیا ہے اور یہ جو لکھا ہے کہ ''اس تفسیر کا معتد بہ حصہ حضرت کی اعانت سے انجام پایا'' محلِ نظر ہے۔ زبدۃ المقامات کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے بے نقطہ تفسیر کا ایک صفحہ لکھ کر فیضی کو حیران کردیا تھا۔ اس کے علاوہ مزید کچھ ذکر نہیں کیا اور یہی درست ہے۔ دونوں کتابوں کے مصنفوں نے ابوالفضل کے قتل ہونے کا واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ خواجہ حسام الدین نے اس کی زیادتیوں کا ذکر اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں کیا تو آپ نے خواجہ کو تسلی دی کہ ''اطمینان رکھو، اس ملحد دین کا کام چند روز میں برہم ہوجائے گا''۔ پس جس طرح حضرت خواجہ باقی باللہ نے ارشاد فرمایا تھا۔ ویسا ہی ہوا۔ ابوالفضل قتل ہوا[۴۲]۔ صاحبِ حضرات القدس نے ابوالفضل کا مادۂ تاریخ وفات درج کیا ہے (تیغ اعجاز رسول اللہ سر باغی [illegible]) لیکن یہ نہیں بتایا کہ خان اعظم مرزا عزیز کوکہ نے یہ مادۂ تاریخ کہا تھا جیسا کہ مشہور ہے۔ بہرحال دونوں کتابوں میں عام روایتوں کے برعکس ابوالفضل کو خواجہ حسام الدین کا داماد بتایا گیا ہے۔

ابوالفضل... آپ سے قرابت دامادی کی رکھتا تھا[۴۳]۔

شیخ ابوالفضل رکن السلطنت اور باین خواجہ نسبت مصاہرت[۴۴]۔

زبدۃ المقامات اور حضرات القدس کے باہمی جزوی تفاوت اور بعض کمزوریوں کے باوجود دونوں کتابوں کے بنیادی مقصد اور علت غائی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ دونوں کتابوں کے مصنفوں نے اپنے نفس مضمون کو بڑی خوبی سے نبھایا ہے۔ ان میں سے کسی نے خواہ تذکرہ اپنی خواہش کے تحت لکھا یا حضرت

مجدد الف ثانی کے صاحبزادوں کی فرمائش پر، کتابوں کو رطب یابس اور بے مقصد باتوں اور دوراز کار واقعات سے یک سر پاک رکھا ہے۔ ایک حیرت انگیز لیکن خوش آئند بات یہ کہ اگرچہ دونوں مصنف صاحب تذکرہ سے جذباتی حد تک وابستہ تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے غلو اور اغلاق سے اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دیا اور پوری کوشش کی ہے کہ وہ صاحب تذکرہ کی عظمت کے پیشِ نظر ایسا تذکرہ مرتب کردیں کہ ان کے معاصرین اور متاخرین اس بارے میں انگشت نمائی نہ کرسکیں، جیسا کہ ''مناقب الحضرات'' ایسی کتب کے بارے میں کیا جاتا ہے۔ دوسرے اگرچہ ان کتابوں کے مصنفوں کے سامنے دورِ جدید کے اصولِ تنقید اور اصولِ تاریخ نویسی موجود نہ تھے تاہم انہوں نے اپنے طور پر تنقیدی تاریخ کے اصول وضع کیے اور یہ تقریباً وہی اصول ہیں۔ جنہیں سامنے رکھ کر آج بھی بزرگانِ دین کے تذکرے مرتب کیے جاتے ہیں۔ اپنی انہی خوبیوں کی وجہ سے بزرگان سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ اور خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی پر تحقیقی وتنقیدی کام کرنے والے حضرات کے لیے یہ دونوں کتابیں مشعل راہ کا کام دیتی ہیں اور ان کے لیے ان دونوں کتابوں کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

☆......☆......☆

حواشی

۱۔ زبدۃ المقامات، ص۔۱۳۰

۲۔ مکتوبات، امام ربانی، مکتوب ا، دفتر سوم

۳۔ زبدۃ المقامات، ص۔۳

۴۔ ایضاً ص۔۴، ۵

۵۔ ایضاً ص۔۸۶

۶۔ ایضاً ص۔۴

۷۔ ایضاً ص۔۳۷۳

۸۔ ایضاً ص۔۶۵

۹۔ ایضاً ص۔۶۴، ۶۵

۱۰.....ایضاً،ص۔۶۸،۶۹

۱۱.....ایضاً،ص۔۲۴۰

۱۲.....ایضاً،ص۔۳۱۰

۱۳.....ایضاً،ص۔۲،۲۷۲،۳۱۸

۱۴.....ایضاً،ص۔۷۶

۱۵.....ایضاً،ص۔۷۷

۱۶.....ایضاً،ص۔۷۶

۱۷.....ایضاً،ص۔۸۴

۱۸.....ایضاً،ص۔۱۳۲

۱۹.....ایضاً،ص۔۸۶

۲۰.....ایضاً،ص۔۲۰

۲۱.....ایضاً،ص۔۱۳۹،۱۴۱،ص۔۱۴۴،۱۴۵،۵۵

۲۲.....تذکرہ مجدد الف ثانی،ص۔۳۲۳

۲۳..... ارمغان پاک

۲۴.....حضرات القدس،ج۲،ص۔۱۵۷

۲۵.....ایضاً،ص۔۳۶۸

۲۶.....ایضاً،ص۔۱۵۸

۲۷.....ایضاً،ص۔۱۵۸تا۱۶۰

۲۸.....ایضاً،ج۱،ص۔۸

۲۹.....ایضاً،ص۔۳۶۰

۳۰.....طبقات شاہجہانی (قلمی) ورق ۲۶۸

۳۱.....ایضاً،ورق۔۴۰۳

۳۲.....ایضاً

۳۳.....ایضاً،ورق۔۴۰۶

۳۴.....ایضاً،ورق۔۴۱۹

۳۵......زبدۃ المقامات، ص۔۷۹

۳۶......ایضاً ص۔۱۳۱

۳۷......حضرات القدس، ج ۱ ص۔۲۵۶

۳۸......ایضاً، ج ۲ ص۔۱۵۶

۳۹......زبدہ المقامات، ص۔۱۳۹ تا ۱۴۱ ص۔۱۵۵ ص۔۳۳۰

۴۰......حضرات القدس، ج ۲ ص۔۴۴، ۴۸

۴۱......ایضاً ص۔۳۲

۴۲......ایضاً، ج ۱ ص۔۲۵۶، زبدۃ المقامات، ص۔۷۹

۴۳......حضرات القدس، ج ۱ ص۔۲۵۶

۴۴...... زبدۃ المقامات، ص۔۷۹

☆......☆......☆
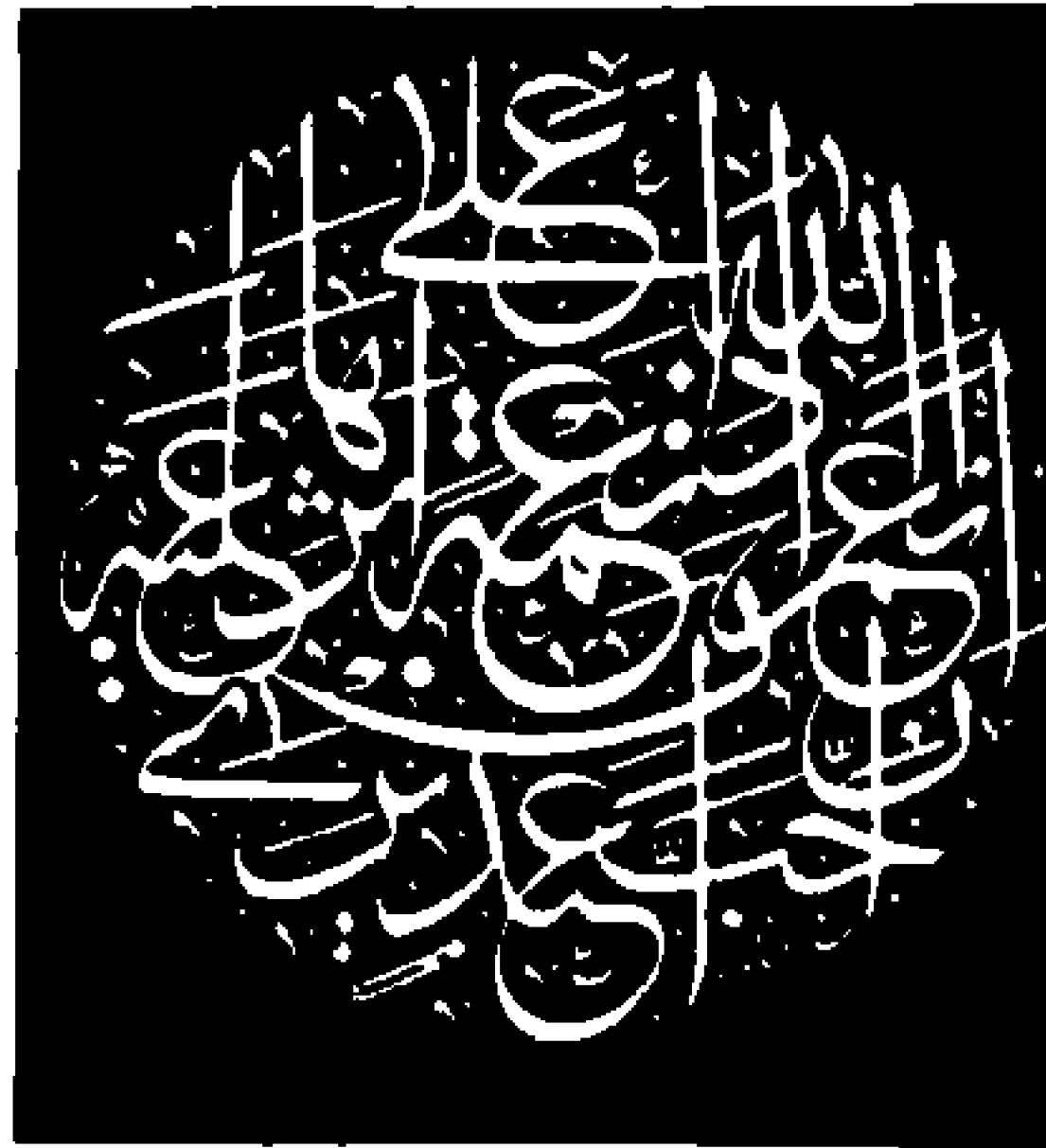
کتاب

برکات الاحمدیۃ الباقیۃ

معروف به

زبدۃ المقامات

تالیف حضرت خواجه محمد ہاشم کشمی رحمہ اللہ

خلیفہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی

شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس اللہ سرہ

در سنه هزار و سی و هفت تالیف نموده

وتعاونوا علی البر والتقوی

فهرست

دفتر دوم از حضرات القدس

این کتاب مستطاب در سنه ۱۰۹۹ھ نوشته شده ـ و باز در تصرف عم جدّ این
فقیر محمد محدث دار الهجره حضرت شاه محمد عبد الغنی مجددی قدس سره بوده ـ وفات ایشان بهشتم ماه
محرم سنه ۱۲۹۶ھ در مدینه طیبه شده ـ بعد از ارتحال ایشان حضرت والد ماجد و حضرت جدّنا در مکه مکرمه رسید
حضرت سیدی الوالد نیابةً عن والده واصالةً عن نفسه بمدینه طیبه علی ساکنها الصلاة والتحیة رفته
بردند و از متروکات حضرت را در مجموعه نفیسه از کتب قیمه خریدند ـ از آن مجموعه مبارکه یکی این نسخه طیبه است
حضرت شاه محمد عبد الغنی بدقت تصحیح این کتاب فرموده اند ـ چنانچه بر صفحات ۶ و ۳۳ و ۷۱ و ۷۴
و ۷۵ و ۸۲ و ۸۵ و ۹۱ و ۱۲۷ و یک ورق ضمیمه صفحه ۱۳۲ و ۱۶۰ و ۲۲۵ و
۳۳۲ و ۳۶۳ و ۳۷۰ و ۳۷۵ و ۴۱۱ و ۴۱۳ و ۴۲۵ و ۴۳۲ تحریرات
ایشان ظاهر است و بر ملفوظ بستم بر صفحه ۱۶۱ و در احوال حضرت محمد سعید بر صفحه ۲۷۲ در بحث اشاره
بسبابه حواشی نوشته اند ـ و باز حضرت سیدی الوالد قدس سره به تصحیح این نسخه کوشیده اند چنانچه
بر صفحه ۲۴۴ و ۲۷۰ و ۳۰۴ و ۳۲۱ تحریرات ایشان ظاهر است و بر درجات و مکاشفات
و ملفوظات و کرامات ـ ارقام نهاده اند ـ این عاجز بر صفحات رقم زد و فهرست مرتب کرد
و در تصحیح اوراق کوشید ـ تذکره ولی پرور یادگار است و در تصرف ما دلیل مانده بشنود ـ
[illegible] چند روز بهارست با ما ـ ابو الحسن زید فاروقی مجددی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سلسلۂ مجددیہ کا ایک تُرک مصنف

ڈاکٹر امین اللہ وثیر

☆☆

بالِ جبریل میں حضرت علامہ اقبال نے ''پنجاب کے پیرزادوں'' سے خطاب کرتے ہوے حضرت مجدد الف ثانی کا ذکرِ خیر اس طرح کیا ہے۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

امام ربانی مجدد الف ثانی بدرالدین ابوالبرکات شیخ احمد سرہندی فاروقی ۱۴ شوال ۹۷۱ھ مطابق جولائی ۱۵۶۴ء کو تولد ہوے۔ سات سال کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کرنے کے بعد ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد شیخ عبدالاحد سے حاصل کی۔ حدیث کی سند مولانا یعقوب کشمیری سے لی اور معقولات کی تحصیل کے لیے سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ یہاں وقت کے باکمال عالم القاضی الشیخ کمال الدین موسی الحنفی الکشمیری کہ جامع علم وعمل اور پیکر زہد وتقوی تھے، کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

زبدۃ المقامات میں ہے۔

بیشتر علوم مانزد پدر بزرگوار خود واند کے رابیش بعضے علماء کبار آں روزگار گزرانیدہ اند بسیالکوٹ نیز رفتہ نزد مولانائے محقق مولانا کمال کشمیری کہ ازفحول دانشورانِ متورع بود بعضے کتبِ مشکلہ راچوں

عضدی و امثالہ خواندہ بود، وبعض کتب احادیث رانزد شیخ یعقوب
کشمیری علیہ رحمۃ گزرانیدہ بودند، وایں شیخ یعقوب از خلفائے بزرگ
شیخ معظم وقطب مکرم شیخ حسین خوارزمی کبروی قدس سرہما بود!۔

ملا کمال ۹۷۱ھ میں گورنر کشمیر حسین سے ناراض ہوکر سیالکوٹ چلے آئے تھے اور پھر وہاں ایک لمبے عرصے تک درس وتدریس میں مشغول رہے۔ سیالکوٹ کے علاوہ لاہور میں بھی مسندِ درس کو زینت بخشی، اور اسی شہر میں ۱۰۱۷ھ میں راہی ملک بقا ہوئے ملا کمال کے بارے میں تاریخ کشمیر اعظمی میں حسب ذیل مصرعہ تاریخ وفات ملتا ہے۔

ملحق حق، قطب و تاج اولیاء ملا کمال

حدائق الحنفیہ میں آپ کی تاریخ وفات ''حدیقۂ فیض'' سے نکالی گئی ہے اور صاحب خزینۃ الاصفیاء نے تاریخ وفات کے لیے یہ دو مصرعے کہے ہیں۔

شمع نورِ عارف بگو تاریخِ او
نیز سالک، تاجِ عرفانی کمال

اتنے بلند پایۂ استاد کی صحبت سے جنھوں نے کسب فیض کیا ہو۔ وہ بھی صاحب کمال ہونے چاہییں، چنانچہ ملا کمال کشمیری کے تلامذہ کی فہرست میں، حضرت مجدد الف ثانی، پاک وہند کے عظیم فلسفی ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اور شاہجہاں کے وزیر باتدبیر ملا سعداللہ کے نام شامل ہیں۔

حضرت مجدد کے مقامِ عالی شان سے کون واقف نہیں۔ اقبال نے انہیں صاحب اسرار کہا ہے ان کے خواجہ تاش مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی بھی برصغیر پاک وہند میں بسنے والی امتِ مسلمہ کے عظیم فرزند تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف میں سے یہاں صرف الدرۃ الثمینۃ المعروف بالرسالۃ الخاقانیۃ کا صرف نام لینا ہی کافی ہے جو علم باری تعالیٰ، حدیث وقدمِ عالم اور حشر ونشر جسمانی جیسے دقیق مسائل پر یونانی فلسفیوں اور ان کے متبعین کے مقابلے میں خالص قرآنی اور اسلامی نقطۂ نظر کی ترجمان ہے اور جسے امام غزالی کی تہافت الفلاسفۃ کے سلسلے کی ہی ایک مضبوط کڑی سمجھنا چاہیے۔

حضرت مجدد الف ثانی اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی مختلف مقامات پر ملاقاتوں کا پتا چلتا ہے۔ مختلف مآخذ کے مطالعہ سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ یہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ہی تھے کہ جنھوں نے

حضرت شیخ احمد سرہندی کو ''مجدد الف ثانی'' کے خطاب سے یاد کیا۔

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے اپنی کتاب ''مجدد کا نظریہ توحید'' میں یہی لکھا ہے اور اس کی تائید خواجہ محمد ہاشم کے بیان سے بھی ہوتی ہے اور انکے الفاظ یہ ہیں۔

راقم الحروف گوید مرا بر دل خطور میکرد کہ اگر یکے از اعاظم علماء وقت ایں معنی را کہ حق سبحانہ حضرت ایشاں را مجدد الف ساختہ مسلم مے داشت تائید عام بود، تا روزے بایں خطرہ بخدمت حضرت ایشاں رسید، بایں حقیر خطاب نمودہ فرمودند کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کہ در علومِ عقلیہ ونقلیہ وتصانیف علیہ چوں او، الحال در دیارِ ہند نمی نماید کتابے بما نوشتہ بود وتبسم نمودہ فرمودند یکے از اں فقرات مدحیہ ایں بود کہ ''مجدد الألف الثانی [۲]''۔

بعض تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا، حضرت مجدد سے ملاقات کے لیے سرہند بھی تشریف لے گئے، اور بہت دنوں تک وہاں قیام کیا بلکہ اس موقع پر آپ نے مجدد صاحب سے بیعت بھی کی، ان کے مرید بنے اور حضرت مجدد نے انہیں آفتاب کے لقب سے نوازا [۳]۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو حضرت مجدد سے بے پناہ عقیدت تھی اور وہ اپنے زورِ قلم سے حضرت کی تائید واعانت اور ان کے مخالفین کی تردید کا فریضہ سرانجام دیا کرتے تھے۔ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے نزہۃ الخواطر میں کشف الغطاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے سند العلماء افضل الفضلاء مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے قلم سے مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہوئی دیکھی تھی جس میں حضرت مجدد الف ثانی کے مخالفین کے بعض شکوک وشبہات کا پرزور طریقے سے رد کیا گیا تھا۔

قدح کردن درسخن بزرگان بے مراد ایشاں جہل است، نتیجۂ نیک نہ دارد،
پس ردّ کلام مشیخیت پناہ عرفان دستگاہ شیخ احمد از جہل ونافہمیدگی است [۴]

(کتبہ الفقیر عبدالحکیم)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مولانا نے اپنے بزرگ دوست اور پیر کی تائید اور تجدید الف ثانی کے اثبات میں ایک رسالہ بھی تحریر کیا تھا جس کا نام ''دلائل التجدید'' رکھا۔

روضہ قیومیہ میں اس رسالے کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں مولانا نے نہایت قوی دلائل اور براہین سے کام لیا ہے[5]۔

مولانا محمد میاں لکھتے ہیں:

مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی جو مشہور و معروف جلیل القدر عالم ہیں ابتدا میں حضرت مجدد کے مخالف تھے۔ ایک روز حضرت مجدد صاحب کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے مولانا عبدالحکیم صاحب کو مخاطب فرما کر یہ آیت پڑھی قُلِ اللہ ثُمَّ ذَرْھُمْ (کہو اللہ، پھر ان کو چھوڑ دو) اس آیت کے سنتے ہی حضرت شیخ کا جذب اور شوق الٰہی دل میں جگہ کر گیا اور فوراً قلب سے ذکر جاری ہو گیا۔ جب خواب سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ قلب سے ذکر جاری ہے۔ اس کمال و تصرف کو دیکھ کر ساری مخالفت ختم ہو گئی۔ حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوے اور باقاعدہ سلسلہ میں داخل ہوے اور روحانی کمالات حاصل کیے[6]۔

اس سلسلہ میں خواجہ محمد ہاشم کا بیان حسب ذیل ہے۔

مخفی نماند کہ ایں مولانائے مذکور شبے در واقعہ حضرت ایشاں را دیدہ بود کہ ایں آیۃ بر خواندہ اند قُلِ اللہ ثُمَّ ذَرْھُم. بعد از دید ایں واقعہ بخدمتِ ایشاں آمدہ تعلیم گرفت و از مخلصانِ حقیقی گشت، پس پیش از ملازمتِ صوریہ می گفت کہ اویسیِ حضرت ایشانم[7]۔

بعض تذکروں میں ایک اور واقعہ بھی مندرج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالحکیم اور حضرت مجدد کی دوستی کی بنیادیں بہت گہری تھیں اور مولانا اکثر و بیشتر مجدد صاحب کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ خواجہ محمد عبیداللہ مروج الشریعۃ، فرزند خواجہ محمد معصوم بن مجدد الف ثانی کا ذکر کرتے ہوے لکھا ہے:

سات سال کا سن تھا کہ مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی تشریف لائے آپ نے امتحاناً فرمایا، گویائی زبان کی صفت ہے دل ایک پارچہ گوشت ہے وہ کس طرح ذکر کر سکتا ہے ہفت سالہ طفل نے جواب دیا زبان بھی

پارچہ گوشت ہے جس قادر مطلق نے زبان کو گویائی عطا کی وہی قلب کو
قوتِ ذکر عطا فرماتا ہے۔

مولانا نے فرمایا ''نبیرۂ مجدد کو ایسا ہی ہونا چاہیے''۸۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کی شخصیت ان عظیم المرتبت شخصیتوں میں سے ہے جنہوں نے اللہ کے دین کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردی تھیں اور جن کی حیات دنیوی کا مقصد ہی صرف یہ تھا کہ کفر و شرک اور الحاد و ضلالت کی آندھیوں کا مقابلہ کر کے اللہ کے بتائے ہوئے صراط مستقیم۔ اسلام پر گامزن ہوا جائے اور دوسروں کو بھی اسی کی طرف بلایا جائے، حضرت مجدد نے مغل بادشاہ اکبر کی ایجاد کردہ گمراہی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جہانگیر کو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کردیا۔

یہ انہیں کی عظیم شخصیت تھی جس نے اکبری الحاد و بدعات کا قلع قمع کیا۔ تصوف کو حقیقتاً تزکیۂ قلب کا ذریعہ ثابت کیا اور شریعت و طریقت کی دوئی کے غلط تصور کو ملیامیٹ کر کے یک جان و یک قالب کی حقیقت کو آشکارا کیا۔

تجدید و احیائے دین کی تاریخ میں مجدد الف ثانی کا نام سدا جگمگاتا رہے گا اور ان کی مخلصانہ کوششیں ہر دور میں فرزندانِ اسلام کے لیے مشعل راہ کا کام دیتی رہیں گی۔

حضرت مجدد کے مکتوبات شریفہ بلاشبہ چشمۂ ہدایت ہیں اور احیائے شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ایک عظیم اور کامیاب و کامران کوشش۔ ان کے تراجم مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں، عربی ترجمہ مصر سے چھپا تھا۔ جدید ترکی زبان (بحروف رومن) میں مکتوبات امام ربانی کا ترجمہ راقم الحروف نے ترکیہ میں دیکھا۔ آپ کا رسالہ مبدا و معاد بھی آپ کی تعلیماتِ عالیہ کا آئینہ دار ہے اور اسی طرح آپ کے عظیم المرتبت فرزند خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات بھی جو تین جلدوں پر محیط ہیں خالص اسلامی تصوف اور شریعت کی بے داغ تعلیمات کا خزینۂ بیش بہا ہیں۔

حضرت مجدد اور ان کی اولاد و احفاد اور خلفائے عظام کی مساعی جمیلہ کی بدولت اور اس بناء پر بھی کہ خود سلسلۂ عالیہ کی تعلیمات، احکامِ شریعت کے مطابق اور انہیں کے نور سے مقتبس تھیں، سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ بسرعت تمام برصغیر ہندو پاک سے نکل کر دور دراز کے اسلامی ممالک تک پھیل گیا۔ سلطنتِ عثمانیہ کے عہد میں ترکیہ کے مختلف علاقوں میں اس سلسلے کے کئی تکیے رشد و ہدایت کی روشنی پھیلانے میں مصروف تھے،

افسوس کہ اس صدی کے تیسرے عشرے میں جب غیروں کی سازشوں اور اپنوں کی ''مہربانیوں'' کے طفیل بساطِ خلافت لپیٹ دی گئی تو نئی حکومت نے تصوف کے تمام سلسلے جبراً ممنوع قرار دیے اور اس طرح سلسلۂ مجددیہ کو بھی ظاہری طور پر کام کرنے سے رک جانا پڑا۔ لیکن راقم کا یہ ذاتی مشاہدہ ہے کہ سالہا سال کی جبری بندش بھی ترک قوم کے مزاج دینی اور ذوق متصوفانہ کا خاتمہ نہیں کر سکی اور اب تو الحمد للہ ترکیہ میں رجوع الی الاسلام کی تحریک کھل کر سامنے آ چکی ہے اور حکومت و سیاست میں بھی اس کی گونج سنائی دینے لگی ہے۔

سلطنت عثمانیہ میں سلسلۂ مجددیہ کی ترویج و اشاعت کا سہرا شیخ خالد کردی کے سر ہے وہ مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ شاہ غلام علی دہلوی کے تلامذہ میں سے تھے، انہوں نے دہلی میں حاضر ہو کر شاہ غلام علی سے تکمیل رُشد و ہدایت کی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور واپس جا کر روم، شام، عراق، عرب اور کردستان وغیرہ میں حضرت مجدد کی تعلیمات کو فروغ دیا۔

سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کے ایک اہم رکن خواجۂ محمد باقر بن شرف الدین لاہوری تھے جنہیں حضرت خواجہ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے بتایا جاتا ہے۔ خواجہ محمد باقر کے حالات زندگی تذکروں میں بہت کم ملتے ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ خود اس سلسلے کے تذکرہ نگاروں نے بھی اس طرف کچھ زیادہ توجہ نہیں دی حالانکہ ان کی کتاب کنز الہدایات، کشف البدایات، کشف البدایات والنہایات ایک اہم تصنیف ہے جسے متعلقین سلسلہ میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، ان لی دیگر تصانیف قرآن حکیم کی ایک تفسیر موسومہ منتھی الایجاز لکشف الاعجاز (بزبانِ عربی) اور دام حق (فارسی منظوم بجواب نام حق) غیر مطبوعہ ہیں۔

کنھیا لال نے ایک بزرگ مفتی محمد باقر کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

> ''شاہجہانی عہد میں ایک نامی مفتی محمد باقر تھا جس کی اولاد کا اب نام و نشان نہیں، صرف ایک محلّہ چوہٹہ مفتی محمد باقر اس کے نام سے مشہور ہے۹۔''

نقوش ''لاہور نمبر'' میں پروفیسر علم الدین سالک مرحوم نے بھی مختصر الفاظ میں ان بزرگ کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

یہ بھی لاہور کے ممتاز اور معزز علماء میں شمار ہوتے تھے، آپ کے نام پر
چوہٹہ مفتی باقراب تک موجود ہے وہیں آپ کا مزار بھی ہے۔

بزم تیموریہ میں لکھا ہے ملا شرف الدین لاہوری، لاہور کے مفتی کے عہدے پر مامور تھے، ان کے صاحبزادے ملاّ محمد باقر بھی صوری و معنوی خوبیوں سے آراستہ تھے، عالمگیر ان سے بھی خسروانہ نوازشوں سے پیش آتا تھا[۱۰]۔

برصغیر کے علماء و فضلاء کے مشہور و معروف تذکرہ نزہتہ الخواطر میں راقم کو محمد باقر لاہوری کا نام نہیں مل سکا لیکن شرف الدین لاہوری کا ذکر علماء قرن حادی عشر کے تحت مندرجہ الفاظ میں کیا گیا ہے:۔

الشیخ العالم الفقیه المفتی شرف الدین الاهوری کانَ
مِنَ الفقهاء الحنفیه و کان خُلو المنطق ،فصیح الکلام
حسن خلاق، وَلِیَّ الافتا بمدینة لاهور فی ایام عالمگیر
فاسقلَّ مدة حیاته، مات سنة سبع وثمانین و الف[۱۱]۔

اسمٰعیل پاشا البغدادی نے صرف دو سطروں میں ملا محمد باقر کا ذکر کیا ہے:۔
الشیخ محمد باقر بن شرف الدین الاهوری النقشبندی الصوفی[۱۲]۔

وہ خود کنز الہدایات اور اپنی تفسیر قرآن منتھی الایجاز میں اپنے آپ کو العباسی الحسنی اللھوری لکھتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ سلسلۂ مجددیہ کے بہت سے بزرگوں کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے گہرے تھے، اس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ مکتوبات خواجہ معصوم' اور مکتوبات خواجہ سیف الدین'' میں ان کے نام لکھے گئے بہت سے مکاتیب بھی موجود ہیں۔

کنز الہدایات خواجہ محمد باقر کی اہم ترین تصنیف ہے۔ یہ کتاب جسے حضرت مجدد صاحب کے مکتوبات گرامی اور رسالہ مبدأ و معاد اور مکتوباتِ خواجہ محمد معصوم کا لب لباب کہنا چاہیے۔ پہلی مرتبہ امرتسر سے اور پھر قیام پاکستان کے بعد لاہور سے شائع ہو چکی ہے اور سالکان و طالبان سلسلہ انیقۂ نقشبندیہ مجددیہ'' کے لیے لازم سمجھی جاتی ہے[۱۳]۔

اس اہم تصنیف کا ایک عربی ترجمہ راقم الحروف کو قیام استانبول کے دوران مشہور عالم کتب خانہ ''سلیمانیہ'' میں دستیاب ہوا تھا۔ مترجم ایک ترک عالم الشیخ محمد الحفظی بن الشیخ ولی الدین ہیں خود

بھی ''طریقہ عالیہ نقشبندیہ'' کے خلفاء میں سے تھے[۱۴]۔

ترجمے کی پیشانی پر یہ عبارت مندرج ہے۔

حرزُ العنایات ترجمة كنز الهدایات ترجمها مولانا العالم الفاضل و العارف الكامل محمد الحفظی آفندی حفظه الله تعالیٰ وسلمهٗ و اطال بقاء ہ و کرمهٗ. آمین

مترجم کی مدح میں ایک شعر بھی لکھا گیا ہے۔

اَلَا اِنَّما الحِفظیُّ وَردُز مانه
وان هو شرک فی عیرن اُعادیهِ

(حفظی زمانے میں گلاب کا پھول ہے اگر چہ وہ دشمنوں کی نگاہوں میں ایک کانٹا ہے)۔

مترجم نے سلسلہ مجددیہ کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:

الطریقة العلیةُ التجددیةُ الموسسةُ علی قواعِدِ النِّسبة النقشبندیة التی هی اعجب و الطرق واظرفها وقرب السّبل و اُشرفُها.

اور حضرت مجدد کی مدح وتوصیف میں لکھتے ہیں۔

جناب الامام الہمام، حجۃ اللہ علی الانام، القیوم الحقانی، المحبوبُ السُبحانی، مجدد الف الثانی، المشہور بالامام الربانی حضرت الشیخ احمد الفاروقی السرہندی قدسنا اللہ بسر الاقدس ونفعنا اللہ بعلمہ الانفس۔

الحفظی کنز الہدایات کا عربی ترجمہ کرنے کا سبب یہ بتلاتے ہیں کہ چونکہ یہ کتاب مہمات میں سے ہے لیکن اس بناء پر کہ فارسی زبان میں ہے اور وہ شخص جو عربی کے علاوہ دوسری زبان پر قادر نہیں اس کے لیے اس سے استفادہ کرنا مشکل تھا۔ اس لیے میں نے اسے عربی میں منتقل کیا اور اس کا ترجمہ کرتے وقت فقیر کو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی روحانی خوشنودی کی بشارت ملتی رہی۔

بعد از تکمیل ترجمہ مترجم نے اسے موردالفیوضات الرحمانیۃ، منبع الکمالات الربانیہ، شیخ العالم ومرشد الامم مولانا شیخ محمد جان کی خدمت میں پیش کیا۔ جب کہ ان کے پاس العالم العارف اللبیب اللوذعی

الکامل الادیب" حافظ عبدالرحمٰن الفاروقی القیومی معصومی بھی موجود تھے دونوں حضرات نے اسے پسند کیا اور مترجم کے لیے دعائے خیر کی۔

یہ ترجمہ (حرز العنایات) ۱۲۴۹ھ میں مکہ معظمہ میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔

استانبول سے ایک ترک دوست السید یوسف قلیچ (استاذ حدیث، معہد السلام العالی) نے میری فرمائش پر حسب ذیل معلومات ارسال کیں۔

محمد بن ولی الدین الحفظی ایک عالم وفاضل شخصیت کے مالک تھے اور قرآن مجید کے حافظ اور قاری تھے۔ طریقۂ مجددیہ نقشبندیہ سے منسوب تھے اور علم شریعت اور طریقت میں درجۂ کمال کو پہنچے۔ علامہ عبداللہ وہ وہ لی اوغلو کا بیان ہے کہ محمد الحفظی نے قیصری کی جامع مسجد کونوک میں تعلیم حاصل کی، اور انکے مندرجہ ذیل علمی آثار موجود ہیں۔

۱......نظم المقامات الاحمدیۃ فی سلسلۃ الطریقۃ النقشبندیہ ۴۵۰/اشعار پر مشتمل ہے۔

۲......ترجمہ رسالۃ فی اطریقت النقشبندیہ (لابی سعید المجددی) (مکہ معظمہ میں ۱۲۴۷ھ میں لکھا گیا)۔

۳......المنھل العذب فی ذکر القلب۔ (منظوم بزبان عربی، ۱۱۵، اشعار کا مجموعہ)

(اس کے بارے میں مترجم لکھتے ہیں کہ مولف رحمۃ اللہ علیہ (ابوسعید مجددی) نے خود اس ترجمہ کو ملاحظہ فرمایا اور کئی مرتبہ اس کا مطالعہ کیا اور اسے اصل متن کے مطابق پایا اور اجازت مرحمت کی)۔

☆......☆......☆

حواشی:

۱......زبدۃ المقامات، ص۔۱۲۸

۲......زبدۃ المقامات، ص۔۱۷۶

۳......تذکرہ علمائے ہند، ص۔۱۱۰

۴......نزہۃ الخواطر، جزو خامس، ص۔۴۸

۵......روضہ قیومیہ، ج اول، ص۔۱۴۹

۶......علمائے ہند کا شاندار ماضی، جلد اول، ص۔۲۹۵، ۲۹۶

۷......زبدۃ المقامات، ص۔۱۷۶

۸......علمائے ہند کا شاندار ماضی، ج اول، ص۔۳۸۰

۹......تاریخ لاہور، ص۔۵۴

۱۰......بزم تیموریہ، ص۔۲۵۱

۱۱......نزہۃ الخواطر، الجزالخامس، ص۔۱۶۵

۱۲......ہدیۃ العارفین جلد دوم، ص۔۲۹۲

۱۳......ملاحظہ کیجیے میرا مقالہ، ملا محمد باقر لاہوری در اورنٹیل کالج میگزین لاہور شمارہ مارچ، جون ۱۹۷۲ء

۱۴......ترجمہ موسومہ، حرز العنایات ترجمہ کنز الہدایات، (مخلوط) ورق۔۷۵

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی اور مارکسی مؤرخین

ڈاکٹر جمال محمد صدیقی
(لکچرر شعبہ تاریخ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

☆☆

یوں تو ہر دور اور ہر زمانہ میں تاریخ نویسی کسی نہ کسی تعصب کا شکار رہی ہے۔ لیکن جب سے تاریخ کا مطالعہ مارکسی نقطۂ نظر سے کیا جانے لگا ہے۔ ایک دوسری ہی صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ مارکسی مورخین زیادہ تر تاریخ کے معاشی اور زرعی پہلوؤں کی تحقیق پر زور دیتے ہیں۔ تاکہ تمام انسانی سماج کی تاریخ کو طبقاتی کشمکش کی تاریخ[1] سے تعبیر کرنے میں آسانی ہو۔ مگر جب سے سیاسی مذہبی اور ثقافتی تاریخ کی تشریح بھی اس درآمد شدہ نظریہ کی روشنی میں شروع کی گئی ہے، ایک انتہائی مایوس کن صورت حال سامنے آگئی ہے۔ مارکسی مورخین کے اس مایوس کن تاریخ نویسی کے جائزہ کی ابتدا ہم پروفیسر عرفان حبیب (جو مارکسی نظریات رکھتے ہیں) کے ایک مقالے سے کرتے ہیں جس میں انہوں نے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی افکار و کردار سے بحث کی ہے[2]۔

ہم سرِ دست اس مضمون میں صرف حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پروفیسر موصوف اور ان کے ہم نواؤں کے خیالات کا تجزیہ کریں گے[3]۔

پروفیسر عرفان حبیب اپنے مقالہ کی ابتداء اس طرح کرتے ہیں۔ اسلامی مکتب خیال کے مورخوں نے عہدِ مغلیہ کے دو صوفیوں شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) اور شاہ ولی اللہ دہلوی پر غیر معمولی توجہ مرکوز کی ہے علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں شیخ کو ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان قرار دیا ہے۔ ایک ہندوستانی عالم پاکستان کی سرکاری تاریخ ''Freedom Movement of Pakistan'' کے ایک باب میں لکھتے ہوئے یہ اظہار کرتا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کے لیے ایک مثالی ملک قائم کرنے کے لیے کام

کیا تھا[۴]۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ سترھویں اور اٹھارھویں صدی کی اہم واقعاتی تبدیلیوں میں ان دونوں صوفیوں کا ایک فیصلہ کن کردار ثابت کیا جاے۔ شیخ احمد کی تصویرکشی اس شخص کی طرح کی گئی ہے۔ جس نے جہانگیر کو اکبر کی اسلام دشمن پالیسیوں سے منحرف کر دیا اور اس طرح سلطنتِ مغلیہ میں اسلام کا تحفظ کیا۔ یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ ان کے افکار نے اورنگزیب کی مذہبی پالیسی کو بھی متاثر کیا[۵]۔

پروفیسر موصوف اپنے ذاتی تاثرات کا اظہار کرتے ہوے کہتے ہیں:۔

> چونکہ فی زمانہ غالباً صرف فرقہ وارانہ عصبیت ہی کی بنیاد پر کسی کو آسانی سے تاریخ میں کوئی بلند مقام عطا نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا شیخ احمد اور شاہ ولی اللہ دونوں سے بے شمار دیگر اوصاف منسوب کیے گئے ہیں[۶]۔
>
> آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر آر۔ پی ترپاٹھی شیخ احمد کو اکبر کے خلاف مسلمانوں کی احیاء مذہب کی تحریک کا رہنما بتاتے ہیں اور اس عظیم اثر کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ جو اس تحریک نے جہانگیر کی پالیسیوں پر ڈالا تھا[۷]۔

شیخ احمد سرہندی کے کارناموں کا اعتراف کرنے والوں کے مختلف حوالے اور تاثرات قلمبند کرنے کے بعد پروفیسر موصوف اپنی حیرت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

> اسلامی مکتب خیال کے مؤرخوں نے تو شیخ احمد اور شاہ ولی اللہ کو اپنا محبوب ہیرو بنا ہی لیا ہے (لیکن) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ مورخ بھی جو بصورت دیگر ہمیشہ معروضی اور سائنٹفک نقطۂ نظر سے تاریخ کے مطالعہ کی حمایت کرتے ہیں اس نظریہ سے متفق ہو رہے ہیں[۸]۔

اپنا مقالہ لکھنے کی وجہ بتاتے ہوے پروفیسر موصوف لکھتے ہیں کہ:

> یہ حقیقت کہ اس پایہ کے مؤرخین اس قسم کے خیالات کا اظہار کریں۔ ذہن کو اس طرف منتقل کرتا ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ان شواہد کی چھان بین کی جائے۔ جن پر ان دونوں صوفیوں کے افکار اور کارناموں کی یہ ساری تشریح مبنی ہے۔ شیخ احمد اور شاہ ولی اللہ دونوں کی تحریروں اور

> دیگر متعلقہ تاریخی شواہد کے مطالعہ کے بعد اس مصنف کا عقیدہ ہے کہ دونوں صوفیوں کے کردار کا تاریخ میں صحیح مقام متعین کرنے کے لیے از سرِنو جائزہ ضروری ہے[۹]۔

اس سلسلے میں اگر پروفیسر سید نورالحسن (جن کا شمار موجودہ زمانے میں ہندوستان کے قرون وسطیٰ کے اسلامی مکتب خیال کے مورخوں میں نہیں ہوتا) کے خیالات یہاں پیش کیے جائیں تو بے محل نہ ہوگا۔ شیخ احمد سرہندی کے متعلق وہ اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں:۔

> شیخ احمد سرہندی اپنے دور کے عظیم مذہبی رہنماؤں میں سے تھے۔ ان کے معتقدین میں بعض اہم امراء اور عام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی شامل تھی۔ ان کو اس طاقتور رجحان کا نمائندہ سمجھا جاسکتا ہے۔ جو عہدِ اکبری میں منظر عام پر آیا یہ رجحان مسلمانوں کے ردعمل کا نتیجہ تھا جو سترھویں صدی میں مستحکم تھا[۱۰]۔

پروفیسر عرفان حبیب اپنے مقالے کی ابتدا ہی نظریاتی اختلاف سے کرتے ہیں۔ حالانکہ اس نظریاتی اختلاف کی کوئی گنجائش اس مسئلہ پر پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ شیخ احمد سرہندی کے سیاسی کردار اور اثرات کو تسلیم کرنے والوں کی فہرست میں ڈاکٹر آر، پی، ترپاٹھی اور پروفیسر نورالحسن ایسے مکتب خیال کے مورخوں کا نام بھی ملتا ہے۔ جن کے تجزیہ سے پروفیسر عرفان حبیب نہ صرف متفق نہیں ہیں۔ بلکہ اس کو غیر تاریخی، غیر معروضی اور غیر واقعاتی بھی سمجھتے ہیں۔

پروفیسر موصوف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ شیخ احمد سرہندی کی خوبی صرف فرقہ وارانہ تعصب تھی اور چونکہ یہ خوبی اب فرسودہ ہوچکی ہے۔ اس لیے ان کے مداحوں نے اور بہت ساری خوبیاں وضع کر کے ان سے منسوب کردی ہیں۔ جدید دور کی اس اصطلاح کا اطلاق سترھویں صدی کے حالات پر سیاق وسباق کو سمجھے بغیر کرنا تاریخ کے ساتھ بے انصافی ہے۔ جسے آج ہم فرقہ وارانہ تعصب سمجھتے ہیں۔ وہ عہد اکبری میں اکبر کی مذہبی پالیسی کے خلاف ایک شدید ردِعمل تھا۔ اور مسلمان تو ایک طرف خود ہندو بھی اکبر کی مذہبی پالیسی سے متفق نہ تھے۔ چنانچہ راجہ مان سنگھ نے صاف صاف دین الٰہی کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظ فرقہ پرست کی مارکسی تشریح کی زد سے شاید ہی کوئی بچ سکے۔ جس نظریہ کا نصب العین ہی مذہب

کے خلاف ایک شدید ملامتی مہم ہو[11] اور جس نظریہ کے علمبردار مذہب کو ایک آلۂ استحصال تصور کرتے ہوں[12]۔ تو ایسی صورت میں فرقہ پرست متعصب ''قدامت پسند'' اور رجعت پسند وغیرہ اصطلاحات کی اہمیت ہی کیا رہ جاتی ہے۔

پروفیسر عرفان حبیب لکھتے ہیں:۔

> شیخ احمد اور شاہ ولی اللہ دونوں کے نظریات کا مطالعہ فطری طور پر ان کے دور کے پس منظر میں ہی کرنا چاہیے[13] لہٰذا شیخ احمد سرہندی کے نظریات کا ابوالفضل سے تقابلی جائزہ لیتے ہوئے وہ صرف ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ احمد ابوالفضل کے پاس تھے کہ انہوں نے غزالی کے حوالہ سے یہ کہا کہ وہ تمام علوم جن کا ذکر پہلے سے قرآن میں نہیں ہے۔ وہ یا تو بیکار ہیں یا نقصان دہ۔ ابوالفضل نے جوش میں جواب دیا کہ غزالی مہمل کہتا ہے۔ جس پر شیخ احمد اٹھ کر چلے گئے[14]۔

اصل واقعہ کو ادھورا نقل کرنے کے بعد پروفیسر موصوف اپنے خیال کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

> ابوالفضل اور اس کے ہمنوا جہاں جامد عصبیت کا پردہ چاک کر رہے تھے وہاں شیخ احمد ذہن کو تنگ ترین دینی فہم میں مقید کرنا چاہتے تھے اور وہ ہر اس چیز کو جو ان کے فہم سے بالاتر تھی یا جو شریعت سے جواب محض ایک پُر پیچ اور بے لوچ تفصیلات کے علاوہ کچھ نہ رہ گئی تھی۔ مطابقت نہ رکھتی تھی، مطعون کرتے تھے[15]۔

پروفیسر موصوف کی جارحانہ تاریخ نویسی کی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ اصل واقعہ کے پورے متن کا ترجمہ پیش کر دیا جائے۔ تا کہ معاملہ کی نوعیت پوری طرح واضح ہو سکے۔ یہ واقعہ زبدۃ المقامات میں محمد ہاشم کشمی نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

> ابوالفضل کا ایک اور مصاحب مجھ سے کہتا تھا کہ ایک دفعہ تمہارے مرشد ابوالفضل کی مجلس میں حاضر تھے۔ ابوالفضل نے فلسفیوں اور ان کے علوم کی تعریف میں اس قدر مبالغہ کیا۔ جس سے علماء دین کی توہین ہوتی تھی۔

حضرت شیخ جن کو اسلام سے بے پناہ محبت تھی۔ وہ یہ برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے فرمایا کہ امام غزالی اپنے رسالہ **المنقذمن الضلال** میں لکھتے ہیں کہ وہ تمام علوم جن کے ایجاد کا دعویٰ فلسفی کرتے ہیں۔ مثلاً نجوم، ہیئت، طب وغیرہ کام کے ہیں۔ جن کو انہوں نے قدیم انبیاء کی کتابوں اور ان کے کلام سے چرایا ہے اور وہ علوم جو خود ان کی اپنی ایجاد ہے۔ مثلاً ریاضی وغیرہ وہ دین کے کس کام آتے ہیں؟ ابوالفضل یہ سن کر جوش میں آ گیا اور کہنے لگا کہ غزالی نے نامعقول بات کہی ہے۔ یہ سن کر حضرت شیخ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فوراً ابوالفضل کی مجلس سے اٹھے اور فرمایا کہ اگر اہل علم کی صحبت کا ذوق ہے تو اس طرح کی بے ادبی کے الفاظ سے پرہیز کرو۔ یہ کہہ کر وہ مجلس سے باہر چلے گئے۔ اور پھر کئی روز تک ابوالفضل کے پاس نہیں گئے حتیٰ کہ اس نے آدمی بھیج کر معذرت چاہی اور انہیں بلا بھیجا[16]۔

پروفیسر موصوف و آنچہ زادہ طبع ایشاں است چوں ریاضی وامثالہ بچہ کار دین می آید[17] سے یہ مفہوم وہ تمام علوم جن کا ذکر پہلے سے قرآن میں نہیں ہے وہ یا تو بیکار ہیں یا نقصان دہ سمجھنے میں کس طرح حق بجانب ہو سکتے ہیں۔ کتب انبیائے ماتقدم وکلام ایشایان ۱۸ سے مفہوم صرف ''قرآن'' ہی کس طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ ابوالفضل کا موازنہ دین کی فہم کے سلسلے مین شیخ احمد سرہندی سے کرنے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ اس نے مغلیہ عہد کے زرعی اور معاشی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ یقیناً چھوڑا ہے۔ لیکن مذہب کے دائرۂ عمل میں وہ خود ہی متضاد خیالات کا شکار نظر آتا ہے۔ ایک طرف تو وہ ''صلح کل'' کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور دوسری جانب راجہ ٹوڈرمل کی بت پرستی کا مذاق بھی اڑاتا ہے[19]۔ ایک جانب وہ ''تقلید'' پر عقل کی فتح کا علمبردار نظر آتا ہے اور دوسری جانب فیضی کو بادشاہ کے ان احکام کو جو شرع محمدی سے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔ نہ ماننے کی تبلیغ بھی کرتا ہے[20]۔

دراصل شیخ احمد سرہندی فلسفیوں کے ان تصورات کے مخالف تھے جن سے انبیاء کے اقوال کی نفی ہوتی تھی اور وہ قرآنی آیات کی ایسی تفسیر وتاویل کے خلاف تھے جو مذہب اہل سنت کیخلاف ہو۔ جسے عموماً یہ

فلسفی پیش کرتے تھے[۲۱] پروفیسر موصوف شیخ کے اس نظریہ کے اس پہلو کو جامد عصبیت اور تنگ ترین ذہنیت کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کی روشن خیالی اور ذہنی آزادی کے معیار پر تو اکبر اور ابوالفضل بھی پورے نہیں اتر سکتے۔ موصوف شیخ احمد سرہندی سے قطع نظر شریعت ہی کو ایک جامد عصبیت اور ایک پُر پیچ اور بے لوچ مذہبی رسوم کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔ اس سے موصوف کی تاریخ فہمی کی تو کم لیکن مارکسی عصبیت کی یقیناً شہادت ملتی ہے جو ان کا مقصود اور مطلوب ہے۔

پروفیسر موصوف نے ہندوؤں کے متعلق شیخ احمد سرہندی کے نظریات کو اس انداز میں پیش کیا ہے جیسے ہندوؤں کے خلاف شیخ نے ایک ملامتی مہم شروع کر رکھی تھی[۲۲] اس کی تائید میں صرف ان مکتوبات کا حوالہ دیا گیا ہے جس سے پروفیسر موصوف کے خود ساختہ نظریات کو تقویت پہنچتی ہے۔ لیکن شیخ کے وہ مکتوبات جن سے مذہبی رواداری کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اسے یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں یہاں شیخ کے صرف دو خطوط کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ ایک مکتوب میں وہ لکھتے ہیں:۔

> مسلمانوں کو اپنے دین کی اتباع کرنا چاہیے اور ہندووں کو اپنے مذہبی عقائد کی، قرآنی آیت لَکُمْ دِینُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ کا یہی مفہوم ہے[۲۳]۔

ایک دوسرے خط میں ملا مقصود علی تبریزی کو مشرکوں کی نجاست کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> آپ خلقِ خدا پر رحم کریں اور عام طور پر ان کی نجاست کا حکم نہ دیں اور مسلمانوں کو بھی کفار کے ساتھ ملنے جلنے کے باعث جس سے چارہ نہیں نجس نہ جانیں اور وہمی نجاست کے باعث مسلمانوں کے کھانے پینے سے پرہیز نہ کریں اور اس طرح سب سے بیزار نہ ہوں[۲۴]۔

فرائڈمان شیخ احمد سرہندی کے نظریہ کے اس پہلو کا سائنٹفک تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

> ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے بارے میں سرہندی کے جو خیالات بعض جگہوں پر واشگاف ملتے ہیں وہ دراصل ان کے خیالات کے نشو و نما سے متعلق نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق اس سیاق و سباق سے ہے جس میں وہ لکھ رہے ہیں[۲۵]۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی شیخ احمد سرہندی کے کارناموں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک یا دو موقعوں پر انہوں نے جو اظہار خیال کیا وہ تلخ اور غیر ضروری تھا۔ لیکن یہ ان کی تحریک کا گوہر مقصود نہیں تھا۔ درحقیقت ان کا رویہ اکبر کے مذہبی تجربات اور اس سے پیدا شدہ درباری ماحول کے خلاف ردِعمل کے طور پر پیدا ہوا تھا۔ جیسے ہی یہ ماحول ختم ہوا انکے رویہ میں بھی غیر معمولی تبدیلی واقع ہوگئی[۲۶]۔

پروفیسر عرفان حبیب یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ جلد سوم کے مکتوبات میں جو دورانِ اسیری اور رہائی کے بعد لکھے گئے تھے۔ شیخ کا لب ولہجہ معقول اور نرم تھا۔ اور ان میں ہندوؤں اور شیعوں کو مطعون نہیں کیا گیا تھا[۲۷] مگر اس کی تاویل وہ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ (رہائی سے قبل) جہانگیر نے شیخ سے مناسب طرزِ عمل کا زبانی عہد و پیمان ضرور لیا ہوگا[۲۸] پروفیسر موصوف کا یہ خیال یکسر مفروضی ہے کیونکہ اس کا کوئی ثبوت اس کے پاس نہیں ہے۔ جبکہ ہمارے علم میں شیخ کا وہ خط ہے جو انہوں نے اپنے صاحبزادے کو رہائی کے بعد جہانگیر کے ساتھ قیام کے زمانہ میں لکھا تھا۔ اس سے رہائی کے پس منظر پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں بادشاہ سے دینی امور اور شرعی تفصیلات کے متعلق بے تکلف اور برملا گفتگو ہوئی جسے بادشاہ نے بخوشی سنا[۲۹]۔

شیخ کا یہ خط ۱۶۲۲ء میں جلد سوم کے ساتھ شائع ہو چکا ہے اور تزک جہانگیری کا سلسلۂ تصنیف ۱۶۲۴ء تک قائم رہا۔ لیکن جہانگیر نے اس خط کی کوئی تردید نہیں کی۔ جہانگیر نے تفصیل سے شیخ احمد سرہندی کی گرفتاری اور رہائی کا ذکر تزک جہانگیری میں حد درجہ بے ادبی سے کیا ہے[۳۰] لیکن یہ کہ اس نے شیخ احمد سرہندی کو رہا کرنے سے قبل ان سے مناسب رویہ اختیار کرنے کا عہد و پیمان لیا ہو، اس کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

پروفیسر عرفان حبیب کا خیال ہے کہ شیخ احمد عوام کے قطعاً رہنما نہ تھے۔ ان کی نظریں بادشاہ اور اس کے امراء کی جانب لگی رہتی تھیں اور ان کا یہ خیال تھا کہ شریعت کی تجدید اور حفاظت صرف بادشاہ ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں بادشاہ کو وہی مقام حاصل ہے جو قلب کو جسم میں۔ امراء کا یہ فرض ہے کہ وہ بادشاہ کو شریعت کی پیروی کرنے کا مشورہ دیں۔ (لہٰذا) یہ فطری امر تھا کہ وہ خود بادشاہ تک باریابی حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتے اور اس کے مصاحبین میں شامل ہوتے تاکہ وہ شرعی حکومت کے مکمل قیام کے خیالی خواب میں معاون ہو سکیں۔ چنانچہ انہوں نے امراء کو بالخصوص

شیخ فرید کو متعدد خطوط لکھے۔ لیکن انہوں نے عام مسلمانوں کو کبھی مخاطب نہیں کیا۔ صرف اعلیٰ طبقہ اور صاحبِ اقتدار ہی ان کے مخاطب رہے[۳۱]۔

عہد وسطیٰ کے دورِ شہنشاہیت میں بادشاہ اور امراء کو جو مرکزیت حاصل تھی۔ اس کے پیش نظر شیخ احمد سرہندی کا بادشاہ اور اس کے امراء کو شریعت کی اہمیت کی جانب متوجہ کرنا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ اس زمانے میں سارے دینی تجربات کا مرکز دربار ہی ہوتا تھا۔ اس بات کا کہ شیخ نے اپنے مقصد کی تکمیل میں کبھی دربار میں شرف باریابی حاصل کرنے یا بادشاہ کے مصاحبین میں شامل ہونے کی خواہش کی ہو کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اکبر سے شیخ احمد سرہندی کی بھی ملاقات کا ذکر نہیں ملتا اور جہانگیر سے بھی ملاقات چودھویں سال جلوس میں اس طرح ہوئی کہ جہانگیر نے شیخ کو باز پرس کیلیے طلب کیا۔ شرف باریابی حاصل کرنے والا شخص دربار کے مقتدر امراء سے خط و کتابت کے درمیان باشاہ وقت کی مذہبی پالیسیوں پر اس بے باکی سے تنقید نہیں کرسکتا تھا اور جب اسے دربار شاہی میں طلب کیا گیا تو اس طرح پیش نہیں آسکتا تھا کہ جہانگیر یہ لکھنے پر مجبور ہو ''بغایت مغرور و خود پسند ظاہر شد''[۳۲] جہاں تک شرعی حکومت کے مکمل قیام کا سوال ہے کہ یہ ایک خیالی خواب تھا'' اس سلسلے میں صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ اس کا قیام بہر صورت مارکس کے معتقدین کے لیے ہر زمانے میں دردِ سر رہا ہے۔

پروفیسر موصوف کا یہ مفروضہ کہ انہوں (شیخ) نے عام مسلمانوں کو کبھی مخاطب نہیں کیا۔ بلکہ صرف اعلیٰ طبقہ اور صاحب اقتدار اشخاص کو مخاطب کیا[۳۳]۔ تجزیہ طلب ہے۔

فرائڈمان جس نے شیخ احمد سرہندی سے متعلق بنیادی ماخذ کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ لکھتا ہے کہ مکتوبات کی تینوں جلدیں جو ۵۳۴ مکتوبات کا مجموعہ ہیں ان میں دوسو اشخاص کو مخاطب کیا گیا ہے[۳۴] وہ مزید لکھتا ہے کہ خط موصول کرنے والوں کی صرف ایک مختصر تعداد کا تعلق مغل حکام سے ہے اور ان کو ستر سے زیادہ خطوط نہیں لکھے گئے[۳۵] وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ تقریباً دوسو مخاطبین میں سے صرف ایک مختصر تعداد کی شناخت موجودہ دستیاب مآخذ کی مدد سے صحیح طور پر کی جاسکتی ہے۔[۳۶] فرائڈمان اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے۔

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دور حاضر کے مورخین نے مغل حکام کو لکھے گئے خطوط پر جس قدر توجہ مبذول کی ہے۔ وہ مکمل مجموعہ میں اپنی واقعی اہمیت کے اعتبار سے مبالغہ آمیز ہے[۳۷]۔

جن مکتوبات کے صرف تیرہ فیصد ہی مغل حکام اور امراء کو لکھے گئے ہوں۔ اور بقیہ ۸۷ فیصد لوگ

غیر درباری ہوں اور جن دوسو مخاطبین میں صرف چند اشخاص ہی کی تاریخی شناخت ممکن ہوسکی ہو۔ ان مکتوبات کے متعلق یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ ان میں صرف اعلیٰ طبقہ اور صاحب اقتدار اشخاص ہی کو مخاطب کیا گیا ہے اور عام مسلمانوں کو کبھی مخاطب نہیں کیا گیا غیر اہم تاریخی نوعیت کے اشخاص جن کی شناخت نہ ہوسکی ان میں یقیناً عام مسلمان ہوں گے۔

شیخ احمد سرہندی عوامی رہنما تھے یا نہیں، بحث کا محتاج ہے۔ کیونکہ عوامی رہنما کا جو تصور مارکس نواز پیش کرتے ہیں وہ خود انتہائی غیر واضح ہے۔ مارکسی نظریہ کے حامیوں کی مرتب کی ہوئی عوامی رہنماؤں کی طویل فہرست میں خود مارکسی نظریہ کے علمبرداروں کے ہاتھوں گذشتہ بیس برسوں میں پے در پے جو شکست وریخت اور ردوبدل واقع ہوا ہے۔ اس کے پیش نظر عوامی رہنما کی اصطلاح کی مارکسی تشریح کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے دور حاضر کی اس اصطلاح کا اطلاق دور وسطیٰ پر کرنا بے محل ہوگا۔ ہمارے پاس اس کی شہادت ہے کہ جہانگیر خود یہ اعتراف کرتا ہے کہ شیخ کے خلفاء ہر دیار اور ہر فرقہ میں متعین ہیں[۳۸] اور یہ کہ شیخ کی گرفتاری کے جواز میں وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ ''شورش عوام نیز فرونشیند''[۳۹] جس شخص کی گرفتاری عوامی شورش کو فرو کرنے کے لیے عمل میں لائی گئی ہو اس کے متعلق کم از کم اتنا تو کہا جاسکتا ہے کہ اس کے افکار اور نظریات کا دائرہ عوام تک پہنچ چکا تھا۔ اور ان کے مکتوبات کی شہرت دربار کے حدود سے گزر کر عوام تک پہنچ چکی تھی اور چونکہ شیخ کے خلفاء شہر شہر پھیلے ہوئے تھے۔ اس لیے ان کا رابطہ عوامی سطح پر قائم ہو چکا تھا۔ اگر پروفیسر موصوف جہانگیر کے اس اعتراف کو کسی جوابی دلیل سے رد کرنے کی کوشش کرتے تو طعن وملامت کی وہ عمارت تزک جہانگیری کے اس حوالہ سے جہاں جہانگیر نے حد درجہ بے ادبی سے شیخ کی گرفتاری کا ذکر کیا ہے اور جس کے ضمن میں ہی یہ دونوں باتیں بھی تحریر کی ہیں از خود مسمار ہو جاتی لیکن پروفیسر موصوف اس نازک صورت حال سے دوچار ہونے کے لیے خود کو تیار نہ کر سکے اور مصلحت آمیز خاموشی اختیار کر گئے۔

دربار اکبری کے ایک اہم امیر شیخ فرید پر شیخ احمد سرہندی کے اثر کے بارے میں شبہہ کا اظہار کرتے ہوئے پروفیسر عرفان حبیب لکھتے ہیں:۔

> ''کیا شیخ احمد کا شیخ فرید پر کوئی اثر تھا؟ کیا شیخ فرید بھی جہانگیر پر اسی طرح اثر انداز تھے؟

اور کیا جہانگیر نے اکبر کی (مذہبی) پالیسی ترک کر دی تھی۔؟ اس امر کا اس کے سوا کہ شیخ احمد نے شیخ فرید کو بہت سارے خطوط لکھے اور کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے کہ شیخ فرید نے کبھی بھی شیخ احمد کا مشورہ قبول کیا ہو۔ ان مکتوبات کو ایک جلد میں جمع کر کے، جبکہ شیخ فرید کا انتقال ہو چکا تھا، ۱۶۱۷ء میں شائع کیا گیا اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ شیخ فرید نے ان خطوط کو وصول بھی کیا ہو یا نہیں یا کم از کم اسی شکل میں جس میں وہ (مکتوبات) ہمیں آج دستیاب ہیں۔ یہ یقین کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے اتنے بڑے عہدہ دار نے ایسے خطوط موصول کرنے کی ہمت کی ہوگی۔ جن میں بادشاہ وقت کے والد کے متعلق گستاخانہ کلمات استعمال کیے گئے ہوں گے برخلاف اس کے شیخ فرید اکبر کے لیے انتہائی جذبہ وفاداری رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے الہداد فیضی سرہندی کو عہد اکبری کی ایک تاریخ لکھنے پر مامور کیا تھا۔ جس میں اکبر کی تعریف کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔ یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ گو یہ تاریخ جس کا سلسلہ ۱۶۰۱ء تک رہا ہے۔ سرہند کے ایک باشندے نے لکھی ہے اور جس میں سرہند کے بہت سے علماء کا ذکر ملتا ہے لیکن شیخ احمد سرہندی کا ذکر ایک جگہ پر بھی نہیں کیا گیا۔[۴۰]

مندرجہ بالا شبہات اور تاویلات کے مختلف پہلوؤں پر ڈاکٹر محمد عمر نے اپنے ایک مقالے میں سیر حاصل بحث کی ہے۔[۴۱]

پروفیسر موصوف درحقیقت مکتوبات کے استناد اور صداقت کو مجروح و مشتبہ کرنے کی ایک ناکام کوشش میں مصروف ہیں۔ شیخ احمد سرہندی کے افکار اور نظریات کے مطالعہ کے لیے مکتوبات کو ایک بنیادی مآخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ اگر پروفیسر موصوف مکتوبات ہی کو مشتبہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو نظریات اور افکار از خود بے وقعت ہو جاتے۔ روایت یعنی مکتوبات کے درپردہ راوی شیخ احمد سرہندی کو جس طرح ملوث کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔ وہ پروفیسر موصوف کی نظریاتی عصبیت کا ایک مزید ثبوت ہے۔

کوئی بھی صاف ذہن رکھنے والا مؤرخ اگر ان مکتوبات کا سرسری جائزہ لے تو یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ شیخ نے جن لوگوں کو خطوط لکھے انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان خطوط کو وصول کیا بلکہ ان کے جوابات بھی دیے۔ شیخ احمد سرہندی اپنے مخاطبین کو بشمول شیخ فرید بار بار یہ لکھتے ہیں کہ آپ کا گرامی نامہ محبت نامہ، مرحمت نامہ، موصول ہوا۔[۴۲] مکتوبات کے ابتداء میں ان سوالات کا خلاصہ دیتے ہیں جو مکتوب الیہ نے دریافت کیے ہیں اور اس کے بعد ان سوالات کا جواب سلسلہ وار دیتے ہیں۔[۴۳] شیخ احمد سرہندی ایسے دیندار شخص سے یہ بعید تھا کہ وہ ایسے مکتوبات کا پُرفریب تاثر قائم کرنے کی کوشش کرتے کہ مخاطبین ان کے خطوط کو وصول کر کے ان

کے جوابات بھی دے رہے ہیں۔

اس ضمن میں اقتدار عالم خان صاحب کے مضمون کا حوالہ بھی بے محل نہ ہوگا۔ سیاست میں مذہب کی ایک نا قابل تسلیم اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:۔

> اسی رجحان (سیاست میں مذہب کی اہمیت) نے بعض پاکستانی مورخین کو اکسایا کہ وہ اکبر کی مبینہ اسلام دشمن پالیسیوں کے خلاف ایک قدامت پرستانہ ردعمل کو دریافت کریں۔ جس کی بنیاد ان چند خطوط پر رکھی گئی تھی جو راسخ العقیدہ مسلک کے ایک برہم نوجوان نے مختلف امراء کو لکھے تھے۔ جنہوں نے ان خطوط کو تسلیم کرنے کی بھی پروا نہیں کی[۴۴]۔

اقتدار عالم خان صاحب کی عبارت میں شیخ احمد سرہندی کے لیے مضمر جذبۂ حقارت کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ لیکن یہ کہہ دینا یہاں بے محل نہ ہوگا کہ خان صاحب موصوف بھی اس منبع علم سے سیراب ہوئے ہیں۔ جس سے پروفیسر عرفان حبیب نے کسبِ فیض کیا ہے اور یہ نکتہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ دونوں ایک ہی سُر میں نغمہ سنج محض اس لیے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی کے افکار و کردار کا سائنٹیفک تجزیہ کرنے والے مورخین کو فرقہ پرست کہنے کے ساتھ ساتھ ایک غیر ملکی نظریہ کا علمبردار ثابت کرنے کی بھی کوشش کی جائے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مکتوبات کو مشتبہ ثابت کرنے کی کوشش میں آخر مخاطبین کی ایک طویل فہرست سے پروفیسر موصوف کی نگاہ انتخاب صرف شیخ فرید پر کیوں پڑی، شاید اس لیے کہ ان کا انتقال مکتوبات جلد اول کی اشاعت ۱۶۱۷ء سے قبل ہو چکا تھا۔ لیکن پروفیسر موصوف یہ بھول گئے کہ عزیز کوکہ اور عبدالرحیم خانِ خاناں کا انتقال بالترتیب ۱۶۲۴ء اور ۱۶۲۷ء میں ہوا۔ جب کہ مکتوبات کی تینوں جلدیں شائع ہو چکی تھیں[۴۵] ان کے علاوہ جلد اول کی اشاعت کے بعد اہم مکتوب الیہم کی ایک اچھی خاصی تعداد بھی بقید حیات تھی اور خود تزک جہانگیری کا سلسلۂ تحریر بھی جاری تھا۔ مگر کسی نے کبھی بھی ان مکتوبات کی صداقت یا حیثیت کی تردید نہیں کی حالانکہ اس دور میں بھی مخالفین کی کوئی کمی نہ تھی اور اس انکشاف کے موجد ہونے کا سہرا پروفیسر موصوف کے سر نہ بندھ سکتا تھا۔

مکتوبات کی موجودہ شکل کے بارے میں پروفیسر موصوف کا شبہہ محض بے بنیاد ہی نہیں ہے بلکہ سخت گمراہ کن بھی ہے۔ کیونکہ مکتوبات کے تمام نسخوں کے متن میں مکمل یکسانیت پائی جاتی ہے بہ فرض محال اگر کوئی فرق ہے تو پروفیسر موصوف اس کا کوئی ثبوت پیش کرنے سے کیوں گریز کر رہے ہیں۔ صرف شبہہ ظاہر کر دینے سے مکتوبات کو مشتبہ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بے بنیاد شبہہ خاص مسلکی اور وقتی مصالح کی بنیاد پر پیدا کیا گیا ہے۔ کیونکہ مکتوبات کی حیثیت اور صداقت کو تسلیم کرنے کی صورت میں پروفیسر موصوف کے پاس بہت سارے بے بنیاد سوالات اور شیخ احمد سرہندی پر الزام تراشی کی گنجائش باقی نہ رہ جاتی۔

ڈاکٹر محمد عمر کے مطابق شیخ فرید کی شیخ احمد سرہندی سے خط و کتابت میں جرأت اور ہمت کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ کیونکہ شیخ فرید کے علاوہ دربار اکبری اور جہانگیری کے بہت سے اہم امراء مثلاً قلیچ خان اندجانی، عبدالرحیم خان خاناں، عزیز کوکہ، صدر جہاں فتح اللہ شیرازی، خواجہ جہاں اور داراب خان بھی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے مراسلاتی تعلقات رکھتے تھے۔ جبکہ یہ دونوں بزرگ اکبر کی مذہبی پالیسی کے مخالفین کی حیثیت سے معروف تھے۔[۴۶]

اکبر کے لیے شیخ فرید کے جذبہ وفاداری میں کوئی شک نہیں ہے اور شیخ فرید ہی کے ایماء پر الہداد فیضی سرہندی نے اکبر نامہ لکھا جو اکبر کی تعریف و توصیف سے لبریز ہے لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ شیخ فرید ہی کے منشا پر بقول ڈاکٹر محمد عمر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے شیخ نورالحق نے زبدۃ التواریخ مرتب کی جس میں اکبر کے مذہبی عقائد پر سخت نکتہ چینی کی گئی ہے۔[۴۷]

ڈاکٹر محمد عمر کے مطابق الہداد سرہندی کے اکبر نامہ کا دائرہ بہت محدود تھا۔ شیخ فرید کی ہدایت پر جیسا کہ مصنف خود اعتراف کرتا ہے کہ اکبر نامہ میں اکبر کی ان جنگی مہمات کا ذکر مقصود ہے جن میں بادشاہ نے خود شرکت کی ہے۔ اس تصنیف کا تعلق علماء یا صوفیۂ سرہند سے نہیں تھا۔ اس میں صرف دو عالموں حاجی ابراہیم سرہندی[۴۸] اور ملا علی شیر سرہندی[۴۹] (مصنف کے والد) کا ذکر محض ضمنی طور پر کیا گیا ہے نہ کہ ایک قابل ذکر عالم کی حیثیت سے۔ پروفیسر موصوف اپنے سائنٹفک مطالعہ کی بنیاد پر یہ تو فرماتے ہیں کہ اکبر نامہ میں بہت سے علماء کا ذکر ملتا ہے۔[۵۰] لیکن وہ چند علماء کا ذکر کرنا تو درکنار نام بتانے سے بھی قاصر ہیں۔ اکبر نامہ میں شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کی توقع اور اس کے نہ ہونے پر شیخ کی شخصیت کے غیر اہم ہونے کا جواز

تلاش کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی جب تک کہ یہ نہ طے کر لیا جائے کہ شیخ احمد سرہندی کو بہر حال بے وقعت ثابت کرنا ہے۔

پروفیسر موصوف عہد جہانگیری میں شیخ احمد سرہندی کے واقعہ اسیری کو تزک جہانگیری کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> یہاں ہمارا تعلق اس سے نہیں ہے کہ شیخ احمد نے جو الفاظ لکھے تھے ان سے ان کی مراد واقعتاً وہی تھی یا نہیں۔ انہوں نے ایک پیر طریقت کے لب ولہجہ کے ساتھ ہی ساتھ ایک ملا کا متعصبانہ آہنگ بھی اختیار کیا اور اگر ان دونوں کردار کے ادا کرنے کی کوشش میں وہ کہیں کے نہ رہے تو وہ کسی ہمدردی کے مستحق نہیں ۵۱۔

پروفیسر موصوف جہانگیر پر شیخ احمد سرہندی کے اثرات کی نفی کرنے کی کوشش میں تزک جہانگیر کے اقتباس کو بطور دلیل تو پیش کرتے ہیں مگر جہانگیر کے مبینہ الزام کے تجزیہ سے گریز اختیار کر جاتے ہیں کیونکہ تجزیہ کی صورت میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جہانگیر کا الزام بقول پروفیسر نور الحسن ''واضح طور پر ایک نقلی الزام تھا'' ۵۲۔

الزام کی تفصیل میں نہ جا کر پروفیسر موصوف نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ چونکہ ۱۶۱۷ء میں مکتوبات کی جلد اوّل اور ۱۶۱۹ء میں جلد دوم کی اشاعت ہو چکی تھی اور اب جبکہ شیخ احمد کے نظریات منظر عام پر آ چکے تھے جس کے تحت اکبر کو ملامت کی گئی۔ ہندوؤں کو مطعون کیا گیا اور شیعوں کو گالیاں دی گئی تھیں۔ اس لیے ان کو نظر انداز کرنا بہت مشکل تھا ۵۳ گویا پروفیسر موصوف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ شیخ احمد سرہندی کی گرفتاری کا اصل محرک اکبر ہندوؤں اور شیعوں کے متعلق ان کا ملامتی رویہ تھا۔لیکن چونکہ بدقسمتی سے جہانگیر نے اس الزام کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اس لیے پروفیسر موصوف اس کی تاویل اس طرح پیش کرتے ہیں۔لیکن جہانگیر نے اپنی فطری ہوشیاری کی بنا پر ایسے عنوان کا انتخاب کیا جہاں اسے راسخ العقیدہ سنیوں کی پوری حمایت حاصل ہو سکے'' ۵۴۔

پروفیسر موصوف کی اس تحقیق کا جائزہ لینے سے قبل اس الزام کی مختصر تفصیل ضروری ہے جس کی بنیاد پر یہ کہا گیا ہے کہ جہانگیر نے راسخ العقیدہ سنیوں کی حمایت حاصل تھی۔

اس الزام تراشی کی بنیاد شیخ احمد سرہندی کا گیارھواں مکتوب (جلد اوّل) ہے جو انہوں نے اپنے پیر حضرت خواجہ باقی باللہ (جنکی وفات ۱۶۰۳ء میں ہو چکی تھی) کو لکھا تھا اور جس میں انہوں نے اپنے روحانی علاج سے متعلق ایک خواب کا ذکر کیا تھا[۵۵] اس خط سے معترضین نے یہ مفہوم نکالا کہ شیخ خود کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی افضل سمجھتے ہیں۔ شیخ نے اس غلط فہمی کے ازالہ کی خاطر شیخ بدیع الدین کو ایک خط لکھا[۵۶] اس کے بعد مزید وضاحت کے طور پر حکیم فتح اللہ گیلانی کو لکھا کہ ''وہ شخص جو اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل جانے اس کا امر دو حال سے خالی نہیں یا وہ زندیق محض ہے یا وہ جاہل ہے[۵۷] اسکے علاوہ شیخ احمد سرہندی نے دیگر مکتوبات میں بھی خلفاء راشدین کی فضیلت کا بار بار اظہار کیا ہے۔[۵۸] دونوں جلدیں ۱۶۱۹ء تک شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی تھیں اور تیرہ برس قبل لکھے ہوئے خط کے سلسلے میں جو غلط فہمی پیدا ہوئی تھی اسے رفع ہو جانا چاہیے تھا۔ جلد اوّل کے مکتوبات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ کے متنازع فیہ خط کی شہرت اس کی اشاعت سے قبل ہو چکی تھی۔ دارا شکوہ لکھتا ہے کہ:

> شیخ پر یہ تہمت کہ وہ خود کو خلفاء راشدین سے افضل سمجھتے ہیں مخالفین کے افتراء اور بہتان کا نتیجہ تھا[۵۹]

دارا شکوہ مزید لکھتا ہے:۔

> شیخ میرک (شہزادہ خرم کے اتالیق) نے خود اسے یہ بتایا ہے کہ ایک بار جب وہ سرہند گئے تو انہوں نے شیخ سے ان کے متنازعہ فیہ خط کی وضاحت چاہی شیخ نے انہیں خط دکھا کر افضلیت کے الزام کی تردید کی جس پر شیخ میرک مطمئن ہو کر لوٹے[۶۰]۔

اس سلسلے میں پروفیسر نور الحسن کا تجزیہ قابل غور ہے وہ لکھتے ہیں:

> شیخ کی اسیری بلاشبہ نور جہاں کی شاہی مجلس مشاورت کے زیر اثر عمل میں آئی اور ان کی رہائی اس پر آشوب زمانے میں مشتعل سنی رائے عامہ کو مطمئن کرنے کی تدبیروں میں سے ایک تھی۔ یہ واقعہ بجائے خود شیخ احمد کے ایک روحانی پیشوا کی حیثیت سے بااثر مقام کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے جو اسلامی آفاقیت کے رجحان میں انہیں حاصل تھا[۶۱]۔

مندرجہ بالا تفصیل سے جہانگیر کی الزام تراشی اور ''راسخ العقیدہ سنیوں کی حمایت'' کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ جہانگیر کے ''لفظ عوام'' کی جگہ پروفیسر عرفان حبیب نے بر بنائے مصلحت ''راسخ العقیدہ سنیوں'' کی اصطلاح کو منتخب کیا اور وہ یہ بھول گئے کہ انہوں نے اپنے اسی مقالہ میں یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جہانگیر نے راسخ العقیدہ طبقہ کی پروا نہیں کی اور جہانگیر بھی اکبر کی طرح مذہبی معاملات میں آزاد خیال واقع ہوا تھا[۶۲] یہ بات نا قابل فہم ہے کہ آخر جہانگیر کو کیا امر مانع تھا کہ الزام تراشی کی فہرست میں شیخ احمد سرہندی کی ملامتی مہم جو بقول پروفیسر موصوف سزا کی اصل وجہ تھی وہ کوئی ذکر بھی نہیں کرتا۔ درحقیقت پروفیسر موصوف ہندوؤں کیخلاف شیخ کے نظریات کو جس جارحانہ انداز سے پیش کرنا چاہتے اسکی اکبر یا جہانگیر کے عہد میں کوئی حقیقت نہ تھی۔ لیکن طبقاتی کشمکش کے علمبردار پروفیسر موصوف اور ان کے ہمنوا ہر دور میں فساد خلق ثابت کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔

جہاں تک شیخ احمد سرہندی کا ایک پیر طریقت اور مُلّا کی حیثیت سے ناکامی کا تعلق ہے۔ پروفیسر موصوف اپنی نظریاتی عصبیت میں اسطرح غرق ہیں کہ وہ ان دونوں حیثیتوں سے صرف شیخ احمد سرہندی ہی نہیں بلکہ کسی کے مقام کو بھی سمجھنے سے معذور ہیں۔ ان کے پاس صرف ایک عینک ہے جس سے وہ ہر مذہبی یا روحانی پیشوا اس کا تعلق خواہ کسی بھی مذہب نسل اور رنگ سے ہو اس میں جارحانہ فرقہ پرستی۔ متشدد عصبیت اور تنگ نظری کے جراثیم کے علاوہ اور کچھ دیکھنے سے قاصر ہیں اور اپنی اس معذوری اور مجبوری کی بناء پر وہ ہماری ہمدردی کے بہر حال مستحق ہیں۔

شیخ احمد سرہندی کے انتقال کے بعد نقشبندیہ، مجددیہ سلسلہ کا جو اثر ہم مغل بادشاہوں یا سیاست پر پاتے ہیں اس کے متعلق پروفیسر عرفان حبیب اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

> لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اپنے انتقال کے بعد انہوں (شیخ احمد سرہندی) نے مغل سیاست پر اپنا اثر قائم رکھا۔ کیونکہ بظاہر ان کے لڑکے شیخ معصوم نے اورنگ زیب جو کہ شیخ احمد سرہندی کے اس صاحبزادے (شیخ محمد معصوم) کا مرید تھا سے روابط رکھے۔ فی الواقع اورنگ زیب کے عہد کا بے رحم طنز نگار نعمت خان عالی گولکنڈہ کے محاصرہ (۱۶۸۷ء) کا ذکر کرتے ہوئے شیخ احمد کو ''پیر و مرشد'' حضرت پیر و مرشد لکھتا ہے لیکن

واضح طور سے یہ ایک طنزیہ عبارت ہے نہ کہ ایک امر واقعہ کیونکہ یہ ایک
ایسی طویل عبارت کی تمہید ہے جس میں شیخ اوران کی اولادوں کا مذاق
اڑایا گیا ہے[۶۳]

پروفیسر موصوف اپنی تصنیف ایگریرئن سسٹم آف مغل انڈیا میں بھی شیخ احمد سرہندی کا ذکر کرتے ہوئے اسی بے رحم طنزنگار کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ لیکن شیخ اوران کے پوتوں کے نظریات اس وقت کے ایک موثر طنزنگار کے قلم سے وقائع نعمت خان عالی میں ملاحظہ ہوں[۶۴]۔

شیخ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ اوران کے لڑکوں سے اورنگ زیب کے روابط کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

اورنگ زیب نے اپنا رابطہ شیخ اسرہندی حمد رحمۃ اللہ علیہ کے صاجزادے شیخ محمد معصوم سے جبکہ وہ شاہزادہ تھا قائم کرلیا تھا۔ ان کے مکتوبات کی تین جلدیں وسیلۃ السعادت درۃ التاج اور مکتوبات معصومیہ میں ہم اورنگ زیب کے نام پر خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے چھ خطوط پاتے ہیں...... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کی درخواست پر خواجہ معصوم نے اپنے صاجزادے شیخ سیف الدین کو اورنگ زیب کی باطنی تربیت پر مامور کیا تھا جب شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد کو اورنگ زیب کے احوال سے مطلع کیا تو انہوں نے لکھا کہ طبقۂ سلاطین میں اس قسم کے امور حکم عنقا رہتے ہیں اور بادشاہ کی باطنی ترقی پر انتہائی اطمینان کا اظہار کیا۔ ایک خط میں اورنگ زیب نے آپ کو بار گرانبار جہانداری اور حسن خاتمہ کے متعلق لکھا تھا۔ خواجہ محمد معصوم کے ایک دوسرے صاجزادے محمد نقش بند کا بھی اورنگ زیب سے کئی برسوں تک قریبی رابطہ رہا ہے ان کے مکتوبات کے مجموعہ وسلیۃ القلوب باللہ والرسول میں بادشاہ کو لکھے ہوئے کئی خطوط ملتے ہیں اپنے ایک دوست کے نام ایک خط میں وہ لکھتے ہیں ''بادشاہ دین پناہ از کمال اخلاص وعنایت ازخود

جدائی فرمودند[٦٥]

شیخ محمد معصوم اپنے ایک مکتوب میں جو بظاہر اورنگ زیب کے خط کا جواب ہے لکھتے ہیں:

الحمد للہ والمنۃ کہ فقیر زادہ (شیخ سیف الدین) منظور نظر قبول ہو گیا ہے اور اس کی صحبت[٦٦] مؤثر ثابت ہوئی ہے۔

ایک دوسرے خط میں خواجہ معصوم اورنگزیب کو لکھتے ہیں:

اس سے پہلے فقیر زادے کے خط میں کیفیت سبق باطن لکھ چکا ہوں نظر عالی سے گزرا ہوگا۔' آپ نے دعا اور توجہ غائبانہ کی طلب اس شکستہ دل سے کی ہے۔[٦٧]

مرآۃ العالم کے مصنف بختاور خان کا بھی حوالہ ملاحظہ ہو۔ وہ شیخ سیف الدین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

بادشاہ نے ان معارف پناہ کو سرہند سے جہاں وہ پیدا ہوئے اور تربیت پائی تھی اپنے حضور میں بلایا اور طرح طرح کے اعزاز واکرام اور الطافِ خسروانہ سے سرفراز کیا اور چند مرتبہ وہ اس سلالہء کرام کے گھر جو قلعہ شاہجہاں کے قریب ان کو رہنے کے لیے دیا گیا تھا حاضر ہوا اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوا۔[٦٨]

مندرجہ بالا شواہد اورنگ زیب کے شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی اولادوں سے گہرے عقید تمندانہ روابط اور تعلقات کو واضح کرنے کے لیے کافی ہونے چاہیں۔ پیر اور مرید کی لفظی اصطلاح میں نہ جا کر اگر محض یہ کہا جائے کہ اورنگ زیب کی باطنی تربیت اور ذہنی تشکیل میں ان بزرگوں کا بہت حصہ رہا ہے تو یہ صرف ایک عقیدہ یا مفروضہ نہ ہوگا۔ مفروضہ درحقیقت یہ ہے کہ شیخ معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے اورنگ زیب کو صرف ایک ہی خط لکھا تھا۔

پروفیسر عرفان حبیب اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اورنگ زیب کے ابتدائی دس سال کی مفصل سرکاری تاریخ عالم گیر نامہ میں شیخ احمد کے لڑکے محمد سعید اور معصوم کا

صرف مختصر حوالہ نقد انعام کے وصول کنندہ کی حیثیت سے دو جگہوں پر ملتا ہے۔ ان کی تعریف ایک جملہ کے واحد فقرہ میں اس طور پر کی گئی ہے۔ کہ وہ شیخ احمد ایسے صوفی کے ورثا ہونے کے مستحق ہیں۔ شیخ کے مجدد ہونے یا ان کی دنیاوی تعلیمات کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا ہے۔[۶۹]

تاریخی دیانتداری کا تو تقاضا یہ تھا کہ پروفیسر موصوف اصل متن کا مکمل ترجمہ پیش کر کے اپنے نتائج اخذ کرتے لیکن پروفیسر موصوف نے اصل عبارت کے مفہوم کو اپنے نتائج کے جامہ میں اس انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ ذم کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ عالم گیر نامہ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

شیخ محمد سعید اور شیخ محمد معصوم پسران شیخ مغفور و مرحوم واقف اسرار حقائق و علوم شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کہ در ہر یک فضائل و کمالات صوری و معنوی خلف الصدق آں سالک مسالک طریقت و عرفان است باانعام سہ صد اشرفی[۷۰]

دوسری جگہ پر تحریر ہے:

بتقوی شعار شیخ محمد سعید خلف الشیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ خلعت دو ہزار روپیہ[۷۱]

مرآۃ العالم کا مصنف بختاور خان لکھتا ہے کہ بادشاہ (اورنگ زیب) کی استدعا پر شیخ محمد سعید چند بار بادشاہ کے پاس گئے اور اس نے شیخ کو توقیر و تکریم سے مخصوص کیا[۷۲]۔

عالم گیر نامہ کی جو عبارت پیش کی گئی ہے اور جس کا حوالہ پروفیسر موصوف نے بھی دیا ہے اس کے متعلق یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادوں کا ذکر صرف نقد انعام پانے والوں کی حیثیت سے کیا گیا ہے اور ان کی تعریف میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ وہ شیخ احمد سرہندی ایسے صوفی کے ورثا ہونے کے مستحق ہیں محمد کاظم (صاحب عالمگیر نامہ) واضح الفاظ میں یہ کہتا ہے کہ فضائل و کمالات صوری و معنوی کے اعتبار سے وہ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے خلف صادق ہونے کے مستحق ہیں اور شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ کو محض ''ایسے صوفی'' نہیں کہا گیا ہے بلکہ لفظ ''ایسے'' کی بھی وضاحت کی گئی ہے چنانچہ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف تحریر کرنے کے بعد یہ لکھنا کہ ان کے صاحبزادے

خلف صادق ہیں صاف ذہن رکھنے والوں کے سمجھنے کیلیے کافی ہونا چاہیے۔ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو اس عبارت میں مجدد نہیں کہا گیا ہے۔ جسے پروفیسر موصوف ان کے مجدّد نہ سمجھے جانے کی دلیل میں پیش کرنا چاہتے ہیں مگر عالمگیر نامہ کے مصنف نے شیخ کی جن خصوصیات کا اعتراف کیا ہے کیا وہ پروفیسر موصوف کے نزدیک قابل لحاظ نہیں؟ عالمگیر نامہ میں شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ یا کسی بھی پیر طریقت کی دنیاوی یا دینی تعلیمات کی تلاش بے محل ہے۔ کیونکہ مصنف کا مقصد تحریر اورنگ زیب کے سیاسی کارناموں کو قلمبند کرنا تھا۔ جس طرح الہداد فیضی سرہندی کا مقصد اکبر نامہ میں اکبر کی ان جنگوں کا ذکر تھا، جن میں اکبر نے بنفس نفیس شرکت کی تھی۔ عالمگیر نامہ کا شمار ملفوظات یا مکتوبات کی فہرست میں نہیں کیا جاتا۔ اس جگہ پروفیسر موصوف کی یہ غلط فہمی بھی رفع کر دینا مناسب ہوگا کہ اسلام کے ماننے والوں کے نزدیک دنیاوی اور دینی تعلیمات دو مختلف معیار عمل نہیں ہیں۔

منفی شواہد کی بنیاد پر اپنے استدلال کو پیش کرنے کی کوشش میں پروفیسر موصوف نے اورنگ زیب کے عہد کے ان مآخذ کی مخصوص نشاندہی کی ہے جن میں شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ یا ان کی اولادوں کا ذکر نہیں ملتا اور جن مآخذ میں ذکر ملتا ہے وہ پروفیسر موصوف کے نزدیک لائق اعتناء نہیں ہیں، منفی شواہد کو اگر تاریخ نویسی کی بنیاد بنالیا جائے تو تاریخ عالم کو از سر نو مرتب کرنا پڑے گا اور ہر مورخ کو اپنے مخصوص مقاصد اور عقائد کے تحت تاریخ مرتب کرنے کی آزادی حاصل ہو جائے گی۔ منفی پہلوؤں کو ان کے تناسب سے زیادہ نمایاں کر کے تاریخی واقعات کا ایک تخریبی اور خود ساختہ تجزیہ پیش کرنا مارکسی مکتب خیال کے مؤرخوں کا خاص کارنامہ ہے۔ اور ستم ظریفی یہ کہ سائنٹفک مطالعہ کا دعوٰی بھی کیا جاتا ہے۔ پروفیسر موصوف اس کے شاکی ہیں کہ اسلامی مکتب خیال کے مورخوں کی یہ ایک عام عادت ہے کہ بزرگوں کے وہ اقوال جو ایک متعینہ تشریح پر مکمل طور پر پورے نہ اترتے ہوں انہیں حذف کر دیا جائے [۷۳] جہاں تک حذف و ترک کا سوال ہے پروفیسر موصوف کا موجودہ مقالہ اس کا بہترین شاہکار ہے۔ ع

ایں گناہیست کہ در شہرِ شما نیز کنند!

پروفیسر عرفان حبیب نے شیخ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کا اورنگ زیب کے پیر ہونے اور شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اولادوں کے نظریات کے ضمن میں وقائع نعمت خان عالی کا حوالہ دیا ہے۔ [۷۴]

قبل اس کے کہ اس موضوع پر اظہار خیال کیا جائے نعمت خان عالی کی تحریر کے چند اقتباسات کے

ترجمے پیش کرنا مناسب ہوگا۔ تاکہ پروفیسر موصوف کی نظر انتخاب کی داد دی جاسکے۔ نعمت خان اورنگ زیب کے پینتیسویں سن جلوس کے ضمن میں محاصرہ قلعہ گولکنڈہ کا ذکر کرتے ہوئے شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک نبیرہ کے خواب کا ذکر ملتا ہے۔ پس منظر یہ ہے کہ قلعہ فتح نہیں ہورہا ہے اور بادشاہ متفکر ہے کہ عالم خواب میں نبیرہ کی ملاقات اپنے دادا یعنی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوتی ہے [۷۵]۔
دادا نے کہا کہ:۔

> اے میرے لڑکے! نذر و نیاز کے حلوہ کو تو اکیلا ہی کھا جاتا ہے اور ہمارا حصہ نہیں بھیجتا'' شیخ نے کہا! اے میرے محترم دادا جان! آج کل خواص و عوام کی پریشانی کے سبب حلوہ بہت کم جمع ہوتا ہے اور مرید بھی ہمارے درپے آزار ہیں کہ مردہ کو نان و حلوہ نہیں دیتے۔ میں خود ان لوگوں سے پریشان ہوں'' (شیخ نے کہا) دادا جان اس قلعہ کی فتح کے لیے توجہ فرمایئے پھر آپ کو بہت سا حلوہ ملے گا۔ سبحان اللہ! مشہور ہے کہ حلوہ تو امن کی حالت میں ہوتا ہے جس کی خواہش وہ دوران جنگ کررہے ہیں۔ یہ سب ان بزرگ کی کرامتیں ہیں۔'' اس بلند مرتبہ نے اس بار فرمایا کہ اب جلدی بیدار ہوجا اور خوشخبری پہنچا کہ انہیں دو تین دنوں میں ہم قلعہ کو لے کر دیں گے اور قلعہ کے سب لوگوں کو گرفتار کرلیں گے اور نہ اپنوں کو چھوڑیں گے اور نہ بیگانوں کو۔ لیکن وہ تھیلی جو خلیفہ نے اپنے دست مبارک میں پکڑ رکھی ہے مناسب نہیں کہ خاک آلود کرے اور ہاتھ اور پاؤں کے نیچے ڈال دے اسے چاہیے کہ سونے سے بھر کر میرے فرزند کو دے دے۔ خواب سے بیدار ہونے کے بعد شیخ مقربین دربار سے یہ معلوم کرتے ہیں کہ وہ مقدس تھیلی کتنی بڑی ہے۔

اس واقعہ کو تحریر کرنے کے بعد نعمت خان ایک منظوم حکایت تحریر کرتا ہے۔ جس میں شیخ کے کشف اور خواب کی صداقت کا ذکر کیا گیا ہے۔ شیخ نے ایک بار شیطان کو خواب میں دیکھا جس سے شیخ نے سخت لعنت اور ملامت کرتے ہوئے کہا کہ عوام الناس کو گمراہ کررہا ہے۔ غصہ کے عالم میں شیخ نے شیطان کو دوبار مارا اور

اس کی داڑھی پکڑ لی اچانک شیخ کی آنکھ اپنے ہی ہاتھ کے ضرب سے کھل گئی اور انہوں نے اپنے ہاتھ میں خود اپنی داڑھی پائی [۷۶]۔

شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی تعلیمات سے واقف لوگ نعمت خان کی اس تحریر کی حیثیت اور وقعت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جس کی تفصیل میں یہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نعمت خان واضح طور پر شیخ احمد سرہندی اور ان کی اولاد کو انتہا درجہ حریص، فاتر العقل اور فریبی کی حیثیت سے پیش کر رہا ہے اور چونکہ پروفیسر موصوف بھی اسی قسم کے خیالات رکھتے ہیں اس لیے نعمت خان کی اس تحریر کا حوالہ بطور ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ نعمت خان کی تحریر کی شقاوت کو طنزیہ عبارت کہہ کر کم نہیں کیا جا سکتا۔ بدیہی طور پر نعمت خان ایک دریدہ دہن اور غیر سنجیدہ مؤرخ ہے جس کی عبارت میں طنز کم تذلیل اور تحقیر بہت زیادہ ہے۔

سرایچ۔ ایم۔ ایلیٹ کے مطابق خود وقائع نعمت خان عالی کی کوئی تاریخی اہمیت نہیں ہے وہ مزید لکھتا ہے۔

> گو کہ یہ تصنیف بہت خوش اسلوب انداز بیان میں تحریر کی گئی ہے لیکن اس کے ناشائستہ مذاق اور گھٹیا بازاری فقرے اکثر قاری کے احساسِ لطیف کو مجروح کرتے ہیں۔ جس سے لطف اندوز ہونے کا یہ مصنف بہت زیادہ عادی تھا [۷۷]۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ جب شیخ احمد سرہندی اور ان کی اولادوں کے نظریات سمجھانے کی ضرورت پروفیسر موصوف کو پیش آئی تو ان کی نظر انتخاب نعمت خان کی اس گمراہ کن عبارت پر پڑی جس کے وہ بظاہر ہم خیال بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن جب نعمت خان نے اسی عبارت میں یہ تحریر کیا کہ شیخ احمد بادشاہ کے پیر کے پیر و مرشد ہیں تو پروفیسر موصوف کو اچانک یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ امر واقع نہیں بلکہ یہ ایک طنزیہ عبارت کی تمہید ہے جس میں شیخ احمد اور ان کی اولادوں کا مذاق اڑایا گیا ہے اسلیے یہ تحریر اب لائق اعتبار نہیں رہی۔ جب نعمت خان کو لائق اعتبار بنانا طے کیا تو اسے ایک موثر طنز نگار (Effective Satirist)[۷۸] کی صفت سے موسوم کر دیا اور جب نعمت خان کی بے وقعتی منظور ہوئی تو اسے ایک بے رحم طنز نگار (Satirist Merciless)[۷۹] کی تہمت سے نوازا گویا ایک ہی عبارت حسب مطلب اعتبار اور نا قابل اعتبار دونوں ہے۔ صفتوں کا یہ تضاد معیار سند کا یہ پیمانہ اور تخریبی تاریخ نویسی کی یہ مثال کسی وضاحت کی

محتاج نہیں صرف اسی قدر کہنا کافی ہے کہ پروفیسر موصوف خالص مارکسی مکتب خیال کے ایک مشہور مبلغ اور مؤرخ ہیں۔

مقالہ کے اختتامی پیراگراف میں اپنی معروضی تحقیق کا خلاصہ پروفیسر عرفان حبیب یوں پیش کرتے ہیں:۔

> فی زمانہ ان دونوں (شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ) کا سیاسی رہنماؤں میں شمار اور انہیں سیاسی کامرانیوں سے سرفراز کرنے کی کوشش کے پیش نظر ان کے افکار اور کارناموں کے متعلقہ پہلوؤں کا ایک سائنٹفک مطالعہ بہرحال ضروری ہے۔ ایسے مطالعہ میں اشخاص کا پاسِ ادب نہیں کیا جاسکتا۔ مقدس انسانوں اور مبالغہ آمیز نتائج کو خارج کردینے کے بعد ایسا کچھ نہیں رہ جاتا جس کی بناء پر ان دونوں کو ہیرو یا کوئی غیر معمولی شخصیت قرار دیا جاسکے۔ ان کی مدح سرائی موجودہ تفرقہ پسند روایت کا صرف ایک جز ہے جو ہماری تاریخ کے اصل معمار اور قوائے محرکہ کے بالمقابل ان اشخاص سے تسکین اور فیضان حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے جن کی کوئی حقیقت نہ تھی۔[۸۰]

اپنی تصنیف ایگریرین سسٹم آف مغل انڈیا میں بھی پروفیسر موصوف نے اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ

> ایسے شخص کا موجودہ ہندوستان کے فرقہ پرست مسلمانوں کے امام کے درجہ پر فائز ہونا بہرحال کوئی اتفاقی امر نہیں ہے[۸۱]

اپنے اس غیر مہذب[۸۲] مقالہ کی مدافعت کی کوشش میں پروفیسر عرفان حبیب نے خواہ مخواہ یہ معذرتی رویہ اختیار کیا کہ ''ایسے مطالعہ میں اشخاص کا پاس ادب نہیں کیا جاسکتا'' کیونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ادب اخلاق، احترام اور رواداری اور اس قسم کے دیگر اوصاف کا جن کا تعلق عام ضابطہ اخلاق سے ہے مارکسی نظریہ میں کوئی مقام نہیں ہے''[۸۳]۔

شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں کا تجزیہ کرتے کرتے پروفیسر موصوف جذبات کی رو

میں تاریخ کے موضوع سے اس قدر گریز کر گئے ہیں کہ یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ مارکسی نظریہ کی تبلیغ میں مصروف ہیں [۸۴]۔ جس میں ان کی ذاتی عصبیت کا عنصر بھی نمایاں ہے۔ ہمعصر تاریخی شواہد کو مقدس افسانہ اور مبالغہ آمیز نتائج کا نام دے کر تسکین تو حاصل کی جاسکتی ہے، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو تنگ نظر، فرقہ پرست اور متعصب کے خطابات سے نواز کر نام تو کمایا جاسکتا ہے اور ان بزرگانِ دین کی آڑ میں خود مسلمان قوم اور ان کے عقائد کا مضحکہ بھی اڑایا جاسکتا ہے مگر تاریخی حقائق کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

''عوامی رہنما'' کی اصطلاح کی طرح تاریخ کے اصل معمار (جس سے غالباً پروفیسر موصوف کی مراد کارل مارکس اور اس کی ہم مسلک معروف شخصیتیں ہوں گی) کی فہرست میں بھی گذشتہ بیس برسوں میں خود مارکسی نظریہ کے حامیوں کے ہاتھوں جو ردو بدل واقع ہوا ہے اس کے پیش نظر پروفیسر موصوف کے یہ فقرے اب نظر ثانی کے محتاج معلوم ہوتے ہیں۔

شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات اور افکار کا تجزیہ اس طور پر پیش کرنا کہ ان کے کارناموں میں سوائے ایک ملامتی مہم کے کچھ بھی نظر نہ آسکے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ پروفیسر موصوف نے شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے تاریخی اور واضح سیاسی کارناموں کو نظر انداز کرنے کی دانستہ کوشش کی ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے مطابق انہوں (شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ) نے تصوف کی اصطلاحوں کی وضاحت اور ان کے مفہوم کے تعین میں اہم کردار ادا کیا۔ اسی وجہ سے ان کے مکتوبات کا عربی اور ترکی زبانوں میں ترجمہ ہوا اس امر کی بھی نشاندہی کی جاسکتی ہے کہ گو عہد وسطیٰ میں بہت سی صوفی تحریکوں نے ہندوستان میں فروغ پایا۔ لیکن صرف نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ ہی پنجاب سے باہر افغانستان اور وسط ایشیا اور ترکی پہنچا۔ [۸۵] ان دوردراز ملکوں میں نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ کی مقبولیت اس بات کی بھی شہادت فراہم کرتی ہے کہ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات کو صرف ایک ملامتی مہم سمجھنا کس قدر غیر تاریخی اور غیر حقیقی تجزیہ ہے۔

☆......☆......☆

حواشی:

۱......ظفر امام، مارکسزم ایک مطالعہ۔ ص ۲۰ دہلی ۱۹۷۱ء

۲......عرفان حبیب، The Political Role of Shaikh Ahmed Sirhindi and Shah Waliullah ....Proceeding of Indian History Congress (PIHC), Aligarh Part.1, 1960- P.P 209-25

۳.....شاہ ولی اللہ دہلوی کے متعلق پروفیسر عرفان حبیب کے مطالعہ کا جائزہ آئندہ پیش کیا جائے گا۔

۴ ..... یہ حوالہ جو نامکمل اور غلط تشریح کے ساتھ ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے مضمون سے متعلق ہے پروفیسر نظامی نے یہ لکھا ہے کہ شاہ صاحب ایک ایسے ملک کو مسلمانوں کے لیے مثالی سمجھتے تھے جس میں خلافتِ راشدہ کے نظام کی روح کارفرما ہو۔

۵ PIHC ۱۹۶۰ء، ص۔۲۰۹

۶ ایضاً

۷ PIHC ۱۹۶۰ء، ص۔۲۰۰

۸ ایضاً، گویا صرف وہی معروضی تاریخ لکھ سکتا ہے جو ان کے مارکسی نظریات کے تحت مذہب کے اثرات سے انکار کردے اگر ڈاکٹر ترپاٹھی اس کا ذکر کرتے ہیں تو وہ بھی گمراہ ہیں۔

۹ ..... ایضاً

۱۰..... پروفیسر نورالحسن: شیخ احمد سرہندی، ص ۲۴۸

۱۱ ..... مذہب کے متعلق مارکسی نظریہ یہ ہے کہ پارٹی مذہبی نقطہ نظر کو جوانکی رائے میں انسانی ضمیر کو پراگندہ کرتا ہے عالم جمود میں اسے غرق کر دیتا ہے اور اس کی تخلیقی استعداد عمل اور پیش قدمیوں کو پابہ زنجیر کر دیتا ہے۔ کے خلاف ایک منظم نظریاتی جدوجہد کو اپنا قطعی فرض تصور کرتی ہے۔

۱۲..... Marx and Engles on Religion Foreign longvages publishing House Moscow'1957

۱۳.....PIHC ۱۹۶۰ء، ص۔۲۱۰

۱۴.....ایضاً

۱۵.....ایضاً

۱۶.....زبدۃ المقامات، نول کشور لکھنؤ ۱۸۹۰ء ص ۱۲۳، ص ۱۲۴ پروفیسر موصوف پورا ترجمہ پیش کرنے سے شاید اس لیے گریز کر گئے کہ یہ ثابت کرنے میں دقت ہوتی کہ ابوالفضل اور اس کے ہم نوا کسی جامد عصبیت سے برسرپیکار تھے۔

۱۷..... زبدۃ المقامات

۱۸.....ایضاً

۱۹..... ابوالفضل، اکبرنامہ، ایشیاء بک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ ۱۸۸۶ء جلد ۲ ص ۲۲۱۔ ابوالفضل کے متعلق پروفیسر موصوف کا کیا خیال ہے؟

۲۰..... دیکھئے، رقعات ابوالفضل درمطبع علوی، ص۔۴۷، ص۔۴۸، ص ۷۷

۲۱......مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی (اردو ترجمہ) تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۱۴ء جلد ۳ مکتوب ۱۰۱

۲۲......PIHC ۱۹۶۰ء ص ۲۱۱

۲۳......مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۴۷ ص ۱۱۷ بنام شیخ فرید

۲۴......مکتوبات جلد سوم مکتوب نمبر ۲۲ ص ۵۳

۲۵......فرائڈمان، شیخ احمد سرہندی، مک گل یونیورسٹی، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز ۱۹۷۱ء ص ۷۵

۲۶......Naqshbandi Influence on Mughal Rulers and politics Golamic Culture tan, 1965 P.50

۲۷......PIHC ۱۹۶۰ء ص ۲۱۵، ص ۴

۲۸......ایضاً

۲۹......مکتوبات جلد سوم، مکتوب ۴۳

۳۰......تزک جہانگیری، سرسید ایڈیشن علی گڑھ ۱۸۶۴ء ص ۲۷۲

۳۱......PIHC ۱۹۶۰ء، ص ۲۱۲

۳۲......تزک جہانگیری، ص ۲۷۳

۳۳......PIHC ۱۹۶۰ء ص ۲۱۲ ...... پروفیسر عرفان حبیب کے نظریات سے متاثر ہوکر پروفیسر مجیب نے بھی شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات پر اپنے خیال کا اظہار اس طرح کیا ہے۔ ''بلاشبہ (شیخ احمد سرہندی کے لیے) ضروری تھا کہ مخصوص نوعیت کے القاب استعمال کیے جائیں اور امراء کی مناسب وقت پر مناسب مقصد کیلیے مدح سرائی کی جائے۔ لیکن ان کی مدح سرائی زیادہ تر چاپلوسی کی حد تک پہنچ جاتی تھی اور ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی تبلیغ شریعت کی حیثیت دنیاوی مفاد میں تبدیل ہوگئی تھی''۔ ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی کے مطابق پروفیسر مجیب کے تاثرات شیخ کی اہمیت کو کم کرنے کیلیے ایک بے بنیاد الزام تراشی کے مترادف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں ''پروفیسر موصوف نہ تو ان القاب کا جو شیخ نے امراء کے لیے استعمال کیے تھے نمونہ پیش کرتے ہیں اور نہ تو ان قابل لحاظ دنیاوی مفاد کی وضاحت کرتے ہیں۔''

Moolern Whting son on Islam and Muslims in India, International Book Troales Aligarh, 1973, P.60

پروفیسر مجیب کا حوالہ ان کی کتاب The Indian Muslims سے ماخوذ ہے۔

۳۴......فرائیڈمان، شیخ احمد سرہندی، ص ۲

۳۵......ایضاً

۳۶ ایضاً ص ۴

۳۷ ایضاً ص ۳

۳۸ تزک جہانگیری، ص ۲۷۲

۳۹ ایضاً ص ۲۷۳

۴۰ PIHC ۱۹۶۰ء ص ۲۱۲، ۲۱۳

۴۱ محمد عمر Shaikh Farid Bukhari Relations with some of the Contemporary Ulama

یہ مقالہ انڈین ہسٹری کانگریس کے بھوونیشور سیشن ۱۹۷۷ء میں پڑھا گیا۔

۴۲ ایضاً ص ۲۷، اور حاشیہ

۴۳ دیکھئے فرائیڈمان، شیخ احمد سرہندی، ص ۳

۴۴ اقتدار عالم خان

سیمینار اکتوبر ۱۹۶۹ء شملہ ص ۲ Motes on the Conception of Akbars Religious Policy

۴۵ ڈاکٹر محمد عمر، حوالہ سابقہ، ص ۲۱-۲۲

۴۶ ڈاکٹر محمد عمر، حوالہ سابقہ، ص ۲۱-۲۲

۴۷ ایضاً

۴۸ اکبر نامہ، ورق ۱۴۱-الف

۴۹ ایضاً ورق ۱۴۹-الف، ب۔

۵۰ PIHC ۱۹۶۰ء، ص ۲۱۳

۵۱ ایضاً ص ۲۱۴

۵۲ ڈاکٹر نورالحسن PIHC ۱۹۶۰ء، ص ۲۵۶

۵۳ PIHC ۱۹۶۰ء، ص ۲۱۳

۵۴ ایضاً ص ۲۱۳

۵۵ مکتوبات، جلد اول مکتوب نمبر ۱۱

۵۶ ایضاً ص ۱۹۲

۵۷ ایضاً ۲۰۲

۵۸ ملاحظہ ہو مکتوبات، جلد اول، ص ۲۵۱، دوئم، ص ۱۵۰

۵۹ سفینۃ الاولیاء، نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۲ء، ص ۱۹۷

٦٠......ایضاً ۱۹۸،۱۹۷

٦١......ڈاکٹر نورالحسن حوالہ سابقہ' ص ۱۵۷

٦٢......PIHC ۱۹٦۰ء' ص ۲۱۳

٦٣......PIHC ۱۹٦۰ء' ص ۲۱٦

٦٤......مغل ہندوستان کا طریق زراعت (اردو ترجمہ) مترجم، جمال محمد صدیقی، ترقی اردو بورڈ، دہلی ۱۹۷۷ء نیشنل بک ٹرسٹ' ص ۴۲۵ حاشیہ ۲

٦۵......پروفیسر خلیق احمد نظامی حوالہ سابقہ ص ۴۹ ص ۵۰

٦٦......مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی تلخیص و ترجمہ مولانا نسیم امروہی کتب خانہ الفرقان دہلی ۱۹٦۰ء مکتوب ۲۲۱، ۲۸۳

٦٧......ایضاً مکتوب ۲۲۷ ص ۲۸۵

٦٨......بختاور خاں مرآۃ العالم (نسخہ عبدالسلام کلکشن علی گڑھ) ورق ۲۲۹۔ب

٦٩......PIHC ۱۹٦۰ء ص ۲۱٦

۷۰......محمد کاظم، عالم گیرنامہ، انڈیکا کلکتہ' جلد اول' ص ۲۹۳

۷۱......ایضاً جلد دوئم' ص ۵۹۵

۷۲......مرآۃ العالم ورق ۲۱۹۔الف

۷۳......PIHC ۱۹٦۰ء ص ۲۱۷

۷۴......PIHC ۱۹٦۰ء ص ۲۱٦ حاشیہ ۱۵۷ اور مغل ہندوستان کا طریق زراعت' ص ۴۲۵

۷۵......وقائع نعمت خان عالی، نور کشور کانپور ۱۸۷۰ء ص ۲۵ تا ۳۰

۷٦......وقائع نعمت خان عالی' ص ۲۹

۷۷......History of India As Told by its Historians' کتاب محل الہ آباد' جلد ۷ ص ۲۰۱

۷۸......عرفان حبیب' ایگریرئن سسٹم آف مغل انڈیا' ص ۳۱۰ حاشیہ ۵۲

۷۹......PIHC ۱۹٦۰ء ص ۲۷٦

۸۰......PIHC ۱۹٦۰ء ص ۲۲۰

۸۱......مغل ہندوستان کا طریق زراعت (اردو ترجمہ) ص ۲۴٦

۸۲......پروفیسر سائمن ڈگبی نے اس مقالہ کو Sarage Article کہا ہے۔

دیکھیے Bullet in of The Sdiool De oriental and African Studies

University of Landsn, vol. XXX, 1967 (Resiew) P.207

۸۳...... دیکھئے: Karlmarx and Frdinck Evgbs Selicted Works P. 25

۸۴...... دیکھئے، مارکسی تاریخ نویسی کی تبلیغ کیلیے پروفیسر عرفان حبیب:

Problems of Marxist Historical Analysis Science and Human Progress Popular Prakaohan, 1974, Bombay, P.P 46.47

۸۵...... پروفیسر خلیق احمد نظامی، صدارتی خطبہ پنجاب ہسٹری کانفرنس، آٹھواں سیشن پٹیالیہ ۱۹۷۳ء، ص ۸

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الفِ ثانی کے دفاع میں لکھی جانے والی کتابیں

پروفیسر محمد اقبال مجددی

☆☆

حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۱ھ۔۱۰۳۴ھ/۱۵۶۳ء۔۱۶۲۴ء) کے خیالات ونظریات کو جس قدر اور جس کثرت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ پاکستان وہند کی کسی شخصیت سے اس کا تقابل بے سود ہوگا۔

عالمِ اسلام اور یورپ میں آپ کے نظریات پر نقد ونظر کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ بہت سے فقہی واجتہادی مسائل میں علمائے عرب عجم نے آپ کی تائید کی ہے۔

مسائلِ تصوف کا بھی یہی معاملہ ہے، خصوصاً آپ کے نظریۂ وحدت الشہود کو صوفیہ نے اپنی تحریر وتقریر میں خوب جگہ دی ہے۔ پاک وہند میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر بکثرت رسائل لکھے گئے ہیں۔ تقریباً ہر رسالہ میں آپ کے ساتھ اتفاق یا اختلاف کیا گیا ہے۔

اگر اختلاف رائے کا معاملہ محض علمی ہوتا تو یہ الگ بات تھی، بہت سے مخالفین نے آپ کے معاصر اور پیر بھائی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے ''رسالۂ اعتراضات بر حضرت مجدد'' کو آڑ بنا کر ایسے ایسے پہاڑ کھڑے کیے ہیں کہ ان دونوں معاصر شخصیتوں کو متحارب گروہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ حالانکہ یہ اختلافات محض کشفی نوعیت کے اور وقتی تھے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ بعد میں رجوع کر لیا گیا تھا۔

۱۹۷۰ء کے اوائل میں ہمیں اپنی تالیف ''احوال وآثار عبداللہ خویشگی'' کی ترتیب کے دوران

حضرت مجدد کے خلاف لکھے گئے رسائل کا جائزہ لینے کا موقع ملا تھا۔ اور اس وقت کی معلومات کے مطابق ہم نے اس نوعیت کے مواد کی ایک مختصر فہرست بھی اس کتاب میں شامل کر دی تھی۔

اگر دستیاب شدہ اُس سارے مواد کا بغور مطالعہ کیا جائے جو حضرت امام ربانی قدس سرہ' کے خلاف مدون ہوا تھا، تو مفصلہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

(۱) اکثر مخالفین کی ایسی قوتیں پُشت پناہی کر رہی تھیں جو حسد و بغض زدہ لوگوں پر مشتمل تھیں۔

(۲) عرب میں باقاعدہ حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف مہم چلا کر مخالفت کی گئی اور آپ کی تحریرات میں تحریف کر کے علمائے عرب کے لیے ان کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔

(۳) علمائے عرب کے اس موضوع پر بعض رسائل کے عربی سے فارسی میں اضافی ترجمے کر کے ہندوستان میں شائع کیے گئے۔

(۴) پاک و ہند کے صرف صوفیۂ خام ہی معاندین کے ساتھ تھے، راسخ العقیدہ صوفیہ نے آپ کی تائید میں کمرِ ہمت باندھے رکھی جس میں وہ خُدا کے فضل سے کامیاب ہوے۔

(۵) چونکہ حضرت مجدد قدس سرہ' کی تحریک احیائے دین، تصوّفِ اسلامی کی بدعات سے تطہیر اور اعلائے کلمتہ الحق کی تحریک تھی، اس لیے آپ کی مخالفت میں کبھی پس پردہ اور کبھی علانیہ سیاسی ہاتھ بھی کام کرتے رہے۔

(٦) داراشکوہ کے مقابلہ میں اورنگ زیب عالمگیر کی کامیابی دراصل حضرت مجدد کے احیائے دین کے مشن کی کامیابی تھی۔ اس لیے اورنگ زیب کے عہد میں ہم نے ترتیب زمانی کے اعتبار سے ۱۰۹۴ھ / ۱٦۸۳ء کے تحت جس مخالفت کا ذکر کیا ہے اور ردّ مخالفین میں جن رسائل کا تعارف کروایا ہے۔ دراصل وہ بھی اس جنگ تخت نشینی میں جو کہ حق و باطل کے درمیان ایک معرکہ تھا، میں شکست خوردہ گروپ کی وہ انتہائی پشیمانی اس وقتی مخالفت کے روپ میں ظاہر ہوئی تھی۔ مقاماتِ تصوف، خصوصاً نظریۂ وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں آپ کے خیالات کے رد و قبول کا مستقل سلسلہ جاری ہے۔ اس موضوع پر صرف پاک و ہند میں اتنے رسائل لکھے گئے ہیں کہ ان کا احاطہ اس مختصر مقالہ میں ممکن نہیں ہے اس لیے انہیں اس فہرست میں جگہ نہیں دی گئی۔

اسی طرح ''حضرات القدس'' (تالیف ۱۰۵۳ھ/۱۶۴۳ء) سے لے کر آج تک حضرت مجدد کے تمام مخلص سوانح نگاروں نے اپنی تالیفات میں مستقل ابواب کے تحت معترضین کے جواب دیے ہیں چونکہ یہ بھی تعداد میں سیکڑوں سے متجاوز ہیں اس لیے اس مضمون میں ان کا اندراج نہیں کیا گیا۔

اگر آپ کی تردید میں لکھے گئے رسائل کا جائزہ لیا جائے تو ان میں نہ صرف دلائل کی کمی ہے بلکہ وہ تعداد میں بھی کسی طرح اس تائیدی فہرستِ کتب سے زیادہ نہیں ہوسکتے۔ ہم نے پیشِ نظر فہرست میں جتنے رسائل کا تعارف کروایا ہے ان میں سے اکثر کے مولفین کے حالات اور علمی کمالات معتبر کتب رجال وسیر میں ملتے ہیں، گویا معاشرے میں ان کی علمی حیثیت مسلم تھی۔ جبکہ اکثر معترضین کا صرف نام ہی ملتا ہے ان کے حالات تو درکنار نشان تک کا پتا نہیں۔ جو آپ کی قطعی نصرت کی واضح دلیل ہے۔

عصرِ حاضر کے بعض سائنٹفک اسٹیڈیز کے دعویداروں نے معلوم نہیں یہ مفروضہ کیسے تراش لیا کہ ''حضرت مجدد'' مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی اقلیت کے ایک تنگ نظر نمائندے تھے۔'' اس دور میں نام نہاد مسلمانوں کا ایک گروہ شب و روز راسخ العقیدہ مسلمانوں کی تحریکوں کے خلاف زہر اگلنے اور اسے یورپین زبانوں میں منتقل کرنے میں مصروف ہے۔ اس جماعت کا دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ:

''حضرت مجدد علماء کی حمایت حاصل کرنے میں ناکام رہے۔''

یقیناً اس آخری مفروضہ کے جواب میں جہاں وزنی دلائل مہیا کیے جاسکتے ہیں وہاں مسلمہ علماء کے ان تائید ودفاعی رسائل کی یہ فہرست بھی فخر کے ساتھ پیش کی جاسکتی ہے۔

چونکہ اس موضوع پر یہ پہلی کوشش ہے اس لیے اس فہرست کے مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا اُمید ہے کہ محققین اس فہرست میں اضافہ کریں گے۔

اب آئندہ سطور میں ان کتب و رسائل کا مجمل تعارف ملاحظہ ہو جو حضرت مجدد قدس سرہٗ کے دفاع میں مختلف ممالک میں لکھے گئے ہیں۔ اس فہرست میں شامل رسائل متبرکہ میں سے نمبر ۳، ۸، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۳۱ کو اہلِ علم سے پہلی مرتبہ متعارف کروانے کا ہمیں شرف حاصل ہو رہا ہے۔

یہ فہرست کتابوں کے سالِ تصنیف کے اعتبار سے بلحاظِ ترتیب زمانی بنائی گئی ہے۔ اگر کسی کتاب کا زمانہ تالیف معلوم نہیں ہوسکا تو مؤلف کا سالِ وفات پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

دلائل التجدید

(۱۰۲۲ھ/۱۶۱۳ء)

(از: علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (ف ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مجددیت کے اثبات میں یہ رسالہ لکھا گیا تھا۔ مولانا محمد ہاشم کشمی نے علامہ عبدالحکیم اور حضرت مجدد کے مخلصانہ تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان حضرات کے مابین مراسلت بھی تھی۔ حضرت سیالکوٹی نے اپنے ایک مکتوب بنام حضرت مجدد میں آپ کو ''مجدد الالف الثانی'' کے لقب سے ملقب کیا ہے، حضرت مجدد نے مولانا کشمی کو مخاطب فرماتے ہوئے خود اس مکتوب کا تذکرہ کیا تھا[1]۔

مولانا محمد ہاشم کشمی نے زیرِ بحث کتاب کا ذکر تو نہیں کیا۔ البتہ نقشبندی سلسلہ کے حضرات میں یہ بات بہت مشہور ہے کہ علامہ سیالکوٹی نے حضرت امام ربانی کی مجددیت کے اثبات میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ حضرت وحدت سرہندی (ف ۱۱۲۶ھ) نے ''شواہد التجدید'' (سبیل الرشاد) میں اس رسالہ کا انتساب حضرت سیالکوٹی سے کرتے ہوئے اس کے اقتباسات دیے ہیں[2]۔

صاحبِ ''ضتہ القیومیہ'' نے واضح الفاظ میں اس رسالہ کا نام ''دلائل التجدید'' لکھا ہے۔ اور توضیح کی ہے کہ حضرت مجدد کے بارہویں سال تجدید میں یہ رسالہ لکھا گیا[3]۔ یہ سال ۱۰۲۲ھ کے مساوی ہے۔

''دلائل التجدید'' کے کسی نُسخہ کے وجود کا تا حال ہمیں علم نہیں ہے۔

رسالہ فی منع رفع سبابہ

(۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء)

(از: حضرت خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ)

حضرت مجدد نے اپنے ایک مکتوب میں رفعِ سبابہ کا بیان کرتے اس سے منع کیا ہے[4] خود حضراتِ مجددیہ نے اس مسئلہ میں کئی رسائل لکھے ہیں حضرت مجدد کی زندگی میں آپ کے فرزند حضرت خواجہ محمد سعید نے رفع سبابہ کی نفی میں ایک رسالہ لکھا جس کا ذکر حضرت مجدد نے خود فرمایا ہے[5] جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکتوبات کے دفتر اوّل کی تدوین (دُرالمعرفت ۱۰۲۵ھ) کے فوراً بعد ہی یہ رسالہ مکمل ہو گیا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ علمانے اس مسئلہ میں حضرت مجدد سے اختلاف کیا تھا' اسی لیے حضرات مجددیہ کو حضرت مجدد کی تائید میں فقہی رسائل لکھنا پڑے۔ یہ رسالہ بھی ہمیں دستیاب نہیں ہوسکا۔

المفاضلہ بین الانسان والکعبہ (فارسی)

(۱۰۶۸ھ/۱۶۵۸ء)

(از: مولانا محمد امین بدخشی)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے حقیقتِ کعبہ کو حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر فضیلت دی ہے[۶] حضرت مجدد کے خلیفہ اجل حضرت شیخ آدم بنوری جب ہندوستان سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو آپ نے اپنے شیخ کے اس نظریہ کا پرچار فرمایا جس پر علماء وصوفیہ حرمین اور حضرت بنوری کے مابین اختلاف پیدا ہوگیا۔ خصوصاً شیخ احمد قشاشی کے ساتھ اس موضوع پر خوب بحثیں ہوئیں[۷] یہ محبت شیخ بنوری کی وفات ۱۰۵۳ھ کے بعد بھی جاری رہے۔ جب ۱۰۶۸ھ میں مخدوم زادگانِ سرہند حرمین الشریفین گئے تو انہوں نے بھی اس موضوع پر رسائل لکھے، نیز حرمین میں سلسلہ مجددیہ کی اشاعت میں جو رکاوٹیں پیش آئیں ان کا بھی اس رسالہ میں مجمل ساذکر ملتا ہے۔ مختلف خطی نسخوں کی بنیاد پر ہم نے اسے ایڈیٹ کیا ہے۔

اس رسالہ کے مولف حضرت شیخ آدم بنوڑی کے خلیفہ تھے اور حضرت شیخ کے حالات پر تین جلدوں میں نہایت ضخیم اور درجہ اوّل کی سوانح ''نتائج الحرمین'' کے نام سے لکھی ہے۔ ہم نے اس مؤلف کی بہت سی دیگر کتابوں کا سراغ لگایا ہے۔

کشف الغطاعن اذہان الاغبیا (عربی وفارسی)

(۱۰۷۱ھ/۱۶۶۰ء)

(از: علامہ محمد فرخ بن حضرت خواجہ محمد سعید سرھندی علیہما الرحمۃ)

اس میں بھی حضرت مجدد کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔ اس کے ایک فقرہ سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ رسالہ مؤلف کے والد بزرگ حضرت خواجہ محمد سعید کی وفات ۱۰۷۱ھ سے پہلے تالیف ہو چکا تھا۔ اس موضوع پر یہ اہم رسالہ ہے۔ ہم نے اسے بھی مرتب کیا ہے۔ عنقریب شائع ہوگا۔

اس رسالہ کے مؤلف حضرت مجدد کے پوتے اجل علماء میں تھے۔حدیث کے حافظ اور مدرسہ سرہند کے نامور مدرسین میں سے تھے۔کئی اہم کتابوں کے مؤلف ہیں۔

رسالہ دررد مخالفین حضرت مجدد

(۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء)

(از: حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبندی ثانی علیہ الرحمۃ)

حضرت حجۃ اللہ (متوفی ۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء) بن حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم کا یہ رسالہ ہمیں دستیاب نہیں ہوسکا۔"روضۃ القیومیہ" میں حضرت حجۃ اللہ کے پندرھویں سال قیومیت میں اس رسالہ کا ذکر ملتا ہے [8] حضرت حجۃ اللہ کے مکتوبات "وسلیۃ القبول الی اللہ والرسول" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام سے طبع ہو چکے ہیں، جسے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے مرتب کر کے شائع کیا ہے

حضرت حجۃ اللہ کا پندرھوں سال قیومیت ۱۰۹۴ھ ہے[9]۔ یہ ایسا سال ہے جس میں نہ صرف حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بلکہ پورے خانوادہ مجددیہ کے خلاف ایک مہم چلائی گئی تھی۔ یہ اختلاف اس وقت کے علماء تک محدود نہ تھا بلکہ حکومت وقت کو بھی اس میں مداخلت کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ان ایام میں اورنگ زیب کی تخت نشینی میں نقشبندی علماء و مشائخ نے اہم کردار ادا کیا تھا۔

اورنگ زیب کی درخواست پر حضرت خواجہ محمد معصوم نے اپنے فرزند حضرت خواجہ سیف الدین کو اس کی راہنمائی کے لیے شاہی دربار میں بھیج دیا تھا۔جہاں آپ بقول محمد ساقی مستعد خان۔

> قلعہ کے اندر شاہی محل کے جوار میں رہنے لگے، بادشاہ اکثر کاروبار سلطنت سے فراغت کے بعد رات گئے آپ کی خدمت میں رہ کر صحبت سے فیض یاب ہوتا[10]۔

بادشاہ اس خانوادہ کی خدمت میں بھاری رقوم بطور نذرانہ بھی پیش کیا کرتا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض جاہ وثروت کے طالب علماء اس خاندانِ عالی شان کے مخالف ہوگئے۔اور انہوں نے اتنا ہنگامہ کیا کہ حرمین کے علماء کو بھی اس میں ملوث کر لیا۔

دونوں اطراف سے کتب ورسائل کے ذریعہ اپنے افکار کی نمائندگی کی گئی۔اورنگ زیب کو مختلف اطراف سے خطوط لکھے گئے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے کلام میں خلافِ شرع امور پائے جاتے

ہیں۔لہٰذا اس کی نشر و اشاعت بند کروادی جائے، اور اورنگ زیب کی طرف سے ایک جعلی خط یا حکم نامہ سرہند بھیجا گیا کہ آئندہ مکتوبات حضرت مجدد کی تدریس کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔یہ وضعی خط ''معارج الولایت'' میں محفوظ ہے[11]۔

اگر ''روضۃ القیومیہ'' کے اندراج پر مبالغہ آمیزی کا الزام نہ لگایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف اسی سال یعنی ۱۰۹۴ھ میں اس خانوادہ کے معتقدین نے حضرت مجدد کے دفاع میں جو رسائل تصنیف کیے ان کی تعداد تین سو ساٹھ تک پہنچ گئی تھی۔ان میں بہتر رسائل تو صرف حضرت مجدد کی اولاد ہی نے لکھے،

> اوّل رسالہ حضرت قیوم ثالث حجۃ اللہ تصنیف کردند......ہمیں قسم حضرت محمد اشرف وحضرت شیخ سیف الدین وحضرت محمد صبغۃ اللہ وحضرت شیخ محمد ہادی جد شریف مؤلف این کتاب، رسائل تصنیف نمودند ہفتاد و دو رسالہ فرزندان حضرت مجدد الف ثانی دریں باب نوشتند وخلفائے این طریقہ نیز رسائل بسیار درین مقدمہ تصنیف نمودند ہمگی صد و شصت رسالہ درین باب تصنیف شدند......[12]

یہ تمام رسائل تو دستیاب نہیں ہوسکے۔البتہ چند کتابوں کے نام ملتے ہیں ان میں سے بعض کی تفصیل ذیل میں بیان کی جارہی ہے:۔

رسالہ در جواب مخالفین حضرت مجدد

۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء

(از: حضرۃ خواجہ سیف الدین سرہندی علیہ الرحمۃ (ف ۱۰۹۶ھ))

یہ رسالہ بھی بقول صاحب ''روضۃ القیومیہ'' اسی واقعہ کے دوران لکھا گیا[13]۔

رسالہ در ردّ مخالفین حضرت مجدد

۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء

(از: حضرت عبدالاحد شاہ گل وحدت متوفی ۱۱۲۶ھ بن حضرۃ خواجہ محمد سعید سرہندی)

متعدد کتابوں کے مؤلف تھے۔یہ رسالہ ہمیں دستیاب نہیں ہوسکا، حضرت شاہ غلام علیؒ نے اس سے استفادہ کیا ہے[14]۔

حل المغلقات فی الرد علیٰ اہل الضلالات (عربی و فارسی)

۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء

(تالیف: حضرت خواجہ محمد اشرف بن حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی)

حضرت خواجہ محمد اشرف کی ولادت ۱۰۴۳ھ اور وفات ۱۱۱۸ھ کو ہوئی۔ صاحب ''روضۃ القیومیہ'' نے اس سال (۱۰۹۴ھ) میں اس رسالہ کی تالیف کا ذکر کیا ہے۔

حضرت مؤلف علوم معقول و منقول کے ماہر تھے اور متداولہ درسی کتب پر حواشی بھی لکھے تھے [۱۵]
ہمیں اس رسالہ کا عکس ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب مدظلہ نے فراہم کیا ہے جس کے لیے تہِ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

رسالہ رد منکرانِ حضرت مجدد

۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء

(تالیف: حضرت خواجہ صبغۃ اللہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی علیہما الرحمۃ)

یہ رسالہ بھی اسی ہنگامی حالت (مخالفت ۱۰۹۴ھ) میں لکھا گیا [۱۶]۔

رسالہ ردّ مخالفین حضرت مجدد

۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء

(شیخ محمد ہادی بن حضرت شیخ محمد عبیدہ مروج الشریعت بن حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس اسرارہم)

اس کے مؤلف ''روضۃ القیومیہ'' کے مصنف شیخ کمال الدین محمد احسان کے دادا تھے۔

ان کی ولادت ۱۰۶۲ھ اور وفات ۱۱۲۱ھ ہے۔ اس رسالہ کے علاوہ آپ نے ''کواکب'' دریہ (در پنج جلد) حجۃ الاحمدیہ، تجدید احوال اور نصوص الدقائق'' کے علاوہ کثیر کتب معقول و منقول پر حواشی بھی لکھے تھے [۱۷]
اسی ہنگامہ (۱۰۹۴ھ) کے دوران انہوں نے یہ رسالہ در ردّ مخالفین بھی تالیف کیا تھا [۱۸] یہ رسالہ ہمیں تا حال دستیاب نہیں ہوا ہے۔

عَطیۃُ الوہاب الفاصلۃ بین الخطا وَالصواب (عربی)

۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء

(شیخ محمد بیگ اوزبکی برہانپوری ثم مکی)

انہوں نے یہ رسالہ دو ربیع الاوّل ۱۰۹۴ھ/ یکم مارچ ۱۶۸۳ء کو مکمل کیا۔ انہیں دنوں برزنجی نے ''قدح الزند'' اور ''النشر الناجرہ'' مکمل کیے تھے [19] بقول برزنجی شیخ محمد بیگ ہندوستان سے حجاز گئے تھے۔
اس رسالہ میں بتایا گیا ہے کہ مکتوباتِ حضرت مجدد کا جو عربی ترجمہ علمائے حجاز کے لیے کیا گیا ہے وہ غلط ہے۔ نیز انہوں نے اس میں علمائے ہند کے ان فتووں کے اقتباسات بھی دیے ہیں۔ جو حضرت مجدد کے خلاف لکھے گئے تھے۔

''عیطتہ الوہاب'' مکتوباتِ حضرت مجدد کے عربی ترجمہ از شیخ مُحمد مراد قزانی کے دفتر ثالث کے حاشیہ پر دو مرتبہ چھپ چکا ہے۔ ان کی کئی اور تصانیف کے نام بھی ملتے ہیں:۔

اس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس وقت کے جیدّ علماً نے اس رسالہ پر تقریظیں لکھ کر اس کے مندرجات کی تصدیق کی ہے جو اس رسالہ کے ساتھ ہی طبع ہو چکی ہیں۔

العرف الندی فی نصرۃ الشیخ احمد السرہندی (عربی)

۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء

(تالیف: علامہ شیخ حسن بن شیخ محمد مراد تونسی)

شیخ محمد مراد قزانی کے حواشی سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ تونسی نے ایک کراسہ (جز) کے بقدر یہ رسالہ لکھا تھا۔

وهو مقدار كراسته سماه بالعرف الندى فى نصرة الشيخ احمد السهرندى [20]

اس رسالہ کے چند اقتباسات شیخ محمد مُراد قزانی نے اپنے حواشی میں دیے ہیں [21]۔

رسالہ در ردّ معترضین حضرت مجدد

۱۰۹۵ھ/۱۶۸۴ء

(تالیف: حضرت خواجہ محمد یحییٰ بن حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۵ء))

صاحبِ ''روضۃ القیومیہ'' نے ۱۰۹۴ھ کے مذکورہ واقعات کے دوران تصنیف ہونے والے رسائل

میں اس رسالہ کا ذکر نہیں کیا جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ رسالہ واقعہ کے بعد لکھا گیا ہوگا۔ حضرت مرزا مظہر نے اپنے مکتوب (۲۲) میں اس رسالہ سے استفادہ کیا ہے۔ نیز انہوں نے آپ کی ایک اور تالیف ''رسالہ فی اثبات رفع سبابہ'' کا بھی ذکر فرمایا ہے[۲۳]۔ افسوس کہ یہ دونوں رسائل ہمیں نہیں مل سکے۔

رسالہ فی تائید حضرت مجدد الف ثانی (عربی)

۱۰۹۶ھ/۱۶۸۵ء

(تالیف: علامہ شیخ احمد البشبیشی مصری ازہری شافعی (ف ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۵ء))

ان کے والد کا نام عبداللطیف بن قاضی احمد بن شمس الدین بن علی مصری تھا، بلدہ شبیش میں ولادت ہوئی۔ شیخ علی الحلی، حسن البدری، سلطان المزاحی، سے تحصیل کی ۱۰۹۲ھ میں حج کے لیے گئے اور مکہ میں ہی مقیم ہوگئے۔ لیکن پھر واپس اپنے خطہ مولود شبیش چلے گئے[۲۴] ۱۰۹۶ھ میں انتقال کیا[۲۵]۔

اس رسالہ کے علاوہ ''التحفہ السنیۃ فی الاجوبۃ عن الاسئلۃ المرضیہ'' مطبوعہ[۲۶] مصر ۱۲۷۸ھ اور ''العقود الجوہریۃ بالجیو دالمشرقیۃ'' کے بھی آپ مولف ہیں[۲۷] حضرت مجدد کی نصرۃ و تائید میں اس موئف بزرگ کا جو رسالہ ہے اس کی طباعت کا تو ہمیں علم نہیں ہوسکا ہے البتہ شیخ محمد مراد قزانی نے عربی ترجمہ مکتوبات حضرت مجدد کے حواشی میں اس کے طویل اقتباسات دیے ہیں[۲۷]۔

جیسا کہ سطور بالا میں وضاحت کی گئی ہے کہ مؤلف ۱۰۹۲ھ میں حجاز مقدس میں موجود تھے اس لیے ممکن ہے کہ انہوں نے یہ رسالہ اِسی سال یا ۱۰۹۴ھ کی حدود میں تالیف کیا ہو تا ہم ہم نے مولف کے سال وفات ۱۰۹۶ھ کی بنیاد پر ترتیب زمانی کو ملحوظ رکھا۔

رسالہ فی نفی رفعِ سبابہ

۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء

(از: علامہ محمد فرخ بن حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی[۲۹])

یہ موضوع حضرات مجددیہ کے نزدیک متنازعہ فیہ رہا ہے مولانا محسن ترہتی نے اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے جہاں دیگر رسائل کا ذکر کیا ہے وہاں اس رسالہ کا بھی حوالہ ہے[۳۰]۔

یہ رسالہ تاحال ہمیں دستیاب نہیں ہوسکا موئف کا سال وِفات چونکہ ۱۱۲۲ھ ہے اس لیے اسے اسی ترتیب زمانی کے تحت درج کیا ہے۔ مولانا سراج احمد مجددی رام پوری نے شرح ترمذی میں وضاحت کی

ہے کہ یہ رسالہ شیخ محمد یحییٰ کے رسالہ کے جواب میں لکھا گیا تھا[۳۱]۔

اس موضوع پر اس مقالہ میں حضرت خواجہ محمد سعید حضرت شیخ محمد یحییٰ اور حضرت محمد حسن کے رسائل کا تعارف بھی ملاحظہ ہو۔

بہجۃ النظار فی برأۃ الابرار (فارسی و عربی)

۱۱۲۳ھ/۱۷۱۱ء

(تالیف: مخدوم محمد معین بن مخدوم محمد امین متخلص بہ تسلیم، بیراگی ٹھٹھوی (ف ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء))

بارہویں صدی ہجری کے جید عالم، صاحبِ تصانیف کثیرہ، سندھ میں سلسلہ نقشبندیہ کی نشر واشاعت کے امین اور صاحبِ صدق وصفا بزرگ تھے۔ ڈاکٹر حسام الدین راشدی نے ان کی بیس کتابوں کے نام گنوائے ہیں[۳۲]۔

''بہجۃ النظار'' کا سببِ تالیف بیان کرتے ہوئے مولوی عبداللہ جان معروف بہ شاہ آغا نے لکھا ہے کہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی نے مکتوبات حضرت مجدد پر اعتراضات کیے تھے جن کے جواب میں یہ رسالہ لکھا گیا۔

''دررفعِ اعتراضات مخدوم محمد ہاشم تتوی بر مکتوبات شریف وجواب دیگر معترضین است''[۳۳]۔

یہ سبب تالیف محض قیاسی اور بے بُنیاد ہے ''بہجۃ النظار'' میں اس قسم کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔ نیز کسی بیرونی شہادت سے بھی مخدوم محمد ہاشم کے حضرت مجدد کے مخالف ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔

اس رسالہ کا صرف ایک خطی نسخہ دستیاب ہوا ہے جس کی بنیاد پر ہم نے اس کا متن تیار کیا ہے جو تفصیلی حواشی وتعلیقات کے ساتھ شائع ہوگا۔

سبیل الرشاد (فارسی)

۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء

(از: حضرت شیخ عبدالاحد وحدت شاہ گل بن حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی (ف ۱۱۲۶ھ))

اس رسالہ میں حضرت مجدد قدس سرہ' کی مجددیت کے دلائل وشواہد یکجا کیے گئے ہیں، یہ رسالہ ''شواہد التجدید'' کے نام سے بھی متعارف ہے۔ کئی خطی نسخوں کے ناقلین نے اسے اسی نام سے موسوم کیا ہے۔ محترم ڈاکٹر غلام مُصطفےٰ خان صاحب نے پہلے اسے ''رسالہ الرحیم'' حیدر آباد سندھ میں' پھر حضرت

وحدت کی تالیف ''جنات الثمانیہ'' کے اقتباسات سمیت ''سبیل الرشاد'' کے نام سے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا ہے۔ یاد رہے اس موضوع پر علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا تعارف بھی کروایا جا چکا ہے۔

رسالہ فی منع رفعِ سبابہ

۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء

(از: حضرت وحدت سرہندی)

یہ رسالہ ہمیں تا حال دستیاب نہیں ہوا ہے۔ حضرت شاہ فضل اللہ مجددی نے اس کا حوالہ دیا ہے[۳۵]۔

رسالہ ردّ منکران حضرت مجدد

۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء

(تالیف:- شیخ محمد مُراد ٹنگ کشمیری بن ملا مفتی محمد طاہر)

ان کی ولادت ۱۰۵۷ھ اور وفات ۱۱۳۱ھ ہے۔ کشمیر میں سلسلہ نقشبندیہ کے فروغ میں جن اصحاب نے نمایاں کردار ادا کیا ان کا نام سرِ فہرست ہے۔ آپ ۱۰۸۱ھ/۱۶۷۰ء میں جبکہ صاحبزادگانِ سرہند نے کشمیر میں ورود فرمایا۔ اس خانوادۂ مبارک سے منسلک ہوئے ۱۰۸۱ھ سے ۱۱۰۱ھ (۱۶۷۰ء/۱۶۸۹ء) تین مرتبہ سرہند شریف کا سفر کیا اور حضرت مجدد قدس سرہٗ کی اولاد امجاد سے ظاہری اور باطنی فیوض حاصل کیے۔ آپ حضرت شیخ عبدالاحد وحدت شاہ گل بن حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی کے خواص میں سے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت شیخ محمد یحییٰ بن حضرت مجدد شیخ محمد صبغۃ اللہ۔ خواجہ محمد نقشبند ثانی، خواجہ عبیداللہ، خواجہ سیف الدین (صاحبزادگان حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ) کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ ہم نے ان پر ایک مختصر مضمون بھی لکھا ہے جس میں ان کی ۳۸ تصانیف کا تعارف کروایا ہے[۳۶]۔ ان میں ان کی ایک اہم کتاب ''صلح الفریقین فی منع تکفیر موحدین'' کا تعلق بھی بہت حد تک ہمارے اسی موضوع سے ہے۔ ان کا رسالہ ''ردّ منکران حضرت مجدد'' ہمیں تا حال دستیاب نہیں ہوسکا ہے۔

حجۃ الحق فی دفع اعتراضات شیخ عبدالحق (فارسی)

۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ء

(از: میاں شاہ فی الحال بن حضرت شیخ محمد اشرف بن حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی)

نام و نسب سے مؤلف کی بُزرگی و ثقاہت عیاں ہے ۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ء میں انتقال کیا۔ کئی اہم کتابوں

کے مؤلف ہیں۔ اپنے دادا حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے حالات پر ایک ضخیم کتاب لکھی۔ جو اپنے موضوع پر پہلی کتاب تھی۔ اس کے علاوہ بھی کئی اہم کتابوں کے مؤلف تھے [۳۷]۔

"حجۃ الحق" کے پورے نام سے اس کا موضوع عیاں ہے کہ مؤلف نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے جو انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تحریرات پر کیے تھے۔

مواہب القیوم فی تائید احمد و معصوم (فارسی)

۱۱۵۲ھ/ ۱۷۳۹ء

(از: میاں شاہ فی الحال بن حضرت شیخ محمد اشرف علیہ الرحمۃ)

اس رسالہ میں مؤلف نے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر معترضین کے جوابات دیے ہیں۔ چونکہ ان دونوں رسائل کے مؤلف خانوادہ مجددیہ کے اہم ارکان میں سے تھے اور ذی علم مصنف ہونے کی حیثیت سے ان کے بیانات کو بڑی اہمیت ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس میں نہ صرف حضرت مجدد علیہ الرحمۃ پر اعتراضات کا تجزیہ کیا گیا ہے بلکہ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کا بھی دفاع کیا ہے۔

حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہٗ کی وساطت سے ہمیں یہ نسخے دیکھنے کا موقع ملا ہے، جس کے لیے تہِ دل سے ان کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

تنبیہ الغافلین (فارسی)

(مولف نامعلوم)

حضرت ضیاء المشائخ محمد ابراہیم مجددی بن حضرت ملا شور بازار۔ کابل، افغانستان نے جولائی ۱۹۷۶ء میں ایک مسودہ دکھایا تھا۔ اس کے سرسری مطالعہ کے بعد ہم نے مُفصلہ ذیل نتائج اخذ کیے ہیں:

(۱) یہ بارہویں صدی ہجری کے اوائل کی تالیف ہے۔

(۲) موئف کا اپنا مسودہ معلوم ہوتا ہے لیکن ابھی اسے مبیضہ کی شکل نہیں دی گئی تھی کہ موئف کا انتقال ہو گیا۔

(۳) اس کے بعض اندرونی شواہد سے عیاں ہوتا ہے کہ یہ رسالہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید (۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۰ء) کے زیر اثر تالیف ہوا ہے کئی مقامات پر ان کا نام احترام سے لیا گیا ہے۔

(۴) اسی خط میں دیگر رسائل بھی نظر سے گزرے جن کی کتابت ٹونک میں ہوئی تھی اس سے اندزہ لگانا زیادہ دشوار نہیں ہے کہ اس رسالہ کا مقام تصنیف بھی ٹونک ہی ہو۔

افسوس کہ حالیہ انقلاب افغانستان میں حضرت کا کتب خانہ تباہ کردیا گیا ورنہ اس سے استفادہ کیا جاتا۔

رسالہ ردّ مخالفین حضرت مجدد (فارسی)

یہ بھی بارہویں صدی ہجری کے اوائل میں تالیف ہوا۔ اس کے مؤلف کا نام رسالہ کے متن میں مذکور نہیں ہے۔ حضرت حافظ محمد ہاشم جان مرحوم کے آبائی کُتب خانہ واقع ٹنڈو سائیں داد میں اس کا ایک نُسخہ ہماری نظر سے گزرا تھا۔

تصریحات مجید (فارسی)

۱۱۶۶ھ/۵۲-۱۷۵۲ء

یہ اس رسالہ کا تاریخی نام ہے جس سے ۱۱۶۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔ افسوس کہ پیش نظر خطی نسخہ کے ورق اوّل میں مؤلف کا نام دیمک کی نظر ہو چکا ہے، رسالہ کے سطحی مطالعہ سے مترشح ہوتا ہے کہ مؤلف کا تعلق خطۂ کشمیر سے تھا۔ عین ممکن ہے کہ رسالہ کے نام کا جز مجید ہی مؤلف کا نام ہو۔

اس کا خطی نسخہ جناب جی معین الدین لاہور کے کُتب خانہ میں محفوظ ہے۔

رسالہ ردّ مخالفین حضرت مجدد (فارسی)

اس رسالہ کے مؤلف کا نام بھی معلوم نہیں ہے...... رسالہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کا تعلق کشمیر سے تھا۔ اور بارہویں صدی ہجری کی تصنیف ہے، حضرت مجدد پر مختلف اعتراضات کے کامیاب جوابات دینے کی سعی کی گئی ہے۔ افغانستان میں اس کا خطی نسخہ ہماری نظر سے گزرا تھا۔

شواہد التجدید

۱۱۷۶ھ/۶۲-۱۷۶۲ء

(از: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ف ۱۱۷۶ھ))

فریڈ مان یوحنا نے پہلی مرتبہ اس رسالہ کو متعارف کروایا ہے۔ اس کا موضوع نام سے ظاہر ہے اٹھارہویں صدی عیسوی میں تجدید کا جو تصور تھا اُسے سمجھنے میں یہ رسالہ ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے بقول فریڈ مان:

Which gives us valuable insight ints the understanding of the concept of Tajdid in the eighteenth century(۱)

اس کا ایک قلمی نسخہ، حبیب گنج کلیکشن آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔ جو رسائل شاہ ولی اللہ میں شامل ہے۔ یہ مخطوطہ کئی مقامات سے افتادہ اور اس کا خط غیر واضح بھی ہے[۳۹]۔

رسالہ خلت

۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء

(از: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات اور رسائل میں اصطلاح خلت کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اس باب میں جو غلط فہمیاں پیدا ہوئی تھیں مؤلف نے انہیں دور کرنے کی کوشش کی ہے اس کا خطی نُسخہ بھی مذکورہ کُتب خانہ میں ہے اور اسے ڈاکٹر فریڈمان یوحنا نے پہلی مرتبہ متعارف کروایا ہے۔[۳۹-ب]

المقدمۃ السنیۃ فی انتصار الفرقۃ السنیۃ

۱۱۷۶ھ/۱۷۶۳ء

(تالیف: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ف ۱۱۷۶ھ))

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے فارسی رسالہ "ردّ روافض" کو شاہ ولی اللہ نے علمائے حجاز کی فرمائش پر عربی ترجمہ اور مُفید شرح سے مزین کیا، انہوں نے اس کی شرح کے دوران میں حضرت مجدد کے نظریات سے جا بجا اختلاف بھی کیا ہے لیکن حضرت مجدد رحمۃ اللہ کی تجدیدی کوششوں کو بھی بطریق احسن اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اکبر اور جہانگیر کے عہد کی بدعات کا بھی تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں لادینیت پیدا ہوئی۔

شارح کے فرزند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جو کہ اس موضوع پر ایک شہرۂ آفاق کتاب "تحفہ اثنائے عشریہ" کے مؤلف بھی ہیں۔ اس رسالہ پر مزید حواشی لکھے ہیں۔ اور حواشی میں اپنے والد کے اعتراضات پر اختلاف کرتے ہوے رسالہ کے موئف حضرت مجدد کا دفاع کیا ہے ڈاکٹر زبید احمد کے الفاظ میں[۴۰]

Shah Abdul Aziz who in his turn differs in places from his father and agree with the original author

ڈاکٹر زبید احمد نے اس کے تین خطی نسخوں یعنی، ذخیرہ دہلی، رضالائبریری رام پوراور کتابخانہ آصفیہ کے نمبر درج کیے ہیں[۴۱]۔ لیکن اس کا ایک ناقص قلمی نُسخہ مفتی مہدی حسن شاہ جہاں پوری (صدرمدرس۔دیوبند) کے پاس بھی ہے جس کا تعارف انہوں نے اپنے ایک مقالہ میں کروایا ہےاور اس کے اقتباسات بھی دیے ہیں[۴۲]۔

رَسالہ ٔ احقاق (فارسی)

۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء

(از: حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی (ف ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء))

آپ حضرت میرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ ٔ اجل، حضرت شاہ ولی اللہ کے شاگرد رشید، بیہقی وقت اور کثیر التصانیف عالم تھے، ان کی تقریباً چالیس تصانیف دریافت ہوچکی ہیں۔ان میں ''تفسیر مظہری'' (عربی)، ارشاد الطالبین، مالابدمنہ اور السیف المسلول بہت مشہور ہیں۔

رسالہ ''احقاق'' دراصل حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے رسالہ اعتراضات کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک مولانا وکیل احمد سکندر پوری مرحوم سے پہلے حضرت شیخ کے اعتراضات کے جواب میں جتنے رسائل لکھے گئے ہیں۔ حضرت قاضی صاحب کا یہ رسالہ ان سب پر فوقیت رکھتا ہے۔انہوں نے ہر اعتراض نقل کرنے کے بعد اس کا جواب لکھا ہے۔ مولانا وکیل احمد سکندر پوری کو یہ رسالہ دستیاب نہیں ہوسکا تھا[۴۳]۔

خوش قسمتی ہے کہ ہمیں اس کے دو نہایت قابل اعتماد نُسخے دستیاب ہوئے ہیں جن کی بُنیاد پر ہم نے اس کا تنقیدی متن تیار کیا ہے۔

رسالہ در جواب شبہات بر کلام امام ربّانی (فارسی)

۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء

(از: حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی)

یہ رسالہ حضرت مجدد قدس سرہٗ پر معترضین کے عمومی اعتراضات کے جواب میں لکھا گیا ہے۔اس کا ایک قلمی نسخہ حضرت زید ابوالحسن فاروقی مدظلہ، دہلی (بھارت) کے کُتب خانہ کی زینت ہے[۴۴]۔

ردّ شبہات پلید نابکار (فارسی)

۱۲۳۲ھ/۱۸۱۶ء

(تالیف: حضرت نظام الدین شکار پوری (ف ۱۲۷۳ھ))

حضرت نظام الدین شکار پوری سندھی بن غلام محی الدین شاہ غلام صدیق بن خواجہ غلام محمد معصوم ثانی بن شیخ محمد اسماعیل[۴۵] ابن شیخ محمد صبغۃ اللہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم۔ گویا موئف حضرت مجدد قدس سرہٗ کی اولاد میں سے تھے۔ کئی ٹھوس علمی کتابوں کے مصنف ہیں۔

فارسی میں اچھے شعر کہتے تھے نظام تخلص تھا[۴۶] ''مثنوی معدن الانوار'' ۱۲۲۴ھ، '' اوج مورد اسرار نقشبند'' ۱۲۲۸ھ اور ''مخمس کریما'' ان کی تصانیف میں سے ہیں۔

''رسالہ ردّ شبہات پلید نابکار'' سے اس کا سال تالیف ۱۲۳۲ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ رسالہ دراصل سعد الدین انصاری کابلی[۴۷] (ف ۱۲۳۵ھ) کے رسالہ ''معیار الکشوف'' کے ردّ میں تالیف کیا گیا ہے۔ اس کے دیباچہ میں خواجہ نظام الدین لکھتے ہیں کہ مجھے کابل جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ یہاں ایک شخص سعد الدین نے حضرت مجدد کے ردّ میں کوئی کتاب لکھی ہے۔ جب اس سے کتاب طلب کی گئی تو اُس نے صاف انکار کر دیا۔ بادشاہِ وقت کی خدمت میں جب یہ بات پہنچی تو اُس نے سعد الدین کو دربار میں طلب کیا تو صاف انکار کر دیا کہ اس قسم کی میری کوئی تصنیف نہیں ہے۔ پھر عرصہ کے بعد (حدود ۱۲۳۲ھ) خواجہ نظام شکاری پوری کو کشمیر جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں سعد الدین کے ایک مرید سے ملے جس کے پاس وہ رسالہ دررد حضرت مجدد تالیف سعد الدین موجود تھا، اس سے مستعار لے کر موئف نے یہ رسالہ تالیف کیا۔

یہ اہم رسالہ تاحال ہماری نظر سے نہیں گزرا اِس کے بارے میں مذکورہ بالا تمام تر معلومات حضرت ضیاء المشائخ محمد ابراہیم مجددی بن مُلّا شور بازار کابلی نے جولائی ۱۹۷۶ء کو راقم الحروف کو فراہم کیں۔

رسالہ دراعتراضات (فارسی)

(از:۔ حضرت شاہ العزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ) بن حضرت شاہ ولی اللہ)

اس کے رسالے کا مخطوطہ رضا لائبریری رام پور (بھارت) میں محفوظ ہے[۴۸]، حضرت شاہ صاحب نے اس رسالہ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر کئے گئے اعتراضات کا جواب دیا ہے[۴۹] اس رسالہ کی طباعت کے بارے میں ہمیں علم نہیں ہے۔

حواشی بر رسالہ اعتراضات شیخ عبدالحق دہلوی (فارسی)

۱۲۳۹ھ/۲۶-۱۸۲۷ء

(حواشی از: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حضرت مجدد کے مکاشفات پر بعض اعتراضات تھے، جیسا کہ سابقہ صفحات میں ان رسائل کا ذکر کیا جا چکا ہے جو حضرت شیخ کے رسالہ اعتراضات کے جواب میں لکھے گئے تھے۔

اس رسالہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے حضرت شیخ کے رسالے اعتراضات پر حواشی لکھے تھے۔ جس میں انہوں نے حضرت شیخ کے اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی علیہ الرحمۃ نے ان حواشی کو اپنے رسالہ میں ایک مستقل فصل کے تحت محفوظ کیا ہے۔ چونکہ رسالہ مذکورۂ رام پور اس وقت ہمارے سامنے نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ یہ حواشی رسالے سے مختلف ہوں۔ حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ وضاحت فرماتے ہیں:۔

> فصل چہارم در بیان حواشی بدانکہ استادمن حضرت شاہ عبدالعزیز سلمہ اللہ تعالیٰ کہ درین وقت ممتاز اند در علم دینی و علوم صوفیہ در صغرسن بر رسالہ حضرت شیخ معترض (عبدالحق) رحمۃ اللہ علیہ تعلیقاتِ حواشی نمودہ تبرکا نوشتہ می شود[50]......

اس اقتباس سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز نے آغاز شباب میں رسالۂ اعتراضات پر یہ حواشی لکھے تھے۔ چونکہ صحیح سالِ تالیف معلوم نہیں ہے اس لیے محشی کے سال وفات ۱۲۳۹ھ کے تحت اس کا اندراج ہوا ہے۔

رسالہ اعتراضات شیخ عبدالحق (فارسی)

۱۲۴۰ھ/۲۷-۱۸۲۸ء

(تالیف: حضرت شاہ غلام علی دہلوی (ن ۱۲۴۰ھ))

اس موضوع پر دیگر رسائل کا تعارف سابقہ سطور میں کروایا جا چکا ہے۔ یہ رسالہ بھی اُس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ چونکہ اس رسالہ کے مولف حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید کے جانشین اور بارھویں ہجری

میں سلسلہ نقشبندیہ کے روح وروان تھے۔ آپ کے تمام رسائل خلوص ومحبت کی زندہ تصویر ہیں[۵۱] اس رسالہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق نے اپنے یہ اعتراضات واپس لے لیے تھے اوران کی غلط فہمی دور ہوگئی تھی۔ یہ رسالہ کئی مرتبہ طبع ہو چکا ہے۔ سبع سیارہ کے علاوہ آپ کے مکتوبات بھی شامل ہیں۔

رسالہ دیگر دررد مخالفین حضرت مجدد علیہ الرحمہ (فارسی)

۱۲۴۰ھ/۱۸۲۷ء

(از: حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ)

اس رسالہ میں معترضین کے جوابات دیے گئے ہیں اس موضوع پر بے شک چھوٹے بڑے کئی رسائل تصنیف ہوے ہیں لیکن اس رسالہ کی اہمیت اپنی جگہ ہے جو اس کی مندرجہ ذیل پانچ فصلوں سے بخوبی عیاں ہوگی:

اوّل: دربیان مجملی احوال حضرت مجدد

دوم: دررفع اعتراضات از کلام ایشان بطریق اجمال

سوم: دراجوبہ بعضی اعتراضات شیخ عبدالحق......

چہارم: دربیان حواشی کہ اوستاد فقر حضرت شاہ عبدالعزیز...... بررسالہ شیخ مذکور تحریر فرمود

پنجم: دررفع شبہاتی کہ برالسنۂ عوام مذکور است۔

یہ رسالہ بھی ''سبع سیارہ'' میں شامل ہے[۵۲]۔

رسالہ فی رفع المطاعن (عربی)

عن الامام الربانی واولادہٗ

۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء

(تالیف: مولانا عبداللہ آفندی عناقی زادہ، مفتی احناف مکہ معظمہ)

اس رسالہ میں حضرت مجدد اور آپ کی اولاد پر ان الزامات کا خصوصیت سے ازالہ کرنے کی سعی کی گئی ہے جو حرمین الشریفین میں ان پر لگائے گئے تھے، اس کے مؤلف وہی بزرگ ہیں۔ جنہوں نے شیخ قزانی کے عربی ترجمہ مکتوبات حضرت مجدد پر بڑی مؤثر تقریظ بھی لکھی ہے[۵۳]۔

زیر بحث رسالہ مطبع حیدری بمبی سے چھپ چکا ہے، اور مدرسۂ محمدیہ جامع مسجد بمبی کے کتب خانہ میں یہ مطبوعہ نسخہ موجود ہے[۵۴]۔

الکلام المنجی بہ رد ایرادات البرزنجی (عربی)

۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء

(تالیف: مولانا وکیل احمد سکندر پوری (ف ۱۳۲۲ھ))

اپنے وقت کے درجہ اوّل کے علماء میں سے تھے۔ ان کی تصانیف کی تعداد نوے ہے جو عربی فارسی اور اُردو زبانوں میں ہیں، یہ متنوع موضوعات پر مشتمل ہیں[55]۔

زیرِ نظر تین تالیفات ایسی ہیں جو حضرت مجدد کے دفاع میں لکھی گئی ہیں۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ اس موضوع پر اس قدر وقیع اور ٹھوس کتابیں آج تک تالیف نہیں ہوئی ہیں۔

''الکلام المنجی'' میں انہوں نے سلسلۂ مجددیہ کے مشہور مخالف سیّد محمد برزنجی کے رسائل کے جوابات دیے ہیں۔ یہ رسالہ مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۱۲ھ میں طبع ہوا تھا[56]۔

انوارِ احمدیہ (فارسی)

۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء

(از: مولانا وکیل احمد سکندر پوری)

یہ رسالہ حلقہ برزنجی کے ایک............ گجراتی کے رسالہ ''مکاشف الاسرار'' کے ردّ میں لکھا ہے، اور رسالہ کے اقتباسات دے کر اس کے لایعنی اعتراضات کے مسکت جوابات دیے ہیں۔ یہ رسالہ بھی مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۱۲ھ چھپا تھا۔

ہدیہ مجددیہ (فارسی)

۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱

(تالیف: مولانا وکیل احمد سکندر پوری)

مولانا کا یہ (ضخیم) رسالہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے رسالہ اعتراضات کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ مؤلف چونکہ خود اجل عالم تھے اس لیے کمال ادب واحترام کے ساتھ حضرت شیخ محدث کے اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔ اس سلسلہ میں نہ صرف انہوں نے حضرت مجدد کی تمام تحریرات کا بغور مطالعہ کیا ہے بلکہ حضرت محدث کے رسائل سے ایسے کلمات ومکاشفات کا استخراج کر کے بتایا ہے کہ

حضرت شیخ مجدد کے جن کمالات پر اعتراض فرما رہے ہیں وہ خود ان کے اپنے کلام میں پائے جاتے ہیں بے شبہ ۳۳۶ صفحات کا یہ ضخیم و جیم رسالہ اس موضوع پر تالیف ہونے والے رسائل میں سب سے اہم ہے۔ اگر صدق دل سے اس رسالہ کا مطالعہ کیا جائے تو ان شخصیتوں کے مابین نہ صرف اختلاف کے دفع ہونے کا علم ہوتا ہے بلکہ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مخالفین حضرت شیخ محدث کی آڑ میں جو کھیل کھیل رہے ہیں وہ محض غلط فہمی پر مبنی ہے۔

یہ نادر رسالہ بھی مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۰۹ھ میں چھپا تھا۔

رسالہ فی بشارہ لاہل الاشارہ (فارسی)

۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء

میری علی نواز پوری نے حضرت مجدد کے مکتوب (۳۱۲/۱) در مسئلہ رفع سبابہ سے اختلاف کرتے ہوئے ایک رسالہ لکھا تھا۔ جس کے جواب میں مولانا محمد حسن جان مرحوم نے بڑے سائز کے تقریباً ڈیڑھ سو اوراق پر مشتمل ایک رسالہ لکھ کر اس کا مدلل جواب دیا ہے مولانا نے اپنے دلائل میں سیکڑوں معروف کُتبِ فقہ کے اقتباسات پیش کیے ہیں اور رفع سبابہ کی نفی کرتے ہوئے حضرت مجدد کی تائید کی ہے۔

یہ رسالہ تا حال طبع نہیں ہوا ہے اس کا ایک خطی نُسخہ مؤلف مولانا محمد ہاشم جان علیہ الرحمہ کے کُتب خانہ ٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں موجود ہے۔

حضرت مجدد اور اُن کے ناقدین (اُردو)

(از مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددی مدظلہ سجادہ نشین درگاہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید[۵۷] دہلی)

حضرت مولانا زید، مدظلہٗ نے حضرت شیخ عبدالحق سے لے کر زمانہ حال کے ہندوستان اور یورپین معترضین کے حضرت مجدد پر اعتراضات کے جواب دیے ہیں۔

عہد حاضر میں قدیم و جدید ذہنوں کے مطالعہ کے بعد اہم نتائج اخذ کر کے اس کتاب میں ہدیۂ قارئین کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر دہلی کی طرف سے ۱۹۷۷ء میں اور پھر دارالمبلغین، شرقپور شریف سے ۱۹۷۹ء میں چھپ چکی ہے۔

☆......☆......☆

حواشی

۱......محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات۔ مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۷ھ ص ۱۷۶۔

۲......تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو یہی مضمون شمارۂ مسلسل ۱۷

۳......کمال الدین محمد احسان: روضۃ القیومیہ ۱/ ۱۴۹ (اردو ترجمہ مطبوعہ لاہور)

۴......امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی: مکتوبات ۱/ ۳۱۲

۵......امام ربانی: مکتوبات ۱/ ۳۱۲ نیز زبدۃ المقامات ص ۳۱۰، حضرات القدس ۲/ ۲۳۵، روضۃ القیومیہ ۱/ ۲۸۸۔

۶......امام ربانی مجدد الف ثانی: مکتوبات ۳/ ۱۳۴ ایضاً: مبداء و معاد ص ۴۸ بدر الدین سرہندی ملا: حضرات القدس ۲/ ۱۲۶

۷......احوال و آثار عبداللہ خویشگی صفحہ ۱۵۰۔۱۵۳ میں ہم نے تفصیل دی ہے۔

۸......کمال الدین محمد احسان: روضۃ القیومہ ۳/ ۴۸ قلمی

۹......حضرت حجۃ اللہ کی مسند نشینی کا پہلا سال ۱۰۷۹ھ ہے اگر اس میں پندرہ سال جمع کیے جائیں تو (۱۰۷۹+۱۵) ۱۰۹۴ھ برآمد ہوگا۔ ایضاً

۱۰......محمد ساقی مستعد خان: مآثر عالمگیری۔ کلکتہ ۱۸۷۱ء ص ۸۴

۱۱......ہم نے اپنی تالیف ''احوال و آثار عبداللہ خویشگی'' میں اس سلسلہ میں مفصل بحث کی ہے ملاحظہ ہو ص ۱۴۵۔۱۵۰

۱۲......کمال الدین محمد احسان: روضۃ القیومیہ ۳/ ۴۸ قلمی

۱۳......کمال الدین محمد احسان: روضۃ القیومیہ ۳/ ۴۸ قلمی

۱۴...... غلام علی دہلوی شاہ رسائل سبعہ سیارہ صفحہ ۳۰

۱۵......کمال الدین محمد احسان ۲/ ۲۲۳ قلمی

۱۶......ایضاً ۳/ ۴۸۔

۱۷......کمال الدین محمد احسان ۲/ ۴۰۷۔

۱۸...... ایضاً ۳/ ۴۸

۱۹......ملحق ملخص السیر، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے مرتب کر کے مجلّہ انجمن عربی و فارسی اور پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور سے شائع کی تھی جو اسی مؤلف کی ہے۔

۲۰......قزانی، محمد مراد: الدرر المکنونات النفیسہ، (ترجمہ عربی مکتوبات حضرت مجدد) ۱/ ۷۷۔ ترکی۔

۲۱......ایضاً ۱/ ۷۷۔۱۲۲

۲۲...... مظہر جان جاناں مرزا: مکتوبات ۵/ ۱۰۹ (شامل ''مقامات مظہری'' مطبوعہ دہلی ۱۲۶۹ھ)

۲۳......ایضاً ۱۵/۱۲۱۔

۲۴......سرکیس، یوسف لیان، معجم المطبوعات العربیہ، بغداد طبع عکس از طبع اوّل ۱۹۲۸ء ص ۵۶۶۔

۲۵...... محی: خلاصۃ الاثر۔

۲۶...... سرکیس، ص ۵۶۷۔

۲۷...... حالہ عمر رضا معجم المولفین ۱/۱۲۸۱ حالات کے دیگر مآخذ کی نشاندہی کی گئی ہے۔

۲۸...... قزانی، محمد مراد الدرر المکنونات النفیسہ، ۱/۱۲۳۔۱۴۰

۲۹......حالات کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ ہذا شمارہ مسلسل ۲، ۱۸، ۴۰۔

۳۰...... محسن ترہتی،: الیانع الجنی، دیوبند۔

۳۱...... محمد حسن جان: رسالہ فی نفی رفع سبابہ، قلمی بخط مصنف ورق ۳۸۔ا

۳۲......خلیل محمد ابراہیم: تکملہ مقالات الشعراء مرتبہ حسام الدین راشدی۔ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۱۹۵۸ء ص ۲۴۴۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: قانع، تحفۃ الکرام، قانع: مقالات الشعراء ۱۲۱۔۱۲۹۰ (واشاریہ کتاب) مکتوبات حضرت شاہ فقیر اللہ علوی ص ۰۶۔۱۰۸ و دراسات اللبیب مقدمہ نوشتہ عبدالرشید نعمانی۔ سندھی ادبی بورڈ۔

۳۳......شاہ آغا: مونس المخلصین۔ کراچی ۱۳۶۸ھ ص ۱۰۰

۳۴......تفصیل کے لیے دیکھیے مقالہ ہذا تحت شمارہ مسلسل۔

۳۵......فضل اللہ مجددی۔ عمدۃ المقامات۔ مطبوعہ حیدرآباد سندھ۔ ۱۳۵۵ھ ص ۲۴۶۔

۳۶......مقالہ مشمولہ ماہنامہ نورِ اسلام، شرقپور، ''اولیائے نقشبند نمبر''۔ شمارہ مارچ اپریل ۱۹۷۹ء ص ۷۹۔۸۳ حصہ دوم۔

۳۷......کمال الدین محمد احسان: روضۃ القیومیہ ۲/۴۲۴۔ قلمی

۳۸۔ Yohanan friedman: Sh. Ahmad Sirhindi,London 1971, P x

۳۹......ایضاً ص ۹۔

۴۰۔ Zubaid Ahmad the contribution of indo Pakistan to Arabic Literature Lahore 1968- PP 115-116-

۴۱...... ایضاً ص ۳۸۴۔

۴۲......مہدی حسن مفتی: حضرت مجدد شاہ ولی اللہ کی نظر میں۔ مقالہ مشمولہ ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ، حضرت مجدد نمبر ص ۲۹۴۔۳۰۶

۴۳......وکیل احمد سکندر پوری: ہدیہ مجددیہ۔ دہلی ۱۳۱۱ھ ص ۲۶۴ حاشیہ

۴۴......قریشی، عبدالرزاق: مکاتیب حضرت مظہر، بمبئی ۱۹۶۶ء ص ۲۳۲۔

۴۵.....ڈاکٹر حسام الدین راشدی نے ان کے شجرہ نسب کے اندراج میں شیخ محمد اسمٰعیل کا نام درج نہیں کیا جو صریحاً سہو ہے۔ صحیح نسب کے لیے ملاحظہ ہو مولانا محمد حسن جان کا رسالہ ''انساب الانجاب'' ص ۶۵، ۵۵۔

۴۶.....خلیل محمد ابراہیم تکملہ مقالات الشعراء مرتبہ راشدی۔ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد۔ سندھ ۱۹۵۸ء ص ۵۹۹۔ ۶۱۷ وفائی دین محمد: تذکرہ مشاہیر سندھ مرتبہ راشدی۔ حیدر آباد ۱۹۷۴ء ص ۶۵۶۔ ۲۶۱

۴۷.....محمد ابراہیم خلیل کابلی: ایک مرد بزرگ (سوانح سعد الدین کابلی) کابل ۱۳۳۵ ش م

۴۸.....فریڈ مان یوحنا: ص ۱۲۱

۴۹.....رضوی، اطہر عباس: مسلمان مجددوں کی تحریکیں، ص ۴۴۴

۵۰.....غلام علی دہلوی، شاہ: رسالۂ دیگر در رد مخالفین ص ۴۸ مشمولہ ''سبع سیارہ'' ص ۴۸۔ ۵۰

۵۱.....تفصیل کے لیے دیکھیے ملفوظاتِ شریفہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء

۵۲.....یہ مجموعہ رسائل ''سبع سیارہ'' کے نام سے مطبع علوی سے ۱۲۸۴ھ میں چھپ چکا ہے۔ (ر۔ک۔ ۳۶)

۵۳.....قذانی محمد مراد: الدرر المکنونات ۱/ ۶۹۔ ۷۶۔

۵۴.....فہرس کتب خانہ مدرسۂ محمدیہ۔ بمبئی ص ۱۶۸، ص ۵۴۱۔

۵۵.....عبدالحی حسنی: نزہتہ الخواطر ۸/ ۵۱۷۔ ۵۱۸ کراچی ۱۹۷۶ء

۵۶.....مولانا عبدالشکور نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ ''الکلام المنجی'' مولانا عبدالحئی لکھنوی کی تالیف ہے۔ مولانا وکیل احمد کے نام سے شائع ہوئی تھی تذکرۂ مجدد (الفرقان حضرت مجدد نمبر) لکھنؤ ۱۹۶۰ء ص ۲۸۳۔ یہ بیان کسی طرح بھی درست نہیں ہے بھلا مولانا عبدالحئی کو اسے اپنے نام سے شائع کرنے میں کیا قباحت؟ ہمارے نزدیک دونوں بزرگ اس درجہ کے تھے کہ ان سے اس قسم کی توقع کرنا صحیح نہیں ہے۔

۵۷.....(نوٹ) مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددی ۲ دسمبر ۱۹۹۲ء کو راہی ملک عدم ہوئے۔
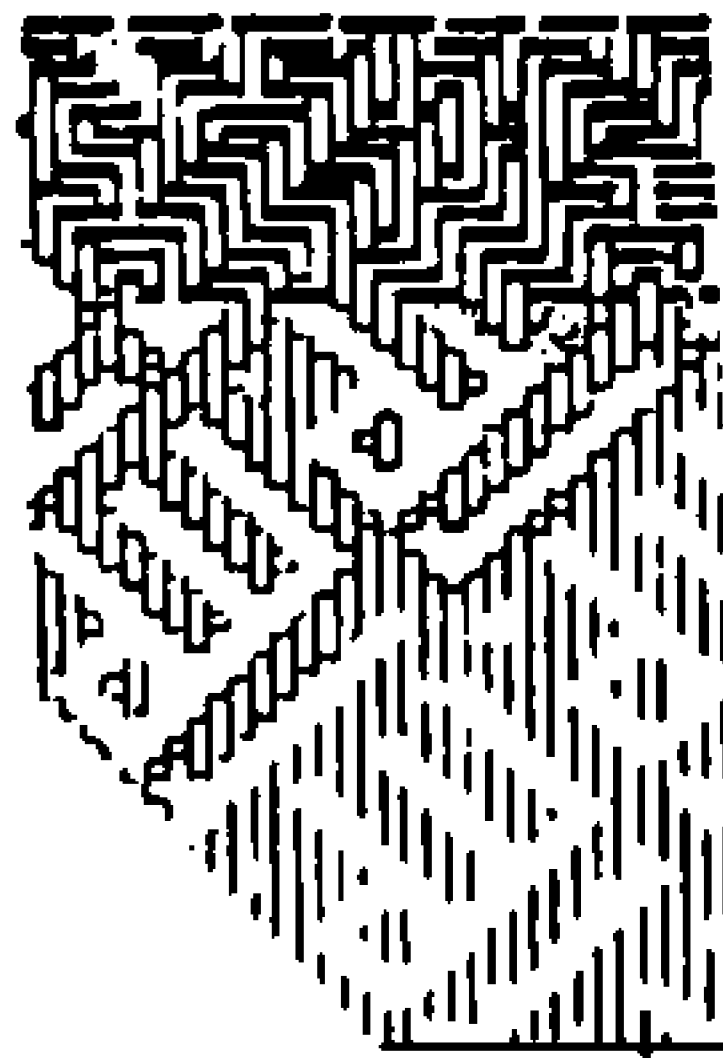
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

امام ربانی کے اقوال پر مبنی دو تصانیف

(تعلیماتِ مجددیہ اور ارشاداتِ مجددیہ)

وقار انبالوی

☆☆

۲۸ ر صفر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس دارِ فانی سے عالم باقی کی طرف رحلت کی تاریخ ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کی زندگی کا کوئی لمحہ یا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو نگاہوں سے اوجھل ہو۔ ان کے یوم ولادت سے یوم وصال تک ان کی ہر بات اور ان کا ہر کام ہمارے سامنے ہے۔ لیکن ان کے دو کام ایسے بے مثال اور لازوال ہیں جن پر آج تک جو کچھ کہا گیا ہے وہ بھی کم ہے، اور جو آئندہ کہا جائے گا وہ بھی کم ہوگا۔

ان کا سب سے نمایاں اور اہم کارنامہ برصغیر پاک و ہند میں تصوف و روحانیت کے اس سلسلے کو فروغ دینا ہے جو سلسلہ نقشبندیہ کے نام سے معروفِ عالم ہے۔ اس وسیع و عریض خطّہ زمین میں حضرت خواجہ باقی باللہ (رحمۃ اللہ علیہ) اس سلسلے کے پہلے بانی و نقیب ہیں، اور حضرت مجدد ان کے جانشین، خلیفہ و مرید ہیں۔ حضرت مجدد نے ابن عربی کی ''فصوص الحکم'' کے مقابلے میں نصوص کو مقدم رکھا اور وحدت الوجود کے طلسم و سحر سے عقول و اذہان کو نکال کر وحدت الشہود کی شاہراہ پر ڈالا۔

ان کا دوسرا کارنامہ اس وقت کی مطلق العنان بادشاہت کو نہ صرف حدود اللہ کی طرف مائل کرنے کی سعی مشکور سے وابستہ ہے، بلکہ ان تمام بدعات و سیأت پر ایک مؤحدانہ اور مومنانہ نگاہ ڈال کر ان کو خاکستر کر دینا بھی ہے۔ جو عہدِ اکبری میں پہلے مساوات ادیان کے سلسلے میں اور پھر دینِ اسلام کے مقابلے میں اکبر شاہی کے جلو اور عقب میں آئیں۔ ان میں سرِ دربار بادشاہ کو سجدہ کرنا بھی تھا۔ حرکات کے بارے میں بادشاہ اور اس کے جی حضوریوں کا حدود اللہ کو توڑنا بھی تھا، اور دربار کے آداب و رسوم میں بعض مشرکانہ رسوم کی ترویج بھی تھی۔

پاکستان کے زمانہ حال کے سب سے بڑے فکری راہنما علامہ اقبال نے حضرت مجدد کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اور زمانہ ماضی قریب کے سب سے بڑے مفکر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے ان کے چراغ سے جس طرح فکر و نظر کے کئی چراغ روشن کیے اور ابن عربی اور حضرت مجدد کی تعلیمات کے بعض تصورات کو جس طرح ہم آہنگ کرنے اور ایک سنگم پر لانے کی کوشش کی وہ اہلِ فکر و نظر کے سامنے ہے۔ لیکن حضرت مجدد کی علمی سطح تک پہنچنے کے لیے ہر زمانے میں ہمیں نہ تو حضرت شاہ ولی اللہ جیسے ہمہ گیر و ہمہ رس بزرگ میسر آ سکے ہیں اور نہ حضرت علامہ اقبال جیسے مغربی و مشرقی علوم کے جامع اور ماہر حضرات کے فیوض و برکات سے استفادہ کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے یہ اندیشہ طبعی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے عظیم کارنامے کی نسبت اختلاف رائے کوئی ناگوار صورت اختیار نہ کر لے۔ حال ہی میں ایک ہی مقام سے حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات کے بارے میں انہی کے مکتوبات کی تفسیر و تعبیر (اور کسی حد تک تاویل) پر مشتمل دو کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب کا نام ''تعلیمات مجددیہ'' ہے اور جسے ہمارے بزرگ معاصر ملک حسن علی صاحب بی اے جامعی نے ترتیب دیا ہے اور دوسری کتاب کا نام ''ارشادات مجدد'' ہے جو خانوادہ حضرت اعلیٰ میاں شیر محمد صاحب نقشبندی (رحمتہ اللہ علیہ) کے چشم و چراغ اور ان کے خلیفہ مجاز حضرت ثانی میاں غلام اللہ صاحب کے خلف الرشید ہیں اور میاں جمیل احمد صاحب کے نام سے مشہور و معروف ہیں آخر الذکر کتاب انہوں نے ترتیب دے کر شائع کی ہے۔

تعلیماتِ مجددیہ

تعلیمات مجددیہ کچھ دن پہلے شائع ہوئی ہے اور۔۔۔ کوئی سوا پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں حضرت مجدد کے بعض اقتباسات سے یہ ثابت کرنے کی سعی کی گئی ہے کہ حضرت مجدد کا مسلک مسلک اہلِ حدیث کے نزدیک تھا' خصوصاً توسل و استمداد، تصورِ شیخ اور عطائے نسبت کے بارے میں ملک صاحب نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت مجدد ان کے حق میں نہ تھے۔ چوں کہ ملک صاحب خود مسلک اہل حدیث کے پابند ہیں اس لیے انہوں نے حضرت مجدد کو جہاں ہندوانہ اور مشرکانہ بدعات و سیأت کا ماحی تسلیم کیا ہے وہاں انہوں نے اور مسلمانوں کو بھی حضرت مجدد کی تعلیم سے بیگانہ سمجھا ہے جو بیعت و تقلید کو روا رکھتے ہیں اور اعراس و نذر و نیاز کے قائل ہیں۔ اس طرح ''تعلیمات مجددیہ'' کے مطالعہ سے یہ تصور پیدا اور پختہ ہوتا ہے کہ حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات کے ذریعہ انہی عقائد کی تعلیم و ترغیب دی

ہے جو اہلِ حدیث کے مسلمہ عقائد ہیں۔

ارشاداتِ مجدد

''ارشادات مجدد'' کے فاضل مرتب نے اگرچہ ساری کتاب میں کہیں ''تعلیمات مجددیہ'' یا اس کے فاضل مؤلف و مرتب کا ذکر نہیں کیا لیکن مکتوبات ہی کے اقتباسات سے ان تمام خیالات کی تردید کی ہے جو ''تعلیمات مجددیہ'' کے مطالعے سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ ''ارشاداتِ مجدد'' کے مرتب خود سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کے اہل حال بزرگ ہیں۔ ان کی سمجھ میں یہ بات کیسے آ سکتی تھی کہ حضرت مجدد کے سلسلے میں بیعت و تقلید کا جو سلسلہ انہی کی حیاتِ مبارکہ میں شروع ہوا اور اب تک جاری ہے۔ ان کی تعلیمات یا مکتوبات سے یہ امر بھی متبادر ہو سکتا ہے کہ جن امور و مسائل پر ''تعلیمات مجددیہ'' کے مکتوبات کے اقتباسات سے یکطرفہ روشنی ڈال دی گئی ہے' وہ مسلکِ اہل حدیث سے ہم آہنگ ہو سکتے ہیں یا ان کے مسلک کا اہلِ حدیث سے کوئی ربط و تعلق ہے۔

چند خیال افروز مباحث

''تعلیمات مجددیہ'' کے فاضل مرتب اپنی کتاب کے صفحہ ۶۸ ۔ ۶۹ پر ہادی عالم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر حضرت مجدد کے ارشادات سے جو استخراج استنباط کرتے ہیں وہ یوں ہے:

> اے برادر! محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم باوجود اس قدر بلند شان کے بشر تھے اور حدوث و امکان کے داغ سے نشان دار تھے' بشر خالق کی حقیقت کیا دریافت کر سکتا ہے؟ اور ممکن واجب کو کیا معلوم کر سکتا ہے اور حادث قدیم کا احاطہ کیسے کر سکتا ہے۔
>
> (مکتوب ۱۷۳' دفتر اول سے اقتباس و ترجمہ)

اور اس کے بعد دو اقتباس اور دے کر حضرت مجدد ہی کے الفاظ میں یہ ثابت کیا ہے کہ نفس انسانیت میں انبیاء اور غیر انبیاء سب برابر ہیں۔ اور تمام انبیاء نے اقرار بشریت کیا ہے لیکن ''ارشادات مجدد'' کے فاضل مرتب نے صفحہ ۴۰ پر حضرت مجدد ہی کے مکتوب کا اقتباس دے کر آں حضرت کی عام بشریت کا انکار ثابت کیا ہے:

جن محجوبوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح تصور کیا بالآخر منکر ہوگئے اور جن سعادت مندوں نے ان کو رسالت اور رحمت عالمیان کے طور پر دیکھا اور تمام لوگوں سے ممتاز اور سرفراز سمجھا وہ ایمان کی سعادت سے مشرف ہوگئے اور نجات پانے والوں میں شامل ہوگئے۔ (دفتر سوم، حصہ ہشتم مکتوب ۶۴)

اور پھر ایک اور مکتوب کے اقتباس سے حدوث و امکان کے عام معنوی تصور کی تردید یوں کی ہے:

چوں کہ آں حضرت اس عالمِ ممکنات میں سے نہیں ہیں بلکہ اس سے بلند و ارفع مکان سے ہیں، اس بناء پر آپ کے جسم شریف کا سایہ نہیں۔ اس عالم شہادت میں شئے کا سایہ شے سے لطیف تر ہوتا ہے۔ چونکہ حضور علیہ السلام سے زیادہ لطیف شے جہاں میں ہے ہی نہیں تو آپ کے جسم مبارک کے لیے سایہ کس طرح متصور ہوسکتا ہے۔

(دفتر سوم، حصہ نہم، مکتوب نمبر ۱۰۰)

''تعلیماتِ مجددیہ'' میں قبروں پر جانوروں کے ذبیحہ کو مسلک مجددیہ کے خلاف ثابت کیا ہے اور ''ارشاداتِ مجدد'' میں اسی مکتوب کو تفصیل کے ساتھ شائع کیا گیا ہے کہ نذرِ مشائخ اور ایصالِ ثواب طریق و مسلک مجددیہ کے عین مطابق ہے فرق صرف قبروں پر ذبیحہ حیوانات کا ہے لیکن ایصالِ ثواب کے لیے طعام کی نذر ثابت ہے، جسے اہل حدیث روا نہیں رکھتے۔ ملاحظہ ہو:

چند سال پیشتر فقیر کا یہ طریق تھا کہ للّٰہ طعام پکاتا اور اس کا ثواب اہلِ عبا کی ارواح پاک کو نذر کر دیا کرتا جس میں آنحضرت کے ساتھ حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت امامین رضی اللہ عنہما کو بھی شامل کر لیتا۔ ایک رات فقیر نے عالمِ خواب میں دیکھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ فقیر نے سلام کیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ نہ ہوئے اور چہرہ مبارک پھیر لیا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کے گھر میں کھانا کھاتا ہوں جس کسی نے مجھے طعام بھیجنا ہو وہ حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر طعام بھیجا کرے اس طرح معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ نہ فرمانے کا باعث یہ تھا کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ کو شریکِ طعام نہ کرتا تھا بعد ازاں حضرت صدیقہ بلکہ تمام امہات المومنین کو جو اہلِ بیت ہیں شریک کرلیا کرتا اور تمام اہلِ بیت کو اپنے لیے وسیلہ بناتا۔

''تعلیماتِ مجددیہ'' میں غیر اللہ سے استمداد طلب حوائج کے عنوان سے صفحہ ۷۳ پر یہ اقتباس درج ہے:

امراض اور بیماریوں کے دور کرنے میں بتوں سے اور طاغوت سے مدد طلب کرنا جس کا جاہل مسلمانوں میں عام رواج ہوگیا ہے عین شرک اور گمراہی ہے۔ تراشیدہ و ناتراشیدہ پتھروں سے اپنی حاجتیں مانگنا حق تعالیٰ کا صاف صاف انکار اور عین کفر ہے۔ اللہ تعالےٰ بعض گمراہوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس سے انکار کردیں۔ (دفتر سوم مکتوب ۴۱)

اولیاء سے استمداد کا مسئلہ

اس اقتباس سے کسی کلمہ گو کو کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا لیکن غیر اللہ میں صرف بت اور طاغوت شامل نہیں اور اس استمداد سے استمداد طلب حوائج کا وہ مسئلہ حل نہیں ہوتا جس کی بعض صورتیں رائج ہیں۔ مثلاً وسیلہ طلبی اور توسل سے دعا مانگنا' پھر زندگی میں بار ہا لوگ استمداد طلب حوائج کے سلسلے میں عام لوگوں کے پاس بھی جاتے ہیں' اور اگر یہ آنا جانا بند ہوجائے تو پوری معاشرت معطل ہوکر رہ جائے گی۔ لیکن اگر انسانوں کی باہمی مطلب براری یا تعاون کو استمداد کی تعریف سے خارج کردیا جائے تو بھی استمداد بالا اولیاء کے بارے میں حضرت مجدد صاحب کا ارشاد بالکل واضح ہے۔ اپنی ایک قلبی اور روحانی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک مدت تک یہ حالت رہی پھر اتفاقاً ایک ولی اللہ کے مزار مبارک کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا' اور اس معاملے میں اس مدفون ولی اللہ سے میں نے مدد و اعانت طلب کی۔ چنانچہ اسی دوران اللہ جل شانہ کی عنایت شاملِ حال ہوگئی اور عین اس وقت حضور خاتم المرسلین رحمۃ للعالمین کی روحانیت سے بھی دل کو اطمینان ہوا۔

(دفتر اول' حصہ سوم' مکتوب ۲۳۰)

(روزنامہ کوہستان' لاہور ۱۶/ مئی ۱۹۶۹ء)

☆......☆......☆
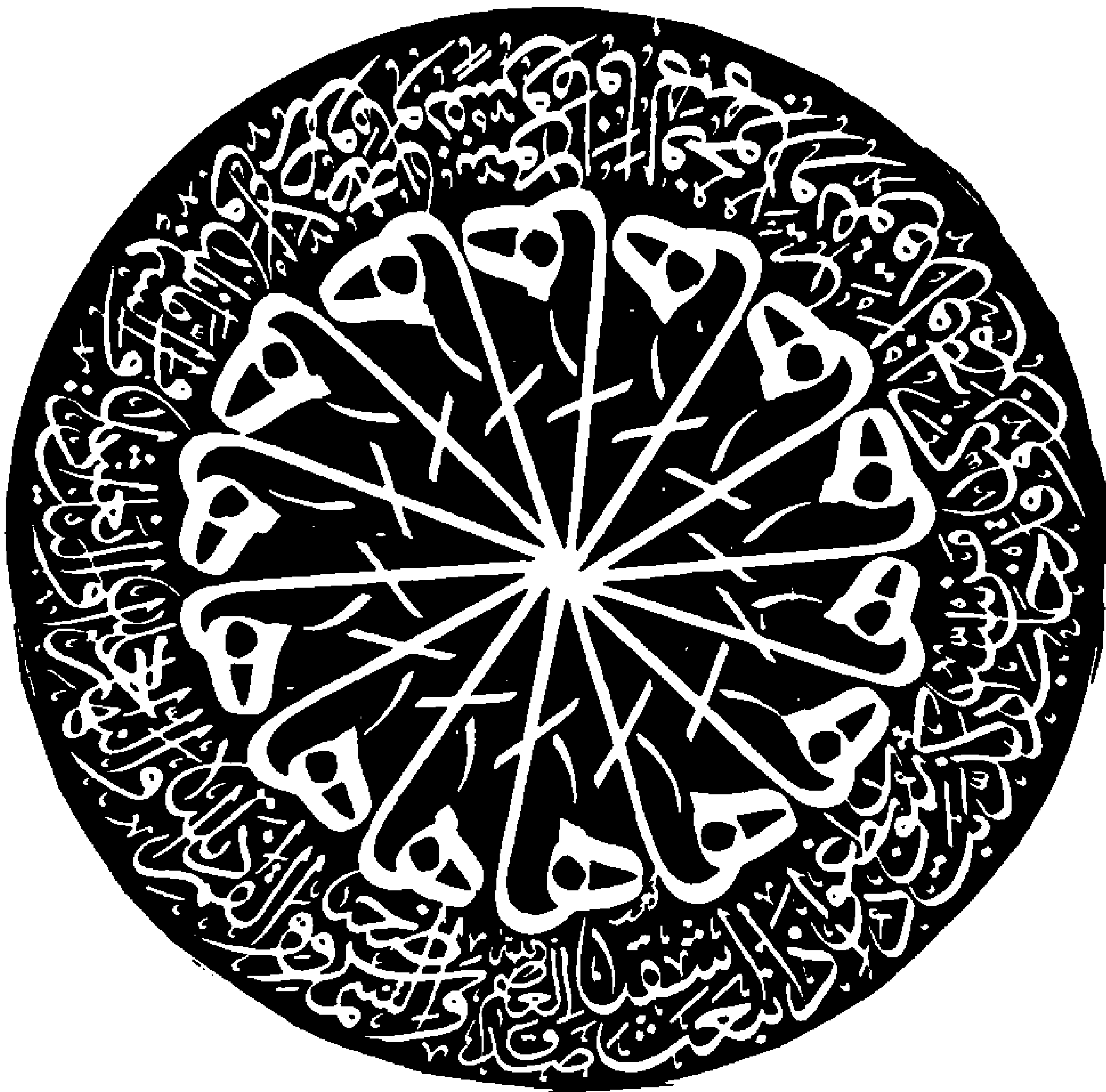
بسم اللہ الرحمن الرحیم

کشورِ سوم

آج بھی دنیا ترے فیضان سے معمور ہے

وتعاونوا على البر والتقوی

فهرست

دفتر دوم از حضرات القدس

این نسخهٔ متبرکه در سنه ۱۱۵۰ھ نوشته شده۔ و فیما بعد در تصرف
محدث دار الهجره حضرت شاه عبد الغنی مجددی فرزند حضرت شاه ابو سعید مجددی
قدس سرهما آمده در سنه ۱۲۹۶ وفات ایشان شد۔ حضرت سیدی الوالد
حضرت شاه محی الدین عبد الله ابو الخیر قدس سره این نسخه را مع کتب دیگر از متروکات
ایشان خریدند۔ این نسخه فهرست نه داشت۔ و کتابی که فهرست ندارد
فائده کامله نمی بخشد۔ لهذا این عاجز اولا بر صفحات کتاب رقم
نهاد و جاهائی که خوانده نمی شد از نسخه محرره در سنه ۱۰۹۹ و مصححه حضرت
شاه عبد الغنی و حضرت والد اصلاح نمود و سهوی که از کاتب
بر صفحه ۱۶۹ و ۱۷۲ و ۱۸۱ از تقدیم و تاخیر عبارت واقع شده
آن را بر حاشیه بیان کرده و بر درجات و [illegible] و ملفوظات و کرامات جمله
شاه محمد معصوم را که سیوطی ذکر کرده بر کنارش نوشته برای ناظرین سهولت
فراهم کرده۔ الموفق و المعین ۔ ابو الحسن زید الفاروقی المجددی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد مغرب میں

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
(ایم۔اے،پی۔ایچ۔ڈی)

☆☆

مشرقی ممالک پر حضرت مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء) کے جو اثرات ہوئے وہ محتاجِ بیان نہیں۔اب مشرقی اور مغربی مستشرقین حضرت مجدد کے کارناموں اور تعلیمات کو مغرب میں متعارف کرارہے ہیں اور یہ سلسلہ ہمہ گیر ہوتا جارہا ہے۔نواب صدیق حسن خان مرحوم نے لکھا تھا:۔

ووصلت سلسلتہ من الھند ما وراء النھر والروم والشام والعرب واقصی المغرب [1]

مغربی تصانیف میں پروفیسر آرنلڈ (T.W.Arnold) کی تصنیف "The Preaching of Islam" میں حضرت مجدد الف ثانی ؒ کا ذکر ملتا ہے۔یہ کتاب سنہ ۱۸۹۹ء میں منظر عام پر آئی۔مصنف کے پیشِ نظر مسلمانوں کی تبلیغی مساعی کا جائزہ تھا اس لیے انہوں نے قلعہ گوالیار میں قید کے زمانے میں (۱۰۲۸ھ/۱۶۱۸ء......۱۰۲۹ھ/۱۶۱۹ء) حضرت مجدد نے جو بے شمار ہندو قیدیوں کو مشرف باسلام کیا تھا اس کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:۔

In the region of the Emperor Jahangir (1605-1628) there was a certain Sunni theologian, named Shaykh Ahmad Mujaddid, who especially distinguished

himself by energy with which he controverted the doctrines of Shi,ahs. The Latter, being at this time in favour at court, succeded in having him imprisoned on some frivolous charge; during the two years that he was kept in Prison he converted to islam several hundred idolaters who were his Companions in the same Prison,[۳]

پروفیسر آرنلڈ (T.W.Arnold) نے انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجز اینڈ اتھکس میں بھی حضرت مجدد الف ثانی کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ نقشبندیہ صوفیہ کے ذیل میں انہوں نے لکھا ہے:۔

The Naqshbandi order did not attain such a vogue in India as the other mentioned above; it was introduced there by Shaikh Ahmad, al-Faruqi, who died at Sirhind in 1625.[۴]

پاک و ہند میں سلسلۂ نقشبندیہ کی اشاعت تو حضرت مجدد الف ثانی کے واسطے سے ہوئی مگر اس کو پاک و ہند میں خواجہ باقی باللہ (م۔۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) نے متعارف کیا تھا۔ آرنلڈ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ حضرت مجدد نے اس کو متعارف کیا۔

پروفیسر آر۔اے نکلسن (R.A.Nicholson) نے ''تصوف میں تصور شخصیت'' کے موضوع پر چند لیکچر دیے تھے جو ۱۹۲۲ء میں ایک مجموعہ کی صورت میں بعنوان:۔

"The Idea of Personality in Sufism"

انگلستان سے شائع ہوئے تھے۔ پروفیسر آربری (A.J Arberry) کی نشاندہی[۵] پر راقم نے اس کتاب[۶] کا مطالعہ کیا اور یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ اس قسم کے موضوع کے تحت حضرت مجدد الف ثانی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ حضرت مجدد کے تصور وحدۃ الشہود نے تصوف میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تھا جو اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

پروفیسر مارگولیس (D.S Marglioth) نے "Mohammadanism" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی تھی جو ۱۹۱۱ء میں انگلستان سے شائع ہوئی تھی۔ بعد میں سر ہملٹن گب نے اس میں مزید اضافے کیے اور ۱۹۴۹ء میں ان اضافوں کے ساتھ یہ شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مؤلف نے حضرت مجدد الف ثانی کی علمیت' فضیلت اور آپ کے مجاہدانہ مساعی کا ذکر کیا ہے اور اس بات پر اظہارِ افسوس کیا ہے کہ تعلیمات مجددیہ کی طرف ابھی پوری طرح توجہ نہیں کی گئی۔ مصنف لکھتا ہے:

> During the seventeenth and eighteenth centuries a succession of remarkable scholars strove to restate the bases of Islamic theology in a manner which broke away from the formalism of the orthodox manuals and laid stress upon the psychological and ethical elements in religion. Among the more outstanding figures in this movement, which has not received the attention it deserves, were the Syrian Abdal Ghani of Nablus (1641-1731), and the Indians Ahmad Sirhindi (1563-1624) and Shah Wali -Allah of Delhi (1702-1762)ے

۱۹۳۲ء میں علامہ اقبال (م ۱۹۳۸ع) گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے انگلستان تشریف لے گئے تھے۔ لندن میں "Aristotalian Society" کی درخواست پر علامہ نے ایک لیکچر دیا تھا جس کا عنوان تھا "Is Religion Possible?" اس لیکچر میں علامہ نے اہل مغرب کو حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات اور نظریات سے روشناس کرایا تھا اور آپکے نظریات کی روشنی میں مختلف مغربی فلاسفہ پر تنقید بھی کی تھی ۸۔

پروفیسر سی۔ اے استوری (C.A Storey) نے اپنی تالیف پرشین لٹریچر (Persian Literature) میں حضرت مجدد الف ثانی کا ضمناً ذکر کیا ہے۔ چونکہ ان کے پیش نظر مؤلفین و مصنفین اور ان کی تالیفات وتصنیفات

کے متعلق تفصیلات فراہم کرنا ہے۔ اس لیے اجمال سے کام لیا ہے۔ موصوف نے حضرت مجدد کے حالات سے متعلق مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے:

۱......محمد ہاشم کشمی: برکات الاحمدیہ الباقیہ (۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء)

۲......محمد ہاشم کشمی: نسمات القدس من حدائق الانس (۱۰۳۱ھ/۱۶۲۲ء)

۳......محمد امین بدخشی: مناقب آدمیہ وحضرات احمدیہ (۴۰-۱۱۳۹ھ/ ۸-۱۷۲۶ء)

۴......میر علی اکبر حسین اردستانی: محفل الاصفیاء و مجمع الاولیاء (۱۰۴۳ھ/۱۶۳۳ء)

۵......غلام علی: کرامات وارشادات مجدد الف ثانی

۶......مظہر الدین فاروقی: مناقب احمدیہ ومقامات سعیدیہ[۹]

استوری نے حضرت مجدد کے حالات میں آپ کی ولادت (۱۵۶۳ء/۹۷۱-۴ء) جہانگیر کے ہاتھوں قید (۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء) پھر رہائی (۱۰۲۹ھ/۱۶۲۰ء) اور خلعت وندرانے سے نوازے جانے کا ذکر کیا ہے اور آخر میں وفات (۲۹ر صفر ۱۰۳۴ھ/ ۱۱ر دسمبر ۱۶۲۴ء) کا ذکر کیا ہے۔

لندن یونیورسٹی کے فاضل پروفیسر پیٹر ہارڈی (Peter Hardy) نے بھی ایک مقالے میں حضرت مجدد کے جاندار متصوفانہ نظریات کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:۔

شیخ احمد سرہندی کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ انہوں نے ہندی اسلام کو متصوفانہ انتہا پسندی سے خود تصوف کے ذریعہ نجات دلائی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جس نظریے کی انہوں نے تردید کی اس کے منشاء و مفہوم اور قدر و قیمت کا ان کو ذاتی طور پر عمیق ادراک تھا۔[۱۰]

راقم کے کرم فرما ڈچ مستشرق ڈاکٹر بلیان (Johannes M.S Baljon) نے ایک مکتوب[۱۱] میں لکھا تھا کہ پروفیسر عزیز احمد[۱۲] نے اطالوی رسالے Rivista Degh Studi Orientali کے شمارے دسمبر ۱۹۶۱ء میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک مقالہ بعنوان:

Religious And Political Ideas of Sheikh
Ahmad Sirhindi.

قلم بند کیا ہے۔ چنانچہ راقم نے رسالے کے مدیر Dr. Bucciorelli سے یہ شمارہ حاصل کیا جو از راہ کرم انہوں نے ہدیتاً بھیج دیا اس کیلئے ان کا ممنون ہوں۔

مذکورہ بالا مقالہ رسالے کے صفحہ ۲۵۹ سے ۲۷۰ تک ۱۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ مقالے میں ہندوستان میں سلسلۂ نقشبندیہ کی اشاعت، خواجہ باقی باللہ اور ان کا اثر و رسوخ، شیخ احمد سرہندی اور ان کا مختلف سلاسل سے استفادہ، اکبری الحاد اور حضرت مجدد کی مجاہدانہ مساعی، ان کے سیاسی نظریات، جہانگیر اور حضرت مجدد، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود، اور حضرت مجدد کے کارہائے نمایاں کا جائزہ لیا ہے اور آخر میں حضرت مجدد کی تحریک اور اس کے اثرات پر ایک تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔

مقالہ نگار نے ابتداء میں لکھا ہے:۔

> Shiekh Y'qub Kashmiri had introduced him to the Kibruya order from which he seems to have imbibed much of the "insolationist" Political Philosophy of Sayyid Ali-Hamadani[۱۳]

حضرت مجدد الف ثانی سلسلہ کبرویہ کے بزرگوں سے کافی متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ فرنچ مستشرق آنجہانی مارین مولے (Marian Mole) کا خیال تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی کا نظریہ وحدۃ الشہود بھی سلسلۂ کبرویہ کے بزرگ شیخ علاء الدولہ سمنانی سے مستفاد معلوم ہوتا ہے۔ ایک مکتوب میں موصوف نے اس خیال کا اظہار کیا تھا انہوں نے لکھا تھا:۔

> But, before all, I would like to study the Mujaddid and his criticism of the theories of Ibn Arabi. It is for that purpose I began to study the Kubrawi Al a Dawla Simnani who, some 250 years earlier, likewise opposed the whdat al-Wujud and whose mystical doctrine seems very like that of the Mujaddid[۱۴]

حضرت خواجہ باقی باللہ کے ملفوظات (کلمات طیبات) کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علاء الدولہ سمنانی نے ابن عربی کے تصور وحدۃ الوجود کی مخالفت کی تھی اور ایک دوسرا تصور پیش کیا تھا جس کو حضرت مجدد کی اصطلاح میں وحدۃ الشہود کہا جاتا ہے۔ حاضرین میں سے کس نے حضرت خواجہ باقی باللہ سے شیخ علاء الدولہ سمنانی کی مخالفت کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے اس کو علمائے سلف کے حوالہ

سے جو جواب دیا، بعینہ وہی بات شاہ ولی اللہ نے حضرت مجدد کے تصور وحدۃ الشہود اور ابن عربی کے تصور وحدۃ الوجود کے بارے میں کہی ہے یعنی یہ کہ صرف نزاع لفظی ہے حقیقتاً دونوں کی روح ایک ہی ہے۔ لیکن خود شیخ باقی نے اس خیال کی مطلقاً تائید نہیں فرمائی۔ [۱۵]

مقالہ نگار نے ایک جگہ حضرت مجدد کے جہانگیر پر اثرات کے متعلق لکھا ہے:۔

> It is difficult to estimate the exact, direct and indirect influence of Shaikh Ahmad on Jahangir, but there is no doubt that the easy going emperor was by no means the pagan depicted by Sir Thomas Roe and other European Chroniclers. (p.263)

جہانگیر پر حضرت مجدد الف ثانی کے اثرات بالواسطہ تو اعیان مملکت کے ذریعہ ہوئے جو حضرت مجدد کے عقیدت منداور مرید تھے اور بلاواسطہ قید سے رہائی کے بعد سنہ ۱۰۲۹ھ/۱۶۱۹ء سے سنہ ۱۰۳۳ھ/۱۶۲۳ء کے اواخر تک تقریباً چار سال جہانگیر کی معیت میں رہنے سے ہوئے۔ بدرالدین سرہندی نے مجمع الاولیاء [۱۶] میں ان اثرات کا جائزہ لیا ہے اس لیے مقالہ نگار کا یہ کہنا عجیب سا معلوم ہوتا ہے کہ ان اثرات کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس کے علاوہ تاریخی نظر سے بھی اکبر بادشاہ کے بعد جہانگیر کے زمانے میں حالات کا بہتر ہونا' پھر شاہجہاں اور اورنگ زیب کے زمانے میں اسلامی نظریات کی اشاعت اور فروغ اور جب کہ یہ معلوم ہے کہ جہانگیر سے آپ کو خاص لگاؤ تھا، شاہ جہاں آپ کا عقیدت مند تھا اور اورنگ زیب آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم (م۔ ۱۰۷۷ھ/۱۶۶۶ء) کا مرید تھا اور آپ کے پوتے خواجہ سیف الدین نے اورنگ زیب کی باطنی اصلاح فرمائی تھی، یہ سب حقائق سامنے ہوتے ہوئے سلطنت مغلیہ پر خاندان مجددیہ کے اثرات سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔

مقالہ نگار نے حضرت مجدد کے نظریہ وحدۃ الشہود کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے مصطفیٰ صبری کے خیالات کو پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

> It is not surprising therefore that Shaikh Ahmad's doctrine of Phenomeno logical

monism had such a revolutionary impact on Indian Islam. It rediverted its various streams, orthodox, liberal and esortic into a single channel; it relaxed the tension between the religious law and mystical experience, it resolved the agelong conflict between the sufis and the ulema uniting them in a single synthesis of solidarity. It is also not surprising that Shaikh Ahmed's influence on Islam out. side India was also quite considerable.[14]

حضرت مجدد کی زندگی ہی میں آپ کے مکتوبات اسلامی ممالک میں پھیل چکے تھے۔ سنہ ۱۰۹۳ھ میں علمائے حجاز نے ایک فتوے کے جواب میں آپ کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرزمین حجاز میں آپ کو کس قدر و منزلت کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔

پھر انیسویں صدی عیسوی میں مکتوبات شریف کی تینوں جلدوں کا عربی ترجمہ مکہ مکرمہ سے شائع ہوا[۱۸] انقرہ (ترکی) سے بھی صالح اوز جان نے ترکی ترجمہ شائع کرایا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن[۱۹] نے کینیڈا کے زمانہ قیام میں[۲۰] حضرت مجدد کے مکتوبات کے منتخبات کا انگریزی ترجمہ کر کے ایڈٹ کیا تھا۔ مختصر یہ کہ مقالہ نگار کا یہ کہنا صحیح ہے کہ شیخ احمد کے اثرات ہندوستان اور پاکستان کے باہر بھی ہوئے۔

مقالہ نگار نے مقالے کے آخر میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس میں بہت سی باتیں محل نظر ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

In a way he was the pioneer of what modern Islam is to-day in Indian subcontinent, separatist, isolationist, self-confident, conservative, more intolerant than tolerant, not too liberal, deeply conscious of the need of reformation but distrustful of innovations, accepting speculation in theory but

dreading it in practice, and insular in its
contact with other civilizations.

مقالہ نگار نے اس پیراگراف میں پاک و ہند کے اسلام کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں کچھ طنز کی بو آتی ہے۔ جو سنجیدہ مقالے کی روح کے منافی ہے۔ مختصر طور پر اتنا عرض کروں گا کہ مقالہ نگار کی نظر میں جو معائب ہیں یہ وہی ہیں جن کی وجہ سے ایک فرد کو اپنی ذات کی عظمت اور ساتھ ہی اپنے ملک اور قوم کی عظمت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

مقالہ نگار نے دریا دلی اور رواداری کا ایسا عظیم ثبوت دیا کہ پورے مقالے میں اپنے وطن پاکستان کو بھی ہندوستان میں شامل کیا ہے اور کہیں اپنی انفرادیت کا اظہار نہیں کیا۔ یہ ہے وہ خطرناک رواداری و اختلاط جس کے خلاف حضرت مجدد نے آواز بلند کی۔ بدعات سے نفرت اس بات کی دلیل نہیں کہ حضرت مجدد ''قیاس'' کے عملی طور پر مخالف تھے۔ غالباً مقالہ نگار کے ذہن میں ''قیاس'' کا اصطلاحی مفہوم واضح نہیں۔ ورنہ وہ یہ الزام نہ دیتے۔ حضرت مجدد قیاس کا دائرہ اتنا وسیع نہیں کرنا چاہتے تھے کہ قرآن و حدیث بھی اس میں گم ہو جائے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ خود قرآن و حدیث پر عمل پیرا تھے۔ ہر مرحلے پر عقل نا تمام کو امام بنانا اسلامی روح کے منافی ہے۔ اس کا اپنا ایک مقام اور دائرہ عمل ہے۔ وجدان بھی کوئی شے ہے۔ علامہ اقبال نے اس حقیقت کو یوں واضح کیا ہے:۔

عقلِ بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات

مقالہ نگار نے آخر میں علامہ اقبال، سر سید احمد خان اور ابوالکلام آزاد کو حضرت مجدد کے اثرات کے تحت شمار کیا ہے۔ علامہ اقبال پر حضرت مجدد کے جو اثرات ہوئے اس کے لیے راقم کے مقالات مطبوعہ اقبال ریویو[۲۱] مطالعہ کیے جائیں۔ ابوالکلام آزاد نے تذکرے میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت مجدد پر ایک طویل مقالہ قلم بند کیا تھا[۲۲] وہ حضرت مجدد الف ثانی سے کافی متاثر نظر آتے ہیں۔

پروفیسر محمد اسلم نے اپنے مکتوب محررہ ۹ مئی ۱۹۶۲ء کو ہڈرسفیلڈ (انگلینڈ) سے لکھا تھا کہ وہ ڈاکٹر بائل (Dr,Bayle) کی زیر نگرانی حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک پر کام کر رہے ہیں۔ یہ کام ۱۹۶۰ء سے شروع ہو کر ۱۹۶۲ء میں مکمل ہوا۔ مقالے کا سائز ۸" x ۱۰" اور حجم ۳۸۲ صفحات تھا۔ اس مقالے پر محمد اسلم صاحب کو مانچسٹر یونیورسٹی (انگلینڈ) سے ایم۔اے کی ڈگری ملی۔

ڈاکٹر قدیر مرزا صاحب نے بھی حضرت مجدد پر ایک مقالہ لندن یونیورسٹی میں پیش کرنے کے لیے لکھا تھا۔ اس مقالے کے متعلق موصوف اپنے مکتوب محررہ ۱۸/اپریل ۱۹۶۳ء کو لندن سے لکھتے ہیں:۔

میرا مقالہ عرصہ سے تیار ہے لیکن رسالے (مسلم نیوز) کے سلسلے میں اس قدر مصروفیت ہے کہ ابھی تک یونیورسٹی کو پیش نہ کرسکا۔ اب مستقبل میں وقت ملنے پر پیش کرسکوں گا۔ مقالہ کچھ اچھا نہیں ہے۔ اگر اطمینان اور سکونِ قلب سے لکھا جاتا تو شاید پیشکش کے قابل ہوتا۔ بہرحال اگر اس مقالے کی خامی کسی کو مزید جستجو کے لیے آمادہ کردے تو بھی میں اس کو اپنی کامیابی سمجھوں گا۔

ٹفٹس یونیورسٹی (امریکہ) کے شعبہ تاریخ کے پروفیسر ڈاکٹر فری لینڈ ایبوٹ (Dr.Freeland Abbott) نے بعض مقالات میں حضرت مجدد کا ذکر کیا ہے موصوف نے یہ مقالات ازراہِ کرم راقم کو بھیجے تھے۔ ایک مقالہ امریکہ کے سہ ماہی رسالے "The Muslim World" کے اپریل ۱۹۶۲ء کے شمارے میں بعنوان:۔

The Decline of the Mughal Empire and Shah Waliullah.

شائع ہوا تھا۔ اس مقالے میں پروفیسر موصوف نے حضرت مجدد کے احیاءِ اسلام، رد بدعات، نظریہ وحدت الشہود اور نظریہ اجتہاد کا ذکر کیا ہے موصوف نے لکھا ہے:

جہاں تک شاہ ولی اللہ کا تعلق ہے مذہب میں ان کا نقطۂ نظر حقیقی طور پر سنیت کا حامل ہے اور وہ ہندوستان کے پہلے عظیم عالم دین ہیں، جو شیخ احمد سرہندی کے نقطہ نظر سے زیادہ مختلف نہیں، جنہوں نے اکبر کی اس عجیب وغریب کوشش کی سخت مخالفت کی کہ وہ سیاسی مقاصد کے لیے مختلف مذاہب کا ملا جلا ایک عقیدہ بنائے ...... بہرحال دونوں کے سامنے ایک سوال تھا کہ اسلام کو کس طرح تقویت دی جائے۔ دونوں اس کے لئے کوشاں رہے۔ ۲۳

رد بدعات کے ذیل میں حضرت مجدد کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔اس میں اختلاف کی بڑی گنجائش ہے۔ مقالہ نگار نے حضرت مجدد پر عصبیت کا الزام لگایا ہے جو حقائق سے لاعلمی کی وجہ سے ہے۔موصوف نے لکھا ہے:۔

اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ کے ہاں خاص بات یہ ہے کہ وہ ان رسموں کی اس لیے مخالفت نہیں کرتے کہ وہ ہندوانہ ہیں بلکہ اس لیے مخالفت کرتے ہیں کہ وہ غیر اسلامی ہیں۔اس بارے میں ان کے ہاں محرک جذبہ وہ تعصب نہیں جو شیخ احمد سرہندی کے ہاں پایا جاتا ہے۔۲۴

حضرت مجدد کے نظریہ وحدۃ الشہود کا ذکر کرتے ہوئے مقالہ نگار نے لکھا ہے:۔

ایک اور مسئلہ تھا جو صوفیہ اور موحدین میں عرصہ سے ما بہ النزاع چلا آرہا تھا یعنی نظریۂ وحدت الوجود شیخ احمد سرہندی کے نزدیک صوفیہ کی یہ غلطی تھی کہ انہوں نے وجود کی وحدت کا اثبات کیا۔ یہ عقیدہ محض وہم باطل تھا۔شیخ کا کہنا تھا کہ خالق ومخلوق دونوں کے علیحدہ علیحدہ وجود ہیں ۲۵

حضرت مجدد کے نظریۂ اجتہاد کا ذکر کرتے ہوئے مقالہ نگار لکھتا ہے:۔

ان کا کہنا تھا کہ ایک صحت مند معاشرے کے لیے ارتقاء اور تبدیلی لازمی ہے۔ مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی اندھی تقلید سے مسلم معاشرے کو تقویت نہیں ملی۔ اس معاملے میں شاہ ولی اللہ اور شیخ احمد سرہندی اختلاف نہیں رکھتے تھے۔ ۲۶

ڈاکٹر فری لینڈ ایبوٹ (Freeland Abbott) نے ایک اور مقالہ لکھا تھا جس کا عنوان تھا:۔

"The jihad of Sayyad Ahmed Shahid"

یہ مقالہ مسلم ورلڈ کے جولائی ۱۹۶۳ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔اس میں بھی حضرت مجدد کا ذکر کیا تھا۔

اس کے علاوہ موصوف نے ایک مقالہ لکھا تھا جس کا عنوان تھا:۔

"Islam in India before Shah Waliullah"

یہ مقالہ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ (نئی دہلی) کے سہ ماہی مجلہ "Studies in Islam" کے اپریل ۱۹۶۴ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ راقم کو اس کی کاپی مدیر حکیم عبدالحمید نے از راہ کرم ارسال کی تھی۔ اس مقالے میں پروفیسر موصوف نے حضرت مجدد کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

ابتدا میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے:۔

-----during the reign of Jahangir a remarkable leader emerged, Sheikh Ahmad of Sirhind, on of the two greatest Muslim theologians produced on the subcontinent.[۲۷]

آپ کی تعلیمات کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی اساس قرآن وسنت پر تھی، چنانچہ لکھتا ہے:۔

The practical sciences for Shaikh Ahmad were those relating directly to the Quran, the Sunna and the Shari'ah.[۲۸]

علوم شرعیہ کے متعلق حضرت مجدد کے خیالات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتا ہے:۔

Basic to Shaikh Ahmad's thought, and to that of all fundamentalist Muslims, is the idea that the present is to be controlled by the laws of Islam; the laws of Islam are not to be controlled by the present.[۲۹]

ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

علامہ اقبال نے اس فلسفہ کو اس ایک مصرعہ میں سمو کر رکھ دیا۔ شریعت اور صاحب شریعت محکوم نہیں ہے بلکہ حاکم ہے، مغلوب نہیں غالب ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کی پوری پوری کوشش رہی ہے کہ مملکت اسلامیہ اور خود مسلمانوں کی زندگی پر شریعت محمدی کی حکومت ہو اور وہ چیز ملک وملت سے دور ہو جائے، جس کو نگاہ مصطفیٰ نے مردود قرار دے دیا ہو۔

پروفیسر موصوف حضرت مجدد کی ان مساعی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

There can be no question that the Shaikh's influence was tremendous. By preaching, by conversations, and by letters Shaikh Ahmad sought to convince the Muslim nobility of the importance of abandoning the many innovations that had been introduced into Islam in India, and of returning to the true faith.[۳۰]

تعلیمات مجددیہ کی اثرانگیزی کا جائزہ لیتے ہوئے پروفیسر لکھتا ہے:۔

The teaching of Shaikh Ahmad was spread by hundreds of his students. The emperor Aurangzeb became a follower of one of his sons, and intellectuals all over Mughal India became associated with Shaikh Ahmad's teachings, and, indeed, with his Naqshbandi order as well.[۳۱]

مقالہ نگار نے اورنگ زیب کے عہد حکومت کو تعلیمات مجددیہ کا نقطۂ عروج قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

Aurangzeb's reign represents the culmination of Shaikh Ahmad's teachings. He was motivated throughout his reign to bring the state, and the life of every Muslim, into strict agreement with the Sharia interpreted by Shaikh Ahmad.[۳۲]

مقالہ نگار نے پاک و ہند میں شیعہ اور سنی حضرات کے درمیان منافرت کا ذمہ دار حضرت مجدد کو ٹھہرایا ہے[۳۳] جو حقائق کی چشم پوشی کی وجہ سے ہے۔ اصل سبب اہلِ بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔ اسی طرح ہندو اور مسلمانوں میں افتراق کا سبب بھی حضرت مجدد ہی کو بنایا ہے[۳۴] یہ افتراق تو ازلی ہے۔ ایک موحد اور

بت پرست کس طرح مل سکتے ہیں؟ یہ تو نظریاتی اختلاف ہے اور کوئی معمولی اختلاف نہیں۔ پھر حضرت مجدد کو محض اس لیے ذمہ دار ٹھہرانا کہ انہوں نے اسلام کی تعلیمات کو اس وقت زندہ کیا جب کہ غلط قسم کی رواداری اور اختلاط نے ملت اسلامیہ کو کافی نقصان پہنچایا تھا۔ جو تاریخ کے طلبہ سے پوشیدہ نہیں۔ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ تفرقہ بازی سے سنیت کو فروغ نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت مجدد کے متعلق ایک جماعت یہ کہہ سکتی ہے کہ آپ نے ہندی اسلام کو صراطِ مستقیم پر لگا دیا جب کہ دوسری جماعت یہ الزام دے سکتی ہے کہ آپ مغل حکومت کے تنزل وانحطاط کا سبب بنے۔ مقالہ نگار لکھتا ہے:۔

> There can be no doubt that Shaikh Ahmad was a great decisive factor on the Indian scene, but the fundamentalists could not have been strongly revived in India with creating divisions? One party can thus praise the Shaikh for bringing Indian Islam back to the true path, while another can assail him for starting procedures which hastened the collapse of the Mughal state.[۳۵]

یہ لکھنا مناسب نہیں۔ مجددی سیاست یہ نہیں تھی کہ پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو۔ یہ سیاست سچی سیاست تھی، جس میں کوئی بات ڈھکی چھپی نہ تھی۔ ہر بات صاف صاف اور بالکل واضح تھی۔ یہ محمدی سیاست تھی جس نے کھلے طور پر اعلان کر دیا تھا:۔

جآء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

اسلام کی نظر میں دو جماعتیں ہیں۔ اہلِ حق اور اہلِ باطل، ان دونوں جماعتوں میں دلی اتحاد اور اختلاط صرف اس ایک تصور پر مبنی ہے کہ خالقِ کائنات ایک ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اسلام کے اس نظریہ کو شد و مد کے ساتھ پیش کیا۔ عدمِ رواداری کے جو الزامات اسلام پر عائد کیے گئے، وہ الزامات ہر اس شخص پر عائد کیے جائیں گے جو اسلامی تعلیمات کا نڈر نقیب ہوگا۔ افسوس ہے کہ مقالہ نگار نے تنگ نظری

سے کام لیتے ہوے حضرت مجدد پر عصبیت کا الزام لگایا۔ دورِ جدید کی مغربی سیاست میں کیا کچھ نہیں ہو رہا لیکن چونکہ اس پر منافقت کا پردہ ہے اس لئے حقیقتیں نظر نہیں آتیں پھر بھی اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔

یہ کہنا کہ حضرت مجدد کی تعلیمات سلطنتِ مغلیہ کے تنزل کا باعث ہوئیں، کچھ عجیب سی بات ہے۔ حضرت مجدد کا زمانہ اکبر اور جہانگیر کا زمانہ ہے۔ تنزل ہوتا تو جہانگیر کے زمانے میں یا پھر شاہ جہاں کے زمانے میں۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد سلطنت کا روبہ انحطاط ہونا ایک عمرانیاتی حقیقت ہے۔ اس کو حضرت مجدد کی طرف منسوب کرنا عجیب منطق ہے۔ جس کے فکر نے غلام ہندوستان میں علامہ اقبال کو جنم دیا اور جس نے سلطنتِ اسلامیہ کا تصور پیش کر کے ہندوستان کا نقشہ بدل دیا۔ ایسی حیات خیز تعلیمات کو کسی سلطنت کے لیے تنزل کا باعث قرار دینا حقیقت فراموشی ہے۔

بہر کیف ایک غیر مسلم محقق سے یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ ہر بات کو ہمارے کان سے سنے اور ہر چیز کو ہماری آنکھ سے دیکھے۔ فاضل مقالہ نگار نے جو کچھ لکھا ہے رطب و یابس کے باوجود غنیمت ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر حفیظ ملک ۳۶ نے بھی ایک کتاب لکھی ہے جس کا عنوان ہے:۔

"Muslim Nationalism in India and Pakistan".

جو ۱۹۶۳ء میں واشنگٹن (امریکہ) سے شائع ہوئی ہے۔ مؤلف نے حضرت مجدد کا ذکر تین چار صفحات پر تفصیل کے ساتھ کیا ہے آخر میں آنے والی نسل اور معاصرین پر حضرت مجدد کے اثرات، اتباعِ سنت پر آپ کا اصرار اور آپ کے مشن کی کامیابی کا ذکر کیا ہے چنانچہ مؤلف لکھتے ہیں:۔

Shaikh Ahmad's influence on posterity has been great indeed. His was truly the call 'Back to Muhammad' with far-reaching consequences in both religious and political terms. His teaching radically affected contemporary Muslim thinking, giving it a new mystical and religio-juridical content. It opposed secularization of Muslim rule in India, and set in motion those forces for the

recreation of the pre-Akbar system which triumphed during the reign of Jahangir's grandson Emperor Aurangzib.[۳۷]

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ[۳۸] نے بھی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (انگریزی) میں ایک مقالہ حضرت مجدد پر شامل کیا ہے۔ یہ انسائیکلوپیڈیا، لیڈن (ہالینڈ) سے شائع ہوا ہے۔[۳۹] اس مقالے میں موصوف نے حضرت مجدد الف ثانی کے سلسلہ نسب، ابتدائی تعلیم، ابو الفضل اور فیضی سے مراسم، اکبر بادشاہ کے خلاف مجاہدانہ مساعی، سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت، شیعی تحریک کے خلاف جدو جہد، تصور وحدۃ الشہود پیش کر کے موحدین اور وجودیین کے درمیان مفاہمت، جہاں گیر سے ملاقات، قید و بند اور رہائی، بادشاہ کی طرف سے انعام و خلعت سے نوازا جانا، ارشاد و تبلیغ، وسط ایشیا اور افغانستان وغیرہ میں سلسلہ مجددیہ کی اشاعت اور آپ کی تصنیفات اور تالیفات کا ذکر کیا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں اس مقالے کا اردو ترجمہ ہوا ہے جس میں سید نذیر نیازی نے بہت مفید اضافے کئے ہیں۔[۴۰] فرنچ مستشرق ڈاکٹر ہلنیس (Dr,Hilnis) نے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی کتاب:۔

"Mujaddid`s Conception of Tawhid" (1940)

پر اپنے فرنچ مقالے میں تبصرہ کیا ہے یہ مقالہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود پر لکھا ہے اور اس میں حضرت مجدد کی تعلیمات کو سراہا ہے۔[۴۱]

☆......☆......☆

حواشی

۱......صدیق بن حسن: ابجد العلوم، مطبوعہ بھوپال، ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء ص ۸۸۹

۲......حضرت مجدد الف ثانی کے تفصیلی حالات کے لئے راقم کے مقالات مطبوعہ معارف فروری ۱۹۶۱ء تا اکتوبر ۱۹۶۲ء مطالعہ کئے جائیں۔

۳......T. W. Arnold; *The Preaching of Islam* (1896), Lahore, p.412.

۴......J. Hastings: *Encyclopaedia of Religions and Ethics*, vol. XI, New York, 1954, p.69 (Saints and Martyres, Muhammaden In India by T.W.Arnold)

۵......مکتوب محررہ ۲ر فروری ۱۹۶۳ء از کیمبرج (انگلستان)۔

۶.....R.A. Nicholson: *The Idla of Personality in Sufism*, Lahore, 1964.

۷.....H. A. R. Gibb: *Muhammadanism - An Historical Survey*, New York, 1966, p/36.

۸.....Muhammad Iqbal: *Reconstruction of Religious Thought In Islam*, Lahore, 1962, p. 181.

نیز مطالعہ کریں راقم کا مقالہ مطبوعہ ''اقبال ریویو'' (کراچی) جولائی ۱۹۶۴ء۔

۹.....C. A. Storey: *Persian Literature-A Bio-Bibliographical Survery*, Vol. 1, Part II, LONDON, 1953.

۱۰.....Wm. Theodrc de Bary: *Sources of Indian Tradition*, New York, 1959, p. 449.

۱۱.....مکتوب محررہ ۸ جون ۱۹۶۴ء ازگرونگن (ہالینڈ)۔

۱۲.....Prof. Aziz Ahmed, Dept. of Islamic Studies, University of Toronto, Toronto-5, Ontario, Canada.

۱۳.....S.Ali Hamdani: *Dhakhirat al-Muluk*, India Office Library, London, p. MS. NO. 1130 ff 88a - 95a Ref. Rivista etc. p.260.

۱۴.....مکتوب محررہ ۱۲ اگست سنہ ۱۹۶۲ع از پیرس (فرانس)

۱۵.....شیخ باقی باللہ: کلمات طیبات، ذی العقدہ ۱۰۰۹ھ، ص ۳۸۔۳۹

۱۶.....علی اکبر اردستانی: ''مجمع الاولیاء'' قلمی (فارسی) مکتوبہ علی اکبر ۲ ربیع الاول ۱۰۴۳ھ/۱۶۳۳ء انڈیا آفس لائبریری۔ لندن مخطوطہ نمبر ۶۴۰۔

۱۷.....Mustafa Sabri: *Mawaqif al-aqle wa'l-'ilm wa'l-'alim, III*, pp. 275-99, Cairo, 1950

۱۸.....محمد مراد المنزلوی: ''الدر المکنونات النفیسہ''
جلد اول، مطبوعہ ۱۳۱۶ھ مکہ مکرمہ
جلد دوم، مطبوعہ ۱۳۱۷ھ مکہ مکرمہ
جلد سوم، مطبوعہ ۱۳۱۷ھ مکہ مکرمہ

۱۹.....Director, The Islamic Research Institute Hyder Ali Road, Karachi. (W. Pak).

۲۰.....Institute of Islamic Studies, McGill University, Montreal, (CANADA)

۲۱.....(۱) ''اقبال ریویو'' جنوری سنہ ۱۹۶۴ء

(ب)''اقبال ریویو' جولائی سنہ۱۹۶۴ء

(ج)''اقبال ریویو' جنوری سنہ۱۹۶۵ء

۲۲......ابوالکلام آزاد:''تذکرہ''مطبوعہ لاہور(مگر یہ مقالہ کہیں نظر نہ آیا)

۲۳......*The Muslim World, April 1962, p. 11.*

۲۴......Ibid., p. 119-20

۲۵......The Muslim World, April 1952, p. 120

۲۶......Ibid.

۲۷......*Studies in Islam,* Vol. 1, No.2, April 1944, New Delhi, p. 108.

۲۸......Ibid., p. 108

۲۹......Ibid., p.119

۳۰......*Studies In Islam,* Vol. I, No.2, April 1964.

۳۱......Ibid., P. 111

۳۲......Ibid., p. 114

۳۳......Ibid., p. 111

۳۴......Ibid., p. 111-2

۳۵......Ibid.,

۳۶......Prof. Dr. Hafeez Malik, Dept. of Political Science, University of Villanova, U.S.A.

۳۷......Hafeez Malik: *Muslim Nationalism In India and Pakistan,* Washington, 1963.

۳۸......ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، شیخ التاریخ، جامعہ اسلامیہ، بہاولپور مغربی پاکستان

۳۹......H. A. R. Gibb, The Encyclopaedia of Islam, New edition, Leiden (Holland), 1969, Vol.I, pp. 297-8.

۴۰......دائرۃ المعارف الاسلامیہ۔ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

۴۱......راقم کو اسکی اطلاع حضرت محمد ابراہیم بن عمر (المعروف بہ ضیاء المشائخ فاروقی کابلی) نے میرے میرپورخاص (سندھ) کے زمانہ قیام کے دوران قصرِ دل کشا (میرپورخاص) میں ۱۹ رمئی ۱۹۶۵ء کو ایک دعوت کے موقع پر دی تھی۔ڈاکٹر ہلنیس کابل یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔

(نوٹ:۔یہ مقالہ ادارہ تحقیقات اسلامی، کراچی کے مجلّہ''فکر ونظر'' کے ستمبر ۱۹۶۵ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔)

مرتبین

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

افکارِ حضرت مجدد الف ثانی کا ایک ماخذ

(امام شہاب الدین فضل اللہ تورپشتی)

علامہ تورپشتی جن کی تصنیف المعتمد فی المعتقد (۶۲۸ھ۔ ۶۵۸ھ) کو عقائد کی درستی کے لیے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے جہاں گیر بادشاہ کے وزیر خاص مرتضٰی خاں سید فرید بخاری کو اپنی مجلس میں سماعت کی تاکید فرمائی تھی۔

پروفیسر محمد اقبال مجددی

(صدر شعبہء تاریخ، اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور)

☆

حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ (۹۷۱ـ۱۰۳۴ھ/۱۵۶۳ـ۱۶۲۴ء) کے افکار اور معتقدات کے مآخذ و مراجع پر کام کرنا بہت لازم ہے۔ حضرت مجدد کا ماحول ہندوستان میں اسلام کی زبوں حالی اور مذہب کے نام پر مختلف عقائد کا ہر طرف سے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف اقدام نے حضرت مجدد کے افکار کو بہت گہری سوچ اور اس کے دفاع کے لیے ایسے عملی اقدام کرنے پر مجبور کیا کہ اگر اس عہد کی کتب تاریخ، تذکروں اور دوسرے لٹریچر سے آپ کی تصانیف کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں اور اسلام کے لیے آپ کے کلام میں جس شدت کے کرب، بے چینی اور ماتم کا تذکرہ ملتا ہے وہ واقعی اس امر کا محتاج ہے کہ اس عہد کے عصری لٹریچر کا مطالعہ کر کے اصل صورت حال

کو واضح کیا جائے۔ خیر یہ تو ایک الگ موضوع ہے اور آپ کے عقائد وافکار کے مآخذ پر تحقیقی کام کرنا ایک جداگانہ کام ہے، کئی اصحاب نے آپ کے کلام میں سختی اور ہندوستان میں اسلام کو تباہی سے بچانے کے لیے جو رویہ اختیار کیا ہے.... ابن تیمیہ سے ملانے کی ناکام کوششیں کی ہیں جو عہد حاضر کے مستشرقین کے لیے بہت پرکشش ہیں [1]۔ ایسے میں اگر ہمارے ہم عقیدہ حضرات تحقیق کا میدان چھوڑ کر گوشۂ عافیت میں بیٹھ گئے تو نہ معلوم حضرت مجدد کے عقائد کو کس کس سے ملاتے ہوئے اس کی انتہا محمد بن عبدالوہاب نجدی پر اس طریقے سے کریں گے کہ نجدی کے افکار دراصل حضرت مجدد سے ماخوذ ہیں (الحذر الحذر ثم الحذر) [2]

مقالہ حاضر میں حضرت مجدد کے معتقدات کے سلسلے میں ہم صرف ایک ماخذ یعنی امام شیخ شہاب الدین فضل اللہ تورپشتی کے احوال وآثار وافکار کا جائزہ لے رہے ہیں:

نسبت:

امام فضل اللہ کی علاقائی نسبت تورپشت' توران پشت' توران گرد' ایران کے معروف خطہ یزد کے دیہات میں سے ہے جو شہر یزد سے پندرہ فرسخ بالائے کوہ آباد ہے۔ [3] اس گاؤں کا اب مقامی نام توران پشت ہے' جو شہر یزد سے بیس کلومیٹر جنوب مغرب میں اور آٹھ سے دس کلومیٹر شمال دامن کوہ میں واقع ہے [4] گویا امام فضل اللہ کا وطن یزد کا گاؤں توران پشت تھا لیکن آپ کا قیام شیراز اور آخر میں کرمان میں رہا۔ [5]

ولادت:

امام تورپشتی کی ولادت کا سال تو معلوم نہیں ہے اور نہ ہی تذکرہ نویسوں نے آپ کی طبعی عمر کے بارے میں کچھ لکھا ہے علاقائی نسبت آپ کے والد کی بھی یہی ہے اس لیے قیاس ہے کہ آپ کی ولادت اسی قصبہ توران پشت میں ہوئی ہوگی۔

تعلیم وتربیت:

آپ کے اساتذہ کے اسماء تو سب کے سب معلوم نہیں ہیں البتہ علامہ سبکی نے امام جامع العتیق کے بارے میں لکھا ہے کہ امام تورپشتی نے صحیح بخاری ان سے روایت کی ہے۔

روی صحیح البخاری عن عبدالوهاب ابن صالح
بن محمد بن المعزم امام الجامع العتیق عن الحافظ
ابی جعفر محمد بن علی اخبر نا ابوالخیر محمد بن موسیٰ
الصغار' اخبرنا ابو الهیم الکشمینی اخبرناالفربری ۔ [۶]

جامع العتیق شیراز میں ہے جہاں بہت سے اکابر علماء درس کی خدمت انجام دیتے تھے۔[۷] اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام تورپشتی نے شیراز میں تعلیم حاصل کی اور اس سے قبل اپنے والد گرامی امام تاج الدین ابوسعید حسن کی خدمت میں پڑھا ہوگا۔

تلامذہ :

امام تورپشتی کے تلامذہ کی فہرست تو ہمیں نہیں مل سکی البتہ صرف ایک بزرگ شیخ صدرالدین مظفر قُرشی ربیعی باغنوی متوفی ۶۸۸ھ مولف ۶۴ کتب عربی وفارسی واستاد بعض اساتذہ نامدار۔ [۸]

کرمان میں قیام وتدریس:

امام تورپشتی کی زندگی کا زیادہ حصہ شیراز میں درس وتدریس میں گذرا پھر ۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ء میں قتلغ ترکان خاتون حاکمِ کرمان نے جوخود صاحبِ علم اور علم وعلماء پرور تھی اور کرمان پر بڑی کامیابی کے ساتھ اپنے شوہر سلطان قطب الدین کے انتقال کے بعد ۶۵۵ھ۔ ۶۸۱ھ/ ۱۲۵۷ء۔ ۱۲۸۲ء تک کامیاب حکومت کی۔ امام تورپشتی کو کرمان بلالیا اسی سال یعنی ۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ء میں اس نے مدرسہ ترکانی مکمل کیا اور تدریس کے فرائض انجام دینے کے لئے شیراز سے کرمان آنے کی دعوت دی' مجمل فصیحی میں ہے:

طلب داشتن قتلغ ترکان شیخ المحد ثین شہاب الملت والدین فضل اللہ
التوران پشتی جہت تدریس مدرسہ ترکانی از شیراز بکرمان [۹]

وفات:

امام ترپشتی نے کرمان کے اسی مدرسہ ترکان میں پانچ سال تدریس کے فرائض انجام دیے تھے کہ ۶۶۱ھ/۶۳۔ ۱۲۶۲ء میں امام تورپشتی کا وصال ہوگیا [۱۰]۔ علامہ سبکی نے ان کا سال وصال قیاسی طور پر ۶۶۰ھ ۱۲۶۱ء لکھا ہے۔ [۱۱] صاحب کشف الظنون نے امام تورپشتی کا سال وفات ایک جگہ ۶۵۸ھ دوسرے مقام پر ۶۰۰ھ اور تیسری جگہ ۶۶۱ھ لکھا ہے [۱۲]۔ لیکن یہ سب قیاس آرائیاں ہیں ہمارے

خیال میں ایرانی مورخ فصیح خوانی کا درج کردہ سال وصال ۶۶۱ھ/ ۱۲۶۳ء ہی زیادہ قرین قیاس ہے۔

اولاد و احفاد:

امام تورپشتی کی اولاد میں سے تین بیٹوں اور ایک بیٹی کا ذکر ملتا ہے۔ یعنی اول تاج الدین عبداللہ، دوم صدرالدین عبدالعزیز، سوم مجدالدین عبدالرحمٰن۔ [۱۳]

امام تورپشتی کے پڑپوتے عمادالدین عبدالسلام، قتلغ ترکان خاتون کی بنا کردہ رباط میں ''شیخ رباط'' تھے [۱۴] اور امیر مبارزالدین محمود بن مظفر کے مقرب وندیم ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی شراب خوری کے سخت مخالف تھے۔ [۱۵]

امام تورپشتی کی صاحبزادی کا عقد امام عبدالعزیز بن محمد بن محمود سدیدی زوزنی سے ہوا۔ [۱۶] یہ امام عبدالعزیز حنفی وہی ہیں جن کا ذکر الجواہر المضیۃ میں بھی ملتا ہے [۱۷] ان کے والد گرامی محمد بن محمود بن محمد ابوالمفاخر سدید زوزنی جو ملتقی البحار فی شرح المنظومۃ کے مولف تھے۔ [۱۸] اس صاحبزادی کے بطن سے امام عماد الاسلام عبدالرحیم تولد ہوئے جن کا انتقال ۷۲۹ھ/ ۲۹-۱۳۲۸ء میں ہوا۔ جنہوں نے ۷۲۱ھ/ ۱۳۲۱ء میں ملک غیاث الدین صاحب ہرات کے ساتھ حج کیا۔ وہ اپنی کتاب تعلیقات کی شہرت سے ''صاحب التعلیقہ'' کے نام سے معروف تھے۔ [۱۹] گویا صاحبزادی کا نسب یوں قرار پائے گا:

امام محمد بن محمود ابوالمفاخر سدیدی زوزنی (ف ۶۶۶ھ)
(الجواہر المضیہ ۲/۱۳۲) مجمل فصیحی ۳/۴۱)

|

امام عبدالعزیز (شوہر دختر امام تورپشتی) (ایضاً)

|

ابوالمظفر عمادالاسلام عبدالرحیم (ایضاً)
(ف ۷۲۹ھ)

شجرۂ امام تورپشتی

یوسف

حسین

امام تاج الدین ابوسعید حسن

شیخ شہاب الدین فضل اللہ تورپشتی

- تاج الدین عبداللہ
  - کمال الدین
    - نظام الدین محمد
      - تاج الدین عبداللہ (متوفی ۷۳۹ھ/مجمل فصیحی ۳/۵۶)
- صدر الدین عبدالعزیز
  - فرزند نہ داشت
- مجد الدین عبدالرحمٰن
  - شہاب الدین فضل اللہ (ثانی)
    - رکن الدین سلیمان
      - صدر الدین عبدالعزیز
    - بہاء الدین عبدالسلام (شیخ رباط بادشاہ خاتون ترکان، مجمل۔۲/۳۲۱)
  - برہان الدین عبدالرحمٰن
- دختر منسوب بہ امام تاج الدین زوزنی

(نوٹ: شیخ شہاب الدین تورپشتی اور ان کی اولاد کا نسب مجمل فصیحی سے اور ان سے اوپر کے اسماء خود ان کی تالیف المعتمد پر ان کے شاگرد کے پیش لفظ سے منقول ہیں)۔

مسلک:

امام تورپشتی کا مسلک حنفی تھا لیکن موصوف شافعی اور حنفی دونوں طریقے استدلال کے طور پر پیش فرماتے تھے ہمیں حنفی فقہا کے قدیم تذکروں میں سے کسی میں امام تورپشتی کا ذکر نہیں مل سکا۔ البتہ شافعی فقہا

کے اکثر تذکروں میں ان کا ذکر بحیثیت فقیہ شافعی کیا گیا ہے[۲۰] صرف کشف الظنون میں انہیں چند مقامات پر حنفی لکھا گیا ہے۔[۲۱] امام صاحب کے شاگرد نے ان کی تالیف المعتمد پر جو پیش لفظ لکھا ہے اس میں بھی القاب کے ساتھ ''مبین المعانی نعمان الثانی'' لکھا ہے[۲۲] جس سے ان کے حنفی المسلک ہونے میں شک نہیں رہ جاتا۔

القاب:

تذکرہ نویسوں نے امام تورپشتی کو شاندار القاب سے نوازا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

علامہ سبکی نے لکھا ہے:

رجل محدث فقیہ۔[۲۳]

ناصرالدین منشی کرمانی نے انہیں ''پیشوائے اہل حدیث وتفسیر'' یعنی محدث کامل بتایا ہے۔

''مولانا شیخ الشیوخ محی مراسم سنت و جماعت، ماحی صورھویٰ و بدعت،
استادو پیشوائے اہل حدیث وتفسیر، مقتدیٰ وسرِ دفتر اصحاب وعظ وتذکیر،
قطب الاولیاء فی زمانہ، الفایق علی صنادید الدھر بعظمۃ شانہ وعلومکانہ[۲۴]

امام تورپشتی کے ایک شاگرد نے المعتمد کے ابتدائیہ میں بہت عمدہ القاب لکھے ہیں جن کا ہر لفظ خوب بامعنی ہے:

مولانا الصدر الاعظم الامام المعظم کھف الاکابر و الامم منبع الجود و الکرم العالم الکبیر البارع المجتھد النحریر علم الھدیٰ علامۃ الوریٰ ،قطب الاولیاء وارث الانبیاء صدر الشریعۃ محی السنتہ قامع البدعتہ ملک الکلام فخر الانام سلطان العلماء و المفسرین ملک المشائخ و المحدثین..........[۲۵]

جنید شیرازی نے انہیں ''من المشائخ الکبار'' لکھا ہے[۲۶]

فصیح احمد خوانی نے بھی جابجا امام تورپشتی کو شاندار القاب سے سرفراز کیا ہے:

شیخ الحفاظ افتخار المحدثین.........[۲۷]

قاضی ابن شہبہ اور طاش کبری زادہ نے علامہ سبکی کے الفاظ ہی دہرائے ہیں۔ ۲۸

۶۲۶ھ/ ۱۲۲۹ء میں امام تورپشتی نے بیت المقدس پر فریڈرک ثانی کے قبضہ اور مسلمانوں کی بے بسی پر ایک قصیدہ لکھا، یہ زمانہ سلطان الکامل محمد بن عادل ابی بکر بن ایوب بن شادی بن مروان (۶۱۶۔ ۶۳۵ھ/ ۱۲۱۸۔ ۱۲۳۸ء) کا ہے جس میں مسلمانوں کے آپس کے اختلافات سے غیر مسلم قوتوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ۲۹ یہ قصیدہ اسی پر آشوب دور کی یادگار ہے۔

قریب العہد مورخ ناصر الدین منشی کرمانی نے اس قصیدہ کو نقل کر کے محفوظ کر لیا، وہ قصیدہ یہ ہے: ۳۰

یا ایها الملک الذی هماته	ضربت قباب العز فوق الفرقد
حوشیت ان تلقی لعالم دیننا	ایام ملک فی الحضیض الاوهد
اولست من قوم تأثل فی العلی	اعراق دو حتهم لطیب المحتد
نصبو القمع الکفر اعلام الهدیٰ	بسنان خطار وحد مهند
فأتیت تهدم بعدهم ما اسسوا	اقررت لا قرت عیون الحسد
بوأت اعداء الرسول مقاعداً	رفعت بناها للعباد السجد
واحسرتاان الشریعة بدلت	بتجلجل الناقوس جو المعبد
کم معهد للانبیاء ملوث	بالخمر والخنزیر یا للمهعد
لهفی علی البیت المقدس انه،	یأوی الیه کل علج ملحد
اعزز علی الاسلام ان تلقاهم	یتبخترون اعزة فی المسجد
ان کنت لاتخشی شماتة حاسد	وعناد جبار وسطوة معتد
فاحذر بکاء المسلمین و حزنهم	و توق دعوة ناسک متعبد
واذکر وقوفک نادماً مستعباً	یوم القدوم علی النبی محمد
ان الصلیب تعاضدت انصاره	یاامة الاسلام هل من معضد

تالیفات:

امام تورپشتی کی اب تک حسب ذیل تالیفات کا سراغ مل سکا ہے:

۱...... **المیسر شرح مصابیح السنۃ**

مصابیح السنۃ شیخ الاسلام محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی شافعی [۳۱] متوفی ۵۱۶ھ/ ۱۱۲۲ء کی ایسی تالیف ہے جو اس فن کے استادوں کو بے نیاز کر دیتی ہے۔ اور ہمارے اسلاف کی میراث کمال کی انتہا ہے۔ مصابیح السنۃ کی بہت سی شروح لکھی گئیں ہیں [۳۲] ان میں امام تورپشتی کی شرح کا خاص مقام ہے۔ علامہ سبکی نے اسے ''شرحاً حسناً'' قرار دیتے ہوئے اس میں فوائد نقل کئے ہیں [۳۳] گو اس شرح کا متن ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے۔ لیکن علامہ سبکی کے نقل کردہ اقتباسات سے اس کے خصائص کی ایک جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ اس شرح کا ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں ہے [۳۴] جس کا آغاز یوں ہوتا ہے: **الحمد للہ الذی شرع لنا الحق......**

۲..... **تحفۃ السالکین:**

یہ فارسی میں ہے اور حسب ذیل تین قواعد پر مشتمل ہے:

اول۔ الاعتقادات

ثانی۔ المعاملات

ثالث۔ اخلاق والآداب [۳۵]

۳...... **تحفۃ المرشدین:**

یہ تحفۃ السالکین کی تلخیص ہے اور اسی طرح سے تین ابواب پر مشتمل ہے [۳۶]

۴...... **مطلب الناسک فی علم المناسک:**

موضوع نام سے ظاہر ہے امام تورپشتی نے اس رسالہ کو چالیس ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ اس میں فقہ کے بجائے تمام تر حدیث سے استنباط کیا ہے۔ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

سلک فیہ مسلک الحدیث لا الفقہ [۳۷]

۵..... المعتمد فی المعتقد:

عقائد اسلامیہ کے بیان میں امام تورپشتی کی یہ ایسی کتاب ہے جسے بہت شہرت نصیب ہوئی۔ اسے فارسی زبان میں عام فہم انداز سے تالیف کیا گیا ہے۔ اور اسے معروف دیندار بادشاہ فارس ابوبکر قتلغ خان بن سعد (۶۲۸۔۶۵۸ھ/ ۱۲۳۰۔۱۲۶۰ء) کے نام معنون کیا ہے۔ اور اس کی دینداری کا ان شاندار الفاظ میں تذکرہ کیا ہے:

بندہ برگزیدہ خدائی بپادشاہی بقیہ صالحہ ملوک وسہ ... سلام پادشاہ نیاز مند دین پرور رحیم دل درویش نواز سلغر سلطان آتابک ابوبکر بن سعد زنگی کہ ہموارہ در نظر کنف خدای باد معنون گردانید و بدعای دولتش معطر وہیچ حق گذاری در مملکت تمہید عقیدت طریق دی بود..... وہرگز نام ہیچ زندیق نتواند شنید دروی ہیچ صاحب بدعت نتواند دید وطریقہ ایں خاندان کہ پابندہ و پیوستہ باد ہموارہ برہمیں بودہ است امید ہست کہ چنانچہ حق تعالٰی بکفایت ورعایت وی دماغ وفروج مسلماناں راز شر دشمن نگاہداشتہ است دل ودیں بے علمان عوام سادہ دل را بحمایت وسیاست وی از شرِ بداعتقادان نگاہدارد [۳۸]

سلطان ابوبکر قتلغ خان کو ان القاب خصوصاً ''دین پرور'' اور یہ کہ بادشاہ اسلام کسی ''زندیق اور بدعتی'' کا نام تک سننا پسند نہیں کرتا ہے نوازنے سے پہلے لکھا ہے کہ ایسے بادشاہ کی حکومت کی طرف سے اس کتاب کو ''سند'' حاصل ہے۔

تدبیر خیال خواست کہ ایں کتاب را از طرف سلطنت، مستندی باشد و باسم صاحب دولتی معنون گردد [۳۹]

حمد اللہ بن ابی بکر مستوفی نے اس بادشاہ کے متعلق لکھا ہے:

بادشاہی عادلِ خیر بزرگ منش بود درحق اہل علم و مشائخ واہل بیوتات قدیم انعامات فرمودی..... ولایات جہت ایشاں وظائف فرستادی [۴۰]

اگر المعتمد کے ابتدائیہ اور تالیفات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ پر غور کیا جائے تو اس

نتیجہ پر پہنچنا دشوار نہیں رہ جاتا کہ دین حق کی سربلندی اور سرپرستی کے لیے جس بادشاہ کی ضرورت ہوتی ہے یہ دونوں حضرات ایک ہی قسم کے سلطان کے متلاشی تھے۔

امام تورپشتی کی یہ کتاب اسی سلطان کے عہد میں کسی سال یعنی ۶۲۸ھ۔ ۶۵۸ھ تالیف ہوئی۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے شیخ مرتضیٰ فرید بخاری کو عقائد کی درستی کے سلسلے میں اپنی مجلس میں اس کتاب کی سماعت کی تاکید کی ہے [۴۱] اور جا بجا اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ اس کتاب کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں:

پہلا ایڈیشن مطبع مظہر العجائب مدراس سے ۱۲۸۸ھ جبکہ دوسرا ایڈیشن اسی کی نقل آقای حلمی نے استانبول سے عمدہ ٹائپ میں ۱۹۹۰ء میں شائع کیا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ عقائد مجددیہ کے نام سے ملک فضل الدین نے لاہور سے شائع کیا تھا۔

☆☆☆

حواشی

1...... Friedmann Yohannan:Shaykh Ahmed Sirhindi: An Out line of His thought,Montreal,1971

ter-Haar,J.G.J:Followers And Heir of the prophet(Shaykh Ahmed Sirhindi) As Mystic),Leiden,1992

۲......ہمارے سلسلہ کے بزرگ حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلوی فرقہ وہابیہ کا تصور آنے پر اکثر یہی جملہ دعائیہ پڑھا کرتے تھے (المناقب الاحمدیہ والمقامات السعیدیہ ص ۱۷۶)

۳......محمد مفید مستوفی بافقی: جامع مفیدی مرتبہ ایرج افشار ج۔۱/۳۰' ج۔۳/۶۹۹۔۶۹۸

۴......احمد بن حسین کاتب: تاریخ جدید یزد مرتبہ ایرج افشار ص ۴۴۔ لغت نامہ دھخدا ''توران پشت''۔ محمد قزوینی: (تعلیقہ) بر شد الازار مولفہ جنید شیرازی۔ ص ۱۹۱

۵......تفصیلات متعلقہ مقامات پر ملاحظہ کریں

۶......سبکی' تاج الدین عبدالوہاب: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۸/ ۳۴۹

۷......عیسیٰ بن جنید شیرازی: ملتمس الاحباء (تذکرہ ہزار مزار) ص ۳۳۱ و بہ بعد

۸......جنید شیرازی: شدالازار ص ۱۹۰-۱۹۶

عیسی شیرازی: ملتمس الاحباء ۲۳۷-۲۴۲

زرکوب شیرازی: شیراز نامہ ۱۷۸-۱۸۰

۹......فصیح خوانی: مجمل فصیحی ۳۲۶/۲

اس ملکہ محترمہ کے حالات وعہد حکومت کے لیے ملاحظہ کیجیے:

ناصرالدین منشی: سمط العلی للحضرۃ العلیا۔ تہران ۱۳۲۸ شمسی

۱۰......فصیح خوانی: مجمل ۳۳۰/۲

۱۱......سبکی عبدالوہاب: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۳۴۹/۸

۱۲......حاجی خلیفہ: کشف الظنون ص ۳۷۳، ۱۶۹۹، ۱۷۱۹

۱۳......مجمل فصیحی ۳۳۰/۲ امام تورپشتی کی اولاد در اولاد کے اسماء کے لیے دیکھیے شجرہ نسب

۱۴......مجمل ۳۳۱/۳

۱۵......ایضاً

۱۶......ایضاً ۴۱/۳

۱۷......الجواہر المضیہ ۳۲۱/۱۔

۱۸......ایضاً ۱۳۲/۲ کشف الظنون ۱۸۱۶/۲۔

۱۹......مجمل فصیحی ۴۱/۳۔

۲۰......سبکی عبدالوہاب: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۳۴۹/۸، ابن شہبہ: طبقات الشافعیۃ ۴۲/۲

۲۱......کشف الظنون ۱۶۹۸/۲۔

۲۲......المعتمد، ص ۲۔

۲۳......سبکی عبدالوہاب: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۳۴۹/۸۔

۲۴......ناصرالدین منشی کرمانی: سمط العلی ۴۱۔

۲۵......المعتمد ص ۲-۳ (طبع استنبول)۔

۲۶......جنید شیرازی: شدالازار ۱۹۰۔

۲۷......خوانی: مجمل فصیحی ۳۳۰/۲۔

۲۸......طاش کبری زادہ: مفتاح السعادۃ ۲/ ۱۸ قاضی ابن شھبہ: طبقات الشافعیۃ ۲/۴۲

۲۹......اس واقعہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے :

(i) ...... مقریزی، تقی الدین احمد: کتاب السلوک لمعرفۃ دول الملوک ۱/۱/ ۲۲۹_۲۳۷

(ii)......ابن تغری بردی، جمال الدین یوسف :النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ ۶/ ۲۲۷_۳۰۲

(iii)......سبط ابن الجوزی: مراۃ الزمان فی تاریخ الاعیان ۸/۲/۶۵۳_۶۵۹

(iv)...... ابن کثیر: البدایۃ والنھایۃ ۱۳/۱۳۳_۱۳۶

Hitti, P.K : History of Syria, p 606-7......(V)

۳۰......ناصر الدین منشی: سمط العلی للحضرۃ العلیا ۴۲

اس قصیدے کے تجزیاتی مطالعہ کے لیے دیکھیے :

عباس اقبال: ''چگونہ یک نفر ایرانی در جنگہای صلیبی فرماندہ جنگ و واسطہ صلح بود'' (مجلّہ) اطلاعات' تہران

ش ۳ سال دوم_خرداد ۱۳۲۸ شمسی

۳۱......امام بغوی کے حالات کے لیے دیکھیے

ذہبی، شمس الدین محمد: سیر اعلام النبلاء ۱۹/ ۴۳۹_۴۴۳

۳۲......تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

حاجی خلیفہ: کشف الظنون ۲/ ۱۶۹۸_۱۷۰۲_

۳۳......سبکی: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۸/۳۵۰_۲۵۲_

34- Arshi. I. A: cat. Arabic Mss. Raza Library........vol I. pp. ss 553

دیگر نسخوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے :

بروکلمان: تاریخ الادب العربی (جرمن) ضمیمہ جلد اول صفحہ ۶۲۰

۳۵......حاجی خلیفہ: کشف الظنون ۱/ ۳۶۶

۳۶......ایضاً ۳۷۳

۳۷......ایضاً ۲/ ۱۷۱۹، ۱۸۳۱

۳۸......المعتمد ص ۷

۳۹......المعتمد ص ۶

۴۰......حمد اللہ مستوفی: تاریخ گزیدہ ۵۰۵_۵۰۶

المعتمد کا ایک نام تحفہ مظفری بھی ہے۔ کیوں کہ جس عہد حکومت یعنی سلطان ابوبکر قتلغ خان میں یہ تالیف ہوئی ہے اس کے ہر بادشاہ کا لقب مظفر الدین تھا (زمباور: معجم الانساب ۲۵۰)

۴۱.....مجدد الف ثانی: مکتوبات ۱/۱۹۳/ ۳۰۷-۳۱۰ مطبوعہ استانبول ترکی۔ حضرت مجدد کے ایک معاصر شیخ محمد جمیل بن ابوتراب بدخشی حارثی کشمیری نے اپنی کتاب منتخب العقائد (۱۰۱۴ھ) میں المعتمد کے مولف کے بکثرت حوالے دیے ہیں۔

☆☆☆

مقالے کے مآخذ

مطبوعاتِ عربی

۱.....جنید شیرازی، معین الدین ابوالقاسم: شد الازار فی حط الاوزار عن زوار والمزار، طبع محمد قزوینی وعباس اقبال، تہران، چاپ خانہ مجلس، ۱۳۲۸

۲.....سبکی، عبدالوہاب: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ۔ طبع عبدالفتاح محمد الحلو۔ قاہرہ ۱۹۶۴ء

۳.....ابن شھبہ، ابی بکر، قاضی: طبقات الشافعیۃ۔ طبع عبدالعلیم خان۔ حیدرآباد دکن ۱۹۷۹ء

۴.....محیی الدین علی نجیب: الذیل علی طبقات الفقہا الشافعیۃ لابن الصلاح، بیروت، دارالبشائر اسلامیہ ۱۹۹۲ء

۵.....مقریزی، تقی الدین احمد: کتاب السلوک لمعرفۃ دول الملوک۔ طبع محمد مصطفیٰ زیادۃ۔ قاہرہ، دارالکتب المصریہ ۱۹۳۴ء

۶.....قرشی احمد عبدالقادر: الجواہ المضیہ فی طبقات الحنفیہ، حیدرآباد دکن، دائرۃ المعارف عثمانیہ ۱۳۳۲ھ

۷.....ابن تغری بردی، جمال الدین یوسف: النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ، قاہرہ دارالکتب المصریہ

۸.....سبط ابن الجوزی: مراۃ الزمان فی تاریخ الاعیان۔ حیدرآباد دکن، دائرۃ المعارف عثمانیہ ۱۹۵۱ء

۹.....ابن کثیر، ابوالفداء: البدایۃ والنہایۃ۔ طبع محمد سعید زغلول، بیروت، دارالکتب العلمیہ ۱۹۸۷ء

۱۰.....ذھبی، شمس الدین محمد: سیر اعلام النبلاء طبع جماعۃ المحققین۔ بیروت، موسسۃ الرسالۃ ۱۹۸۸ء

۱۱.....طاش کبری زادہ، احمد بن مصطفیٰ: مفتاح السعادۃ، حیدرآباد دکن، دائرۃ المعارف عثمانیہ ۱۹۸۰ء

۱۲.....حاجی خلیفہ: کشف الظنون۔ طبع محمد شرف الدین یالتقایا، بغداد، مکتبہ المثنی

۱۳.....زمباور: معجم الانساب والاسرات الحاکمۃ۔ ترجمہ زکی محمد حسن بک۔ بیروت ۱۹۸۰ء

کتب فارسی

۱۴......محمد جمیل بن ابوتراب بدخشی حارثی کشمیری: منتخب العقائد (۱۰۱۶ھ) قلمی نسخہ مملوکہ جناب خلیل الرحمٰن داؤدی۔ لاہور

۱۵......زرکوب شیرازی، ابوالعباس معین الدین احمد: شیراز نامہ۔ طبع اسماعیل واعظ جوادی، تہران، ۱۳۵۰ شمسی

۱۶......عیسیٰ بن جنید شیرازی: ملتمس الاحباء (تذکرہ ہزار مزار ترجمہ شدالازار) طبع نورانی وصال۔ شیراز، کتاب خانہ احمدی......۱۳۶۴ شمسی

۱۷......ناصر الدین، منشی، کرمانی: سمط العلی للحضرۃ العلیاء۔ طبع عباس اقبال۔ تہران ۱۳۲۸ شمسی

۱۸......تورپشتی، فضل اللہ: المعتمد فی المعتقد۔ استانبول، ترکی ۱۹۹۰ء

۱۹......حمد اللہ مستوفی: تاریخ گزیدہ، طبع عبدالحسین نوائی۔ تہران ۱۳۶۲ شمسی

۲۰......مجدد الف ثانی، امام ربانی: مکتوبات۔ طبع نور احمد امرتسری، استانبول، ترکی، ۱۹۷۷ء

۲۱......خوانی، فصیح احمد: مجمل فصیحی ۳ جلد طبع محمود فرخ۔ مشہد ۱۳۳۹ ش

۲۲......محمد مفید مستوفی جامع مفیدی۔ طبع ایرج افشار۔ ج ۱، ۳۔ تہران۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۰ شمسی

۲۳......احمد بن حسین کاتب: تاریخ جدید یزد۔ طبع ایرج افشار۔ تہران ۱۳۴۵ شمسی

۲۴......دهخدا، لغت نامہ۔ تہران ۱۳۴۸ شمسی و بہ بعد

۲۵......عباس اقبال: ''چگونہ یک نفر ایرانی در جنگھای صلیبی فرماندہ و جنگ و واسطہ صلح بود'' (مقالہ مشمولہ مجلّہ) اطلاعات۔ تہران۔ ۱۳۲۸ شمسی۔

یورپین مآخذ

۲۶......Friedmann yohanan:ShaykhAhmad Sirhindi,Montreal,1971

۲۷......Ter Har: J.G.J :Followers And Heir Of The Prophet
(Ahmad Sirhindi as Mystic,) Leiden, 1992

۲۸......Hitti, P.K : History of Syria, Londo,1951

۲۹......Brockelmann,cGesehicrte der Arabischen Litteratur Leide,1942

۳۰......Behn,was.H: Index Islamicus(1665-1905) , Leiden Adiyok,1989

☆......☆........☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

الاجابۃ الربّانیّہ اور الاشارات السنیّہ

(ایک تعارف)

شیخ ممتاز احمد سدیدی
(ریسرچ اسکالر، ازہر یونیورسٹی، قاہرہ)

☆☆

مصر آنے سے قبل کبھی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ مصری معاشرے میں تصوف کی جڑیں اتنی گہری ہیں، یہاں بھی مشائخِ طریقت لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور ذکر کی چاشنی سے شاد کام کررہے ہیں، یہاں پانچ سال سے زیادہ عرصۂ قیام کے دوران دیکھا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اولیائے کرام کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہے، لوگ اہلبیتِ کرام اور اولیائے عظام کے مزارات پر جوش وخروش سے حاضری دیتے ہیں، ان حضرات کے سالانہ عرس پر بے پناہ رش دیکھنے میں آتا ہے، غرض کہ تصوف اور اولیائے کرام کے ساتھ مصریوں کی گہری محبت کے آثار جا بجا دیکھے جاسکتے ہیں۔

چونکہ سلسلہ نقشبندیہ مصر میں اس طرح معروف نہیں جیسے پاک وہند، بنگلہ دیش اور ازبکستان اور دیگر نو آزاد ریاستوں میں ہے اس لیے مصری کتب میں سلسلہ نقشبندیہ کے اذکار بھی کچھ زیادہ نظر نہیں آئے، البتہ دو ایسی کتابیں دستیاب ہوئی ہیں جنہیں سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق رکھنے والے دو حضرات نے ہی مرتب فرمایا ہے، اور ان دونوں کتابوں میں حضرت مجدد کے اذکار تفصیل سے دیکھنے کو ملے ہیں، اور اس حوالے سے چند سطور سپردِ قلم ہیں۔

پہلی کتاب ''الاجابۃ الربانیہ'' ہے جو اپنے موضوع کے اعتبار سے مصر میں تقریباً پہلی کتاب ہے، چالیس صفحات پر مشتمل اس کتابچہ میں سب سے پہلے حضرت سید محمد بہاء الدین حسینی حسنی اویسی بخاری

نقشبندی کی طرف منسوب ''الورد النقشبندی'' اور حضرت محمد امین کردی (متوفی ۱۳۳۲ھ) کے قلم سے اس کی مختصر شرح ہے، کتاب کے شروع میں حضرت مصنف نے مختصر خطبہ یوں تحریر فرمایا ہے:

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنی عطا کردہ توفیق کے ذریعے مخلصین کی بصیرت کو وسعت بخشی، اور درود وسلام ہو ہمارے آقا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور جملہ آل واصحاب پر، حمد وثنا کے بعد اپنے رب کی مغفرت کا طلبگار اور اس کے عفو وکرم کا امیدوار (محمد امین کردی) کہتا ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے مصر میں سلسلہ نقشبندیہ پھیلانے کی توفیق عطا فرمائی تو مجھ سے برادرانِ طریقت نے مطالبہ کیا کہ غوثِ اعظم اور معارف کی گردن کو زینت بخشنے والے درِ انظم حضرت محمد بہاء الدین حسینی جنہوں نے مریدین کے دلوں کو اللہ کی طرف متوجہ کرنے اور اس کے ماسوا سے بے نیاز کرنے کے لیے اوراد لکھے تھے، اور ان اوراد میں سب سے بہترین ورد ''الورد النقشبندی'' ہے جسے حضرت نے اس لیے لکھا ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستہ مرید صبح وشام اس کو پڑھے، برادرانِ طریقت نے مطالبہ کیا کہ اس ورد شریف پر اعراب لگاؤں اور اس کے فوائد بیان کروں، اور ہلکے پھلکے انداز میں اس کی شرح کروں، اور میں مہلکات سے اللہ تعالیٰ کی نجات کی خواہش سے اس کام کا آغاز کر رہا ہوں۔

اس کے بعد حضرت شارح نے انتہائی اختصار سے دعاء کے فضائل، دعاء کے آداب اور شروط، اور پھر الورد النقشبندی کے خواص وفوائد بیان کیے ہیں، نیز الورد النقشبندی پر اعراب لگائے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو آسانی ہو اور زیر وزبر میں غلطی کا اندیشہ کم سے کم ہو۔

اسکے بعد حضرت محمد امین کردی کے خلیفہ الشیخ محمد یوسف السقا کا بہتر (۷۲) اشعار پر مشتمل ایک عربی قصیدہ ''الفتوحات السنیہ'' ہے۔ یہ قصیدہ ہمارے ہاں معروف شجروں کی نہج پر لکھا ہے، اس میں حضور ﷺ سے لیکر حضرت محمد امین کردی تک شجرہ میں ذکر ہونے والے مشائخ کے توسل سے دعائیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجائیں کی گئی ہیں۔

اس قصیدے کے بعد ''الانوار الصمدیۃ'' نامی ایک اور عربی قصیدہ ہے جسے حضرت محمد امین کردی کے دوسرے خلیفہ الشیخ سلامۃ اللہ العزامی نے لکھا ہے غالباً یہ قصیدۃ بیالیس اشعار پر مشتمل تھا لیکن بعد میں آٹھ اشعار کا اضافہ کیا گیا، ان آٹھ اشعار میں سے دو دو اشعار چار حضرات سے متعلق ہیں، پھر دو شعر حضرت محمد امین کردی کے صاحبزادے اور جانشین الشیخ محمد نجم الدین الکردی سے متعلق ہیں، پھر دو شعر پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمٰن کردی کے حوالے سے ہیں، پھر دو شعر پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الدین کردی کے حوالے سے ہیں، واضح رہے کہ آخر الذکر دونوں حضرات الشیخ محمد نجم الدین کردی صاحب کے صاحبزادے ہیں، پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمٰن کردی اپنے والد کے خلیفہ بنے، اور پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الدین کردی اپنے بھائی کے خلیفہ اور جانشین مقرر ہوئے، اوران کے وصال کے بعد ان کے بھائی جسٹس محمد نجم الدین کردی اپنے بھائی کے خلیفہ اور جانشین، اوران کے بھائی جسٹس محمد حسن اپنے بھائی کے خلیفہ مقرر ہوے ہیں۔ الشیخ نجم الدین کردی کے چاروں صاحبزادوں کی اولادیں موجود ہیں لیکن خلافت بڑے بھائی سے چھوٹے کی طرف چل رہی ہے۔

اس ساری تفصیل کے بعد ہم پھر ''الاجابۃ الربانیۃ'' کی طرف لوٹتے ہیں دونوں عربی قصیدوں کے بعد چار صفحات پر مشتمل خاتمہ ہے جس میں سلسلہ نقشبندیہ پر گفتگو کی گئی ہے، ختم خواجگان کا طریقہ ذکر کیا گیا ہے، پھر شجرہ شریف پڑھنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اس طرح حضرت محمد امین کردی نے سلسلہ نقشبندیہ سے وابستگان کے لیے شجرہ شریف، ضروری معلومات واوراد کو اختصار کے ساتھ یکجا کر دیا ہے۔

یہ ساری گفتگو پہلی کتاب سے متعلق تھی اب ہم دوسری کتاب پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں، اس کتاب کا عنوان ہے، الاشارات السنیۃ لسالکی الطریقۃ النقشبندیۃ'' اس کتاب کے مرتب الشیخ اویس بن عبداللہ بھی سلسلہ نقشبندیہ سے وابستہ پیر طریقت ہیں، انہوں نے اپنی کتاب میں کئی وظائف ذکر کیے ہیں ان میں سے بعض تو حدیث شریف میں سے لیے گئے ہیں جبکہ الورد النقشبندی انہوں نے ''الاجابۃ الربانیۃ'' سے نقل کیا ہے، اس کے علاوہ ختم خواجگان بھی ذکر کیا ہے، اس کتاب کی انفرادی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے سلسلہ نقشبندیہ کا تعارف، اس کی افضلیت اور حضور ﷺ تک نقشبندی حضرات کی سند بیان کی ہے، مصنف کے مطابق یہ سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعے بھی پہنچتا ہے، پھر مصنف نے مصر میں سلسلہ نقشبندیہ متعارف کروانے والے حضرات کا تذکرہ کیا ہے، اس کے علاوہ ذکر کی اہمیت، اجتماعی ذکر،

ذکر کی انواع، نفی واثبات، ذکر سری و جہری، مشائخ نقشبند کا ذکر، بیعت، توجہ، رابطہ، رابطۂ قبر، لطائف عشرہ، مراقبہ، مراقبہ کے دوائر پر روشنی ڈالی ہے، مذکورہ کتاب سے مصنف کی سلسلہ نقشبندیہ کے بارے میں وسیع معلومات کا اندازہ ہوتا ہے، حضرت مصنف کا سلسلہ حضرت مجدد الف ثانی تک گیارہ واسطوں سے پہنچتا ہے، موصوف کو اپنے والد حضرت ابوالحسن اسحاق بن عبداللہ الحسنی سے اجازت وخلافت ہے، انہیں حضرت منظور حسین سندھی سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی اور انہیں حاجی محمد مجتبیٰ خان رامپوری سے خلافت حاصل تھی اور اسطرح یہ سلسلہ حضرت مجدد تک پہنچتا ہے، حضرت مجدد کے اذکار اگرچہ کثرت سے مصری کتابوں میں نہیں ہیں لیکن مصری معاشرے میں معروف ضرور ہیں، اور نقشبندی مشائخ کا ایک محدود لیکن معقول طبقہ موجود ہے اور حضرت مجدد کی شخصیت بھی معروف ہے۔

☆......☆......☆
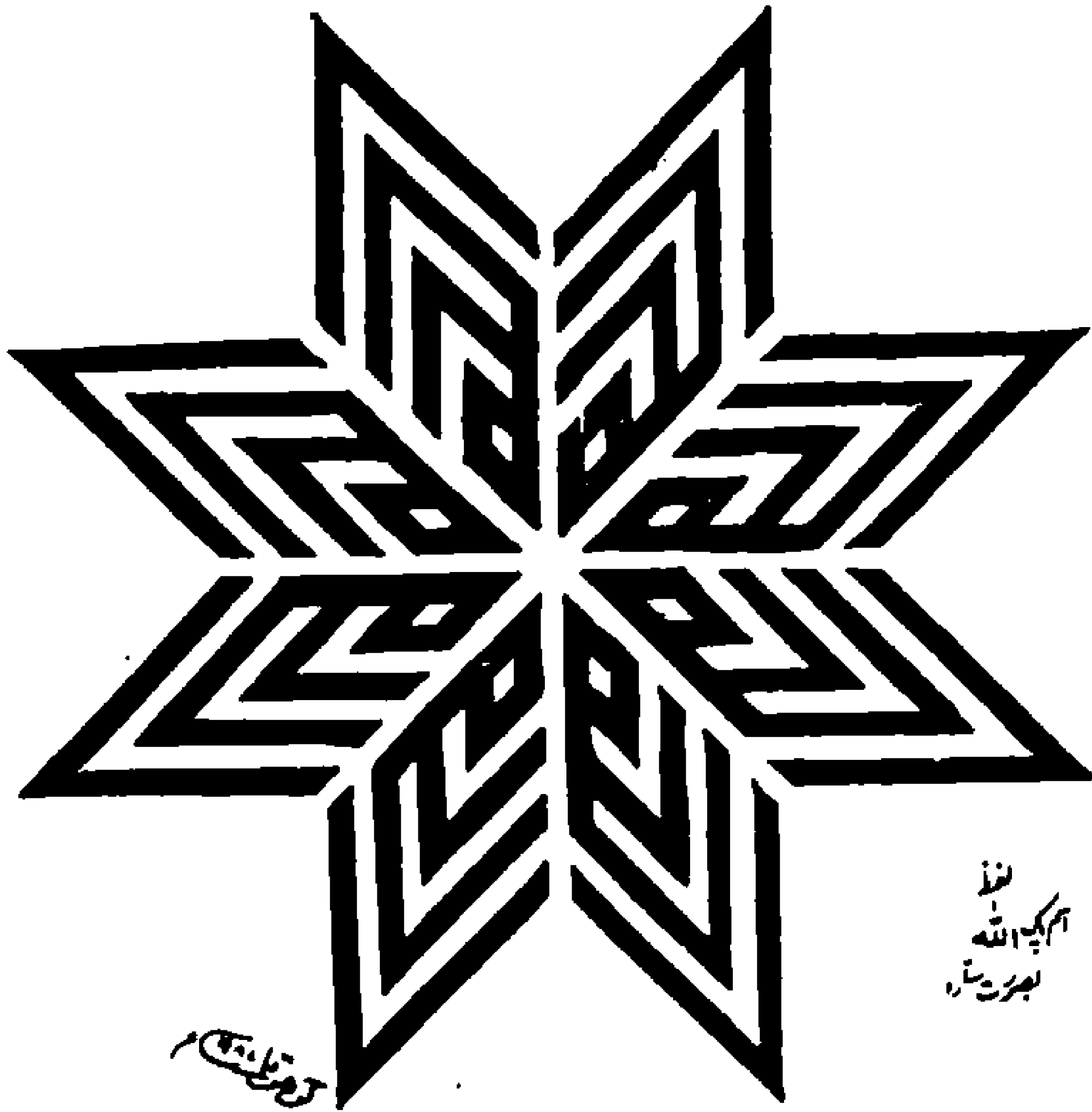
الإجابة الربانية

لشرح ومنافع الورد النقشبندي للشيخ الأكبر السيد محمد بهاء الدين
الحسيني الحسني الأويسي البخاري النقشبند
للعلامة الفاضل والمحقق الكامل قدوة العارفين ومرشد السالكين
محيي آثار السنة بنور اليقين مولانا المرحوم الشيخ
محمد أمين الكردي الإربلي المتوفى ليلة
الأحد ثاني عشر ربيع الأول سنة ١٣٣٢هـ
ابن الشيخ فتح الله زاده رزقه الله
الحسنى وزيادة آمين

ويليه الفتوحات السنية في التوسل بالسادة النقشبندية
وكذا خاتمة في آداب الذكر النقشبندي
وبيان اشتغال اللطائف الخمس والنفي والإثبات
وذكر كيفية عمل الحضر (المسماة بالأختام) عند السادة النقشبندية
مع بعض الإضافات لنجل المؤلف فضيلة العارف بالله تعالى
نجم الدين محمد أمين الكردي

المتوفى بالقاهرة عقب فجر يوم الجمعة السادس والعشرين
من ذي القعدة سنة ست وأربعمائة وألف

الإشارات السنية لسالكي الطريقة النقشبندية

جمع وترتيب

أبو الزهراء أويس بن عبد الله المجتبي الحسيني

دار المصطفى

﴿ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم﴾

معرب المكتوبات الشريفة المرسوم بالدرر المكنونات النفيسة لأفقر المحتاج
الى لطف رب العباد محمد مراد المنزلوي ثم المكي توطنا عربتها رجاء
ان ينتفع بها اخوان طريقتنا الذين لا معرفة لهم باللغة الفارسية
التي هي أصلها والتركية التي هي ترجمتها وأسأل
الله سبحانه ان يجعله خالصا لوجهه الكريم
وان يجيرني به من العذاب
الأليم انه رؤف
رحيم حليم

لمؤلف المعرب اللاشي

أموت ويبلى أعظمي في المقابر ۞ وسوف أرى ماقدمته دفاتري
فرمت ادخارا بعد موتي من الدعا ۞ فأثبت تذكارا نتاج خواطري

﴿وبهامشه ترجمة احوال الامام الرباني للمعرب المذكور ويليه كتاب الرحمة
الهابطة في تحقيق الرابطة للشيخ حسين الدوسري رحمه الله وبعض
التحشية من المعرب يفصل بينهما بالخط﴾

﴿الطبعة الثانية﴾

دار الكتب العلمية

عربی ترجمہ مکتوبات امام ربانی، جز اول، مطبوعہ بیروت

ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

الجزء الثانی من معرب المکتوبات الشریفة الموسوم بالدرر المکنونات
النفيسة للفقير المحتاج الى لطف رب العباد محمد مراد المنزلوى تولدا
المكى توطنا عربتها رجاء ان ينتفع بها اخوان طريقتنا الذين
لا معرفة لهم باللغة الفارسية التى هى اصلها والتركية
التى هى ترجمتها وأسأل الله سبحانه ان يجعل
خالصا لوجهه الكريم وأن يجيرنى
به من العذاب الأليم
انه رؤف رحيم

للمؤلف المعرب اللاشى

أموت ويبلى اعظمى فى المقابر ❁ وسوف أرى ماندحوته دفاترى
فرمت ادخارا بعد موتى من الدعا ❁ فأبقيت تذكارا نتائج خواطرى

❁ وبهامشه ترجمة رسالة المبدأ والمعاد للامام الربانى قدس سره ❁

Fazilet Neşriyat ve Ticaret A.Ş.
Divanyolu, İncili Çavuş Sokak No: 27
Sultanahmet / İSTANBUL
Tel: 522 55 46 - 528 05 86

عربی ترجمہ مکتوبات امام ربانی، جز ثانی، مطبوعہ بیروت

ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

الجزء الثالث من معرب المكتوبات الشريفة الموسوم بالدرر المكنونات
النفيسة للفقير المحتاج الى لطف رب العباد محمد مراد المنزلوى تولدا
المكى توطنا عربتها رجاء ان ينتفع بها اخوان طريقتنا الذين
لا معرفة لهم باللغة الفارسية التى هى اصلها والتركية
التى هى ترجمتها وأسأل الله سبحانه ان يجعل
خالصا لوجهه الكريم وأن يجيرنى
به من العذاب الأليم
انه رؤف رحيم
حليم

للمؤلف المعرب اللاشى

أموت ويبلى اعظمى فى المقابر * وسوف أرى ماقدحوته دفاترى
فرمت ادخارا بعد موتى من الدعا * فأبقيت تذكارا نتاج خواطرى

وبهامشه عطية الوهاب * الفاصلة بين الخطأ والصواب
للشيخ محمد بك الاوزبكى رحمه الله تعالى

Fazilet Neşriyat ve Ticaret A.Ş.
Divanyolu, İncili Çavuş Sokak No: 27
Sultanahmet / İSTANBUL
Tel: 522 55 46 - 528 05 86

عربی ترجمہ مکتوبات امام ربانی، جزء ثالث، مطبوعہ بیروت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

حضرتِ احمد مجدد المدد

☆☆

حضرتِ احمد مجدد المدد
الفِ ثانی را ضیای اوّلی

اے ترا ہر آن خوشحال دگر
دہ ز خوشحالی مرا ہم آگہی

اے بہاء الدین شاہِ نقشبند
نقش بندد دینِ من از کافری

رکنِ دینِ من زجانم شد جدا
توکہ رکن الدین رکن العالمی

یا بہاء الدین بہاء الحق مدد
بر محیطِ دل شہاب ثاقبی

(نواب معشوق یار جنگ بہادر: ''مقاماتِ محمود'' ص ۳۸۵)

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشورِ چہارم

یہ وہ بحرِ حقیقت ہے کہ جس کی حد نہیں کوئی
ملا کس کو کنارا ہے مجدد الف ثانی کا
(مصطفیٰ)

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ

۱۴۰۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
(استاد، کراچی یونیورسٹی، جنرل سیکرٹری، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی)

☆☆

حضرت مجدد الف ثانی شیخ عبد الاحد (التوفی ۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء) کے ہاں سرہند میں (۹۷۱ھ/۲۶ جون ۱۵۶۴ء) میں پیدا ہوئے۔ والد نے احمد نام رکھا، لقب "بدرالدین" مشہور ہوا جب کہ کنیت ابوالبرکات تھی۔ سلسلۂ نسب حضرت عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد مولانا شیخ عبدالاحد ہی سے حاصل کی۔ اس کے بعد سیالکوٹ جا کر مولانا کمال کشمیری (ف ۱) (التوفی ۱۰۱۷ھ/۱۶۰۸ء) سے معقولات کی بعض کتابیں پڑھیں۔ علم حدیث شریف میں آپ کے استاد مولانا یعقوب کشمیری (ف ۲) (التوفی ۱۰۰۳ھ/۱۰۹۵ء) تھے۔ سترہ برس کی عمر میں جملہ علومِ ظاہریہ سے فارغ ہوئے اور آخری وقت تک درس و تدریس کے ساتھ ساتھ طالبانِ حق کو فیوض و برکات اور گم گشتگانِ راہ کو صراطِ مستقیم کی رہنمائی سے نوازتے رہے[1]۔

حضرت مجدد الف ثانی نے ابتداء میں اپنے والد بزرگوار شیخ عبدالاحد ہی سے روحانی فیض حاصل کیا اور والد ماجد نے سلسلۂ چشتیہ کا خرقۂ خلافت بھی عطا کیا۔ سلسلہ قادریہ میں آپ کو شیخ کمال کیتھلی قادری (ف ۳) (التوفی ۹۸۱ھ/۱۵۷۳ء) سے نسبت حاصل تھی۔ جب کہ سلسلہ نقشبندیہ میں خرقۂ خلافت حضرت خواجہ محمد باقی باللہ (التوفی ۱۰۱۲ھ/ ۱۶۰۳ھ) علیہ الرحمۃ سے عطا ہوا[2]۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی تینوں نسبتوں کا ایک مقام پر ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔:

ارادتِ من بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ وسائطِ کثیرہ است، در

طریقۂ نقشبندیہ بست و یک واسطہ درمیان است، و در طریقۂ قادریہ بست و پنج و در طریقۂ چشتیہ بست و ہفت[3]۔

مجھے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت واسطوں سے نسبت حاصل ہے طریقۂ نقشبندیہ پر ۲۱ واسطوں سے طریقۂ قادریہ میں ۲۵ واسطوں سے اور طریقۂ چشتیہ میں ۲۷ واسطوں سے۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی نے اپنی اصلاحی کوششوں کا آغاز مغل شہنشاہ اکبر کے عہد سے کیا جب آپ کے پیر بزرگوار خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمۃ (۱۰۱۲ھ) وفات پاگئے عہد اکبری میں ''دین الٰہی'' کی بنیاد ۹۹۰ھ/ ۱۵۸۲ء میں رکھی گئی تھی۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب عہدِ اکبری کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

عہد اکبری میں مسلمان غیر اسلامی رنگ میں اس قدر رنگ گئے تھے کہ کفر و اسلام میں امتیاز مشکل ہو گیا تھا۔ مسلمانوں میں سیکڑوں مشرکانہ رسمیں رائج ہوگئی تھیں جس کا اثر عہد جہانگیر تک تھا۔ حضرت مجدد نے بھرپور اخلاص کے ساتھ اس کی اصلاح کی کوششیں کیں جس ماحول میں ''آوازۂ حق'' بلند کرنا اپنے سر کو تلوار پر رکھنے کے مترادف تھا۔ حضرت مجدد نے پوری اسلامی حمیت اور غیرت کے ساتھ بڑے جرأت مندانہ انداز میں اعلاء کلمۃ الحق کیا[4]۔

آگے مزید حضرت شیخ مجدد کے مکتوب کے حوالے سے جو انہوں نے شیخ فرید بخاری کے نام ارسال کیا، کا حوالہ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔:

ذرا خیال تو کریں کہ معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے، مسلمانی کی بو بھی باقی نہیں رہی۔ ایک دوست نے کہا ہے کہ تم لوگوں میں سے جب تک کوئی دیوانہ نہ ہوگا۔ مسلمانی تک پہنچنا مشکل ہے، اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے اپنے نفع و نقصان کا بھی خیال نہ کرنا، یہ ہے دیوانگی، اسلام رہے تو کچھ بھی ہو (کوئی پرواہ نہیں) اور اگر نہ رہے تو پھر کچھ بھی نہ رہے۔ اگر

مسلمان ہے تو پھر خدا کی رضا اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی بھی ہے، اور آقا کی رضا سے بڑھ کوئی دولت نہیں ۵۔

ڈاکٹر صاحب حضرت شیخ مجدد کی تبلیغ کی اثرات کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ رقمطراز ہیں:

حضرت مجدد کی تعلیم و تبلیغ نے اپنا پورا پورا اثر دکھایا، امراء، وزراء سلطنت پر بھی اس کا اثر ہوا اور بالواسطہ جہانگیر بھی متاثر ہوا چنانچہ تخت نشینی سے پہلے اس نے تحفظِ اسلام کا یقین دلایا۔ اکبر کی زندگی ہی میں خود جہانگیر کا بیٹا خسرو، اکبر کی جانشینی کے لیے کوشاں اور اپنے باپ سے باغی تھا۔ بیشتر امراء اس کے طرف دار تھے مگر حضرت مجدد کے معتقد خاص اور جہانگیر کے بھی معتمد خاص شیخ فرید بخاری نے اس شرط پر جہانگیر کی حمایت کا وعدہ کیا کہ وہ اپنی حکومت میں اسلام کا تحفظ کرے گا[6]۔

ڈاکٹر مسعود صاحب مکتوبات امام ربانی کی روشنی میں عہد جہانگیر سے متعلق رقم طراز ہیں:۔

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کے تخت نشین ہوتے ہی آپ نے اصلاح و تبلیغ کا کام تیز کر دیا تھا۔ تخت نشینی سے پہلے شیخ فرید بخاری نے جہانگیر کو اسلام کی طرف بڑی حد تک راغب کر لیا تھا اور تخت نشینی کے فوراً ہی بعد مجدد الف ثانی نے مختلف امراء کے نام خطوط ارسال فرمائے کہ وہ بادشاہ کو اتباع سنت و شریعت کی طرف راغب کریں ۷۔

چنانچہ سید صدر جہاں کے نام ایک مکتوب کی تحریر ملاحظہ کریں:

اس وقت جب کہ حکومتوں میں انقلاب آ گیا ہے اور دوسرے مذاہب کی دشمنی خاک میں مل چکی ہے، ائمہ و علمائے اسلام پر لازم ہے کہ اپنی تمام تر توجہ ترویج شریعتِ غراء کی طرف مبذول کر دیں اور شریعت کے جو ستون منہدم ہو گئے ہیں ان کو پھر کھڑا کریں ۸۔

اسی سلسلے میں ایک اور مکتوب کا مضمون ملاحظہ کریں جو حضرت شیخ مجدد نے خان جہاں کو تحریر فرمایا تھا:۔

جب کبھی آپ بادشاہ سے ملاقات کریں اور وہ آپ کی باتیں سننے کی طرف متوجہ ہو تو کیا اچھا ہو کہ صراحتاً یا کنایتاً معتقداتِ اہلسنت و جماعت کے مطابق کلمۂ حق یعنی کلمۂ اسلام ان کے کانوں تک پہنچائیں[۹]۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب حضرت مجدد کی تبلیغی مساعی کا نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت مجدد کی اصلاحی اور تبلیغی مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن وہ آیا جبکہ خود جہانگیر نے شیخ فرید بخاری (المتوفی ۱۰۲۵ھ/ ۱۶۱۶ء) کو حکم دیا کہ بادشاہ کو امورِ شرعیہ میں مشورہ دینے کے لیے علماء کی ایک مجلس قائم کی جائے۔ اکبری دور کی لادینیت کو سامنے رکھتے ہوئے اس اسلامی انقلاب کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ لادینیت کے اندر ''دین کا آوازہ'' حضرت مجدد ہی نے بلند کیا تھا اور یہ جو کچھ ہو رہا ہے ان ہی کی مساعی جمیلہ کا ثمر شیریں تھا[۱۰]۔

حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی ان کوششوں کے باعث کئی سال قلعہ گوالیار میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں اور سلطان جہانگیر نے آپ کو سجدۂ تعظیمی نہ کرنے پر قلعہ میں محبوس کر دیا تھا مگر حضرت مجدد نے قلعہ میں بھی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور چند سالوں میں سیکڑوں غیر مسلموں بالخصوص ہندوؤں کو مشرف بہ اسلام کیا (T.W.Arnold) انسائیکلو پیڈیا میں لکھتا ہے:

سترھویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں شیخ احمد مجدد نامی ایک عالم تھا جن کو غیر منصفانہ طریقہ پر قید کیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قید خانے میں کئی سو غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا[۱۱]۔

یہی موصوف اپنی ایک اور کتاب "Preaching Of Islam" میں حضرت مجدد کے اسیری حالات پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

جہانگیر کے دورِ حکومت (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۸ء) میں شیخ احمد مجدد نامی ایک سنی عالم تھے۔ انہوں نے شیعہ نظریات کی جس شد و مد کے ساتھ تردید کی اس نے ان کو خاص طور پر ممتاز کر دیا تھا اس لیے وہ (شیعہ) ان پر چند

جھوٹے الزامات لگا کر قید کروانے میں کامیاب ہو گئے۔ جن دو سالوں
میں وہ قید خانے میں رہے انہوں نے اپنے کئی سو ہندو قیدی ساتھیوں کو
مشرف بہ اسلام کیا[۱۲]۔

مفتی غلام سرور لاہوری (المتوفی ۱۳۰۷ھ ۱۸۹۰ء) حضرت مجدد کی قید و بند کی زندگی پر تبصرہ کرتے
ہوئے رقمطراز ہیں:

جب آپ قید خانے پہنچے تو چند ہزار کفار کو جو زندانِ شاہی میں محبوس تھے
مشرف بہ اسلام کیا۔ سیکڑوں لوگوں کو اپنی ارادت سے سرفراز فرما کر
ولایت کے درجہ تک پہنچایا۔ حضرت شیخ نے قید خانے میں کبھی بھی بادشاہ
کے لیے بددعا نہیں فرمائی بلکہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر بادشاہ مجھ کو قید نہ
کرتا تو یہ چند ہزار لوگ جو دینی فوائد سے مستفیض ہوئے محروم رہتے[۱۳]۔

حضرت مجدد الف ثانی نے تین سال اسیری کے بعد رہائی حاصل کی۔ اس دوران سلطان جہانگیر آپ
کا بہت گرویدہ ہو گیا۔ چنانچہ رہائی کے بعد آپ کو اس کی اور قوم کی اصلاح کا بھرپور موقع ملا۔ حضرت کے
مکاتیب اس بات کے غماز ہیں کہ کس حکمت و موعظت کے ساتھ آپ نے جہانگیر کو اسلام کی طرف مکمل طور
پر راغب کیا اور ان تمام اثرات کو آپ نے زائل کرنے کی پوری سعی فرمائی جو دورِ اکبری میں پیدا ہو گئے
تھے۔ اس سلسلے میں حضرت کے مکتوبات کا متن ملاحظہ کریں جو انہوں نے صاحبزادگان خواجہ محمد معصوم اور
خواجہ محمد سعید کے نام لکھے تھے۔

یہاں کے حالات بہت اچھے ہیں اور شکر کے قابل ہیں، عجیب و غریب
صحبتیں ہو رہی ہیں، اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ساری گفتگوؤں میں دینی
امور اور اسلامی احوال کے متعلق بال برابر کسی قسم کی نرمی اور سستی کا اظہار
نہیں ہوا، وہی باتیں جو خاص مجلسوں اور خلوت میں بیان کی جاتی ہیں
ان معرکوں میں بھی حق تعالیٰ کی توفیق سے بیان ہو رہی ہیں[۱۴]۔

حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی نقشبندی علیہ الرحمۃ کے بنیادی دینی اصلاحی کارناموں کے باعث
آپ کو کئی ہم عصر اور بعد کے علماء نے گیارہویں صدی ہجری کا مجدد دین و ملت قرار دیا اور یہی منصب پھر

آپ کا لقب اختیار کر گیا اور اب ہر کوئی آپ کو نام سے زیادہ آپ کے لقب ''مجدد الف ثانی'' سے یاد کرتا اور لکھتا ہے۔ تاریخ میں یہ بات مصدقہ ہے کہ سب سے پہلے آپ کے ہم عصر عالم دین مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (المتوفی ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء)[۱۵] نے شیخ سرہند کو ''مجدد الف ثانی'' کے خطاب سے پکارا جب کہ شیخ سرہند، مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو ''آفتاب پنجاب'' کے لقب سے یاد کرتے تھے[۱۶]۔

مولانا غلام علی دہلوی[۱۷] (المتوفی ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) (ف ۴) مرید خاص حضرت مرزا مظہر جانجاناں مجددی علیہ الرحمۃ[۱۸] (المتوفی ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء) اپنے ایک مکتوب گرامی میں حضرت شیخ سرہند کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

ایشاں ''مجدد الف ثانی'' اند و حقائق و دقائق و کثرت معارفِ الٰہیہ و فیوض و برکات ایشاں و افاضاتِ کثیرہ کہ اصلاح دلہا نمودہ و مقاماتِ عالیہ کہ در طریقۂ خود بالہامات حقہ مقرر فرمودہ آند واں مقامات قرب الٰہی است سبحانہ[۱۹]۔

آپ دوسرے ہزار کے مجدد ہیں اور آپ کے حقائق و دقائق اور آپ کے بہت سے معارف الٰہیہ اور فیوض و برکات اور افاداتِ کثیرہ کہ جنہوں نے دلوں کی اصلاح کی اور آپ کے مقامات عالیہ جو آپ نے سچے الہامات کی روشنی میں اپنے طریقۂ عالیہ میں مقرر فرمائے اور وہ مقامات اللہ سبحانہ تعالیٰ کے قُرب کے مقامات ہیں۔

حضرت علامہ محمد قاضی ثناء اللہ عثمانی مجددی مظہری پانی پتی (المتوفی ۱۲۲۵ء)[۲۰] صاحب تفسیر مظہری، (ف ۵) حضرت شیخ سرہند کے متعلق رقمطراز ہیں:

وچوں ہزار گشت و نوبت اولوالعزم رسید حق تعالیٰ موافق عادتِ قدیم برائے ''ہزار دوم مجددے'' پیدا کرد کہ در سائر اولیاء مجددان مثل اولوالعزم باشد در انبیاء و رسولان و اورا از بقیہ طینت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آفرید و ایں مقامات و کمالات داد کہ کسے ندیدہ بود و طفیل او ایں کمالات در آخر زماں شائع و جلوہ گر گردانید[۲۱]۔

اور جب ایک ہزار سال گزر چکے اور ایک اولوالعزم کی باری آئی تو
اللہ تعالیٰ نے اپنی عادتِ قدیمہ کے تحت دوسرے ہزار سال کے لیے
ایک مجدد پیدا کیا کہ جو تمام اولیاء مجددین میں اس طرح اولوالعزم ہوا
جس طرح نبیوں اور رسولوں میں اولوالعزم ہوتے ہیں اور اس کو رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کے بقیہ خمیر سے پیدا کیا گیا اور وہ درجات اور کمالات
عطا فرمائے جو کسی نے نہ دیکھے اور اسی کے صدقے میں یہ کمالات آخری
زمانے میں پھیلائے گئے اور ظاہر کیے گئے[۲۲]۔

حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی بہاری (المتوفی ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء) تلمیذ و مرید و خلیفہ امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی نے اپنے رسالے ''۱۴ویں صدی کے مجدد'' میں تمام صدیوں کے مجددین کی فہرست دی ہے جس میں شیخ سرہند کو گیارہویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے۔ آپ کی پیش کی ہوئی فہرست ملاحظہ کیجیے:۔

فقیر ظفر الدین قادری غفرلہ کہتا ہے:

اور مجدد مأة حادی عشر یعنی الف ثانی امام ربانی حضرت شیخ سرہندی فاروقی (متولد ۱۰ محرم الحرام ۹۷۱ھ/ متوفی ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ)'' اور صاحب تصانیف کثیرہ شہیرہ زاہرہ و باہرہ حضرت شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی (متولد ۹۵۸ھ، متوفی ۱۰۵۲ء) اور میر عبدالواحد بلگرامی صاحب ''سبع سنابل'' (متولد ۹۱۲ھ/ متوفی ۱۰۱۷ھ'' تھے، مجدد مأة ثانی عشر سلطان دین پرور، مالک بحر و برابو المظفر محی الدین اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی (متولد ۱۰۲۸ھ/ متوفی ۱۱۱۷ھ) و حضرت شاہ کلیم اللہ چشتی دہلوی (متوفی ۱۱۴۳ھ) اور قاضی محب اللہ بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ) تھے۔[۲۳]

آگے چل کر تیرہویں صدی ہجری کے مجدد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

البتہ مجدد مأة ثالث عشر مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ کے

فرزند دلبند، شاگرد رشید و مرید و مستفید و خلیفہ و جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی (متولد ۱۱۵۹ھ/ متوفی ۱۲۳۹ھ) تھے[۲۴]۔

امام احمد رضا قادری محدث بریلوی قدس سرہ العزیز نے بھی حضرت شیخ سرہند علیہ الرحمۃ کو گیارہویں صدی ہجری کا مجدد تسلیم کیا ہے جس کا اظہار آپ کی مختلف تصانیف میں ملتا ہے۔ اور آپ نے حضرت کو اکثر ''شیخ مجدد الف ثانی'' لکھا ہے۔ اس سلسلے میں یہاں ایک حوالہ پیش خدمت ہے ملاحظہ کریں۔ یہ حوالہ ایک مکتوب کا ہے جو آپ نے مولانا محمد علی مونگیری کے نام تحریر فرمایا تھا:

> بالفعل آپ جیسے صوفی صافی منش کو ''حضرت شیخ مجدد الف ثانی'' رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد یاد دلانا چاہتا ہوں اور اس سے عین ہدایت کے امتثال کی امید رکھتا ہوں[۲۵]۔

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا وصال پُر ملال ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء کو ہوا اور سرہند کی سرزمین میں آپ کی آخری آرام گاہ آج بھی کروروں مسلمانوں کے لیے مرجع خلائق ہے[۲۶]۔

آپ کے اگرچہ سات صاحبزادگان تھے مگر تین صاحبزادوں کا وصال آپ کے سامنے ہی ہو گیا البتہ بقیہ چاروں صاحبزادوں نے آپ کے بعد آپ کی تعلیمات کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے علاوہ آپ کے سیکڑوں تلامذہ اور خلفاء نے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے فروغ میں بھرپور کردار ادا کیا۔ جس کے باعث جنوبی ایشیا و افغانستان سمیت دیگر بلاد اسلامیہ کے کروروں مسلمان آپ کی تعلیمات بالخصوص آپ کے مکتوبات شریف سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے دو خوارق معروف رہے ایک ''مکتوبات'' اور دوسرے آپ کے ''صالح فرزندگان''[۲۷]۔ جن کے باعث تعلیمات مجددیہ عام سے عام ہوتی چلی گئیں۔

امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی:

امام احمد رضا خاں محمدی سنی حنفی قادری برکاتی محدث بریلوی المعروف بہ اعلیٰ حضرت بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) ابن مولانا علامہ مفتی محمد نقی علی خان سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی (المتوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء)[۲۸] ابن علامہ مولانا مفتی محمد رضا علی خان نقشبندی[۲۹] (المتوفی ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء) ابن حضرت مولانا حافظ محمد کاظم علی خان صاحب بہادر رئیس اعظم قادری رزاقی[۳۰] خلیفہ و مرید حضرت مولانا احمد

انوار الحق فرنگی محلی لکھنوی (ف ٦) (المتوفی ۱۲۳٦ھ)، بریلی شریف میں ۱۰ رشوال المکرّم ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵٦ء میں پیدا ہوئے۔ تقریباً چودہ برس کی عمر میں تمام ظاہری علوم وفنون حاصل کر لیے اور اپنے جدامجد کی قائم کردہ "مسند افتا" (قائم شدہ ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۱ء)[۳۱] پر رونق افروز ہو کر ۱۲۸٦ھ سے خدمت اسلام اور تبلیغ دین شروع کی اور پھر مسلسل پچپن برس تک اس اہم ترین ذمہ داری کو انجام دیتے رہے۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی نے ستر سے زیادہ علوم وفنون پر ایک ہزار سے زیادہ تصانیف اور تالیفات اردو، عربی اور فارسی زبان میں یادگار چھوڑی ہیں[۳۲]۔ آپ کے قلمی شاہکار میں ترجمہ قرآن مسمّٰی "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" اور ۱۲ مجلدات پر مشتمل مجموعہ فتاوٰی مسمّٰی "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" اور نعتیہ مجموعہ "حدائق بخشش" معرکہ آراء تصانیف ہیں۔ آپ کی ذات سنت رسول اور عشق مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار تھی۔ آپ کی ہر تحریر اس پر شاہد وعادل ہیں۔

امام احمد رضا خان بریلوی اپنے والد گرامی حضرت مولانا محمد نقی علی خان بریلوی کے ساتھ ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں مارہرہ شریف کے سجادہ نشین سیدنا آل رسول قادری برکاتی (المتوفی ۱۲۹٦ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستِ کرامت پر سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور اسی لمحہ خلافت واجازت وسند حدیث سے نوازے گئے۔[۳۳] آپ نے اپنے ۱۳ سلاسل طریقت کا ذکر درج ذیل ترتیب سے کیا ہے:

۱...... طریقہ علائیہ قادریہ برکاتیہ جدیدہ

۲...... قادریہ آبائیہ قدیمہ

۳...... قادریہ اھدلیہ

۴...... قادریہ رزاقیہ

۵...... قادریہ منوریہ

٦...... چشتیہ نظامیہ عتیقیہ

۷...... چشتیہ محبوبیہ جدیدہ

۸...... سہروردیہ واحدیہ

۹...... سہروردیہ فضلیہ

۱۰...... نقشبندیہ علائیہ صدیقیہ

۱۱......نقشبندیہ علائیہ علویہ (جو حضرت سید کریم ہادی مولی ابوالعلائی اکبر آبادی کی طرف منسوب ہے)

۱۲......سلسلہ بدیعیہ

۱۳......علویہ منامیہ[۳۴]

مزید آگے رقمطراز ہیں:

یہ آخری سلسلہ (منامیہ) میرے تمام سلسلوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہے کیونکہ میں نے اپنے شیخ مرشد حق سید آل رسول کے ہاتھ پر بیعت کی انہوں نے صرف اس سلسلے میں الشاہ عبدالعزیز دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انہوں نے اپنے سچے خواب میں اہل ایمان کے امیر اہل اسلام کے مولا سیدنا علی المرتضٰی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی جن کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ، اور جن کی بیعت اللہ کی ہے یعنی ہم سب کے آقا ہم سب کے مولیٰ حضرت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر، تو بحمدہ تعالیٰ صحیح بخاری کی اعلیٰ سند کی طرح یہ سند بھی ثلاثی ہے جو اس بندے سے جلیل الشان آقا تک صرف تین واسطوں سے پہنچتی ہے[۳۵]۔

امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ کو اگرچہ برصغیر کے تمام معروف سلاسل طریقت یعنی قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ میں خلافت واجازت حاصل تھی۔ لیکن آپ کا میلان سلسلہ قادریہ کے مشاغل کی طرف زیادہ رہا اور آپ نے اسی سلسلہ میں لوگوں کو مرید کیا۔ اگرچہ اعلیٰ حضرت کے جد امجد مولانا رضا علی خان سلسلہ نقشبندیہ سے وابستہ تھے اور آپ کو سلسلۂ نقشبندیہ میں دو مختلف زاویوں پر خلافت بھی حاصل تھی لیکن آپ نے سلسلہ قادریہ ہی کو فروغ دیا اور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں متعدد رسائل اور منظوم منقبتیں اردو اور فارسی زبان میں تحریر فرمائی ہیں۔

اس طرح شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کو بھی چاروں معروف سلاسل کی خلافت واجازت حاصل تھی لیکن حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی تعلیمات سے آپ زیادہ متاثر ہوے چنانچہ آپ نے نقشبندیہ مشاغل طریقت کو فروغ دیا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کی دینی واصلاحی خدمات کے باعث عرب وعجم کے سیکڑوں علما ومشائخ نے اُنہیں چودھویں صدی ہجری کا مجدد دین وملت تسلیم کیا۔ مولانا ظفر الدین قادری اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

چودھویں صدی کے مجدد ''مجدد مأۃ حاضرۃ'' موید ملتِ طاہرہ، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت صاحب تصانیف قاہرہ و تالیفات باہرہ جناب مستطاب معلی الالقاب مولانا مولوی حاجی حافظ قاری محمد احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی بریلوی متعنا اللہ ببرکاتہٖ وحشرنا یوم القیامۃ تحت رایاتہ ہیں، اس لیے کہ حضور پُر نور کی ولادت باسعادت ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ اور انتقال پُر ملال ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ ہے۔ تیرہویں صدی ہجری کے آپ نے ۲۸ سال دو مہینے ۲۰ دن پائے اور علوم وفنون، درس وتدریس، تصنیف وتالیف وعظ وتقریر میں مشہور دیار وامصار ووانی واقاصی ہوئے اور چودھویں صدی کے ۳۹ سال ایک مہینہ ۲۵ دن پائے۔ جس میں حمایت دین و نکایت مفسدین، احقاقِ حق و ازہاقِ باطل، اعانت سنت واماتت بدعت میں جان ومال اور علم وفضل صرف کیا۳۶۔

مولانا ظفر الدین صاحب اپنی اسی تالیف میں آگے چل کر عرب وعجم بالخصوص برصغیر پاک وہند کے چند مشاہیر علما ومشائخ کی ایک فہرست مرتب فرماتے ہیں جنہوں نے امام احمد رضا خان کو ''مجدد مأۃ حاضرۃ'' تسلیم کیا یہاں چند معروف نام نقل کیے جارہے ہیں:

۱......مولانا شاہ محمد عبد القادر صاحب قادری برکاتی

۲......مولانا شاہ عبد المقتدر صاحب قادری بدایونی

۳......مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی پیلی بھیتی

۴......مولانا شاہ مشتاق احمد کانپوری

۵......مولانا شاہ ظہور الحسین صاحب فاروقی رامپوری

۶......مولانا سید شاہ علی حسین کچھوچھوی۳۷۔

چند نام اب ان علما کے ملاحظہ کریں جن کا تعلق موجودہ پاکستان کے علاقوں سے ہے یہ نام احقر نے اپنے مطالعہ کے دوران حاصل کیے:

۱......مولانا نور احمد فریدی، ریاست بہاولپور

۲......مولانا حافظ محمد عبداللہ قادری، خانقاہ بھر چونڈی شریف۔ سکھر

۳......مولانا حافظ الشاہ غلام رسول قادری، خانقاہ قادریہ سولجر بازار، کراچی

۴......مولانا احمد بخش صادق چشتی سلیمانی ڈیروی، ڈیرہ غازی خان، پنجاب

۵......مولوی قاضی قادر بخش بغلانی، بارکھان بلوچستان

۶......مولانا محمد اکرام الدین بخاری خطیب مسجد وزیر خان، لاہور

۷......مولوی پروفیسر حاکم علی نقشبندی، اسلامیہ کالج لاہور

۸......مولوی پروفیسر چودھری عزیز الرحمان، لائل پور

۹......مولوی قاضی غلام گیلانی، شمس آباد صوبہ سرحد

۱۰......پیرزادہ مولوی محمد معصوم شاہ، گجرات

۱۱......سید محمد مجید الحسن جہلمی، غازی ناڑہ ضلع جہلم

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے امام احمد رضا کی کئی عربی تصانیف پر عرب کے علماء کی تقاریظ کو جمع کیا ہے ان علماء نے جہاں اعلیٰ حضرت کی علمی خدمت کو سراہا ہے وہاں انہوں نے اعلیٰ حضرت کو چودھویں صدی ہجری کا مجدد بھی تسلیم کیا ڈاکٹر صاحب کی تصنیف سے ماخوذ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

بل اقول لو قیل فی حقه انه مجدد هذا القرن[۳۸]۔

(علامہ الشیخ اسماعیل خلیل مکی)

امام احمد رضا خان محدث بریلوی کی مختلف علوم وفنون پر ہزار سے زیادہ چھوٹی بڑی تصنیفات وتالیفات اور حواشی ہیں۔ آپ کی ہر تحریر نہایت جامع اور ہر تصنیف وتالیف انتہائی مدلل ہوتی اور بعض دفعہ حوالہ جات کی اتنی کثرت ہوتی ہے کہ پڑھنے والا تعجب کیے بغیر نہیں رہتا۔ احقر کے مطالعہ اور معلومات کے مطابق امام احمد رضا خان کے ماخذ میں ان کے زمانے تک کی تمام مطبوعہ کتب اسلامی جو حاصل ہو سکتی تھیں ان کے زیر مطالعہ رہیں۔ چنانچہ ایک سوال کے جواب میں کہ حدیث شریف کی کتابوں میں کون کون سی کتابیں آپ

کے درس وتدریس اور مطالعہ میں رہی ہیں، آپ نے درجنوں کتابوں کا ذکر فرمادیا۔ حوالہ ملاحظہ کریں:

جواب۔ مسند امام اعظم وموطا امام محمد وکتاب الآ ثار امام محمد وکتاب الخراج امام ابو یوسف وکتاب الحج امام محمد وشرح معانی الآ ثار امام طحاوی وموطا امام مالک ومسند امام شافعی ومسند امام احمد وسنن دارمی و بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ وخصائص نسائی ومنتقی ابن الجارود وعلل متناہیہ ومشکوٰۃ وجامع کبیر وجامع صغیر وذیل جامع صغیر ومنتقی ابن تیمیہ وبلوغ المرام وعمل الیوم واللیلۃ ابن السنی وکتاب الترغیب وخصائص کبریٰ وکتاب الفرج بعد الشدت وکتاب الاسماء والصفات وغیرہ پچاس سے زائد کتب حدیث میرے درس وتدریس ومطالعہ میں رہیں[۳۹]۔

ایک اور حوالہ ملاحظہ کیجیے جس میں مولانا سید سلیمان اشرف بہاری (التوفی ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۳۹ء) خلیفہ اعلیٰ حضرت نے علیگڑھ سے ایک سوال بھیجا جس میں سندھ سے تعلق رکھنے والے علماء کے نام طلب کیے ہیں سوال وجواب دونوں ملاحظہ کیجیے۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری ان دنوں علیگڑھ یونیورسٹی میں دینیات کے استاد تھے۔

مسئلہ۔ از علیگڑھ مرسلہ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری ۲۵ صفر ۱۳۳۸ھ۔ مولانا المعظم وبرادر محترم مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب رفع اللہ شانہم کالج کا ایک کام آ گیا ہے جس میں ضرورت ہے چند اسماء ان علمائے کرام کے لکھے جانے کی، جو سندھ سے تھے یا سندھ میں آئے کم ازکم پانچ نام ہونے چاہئیں۔ انساب سمعانی میں بعض اسما ملے لیکن صرف چند نام، اس کی خبر نہ ملی کہ انہوں نے کیا خدمت انجام دی، طبقات حنفیہ کی فہرست میں کوئی نام نہ ملا آنجناب براہ کرم اعلیٰ حضرت سے استفسار فرمائیں۔ متقدمین یا متاخرین علما اہلسنت، محدثین میں ہوں یا فقہا میں۔ اگر اس قدر فرصت نہ ہو تو پھر صرف ان کتابوں کے نام لکھ بھیجے جن میں تلاش کروں۔ آپ کی خدمت میں نیاز نامہ اس لیے لکھا کہ آپ کو

اعلیٰ حضرت کی حضوری حاصل ہے۔فقیر کا سلام وقدمبوسی فرمادیجیے۔

الجواب۔

(۱)......مولانا رحمت اللہ سندھی تلمیذ امام ابن ہمام مصنف منسک کبیر، منسک صغیر ومنسک متوسط، معروف بہ لباب المناسک جس کی شرح ملا علی قاری نے کی ہے۔"المنسک المتقسط فی شرح المنسک المتوسط"۔

(۲)......مولانا محمد عابد سندھی مدنی، محدث صاحب "حصر الشارد"۔

(۳)......مولانا محمد حیات سندھی شارح کتاب الترغیب والترہیب۔

(۴)......مولانا محمد ہاشم سندھی یہ بھی فقہ میں صاحب تصنیف ہیں۔

(۵)......علامہ محمد ابن عبدالہادی سندھی محشی فتح القدیر وصحاح ستہ ومسند امام احمد، استاد علامہ محمد حیات سندھی، متوفی ۱۱۳۸ھ۔

(۶)......شیخ نظام الدین سندھی نقشبندی نزیل دمشق تلمیذ جلیل ومحبوب حضرت قدوۃ العارفین سید صبغت اللہ بروجی۔

(۷)......علامہ سندھی مصنف غایۃ التحقیق جس سے سید علامہ طحطاوی مصری نے حاشیہ درمختار باب الامامتہ میں استناد کیا۔

(۸)......شیخ محمد حسین انصاری سندھی عم شیخ عابد سندھی محدثین ورجال اسانید حصر الشارد ہیں۔اس وقت یہی نام خیال میں آئے[۴۰]۔

مولانا محمد حنیف خان رضوی استاد جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف کی تحقیق کے مطابق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت بعض استفتاء کے جواب میں بسا اوقات ۲۴۰ سے زیادہ کتب احادیث کے حوالہ جات دیتے ہیں۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی کتب احادیث ان کے زیر مطالعہ رہی تھیں۔

امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے مطالعہ اور ماخذ میں جہاں اور کتابیں رہیں وہیں شیخ ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی کے معرکہ آرا مکتوبات شریف بھی رہے۔راقم نے امام احمد رضا مجدد دین وملت کی کتب کے مطالعہ کے دوران حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات شریف

کے کئی حوالے پائے۔ یہاں چند پیش کررہا ہوں تا کہ قارئین کو یہ معلوم ہوسکے کہ امام احمد رضا کی نظر میں شیخ مجدد اوران کے مکتوبات کا کیا مقام ہے۔اور آپ کے دل میں حضرت کا کتنا احترام ہے۔

سب سے پہلے ایک مکتوب کا اقتباس ملاحظہ کیجیے جو امام احمد رضا خاں محدث بریلوی نے مولانا محمد علی مونگیری ناظم ندوۃ العلماء لکھنو کے نام ۱۳۱۳ ہجری میں لکھا تھا۔ یہ خط اعلیٰ حضرت نے دارالندوہ لکھنو سے متعلق لکھا ہے اس کے اقتباس ملاحظہ کیجیے۔

مکتوب اول کا حوالہ:

> مولانا! اللہ رجوع الی الحق بہتر ہے یا تمادی فی الباطل۔ مولانا ہم فقراء کو آپ کی ذات خاص سے علاقۂ نیاز ہے اور اراکین سے جدا بھی، خود اپنے نافع وفہم ناصح سے تامل فرمائیں، ان اخلاط کی مشارکت میں براہِ بشریت خطائی الفکر واقع ہوئی ہو تو رجوع الی الحق آپ جیسے علمائے کرام و سادات عظام کے زین ہے[۴۱]۔

مکتوب دوم کا اقتباس بھی ملاحظہ کیجیے جس میں مولانا سید محمد علی مونگیری کو امام ربانی کے ارشادات یاد دلا رہے ہیں۔

> ......للہ احادیث واقوال ائمہ ونصوص کتب عقائد وغیرہ ملاحظہ ہوں کہ کس قدر بدخواہی دین وسنت میں ڈوبا ہوا ہے۔ احادیث واقوال ائمہ تو اگر ضرورت دے گئی بحول اللہ تعالیٰ سبھی سن لیں گے، بالفعل آپ جیسے صوفی منش کو حضرت شیخ مجدد الف ثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ایک ارشاد یاد دلاتا ہوں اور اس سے عین ہدایت کے امتثال کی امید رکھتا ہوں۔ حضرت ممدوح اپنے مکتوبات شریفہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔
>
> ''فسادِ مبتدع زیادہ تر از فسادِ صحبتِ صد کافرست''
>
> مولانا! خدارا انصاف آپ یا زید یا اوراراکین، مصلحت دین و مذہب کو زیادہ جانتے ہیں یا حضرت شیخ مجدد؟ مجھے ہرگز آپ کی خوبیوں سے امید نہیں کہ اس ارشاد ہدایت بنیاد کو معاذ اللہ لغو و باطل جانیے اور جب وہ

حق ہے اور بے شک حق ہے تو پھر کیوں نہ مانیے''

مولانا! میں آپ کو سنی فاضل نہ جانتا تو بار بار یوں بالحاح گزارش نہ کرتا...... آخر میں بفضلہٖ تعالیٰ ایک سنی فاضل ہونے کے آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ حضرت مولانا مولوی محمد لطیف اللہ صاحب نے ندوہ کے خلاف پر مُہر فرمادی......

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۵ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ[۴۲]۔

اب ملاحظہ کیجیے امام احمد رضا کے ایک رسالہ نفی الفی کا اقتباس جس میں آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی دلیل پر جہاں بیسیوں کتب کا حوالہ دیا ہے اس میں شیخ مجدد کا بھی ذکر ہے۔

سوال۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سایہ تھا یا نہیں۔

الجواب۔

بے شک اس مہر سپہر اصطفاء، ماہِ منیر اجتباء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے سایہ نہ تھا اور یہ امر احادیث واقوال علمائے کرام سے ثابت اور اکابر ائمہ و جہاندیدہ فضلا، مثل حافظ زین محدث، و علامہ ابن سبع صاحب شفاء الصدور، و امام علامہ قاضی عیاض صاحب کتاب الشفائی تعریف حقوق مصطفیٰ، و امام عارف باللہ سیدی جلال الملۃ والدین محمد بلخی رومی قدس سرہ، و شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی، و جناب شیخ مجدد الف ثانی فاروقی سرہندی، و بحر العلوم عبدالعلی لکھنوی و شیخ الحدیث مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی وغیرہم اجلّہ فاضلین و مقتدایانِ کہ آج کل کے مدعیانِ خام کارکوان کی شاگردی بلکہ کلام سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں، خلفاً عن سلفاً دائماً اپنی تصانیف میں اس کی تصریح کرتے آئے[۴۳]۔

اسی رسالے میں آگے چل کر مکتوبات شریف کے مزید حوالے دیتے ہیں ملاحظہ کیجیے:

جناب شیخ مجدد جلد سوم مکتوبات، مکتوب صدم میں فرماتے ہیں:

اولاً صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سایہ نبود، در عالمِ شہادت سایہ ہر شخص از شخص لطیف تراست، چوں لطیف ترے از وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در عالم نباشد اورا سایہ چہ صورت دارد[۴۴]۔

آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، عالمِ شہادت میں ہر شخص کا سایہ اس سے بہت لطیف ہوتا ہے اور چونکہ جہاں بھر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی چیز لطیف نہیں ہے لہٰذا آپ کا سایہ کیونکر ہوسکتا ہے۔

نیز اسی کے آخری مکتوب ۱۲۲ میں فرماتے ہیں:

واجب راتعالیٰ چرا ظل بود کہ ظل موہم تولید مثل است ومنبیٔ از شائبہ عدم کمال لطافت اصل، ہرگاہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راازلطافت ظل نبود خدائے محمد را چگونہ ظل باشد[۴۵]۔

اللہ تعالیٰ کا سایہ کیونکر ہو، سایہ تو وہم پیدا کرتا ہے کہ اس کی کوئی مثل ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ میں کمال لطافت نہیں ہے۔ دیکھیے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لطافت کی وجہ سے سایہ نہ تھا۔ تو خدائے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ کیونکر ممکن ہے۔

امام احمد رضا خان قادری بریلوی علیہ الرحمۃ سے ایک موقع پر سوال کیا گیا کہ کیا حضرت مجدد الف ثانی نے کہیں حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی تفضیل لکھی ہے، ارشاد ہوا۔

تلك أمة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسئلون عما كانوا يعملونO

پھر فرمایا کہ مکتوبات کی اول دو جلدوں میں تو ایسے الفاظ ملیں گے ----- تیسری جلد میں فرماتے ہیں جو کچھ فیوض و برکات کا مجمع ہے وہ سب سرکار غوثیت سے ملے ہیں۔

"نور القمر مستفاد من نور الشمس"[۴۶]۔

اس میں لکھا گیا ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ جو کچھ میں نے اگلی جلدوں میں کہا ہے صحو سے کہا، نہیں بلکہ زیادہ سکر ہے۔(ف ۷)

ایک موقع پر ۱۳۰۵ھ میں مولوی حافظ شاہ سراج الحق نے دہلی سے ایک استفتاء روانہ کیا کہ کیا صلاۃ الاسرار یعنی نماز غوثیہ شرع میں جائز ہے یا نہیں، اس کے جواب میں امام احمد رضا نے ایک رسالہ تحریر فرمایا "انہار الانوار من یم صلوۃ الاسرار" (۱۳۰۵ھ)[۴۷] جس میں آپ نے جمیع سلاسل کے مشاغل پر بحث فرمائی ہے اور تمام مشاغل کو مستحسن قرار دیا ہے اس سلسلے میں آپ نے حضرت مجدد کے مشاغل کو حضرت مرزا مظہر جانجاناں کے مکتوبات سے نقل کیا ہے۔

حضرت مرزا مظہر جانجاناں لکھتے ہیں:

ختم خواجہا رضی اللہ تعالیٰ عنہم وختم حضرت مجدد رضی اللہ عنہ ہر روز بعد حلقۂ صبح لازم گیرید[۴۸]۔

ختم خواجگان اور ختم حضرت مجدد صاحب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) صبح حلقہ ذکر کے بعد ضرور کریں۔

ایک اور مکتوبات میں مرزا صاحب علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

ختم حضرت خواجہا ختم حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہم نیز اگر یاراں جمع آیند بعد از حلقۂ صبح براں مواظبت نمایند کہ از معمولات مشائخ ست وفائدہ بسیار و برکت بے شمار دارد[۴۹]۔

ختم خواجگان وختم حضرت مجدد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہم صبح کے حلقہ ذکر کے بعد پابندی سے کریں کیونکہ یہ مشائخ کے معمولات میں سے ہے بہت مفید اور بابرکت ہے۔

اعلیٰ حضرت آگے چل کر صلاۃ الاسرار کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

خیر صلاۃ الاسرار شریف تو ایک عمل لطیف ہے کہ مبارک بندہ اپنے حصول اغراض و دفع کے لیے پڑھتا ہے۔ مزاج پُرسی ان حضرات کی ہے جو خاص امور ثواب وتقرب الارباب میں جو محض اس نیت سے کیے جاتے

ہیں۔ ہمیشہ تجدید و اختراع کو جائز مانتے اور ان محدثات کو ذریعہ وصولی الی اللہ جانتے ہیں وہ کون۔ شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، مرزا مظہر جانجاناں، شیخ مجدد الفِ ثانی......وغیرھم جنہیں منکرین بدعتی و گمراہ کہیں تو کس کے ہو کر رہیں [۵۰]۔

اعلیٰ حضرت ''طریقۂ نو'' نئے طریقہ (بدعتِ حسنہ) سے متعلق حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا ایک اور حوالہ مرزا مظہر جانجاناں کے ملفوظات سے پیش کرتے ہیں ملاحظہ کیجیے:

حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ طریقۂ نو بیان نمودہ و مقامات و کمالات طریقۂ خود بسیار تحریر فرمودہ و دراں مقامات، ہیچ شبہہ نیست کہ باقرار ہزاراں علماء و عقلاء بتواتر رسیدہ [۵۱]۔

حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نئے طریقے بیان فرمائے ہیں اور اپنے طریقۂ کمالات و مقامات کو خوب بیان فرمایا ہے، ان مقامات میں کوئی شک و شبہہ نہیں کیونکہ ہزاروں علماء و عقلا نے اس کی تصدیق فرمائی اور جو تواتر کو پہنچی ہے۔

فتاوٰی رضویہ جلد نہم سے بھی ایک حوالہ نقل کر رہا ہوں کہ جس میں امام اہلسنت مجدد دین وملت سے کئی سوال کیے گئے ان میں دو مندرجہ ذیل تھے:

نمبر ۵۔ حضرت غوث پاک قدس سرہ کو دستگیر کہنا جائز ہے یا نہیں؟

نمبر ۶۔ حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ کو غریب نواز کے لقب سے پکارنا جائز ہے یا نہیں؟

آپ نے جواب میں بہجۃ الاسرار شریف کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور دستگیر ہیں اور حضرت سلطان الہند معین الحق والدین ضرور غریب نواز......میں نے اپنے مولا حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارہا فرماتے سنا کہ میرے بھائی حسین حلاج کا پاؤں پھسلا ان کے وقت کوئی ایسا نہ تھا کہ ان کی دستگیری کرتا، اس وقت میں ہوتا تو ان کی دستگیری کرتا اور

میرے اصحاب اور میرے مریدوں اور مجھ سے صحبت رکھنے والوں میں قیامت تک جس سے لغزش ہوگی میں اس کا دستگیر ہوں......(بروایت ابوالقاسم عمر بزاز بحوالہ الاسرار شریف از ابوالحسن نورالدین)[۵۱]۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:۔

بعد از رحلت ارشاد پناہی روزِ عید بزیارت مرزا ایشاں رفتہ بود در اثنائے توجہ بمزار متبرک التفات تمام از روحانیتِ ایشاں ظاہر گشت واز کمال غریب نوازی نسبتِ خاصہ خود را کہ بحضرت خواجہ احرار منسوب بود رحمت فرمودند[۵۲]۔

حضرت کے وصال کے بعد عید کے دن آپ کے مزار شریف کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ مزار شریف کی طرف توجہ کے دوران، آپ کی روحانیت کی پوری پوری توجہ ظاہر ہوئی اور آپ نے کمال غریب نوازی سے اپنی خاص نسبت جو خواجہ احرار سے منسوب تھی، عطا فرمائی۔

آخر میں امام احمد رضا کے ایک حاشیہ کا حوالہ دے رہا ہوں جو آپ نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی کتاب ''تکمیل الایمان'' پر لگایا تھا اس فارسی کتاب کو پیرزادہ مولانا اقبال احمد فاروقی صاحب نے ترجمہ فرمایا ہے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسمانی معراج کے سلسلے میں کئی حوالے دیے ان میں امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مکتوبات شریفہ کے بھی دو حوالے ہیں ملاحظہ کیجیے۔ اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ مکتوبات حضرت شیخ مجدد الف ثانی جلد اول مکتوب ۲۸۳ میں ہے:

آں سرور علیہ الصلاۃ والسلام دراں شب از دائرہ امکاں و زماں بیروں جست واز تنگی امکان برآمدہ ازل وابد را آں واحد یافت و بدایت و نہایت را در یک نقطہ متحد دید[۵۳]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس رات کو زماں و مکاں کے دائرے سے پلک جھپکتے باہر تشریف لے آئے اور عالم امکان کی تنگی سے باہر آ کر ازل

وابد کو ایک جگہ پایا اور ابتداء وانتہا کو ایک نقطہ میں یکجا دیکھا۔

نیز جلد اول مکتوب ۲۷۲ میں ہے:

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین ست و بہترین موجودات اولین وآخرین بدولتِ معراج بدنی مشرف شد۔

آپ اولین و آخرین کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ آپ جسمانی معراج کی دولت سے مشرف ہوئے اور عرش وکرسی سے گزر کر مکان وزماں سے بھی اوپر تشریف لے گئے۔

آخر میں امام احمد رضا محدث بریلوی کی ایک کتاب بعنوان ''التاب التہانی فی مناقب مجدد الف ثانی'' ۵۵ کا حوالہ دینا چاہوں گا جس میں یقیناً حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مناقب بیان ہوئے ہوں گے مگر افسوس کہ یہ کتاب آج موجود نہیں ہے البتہ اس کتاب کا اشتہار بریلی شریف سے چھپنے والی کتاب ''الامن والعلیٰ'' کے بیک ٹائٹل پر چھپا ہے کاش یہ کتاب دوبارہ شائع ہو جائے تا کہ مقام مجدد الف ثانی جو امام احمد رضا کی نظر میں تھا اس سے اہلِ طریقت آشنا ہو سکیں۔

☆......☆......☆

حواشی:

(ف۱)......ملا کمال الدین لاہور بہت مدت تک لاہور میں اور پھر سیالکوٹ میں مسند تدریس وتلقین پر متمکن رہے۔ شیخ احمد سرہندی اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی ان کے ارشد تلامذہ میں ہیں آپ کا لاہور میں ۱۰۱۷ھ/۱۶۰۸ء میں انتقال ہوا (تذکرہ علمائے ہند ص ۴۰۱)۔

(ف۲)......شیخ یعقوب صرفی کشمیری نے شیخ ابن حجر مکی سے سند حدیث حاصل کی اور مروجہ علوم مولانا محمد شاہ آنی سے حاصل کیے۔ آپ کا وصال ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۵ء میں ہوا۔ آپ نے شرح بخاری کے علاوہ کئی کتب تحریر فرمائیں۔ (تذکرہ علمائے ہند، ص ۵۵۲)۔

(ف۳)......حضرت شاہ کمال کیتھلی قادری ۸۹۵ھ/۱۴۸۹ء میں بغداد میں سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ۲ ویں پشت میں پیدا ہوئے۔ علوم ظاہریہ کے بعد مدتوں صحراؤں میں عبادتیں اور ریاضتیں کیں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا خرقہ خاص اپنے صاحبزادے سیدنا عبدالرزاق قدس سرہ، کو سونپا تھا۔ پھر یہ خرقہ حضرت

شاہ کمال کیتھلی قادری تک پہنچا اور پھر یہ آپ کے نبیرہ و خلیفہ حضرت شاہ سکندر کیتھلی (م ۱۰۲۵ھ/ ۱۶۱۶ء) کو ملا جنہوں نے حضرت مجدد الف ثانی کو اس سے سرفراز فرمایا اور سلسلہ قادریہ کی خلافت بھی عطا کی۔
حضرت شاہ کمال کیتھلی قادری حضرت شاہ فُضیل قادری (م ۹۷۹ھ) کے مرید خاص تھے۔ آپ نے ہندوستان کے سفر میں سرہند میں حضرت مجدد الف ثانی کے بزرگوار حضرت شیخ عبدالاحد کو سلسلہ قادریہ میں بیعت فرمایا اور خلافت بھی دی (تذکرہ مشائخ قادریہ از محمد دین کلیم قادری، ص۔ ۱۳۱، ۱۳۸)۔

(ف ۴)...... حضرت شاہ غلام علی ۱۱۵۸ھ میں پٹیالہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ حضرت مظہر جانجاناں سے سلسلہ نقشبندیہ میں مرید ہوئے اور تکمیل سلوک کے بعد چاروں سلاسل میں اجازت وخلافت حاصل کی۔ آپ کثیر السلاسل تھے آپ کے خلفا کی تعداد ہزاروں تھی۔ بعض علماء نے آپ کو ۱۳ اویں صدی کا مجدد بھی کہا ہے۔ آپ کا وصال ۲۲ صفر المظفر ۱۲۴۰ھ میں ہوا۔ (تذکرہ علماء اہلسنت از مولانا محمود احمد قادری، ص۔ ۱۹۲، ۱۹۳)۔

(ف ۵)...... قاضی محمد ثنا اللہ پانی پتی جامع علوم ونقلیہ تھے اور فقہ میں مقام اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ احادیث شاہ ولی اللہ سے سماعت کیں جب کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی آپ کو "بیہقی وقت" کہا کرتے تھے۔ حضرت مرزا مظہر جانجاناں سے بیعت وخلافت حاصل کی۔ آپ کے پیرومرشد آپ کو "علم الہدٰی" پکارتے تھے۔ حضرت پانی پتی نے کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں مگر اپنی تفسیر مظہری (بزبان عربی) اپنے پیرومرشد کے نام پر منسوب کی اور یہ تفسیر ۷ جلدوں پر مشتمل ہے اس کے باعث صاحب تفسیر کی حیثیت سے بہت مشہور ہوئے۔ (حدائق الحنفیہ از فقیر جہلمی ص ۴۸۳۔ ۴۸۴)۔

(ف ۶)...... حافظ محمد کاظم علی خان مولانا شاہ احمد انوار الحق فرنگی محلی (م ۱۲۳۶ھ) لکھنوی سے بیعت تھے اور ان سے خلافت واجازت بھی سلسلہ قادریہ میں حاصل تھی۔ آپ کے دادا مرشد یعنی شاہ احمد انوار الحق کے والد ماجد اور شیخ طریقت مولانا شاہ احمد عبدالحق فرنگی محلی قادری (م ۱۱۶۷ھ) شاہ عبدالرزاق بانسوی قادری سے بیعت تھے۔
(اسی نسبت کے باعث مولانا حافظ کاظم علی خان اپنے نام کے ساتھ قادری رزاقی لکھا کرتے تھے)۔
(تذکرہ علماء ہند، ص۔ ۹۳)

(ف ۷)...... امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے اس کی تفصیل حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات شریف کی جلد سوم کے مکتوب نمبر ۱۲۱ میں موجود ہے۔ جو حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے خلفیہ خواجہ حسام الدین علیہ الرحمۃ کے نام بعض استفسارات کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔ یہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے بعض شطحیات کے متعلق ہیں جن کا مخالفین نے بہت چرچا کیا تھا۔ ایک سوال کا تعلق مسئلہ صحو وسکر سے بھی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اس مسئلے پر اپنے موقف کی وضاحت فرماتے ہوئے اس مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

میرے مخدوم! جو بھی اس قسم کی باتیں لکھتا ہے وہ سکر کی وجہ سے لکھتا ہے اور سکر کی آمیزش کے بغیر اس نے قلم نہیں اٹھایا...... خلاصہ کلام یہ کہ سکر کے بھی بہت سے مراتب ہیں۔ جس قدر سکر زیادہ ہوگا اتنی ہی شطح زیادہ ہوگی۔ بسطامی کا سکر ہے کہ ان سے بے تحاشا قول **لوائی ارفع من لواء محمد** (میرا جھنڈا حضرت محمد کے جھنڈے سے زیادہ بلند ہے) صادر ہوا۔ لہٰذا جو بھی صحو رکھتا ہو اس کے متعلق یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے ساتھ سکر نہیں ہے کہ وہ عین قصور ہے، کیونکہ صحو خالص عوام کا حصہ ہے، جس نے بھی صحو کو ترجیح دی ہے اس کی مراد غلبۂ صحو ہے نہ کہ خالص صحو۔ اور اسی طرح جو سکر کو ترجیح دیتا ہے اس کی مراد غلبۂ سکر ہے نہ کہ خالص سکر، کہ وہ آفت ہے حضرت جنید قدس سرہ اربابِ صحو کے رئیس ہیں اور صحو کو سکر پر ترجیح دیتے ہیں ان کی بہت سی عبارتیں سکر آمیز ہیں جن کا شمار کرنا مشکل ہے مثلاً وہ فرماتے ہیں **ھو العارف والمعروف** (وہی عارف اور وہی معروف ہے) اور یہ بھی فرمایا **لون الماء لون انائه** (پانی کا رنگ اس کے برتن کا رنگ ہے) نیز فرماتے ہیں **المحدث اذا قرن بالقدیم لم یبق له اثر** (حادث جب قدیم کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس کا اپنا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور صاحب عوارف جو اربابِ صحو میں کامل ترین ہیں اپنی کتاب (عوارف المعارف) میں اس قدر سکر یہ معارف لکھے ہیں کہ ان کی شرح کیا بیان کی جائے...... اس فقیر نے ایک صفحہ میں آں قدس سرہ کے معارف سکر یہ جمع کیے ہیں وہ سکر ہی کی باقیات میں سے ہیں انہوں نے اسرار کو ظاہر کرنا جائز رکھا ہے اور یہ سکر ہی ہے جس کی وجہ سے وہ فخر و مباہات کرتے ہیں اور یہ سکر ہی ہے کہ وہ اپنے آپ پر فضیلت دیتے ہیں، اگر صحو خالص ہوتا تو اسرار کا افشا کرنا اس مقام میں کفر ہوتا، اور خود کو دوسروں سے بہتر جاننا شرک ہوتا۔ اور صحو کی حالت میں سکر یہ باتیں کھانے میں نمک کی مانند ہیں جو کھانے لذیذ کرتا ہے، اگر نمک نہ ہو تو کھانا معطل اور بے کار ہو جاتا ہے۔

گر عشق نبودے و غم عشق نبودے
چندیں سخنِ تغفرکہ گفتے کہ شنودے

(ترجمہ)

گر عشق نہ ہوتا تو نہ غمِ عشق ہی ہوتا
ایسی پیاری باتیں کون کہتا، کون سنتا؟

صاحب عوارف المعارف قدس سرہ حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہ کے اس قول کو **قدمی ھذہ علی رقبته کل ولی** (میرے یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہیں) بقیہ سکر پر ہی محمول کیا ہے اس لیے ان کی مراد اس قول قصور نہیں ہے جیسا کہ وہم کیا گیا ہے کہ وہ عین ان کی مدحت اور تعریف کی ہے بلکہ واقع بیان کیا ہے یعنی اس قسم کی باتوں کا صادر ہونا جو کہ مباہات و افتخار پر مبنی ہوں بغیر سکر کے ثابت نہیں ہیں۔ کیونکہ صحو خالص میں اس قسم کی باتوں کا سرزد ہونا دشوار ہے...... اس فقیر نے جو یہ تمام دفاتر اس طائفۂ عالیہ میں کے علوم اسرار کے بیان میں لکھے ہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی خاطر شریف میں خیال گزرے گا کہ وہ صحو خالص کی رو سے سکر کی آمیزش کے بغیر لکھے گئے

ہیں، حاشا وکلا (ہرگز ایسا نہیں ہے) کہ وہ حرام اور منکر ہیں اور سخن بافی (باتیں بنانا) ہے، باتیں بنانے والے جو صحو خالص سے متصف ہیں بہت ہیں۔ وہ اس قسم کی باتیں کیوں نہیں بناتے اور لوگوں کے دلوں کو اصلاح کی طرف مائل کیوں نہیں کرتے۔

فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصہ غریب و حدیثِ عجیب ہست
نہیں بیہودہ ہے حافظ کی فریاد
کہانی ہے عجیب و خانہ برباد

میرے مخدوم! اس قسم کی باتیں جو افشائے راز پر مبنی ہوتی ہیں اور ظاہر کی طرف سے مصروف اور پھری ہوئی معلوم ہوتی ہیں ہر وقت مشائخ طریقت قدس اللہ تعالی امراء ہم سے ظہور میں آتی رہتی ہیں اور ان بزرگوں کی دائمی عادت بن گئی ہے۔ کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جس کی ابتدا اس فقیر نے کی ہو اور اس کی اختراع کی ہو۔ لیس **ھذا اول قارورۃ کسرت فی الاسلام** (یہ کوئی پہلا شیشہ نہیں ہے جو اسلام میں توڑا گیا ہے) لہٰذا یہ تمام شور وغوغا کیسا ہے۔ اگر کوئی ایسا لفظ صادر ہو گیا ہے جو ظاہر علومِ شرعیہ سے مطابقت نہیں رکھتا تو اس کو تھوڑی سی توجہ سے ظاہر سے پھیر کر شریعت کے مطابق بنا دینا چاہیے اور ایک مسلمان پر تُہمت نہیں لگانی چاہیے فاحشہ کو رسوا کرنا اور فاسق کو خوار کرنا جب شریعت میں حرام اور منکر ہے تو ایک مسلمان کا محض شبہہ کی بنیاد پر رسوا کرنا کہاں تک مناسب ہے اور شہر بشہر اس کی منادی کرانا کونسی دین داری ہے۔

مسلمانی اور مہربانی کا طریقہ تو یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسا کلمہ صادر ہو جو بظاہر علومِ شرعیہ کے مخالف ہو تو دیکھنا چاہیے کہ اس کا کہنے والا کون ہے اگر مُلحد وزندیق ہے تو اس کا رد کرنا چاہیے اور اس کی اصلاح کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، اور اگر اس کا کہنے والا کوئی مسلمان ہے اور خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہے تو اس کے بیان میں اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے اور اس کے صحیح محمل (صحیح معنی) پیدا کرنا چاہیے، یا اس کے کہنے والے سے اس کا حل طلب کرنا چاہیے۔ اگر وہ اس کے حل میں عاجز ہو تو اس کو نصیحت کرنی چاہیے اور نرمی کے ساتھ **امر بالمعروف و نھی عن المنکر** کرنا چاہیے کیونکہ وہ اجابت وقبولیت کے نزدیک ہے۔ اور اگر مقصود تسلیم کرانا نہ ہو اور صرف رسوا کرنا مطلوب ہو تو دوسری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

(مکتوب امام ربانی، جلد سوم، (ترجمہ اردو) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء، ص۔ ۲۷۵۔ ۲۷۷)۔

الحاصل اگر ہر سلسلے کے وابستگان اکابر سلاسل طریقت کے بارے میں یہ محتاط روش اختیار کریں جس کی طرف حضرت شیخ مجدد نے ارشاد فرمایا ہے تو کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو۔

☆......☆......☆

مآخذ ومراجع:

۱......سید قاسم محمود "اسلامی انسائیکلو پیڈیا" ص۔۱۳۱۲، شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی
۲......پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد "حضرت مجدد الف ثانی" ص ۲۷۔۲۹، ادارہ مسعودیہ، کراچی
۳......حضرت مجدد الف ثانی "مکتوبات شریف" دفتر سوم مکتوب نمبر ۸۷
۴......ڈاکٹر محمد مسعود احمد "حضرت مجدد الف ثانی" ص۔۱۰۹ مطبوعہ کراچی
۵......حضرت مجدد الف ثانی "مکتوبات شریف" حصہ سوم، مکتوب ۱۶۳
۶......ڈاکٹر محمد مسعود احمد "حضرت مجدد الف ثانی" ص۔۱۰۹۔۱۱۰، مطبوعہ کراچی
۷......ایضاً ص۔۱۱۴
۸......حضرت مجدد الف ثانی "مکتوبات شریف" مکتوب نمبر ۱۹۵
۹......مولوی محمد منظور نعمانی "تذکرہ مجدد الف ثانی" ص۔۱۴۷، مطبوعہ انڈیا
۱۰......ڈاکٹر محمد مسعود احمد "حضرت مجدد الف ثانی" ص۔۱۱۰، مطبوعہ کراچی
۱۱...... The Encyclopedia Of Religion And Ethic P.748
T.W. Arnold. 1956
۱۲...... T.W. Arnold Preaching Of Islam P.412.
۱۳......مفتی غلام سرور لاہوری "خزینۃ الاصفیا" جلد سوم، ص۔۱۵۹ مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۹۴ء
۱۴......حضرت مجدد الف ثانی "مکتوبات شریف" جلد سوم مکتوب ۴۳
۱۵......مولوی رحمان علی "تذکرہ علمائے ہند" مترجم ڈاکٹر ایوب قادری، ص۔۲۸۱ مطبوعہ کراچی
۱۶......مولوی فقیر احمد جہلمی "حدائقۃ الحنفیہ" ص۔۴۳۵ مطبوعہ لاہور
۱۷......ایضاً ص۔۳۶۴
۱۸......مولوی رحمان علی "تذکرہ علمائے ہند" مترجم ڈاکٹر ایوب قادری، ص۔۴۹۶ مطبوعہ کراچی
۱۹......شاہ غلام علی "مکاتیب شریف" ص۔۵ مکتوب اول مطبوعہ لاہور
۲۰......علامہ قاضی محمد ثناء اللہ مجددی پانی پتی "تفسیر مظہری" جلد اول دیباچہ، ص۔۶۔۷ مطبوعہ کراچی
۲۱......ایضاً "ارشاد الطالبین" ص۔۶۳ مطبوعہ لاہور
۲۲......محمد صادق قصوری و مجید اللہ قادری "خلفائے اعلیٰ حضرت" ص۔۳۱۱ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۹۲ء
۲۳......مولانا محمد ظفر الدین قادری بہاری "۱۴ ویں صدی کے مجدد" ص۔۴، ۴۱ مطبوعہ کراچی
۲۴......ایضاً ص۔۵۰
۲۵......امام احمد رضا خان قادری "مکتوبات امام احمد رضا" ص۔۹۰ مطبوعہ لاہور

۲۶......ڈاکٹر محمد مسعود احمد ''حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال'' ص۔۱۳ مطبوعہ سیالکوٹ
۲۷......سید قاسم محمود ''اسلامی انسائیکلو پیڈیا'' ص۔۱۳۱۳ مطبوعہ، کراچی
۲۸......مجید اللہ قادری ''امام احمد رضا اور علماء ڈیرہ غازی خاں'' ص۔۱۳ مطبوعہ ڈیرہ غازی خاں
۲۹......امام احمد رضا خان قادری ''الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی'' ص۔۴ (قلمی)
۳۰......مولوی محمد رحمان ''تذکرہ علمائے ہند'' مترجم ڈاکٹر ایوب قادری ص۔۹۴ مطبوعہ کراچی
۳۱......مجید اللہ قادری ''امام احمد رضا اور علماء ریاست بہاولپور'' ص۔۹ مطبوعہ کراچی ۱۹۹۶ء
نوٹ: مولانا محمد شہاب الدین نے ''مسند افتا'' کی بنیاد ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء لکھی ہے
(مولانا نقی علی خان مؤلف شہاب الدین، ص۔۲۹ مطبوعہ لاہور)
۳۲......مجید اللہ قادری ''قرآن، سائنس اور امام احمد رضا'' ص۔۷ امطبوعہ کراچی
۳۳......مولانا نقی علی خان بریلوی ''تفسیر الم نشرح'' تعارف مفسر مولانا احمد رضا خان بریلوی، ص۔(ز) مطبوعہ انڈیا
۳۴......امام احمد رضا خان قادری ''الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ'' مشمولہ رسائل رضویہ جلد دوم، ص۔۳۱۹ مطبوعہ لاہور
۳۵......ایضاً
۳۶......مولانا محمد ظفر الدین قادری ''۱۴ ویں صدی ہجری کے مجدد'' ص۔۵۶ مطبوعہ کراچی
۳۷......ایضاً ص۔۶۵، ۶۷
۳۸......ڈاکٹر محمد مسعود احمد ''امام احمد رضا اور عالم اسلام'' ص۔۱۳، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۸۳ء
۳۹......امام احمد رضا خان قادری ''اظہار الحق الجلی'' ص۔۲۴، ۲۵ مطبوعہ لاہور
۴۰......''فتاوٰی رضویہ'' جلد ۱۲، ص۔۲۳ رضا اکیڈمی بمبئی انڈیا ۱۹۹۷ء
۴۱......''مکتوبات امام احمد رضا بریلوی'' ص۔۸۸، مطبوعہ لاہور
۴۲......ایضاً ص۔۹۰۔۹۱
۴۳......نفی الفیٔ عمن استنار بنورہ کل شیٔ'' ص۳۔۴ مشمولہ مجموعہ رسائل، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۸۵ء
۴۴......ایضاً ص۔۱۳ ۴۵......ایضاً ص۔۱۳
۴۶......''ملفوظات'' مرتبہ مولانا محمد مصطفیٰ رضا بریلوی حصہ سوم، ص۔۳۲۳، ۳۲۴ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۴۷......فتاوٰی رضویہ جلد سوم، ص۔۵۲۰ مطبوعہ کراچی
۴۸......فتاوٰی رضویہ (جدید ایڈیشن) جلد ہفتم، ص۔۶۲۴ رضا فاؤنڈیشن لاہور
۴۹......ایضاً ص۔۶۲۴
۵۰......فتاوٰی رضویہ جلد سوم، ص۔۵۴۵، ۵۴۶ مطبوعہ کراچی
۵۱......فتاوٰی رضویہ (جدید ایڈیشن) جلد ہفتم، ص۔۶۲۷ رضا فاؤنڈیشن لاہور

۵۲......فتاوٰی رضویہ جلد نہم، ص۔۹۔۱۰ مطبوعہ کراچی
۵۳......شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''تکمیل الایمان'' محشی امام احمد رضا مترجم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ص۔۱۴۶ مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۰ء
۵۴......ایضاً ص ۱۴۶۔۱۴۷
۵۵......غلام مصطفٰی مجددی ''مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا بریلوی'' ص۔۲۴ مطبوعہ لاہور

☆......☆......☆

تاجدارِ نقشبند

ابوالارشد محمد حفیظ نقشبندی مجددی

☆☆

صدرِ بزمِ عارفاں ہیں تاجدارِ نقشبند — رہنمائے سالکاں ہیں تاجدارِ نقشبند
دستگیرِ بے کساں ہیں تاجدارِ نقشبند — چارۂ بے چارگاں ہیں تاجدارِ نقشبند
ناز جن و انس کو ہی شاہِ والا پر نہیں — نازشِ کرّوبیاں ہیں تاجدارِ نقشبند
کیوں نہ ہو ہم کو میسر دولتِ صبر و سکوں — جب قرارِ قلب و جاں ہیں تاجدارِ نقشبند
شاملِ خدام کتنے غوث ہیں ابدال ہیں — خواجۂ کُل خواجگاں ہیں تاجدارِ نقشبند
جو زباں سے کہہ دیا اللہ نے ویسا کردیا — کس قدر معجز بیاں ہیں تاجدارِ نقشبند
کیوں نہ پہنچیں نقشبندی منزلِ مقصود پر — جب امیرِ کارواں ہیں تاجدارِ نقشبند
سالِ رحلت اُن کا نکلا خوب ''قصرِ عارفاں'' — عازمِ باغِ جناں ہیں تاجدار نقشبند
(۷۹۱ھ)
ہے بلندی پر حفیظ نقشبندی کا نصیب — جب سے اس پر مہرباں ہیں تاجدار نقشبند

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدهٗ ونصلی علٰی رسوله الکریم

حضرت امام احمد رضا اور حضراتِ نقشبندیہ

صاحبزادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد

☆☆

(۱)

اس وقت اہلسنت و جماعت میں انتشار پیدا کرنے کے لیے دشمنانِ اسلام سرگرم عمل ہیں کیونکہ اہلسنت و جماعت دنیا کی ایک عظیم قوت ہیں...... بعض لوگ حضرات نقشبندیہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے دل میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی اور معاذ اللہ وہ حضرات نقشبندیہ سے خلش رکھتے تھے...... یہ بات حقائق وشواہد کے سراسر خلاف ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل حقیقت کو پیش کر دیا جائے تا کہ کوئی گمراہ کرنے والا گمراہ نہ کر سکے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے خاندان کا تعلق افغانستان کے شہر قندھار کے بڑھیچ قبیلہ سے تھا۔ افغانستان سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا عظیم گہوارہ رہا ہے، یہاں حضرات نقشبندیہ عظیم قوت تھے، اس لیے اسلام دشمن قوتوں نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے عظیم مرکز قلعہ جواد کو پامال کر کے حضرات نقشبندیہ کو دربدر کر دیا لیکن دشمنانِ اسلام خود بھی تباہ و برباد ہو کر رہ گئے...... افغانستان میں بدعقیدگی کا نام ونشان تک نہ تھا لیکن اب عالمی قوتوں کی سازشوں سے بدعقیدگی داخل ہوگئی ہے، جس نے مسلسل انتشار پیدا کر رکھا ہے...... اللہ تعالیٰ پھر افغانستان میں حضرات نقشبندیہ کو ایک عظیم قوت بنائے۔ آمین!

امام احمد رضا کے اجداد نے سلطنت مغلیہ سے وابستہ رہ کر قابلِ قدر فوجی خدمات انجام دیں......[۱] امام احمد رضا کے جدامجد مولانا محمد رضا علی خان علیہ الرحمۃ نے انقلاب ۱۸۵۷ء میں بھرپور حصہ لیا اور جہاد میں پورا پورا تعاون کیا[۲]۔ ...... انگریزوں نے آپ کی سرگرمیوں سے پریشان ہو کر آپ کے سر کی قیمت مقرر کی[۳]۔ ...... مولانا محمد رضا علی خان علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۲۸۲ھ/۶۶-۱۸۶۵ء) سلسلہ عالیہ نقشبندیہ

سے تعلق رکھتے تھے اس کا اظہار خود امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ''الزلال الانقی'' میں کیا ہے[۴]۔
امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے اس رسالے میں جس تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے جد امجد مولانا رضا علی خان نقشبندی علیہ الرحمۃ کا ذکر فرمایا ہے اس سے ایک طرف امام احمد رضا کے دل میں جد امجد کی کمال محبت و تعظیم کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے ان کی نسبت خاص کی تکریم کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ یہ القاب و آداب ملاحظہ فرمائیں:

ابن العارف، السید الغطریف، شمس التقی، بدر النقی، نجم الهدیٰ، علامته الوری، ذی البرکاة المتکاثره، والکرامات المتواتره، والترقیات الرفیعه، والزلات البدیعه، و قلت فی شانه راجیابا حسانه':

اذا لم یکن فضل فما النفع بالنسب؟
وهل یصطفی خبث وان کان من ذهب
ولکننی ارجوالرضا منک یارضا
و انت علی فاز ولی عالی الرتب

حصنی وحرزی، وذخری و کنزی، ذی القدر السنی، والفخر السمی، مولینا المولوی محمد رضا علی خان النقشبندی، قدس الله سره[۵]۔

ڈاکٹر محمد اقبال نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو Dynamic یعنی حرکی قرار دیا ہے[۶]...... وہ خود سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے لیکن ان کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے فیض ملا۔ اس کا اظہار انہوں نے اپنی تصانیف میں کیا ہے[۷]......حال ہی میں ایک قلم کار سید صابر حسین شاہ صاحب نے یہ انکشاف کیا ہے کہ قائد اعظم محمد علی جناح سنی حنفی تھے۔ ان کے آباؤ اجداد پنجاب سے تعلق رکھتے تھے اور سرہند شریف میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے دربار میں حاضری کو ضروری سمجھتے تھے[۸]......شاید قائد اعظم محمد علی جناح کی زندگی میں حرکیت اجداد کے اس تعلق کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو اور غالباً یہی وجہ تھی کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے ممتاز پیشوا پیر سید جماعت علی شاہ، علی پوری سے قائد اعظم کا خصوصی تعلق تھا[۹]

......قائداعظم تحریک پاکستان کے سلسلے میں میرے جدامجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی شاہی امام مسجد فتحپوری، دہلی کی خدمت میں حاضر ہوے، قائداعظم کا جلوس جب کبھی فتحپوری مسجد کے آگے سے گزرتا تو وہ کھڑے ہوجاتے، جب تک مسجد نظروں سے اوجھل نہ ہوجاتی۔ اس سے بھی ان کے دل میں سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کے احترام کا اندازہ ہوتا ہے۔

بہرحال عرض یہ کرنا تھا کہ سلسلہ نقشبندیہ حرکی ہے۔ امام احمد رضا کے جدامجد مولانا محمد رضا علی خان علیہ الرحمۃ نے اسی لیے جہاد میں حصہ لیا...... آج جن ممالک میں آزادی کی تحریکیں چل رہی ہیں وہاں مجاہدین میں کثرت سے نقشبندی حضرات ہیں مثلاً۔ بوسینیا، چیچینیا، یوگوسلاویہ وغیرہ۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ امام احمد رضا کے جدامجد مولانا محمد رضا علی سلسلہ نقشبندیہ سے وابستہ تھے خود امام احمد رضا کو بھی سلسلہ نقشبندیہ علائیہ میں اجازت وخلافت حاصل تھی [10]...... امام احمد رضا کے جلیل القدر خلیفہ مفتی محمد ضیاءُالدین مدنی علیہ الرحمۃ کے جداعلیٰ اور اپنے وقت کے عظیم فاضل علامہ محمد عبدالحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمۃ [11] نے سب سے پہلے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے قافلہ سالار حضرت شیخ احمد سرہندی کو ''مجدد الالف الثانی'' تحریر فرمایا [12] چنانچہ بقول شیخ محمد عارف قادری ضیائی زید مجدہ، حضرت مفتی محمد ضیاءُالدین مدنی رحمتہ اللہ علیہ اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر فرماتے تھے:

حضرت مجدد الف ثانی تو ہمارے سر کے تاج ہیں،
حضرت مجدد الف ثانی تو ہمارے سر کے تاج ہیں [13]۔

(۲)

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے امام احمد رضا کا سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے تعلق تھا اور وہ حضرات نقشبندیہ کو قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کے مشہور دارالعلوم منظر اسلام کے صدر مدرس مولانا محمد ظہورالحسین علیہ الرحمۃ نقشبندی مجددی تھے اور دارالعلوم سے جاری ہونے والی سندات پر ان کے دستخط ہوتے تھے اور وہ بالالتزام ''نقشبندی مجددی'' لکھا کرتے تھے [14]...... سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے تعلق خاطر کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے رسائل [15]، فتاوی رضویہ میں اور اپنے مکتوبات شریف میں کئی جگہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا ذکر فرمایا ہے......

امام احمد رضا نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مکتوبات شریف کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا

چنانچہ ایک مکتوب میں اپنے دوست اور مشہور ومعروف عالم مولانا محمد علی مونگیری نقشبندی مجددی کو کس درد وسوز سے لکھتے ہیں:

بالفعل آپ جیسے صوفی صافی کو حضرت شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا ایک ارشاد یاد دلاتا ہوں اور اس عین ہدایت کے امتثال کی امید رکھتا ہوں حضرت ممدوح اپنے مکتوبات شریفہ میں فرماتے ہیں، وفساد مبتدع زیادہ تر از فساد صحبت صد کافر است، (یعنی بدعتی کا فتنہ سیکڑوں کافروں کی صحبت کے فتنہ سے زیادہ بدتر ہے)۔مولانا، خدارا انصاف آپ یا زید یا اور اراکین (ندوۃ العلماء) مصلحتاً دین ومذہب کو زیادہ جانتے ہیں یا حضرت شیخ مجدد، مجھے ہرگز آپ کی خوبیوں سے امید نہیں کہ اس ارشاد ہدایت بنیاد کو کہ معاذ اللہ باطل جانیے اور جب وہ حق ہے اور بے شک حق ہے تو کیوں نہ مانیے[16]۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا امام احمد رضا علیہ الرحمۃ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے ارشادات کو علماء کے لیے بھی واجب العمل قرار دے رہے ہیں اور کس درد وسوز سے اس پر عمل کرنے کی التجا فرما رہے ہیں......

امام احمد رضا، فتاوٰی رضویہ (جلد سوم) میں ایک مشہور ومعروف نقشبندی بزرگ مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظات کے حوالے سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مکتوبات شریف سے یہ دو اقتباسات پیش کرتے ہیں:

ختم خواجہا رضی اللہ تعالیٰ عنہم وختم حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر روز بعد حلقۂ صبح لازم گیرید[17]۔

ختم خواجگان اور ختم حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہم صبح حلقۂ ذکر کے بعد ضروری کریں۔

ختم حضرت خواجہا وختم حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہم نیز اگر یاراں جمع آیند بعد از حلقہ صبح براں مواظبت نمایند کہ از معمولاتِ مشائخ است

وفائدہ بسیار و برکت بے شمار دارد[18]۔

ختم خواجگان اور ختم حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہم صبح کے حلقۂ ذکر کے بعد پابندی سے کریں کیونکہ یہ مشائخ کے معمولات میں سے ہے، بہت مفید اور بابرکت ہے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تعلیمات سے بہت متاثر تھے چنانچہ دونوں کی دینی اور تبلیغی مساعی میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔

(۱)......حضرت مجدد الف ثانی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت کو ایمان کی اساس قرار دیتے ہوئے آپ کے وسیلہ کے بغیر اللہ تک رسائی محال قرار دی۔ چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے کے بغیر کسی کو مطلوب تک وصول محال ہے[19]۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت کا جو صور پھونکا اور مردہ دلوں کو زندہ کیا، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

(۲)......حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اتباعِ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت زور دیا ہے اور ساری عمر احیاءِ سنت کے لیے کوشش فرمائی، امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے بھی احیاءِ سنت کے لیے بھرپور کوشش فرمائی اور یہ کہنا کہ آپ نے بدعات کو فروغ دیا حقائق کے سراسر خلاف ہے۔

(۳)......حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے بدعات کے خلاف سخت جدوجہد کی......امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے بھی بدعات کے خلاف سخت جدوجہد کی۔[20]......اہلسنت میں جو بعض بدعات رائج ہیں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

(۴)......حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اکبری دور میں جب کہ سیاسی حکمت عملی کے نتیجہ میں مسلمان و کافر کا فرق مٹایا جارہا تھا، پوری قوت سے دوقومی نظریہ کا احیاء کیا[21]......امام احمد رضا نے بھی جب کہ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے نتیجہ میں مسلم وغیر مسلم کا فرق مٹایا جارہا تھا بڑے شدومد سے دوقومی نظریہ کا احیاء کیا اور تحریک پاکستان کے لیے راہ ہموار کی[22]۔

(۵)......حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے بدعقیدہ، گمراہ اور آزاد خیال لوگوں سے دور رہنے کی

تاکید فرمائی، چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

بے باک طالب علم خواہ کسی فرقے سے ہوں دین کے چور ہیں ان کی صحبت سے پرہیز کرنا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ یہ فتنہ وفساد جو دین میں پیدا ہو گیا ہے اس جماعت کی بدبختی کی وجہ سے ہے کہ انہوں نے دنیاوی اسباب کی خاطر اپنی آخرت کو تباہ و برباد کر دیا[۲۳]۔

ایک اور مکتوب میں اہلسنت و جماعت کو نصیحت فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص ان بزرگوں (یعنی سلف صالحین) کے صراط مستقیم سے رائی کے دانے کے برابر بھی ہٹ گیا ہے تو اس کی صحبت کو زہرِ قاتل جاننا چاہیے۔ اس کی مجالست کو سانپ کا زہر سمجھنا چاہیے[۲۴]۔

امام احمد رضا نے بدعقیدہ اور گمراہ فرقوں کے خلاف جو سخت جدوجہد فرمائی وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔

(۳)

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ حضرات نقشبندیہ سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ غالباً ایام جوانی میں محدث کبیر شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے......شاہ فضل رحمٰن علیہ الرحمۃ، امام احمد رضا سے ۶۴ سال بڑے تھے......ملاقات کے وقت امام احمد رضا نے ان سے دریافت فرمایا...... ''مولود شریف کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''......انہوں نے امام احمد رضا سے پوچھا ''تمہارا کیا خیال ہے؟''...... امام احمد رضا نے فرمایا...... ''میں مستحب سمجھتا ہوں''...... اس پر شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی نے فرمایا...... ''میں سنت سمجھتا ہوں''......اس کے بعد اپنا عمامہ امام احمد رضا کو عطا فرمایا اور امام احمد رضا کا عمامہ اپنے پاس رکھ لیا[۲۵]۔ ایک اور نقشبندی بزرگ شاہ رکن الدین الوری رحمۃ اللہ علیہ کے بھی امام احمد رضا سے تعلقات تھے جس کا اندازہ ان فتووں سے ہوتا ہے جو فتاویٰ رضویہ میں شامل ہیں[۲۶] ......علماو مشائخ نقشبندیہ امام احمد رضا کی خدمت میں مشکل مسائل کو حل کرنے کے لیے استفتاء پیش کرتے تھے چنانچہ میرے جد امجد شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے قربانی کے متعلق ایک استفتاء پیش کیا تو امام احمد رضا نے اس کا بڑا فاضلانہ اور فقیہانہ جواب عنایت فرمایا۔ جب یہ جواب مفتی کفایت اللہ دیوبندی کو دکھایا گیا تو انہوں نے بے ساختہ کہا کہ اس میں شک نہیں ''مولانا احمد رضا خاں کو فقہ میں بڑا تبحر

حاصل تھا''...... یہ حقیقت اب طشت از بام ہوچکی ہے کہ علما دیو بند بھی فتاوٰی رضویہ سے پورا پورا استفادہ کرتے ہیں اور یہ حیرت انگیز حقیقت ہمارے علم میں آئی کہ رضا فاؤنڈیشن لاہور سے چھپنے والے فتاوٰی رضویہ کی مجلدات کی کھیپ کی کھیپ علماء دیو بند کے لیے خرید لی جاتی ہے [۲۷]۔

میرے جد امجد حضرت شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی کو اعلیٰ حضرت، ان کے صاحبزادگان اور خلفاء وتلامذہ سے بڑی محبت تھی اور مخلصانہ مراسم تھے ان میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں۔

مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمۃ، حجۃ الاسلام محمد حامد رضا خان علیہ الرحمۃ، علامہ محمد دیدار علی شاہ الوری، صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی، سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا امجد علی اعظمی مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی، مولانا ابوالبرکات سید احمد علیہ الرحمۃ [۲۸] مولانا حشمت علی خان پیلی بھیتی، [۲۹] علامہ محمد ظفر الدین رضوی [۳۰] اور محدث اعظم پاکستان علامہ محمد سردار احمد لائلپوری۔ محدث اعظم میرے جد امجد کے لیے فرماتے ہیں:

حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب امام مسجد فتحپوری، دھلی سنی صحیح العقیدہ پرہیز گار بزرگ ہیں تقریباً ۲۲ سے ان سے فقیر کے تعلقات ہیں [۳۱]۔

میرے عم محترم علامہ مفتی محمد مشرف احمد صاحب کو مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ سے اجازت وخلافت حاصل تھی [۳۲]...... میرے جد امجد شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ پر لگائے گئے الزامات کا موثر دفاع کیا اور اس سلسلے میں امام احمد رضا کے شاگرد علامہ محمد حشمت علی خان پیلی بھیتی کے بھائی مولانا محبوب علی خان پر لگائے گئے الزامات کا بھی دفاع کیا اور ان کو ایک بڑے فتنے سے محفوظ رکھا۔ یہ ساری تفصیل فتاوٰی مظہری میں موجود ہے [۳۳]۔

الحمد للہ خاندان نقشبندیہ مظہریہ سے خانوادہ امام احمد رضا کے تعلقات کا یہ سلسلہ جاری ہے...... امام احمد رضا کے پیر خانے کے شہزادگان، امام احمد رضا کے شہزادگان، امام احمد رضا اور ان کے فرزندگانِ گرامی کے خلفاء وتلامذہ اوران کی اولا دامجاد اور تلامذہ سے والد ماجد حضرت مسعود ملت مدظلہ کے نہایت ہی مخلصانہ تعلقات ہیں۔ اکثر حضرات نے کرم فرمایا اور غریب خانہ پر تشریف لائے...... امام احمد رضا کے پیر خانے کے سجادہ نشین حضرت حسن میاں علیہ الرحمۃ تشریف لائے تو حضرت مسعود ملت مدظلہ، نے فرمایا کہ ''آپ نے کیوں تکلیف فرمائی فقیر خود حاضر ہوتا''...... آپ نے فرمایا ''آپ کے اہلسنت پر احسانات

ہیں ہم کو خود آنا چاہیے''......اللہ اکبر! یہ عاجزی وانکساری! ۱۹۹۲ء میں حضرت مسعود ملت کی جب بریلی شریف حاضری ہوئی تو خانوادہ امام احمد رضا سے متعلق سب ہی حضرات نے خلوص ومحبت سے پذیرائی فرمائی دوسرے اہلِ محبت نے بھی اپنی عنایتوں سے نوازا۔ دارالعلوم منظر اسلام میں علامہ مفتی محمد عارف قادری، دارالعلوم مظہر اسلام میں علامہ مفتی محمد اعظم صاحب، جامعہ نوریہ میں علامہ محمد منان رضا خان، علامہ تحسین رضا خاں، علامہ محمد حنیف رضوی وغیرہ، ان کے علاوہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خان ازہری اور علامہ جمال میاں وغیرہ نے اپنی محبت سے نوازا۔ جب بھی بریلی شریف حاضری ہوئی ہے خانوادہ امام احمد رضا خان کے معتقد خاص جناب سرتاج حسین رضوی کے ہاں قیام ہوتا ہے۔ وہیں علماء وفضلاء ملاقات کے لیے تشریف لاتے ہیں...... جب ۱۹۹۶ء میں والد ماجد حضرت مسعود ملت عرس شریف کے دن بریلی شریف میں سجادہ نشین حضرت مولانا سبحان رضا خان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو باوجود اس کے کہ عرس شریف کے دن ازدحام تھا سبحانی میاں نے بڑی پذیرائی فرمائی، اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور خود ناشتا لے کر آئے۔ یہ حضرت کا کمال اخلاص ومحبت تھی۔ آپ ہی کی سرپرستی میں جاری ہونے والے ماہنامہ ''اعلیٰ حضرت'' کے مدیر ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی نے حضرت مسعود ملت کے حالات اور علمی خدمات پر بہار یونیورسٹی بھارت سے ۱۹۹۸ء میں ڈاکٹریٹ کیا ہے۔ ماہنامہ ''سنی دنیا'' (بریلی شریف) کے سابق مدیر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے حضرت مسعود ملت کی نثری خدمات پر ایک وقیع اور طویل مقالہ قلم بند فرمایا ہے۔ آپ کو قلبی تعلق ہے اور یاد فرماتے رہتے ہیں...... یہ شواہد ہیں اس حقیقت کے کہ خانقاہ اعلیٰ حضرت کو خانقاہ نقشبندیہ مظہریہ سے کتنا گہرا تعلق ہے...... ۱۹۹۲ء میں جب حضرت مسعود ملت مدینہ شریف حاضر ہوئے اور ضیائے مدینہ مفتی ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے حضرت شیخ فضل الرحمٰن قادری علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پہلی بار حاضری ہوئی تو ان کی مسرت کا عالم دیدنی تھا اور جس گرم جوشی سے حضرت نے پذیرائی فرمائی وہ بھی دیدنی تھی...... یہ احقر بھی حضرت مسعود ملت کے ہمراہ تھا۔ جب بھی مدینہ شریف حاضری ہوتی تو حضرت شیخ فضل الرحمٰن قادری بڑا کرم فرماتے اور اپنے ہاں محفل پاک میں خصوصی تقریر بھی کرواتے۔ حضرت کی عنایات بے پایاں کا کیا ذکر کیا جائے؟......اور حضرت ضیائے مدینہ کے خلیفہ شیخ محمد عارف ضیائی تو ہمیشہ مدینہ منورہ میں حضرت مسعود ملت کو مہمانی کے شرف سے نوازتے ہیں......ان عنایات کا کہاں تک ذکر کیا جائے......علامہ تقدس علی خان علیہ الرحمۃ سے حضرت مسعود ملت نے امام احمد رضا کی ایک نادر ونایاب

کتاب "المجمل المعدد لتالیفات المجدد" طلب فرمائی تو از راہ شفقت وہ خود کتاب لے کر سکھر سے کراچی تشریف لائے، ایک گھنٹہ مکان تلاش فرماتے رہے، پسینہ پسینہ ہو گئے مگر جب پہلی ملاقات ہوئی تو ساری کلفتیں دور ہو گئیں...... فرماتے تھے کہ میں آپ کے والد ماجد کی خدمت میں متعدد بار حاضر ہوا ہوں...... یہ بھی فرماتے تھے کہ امام احمد رضا کی ایک کتاب الطائب التھانی فی مناقب مجدد الف ثانی (۱۳۳۵ھ) بھی ہے۔ یہ کتاب تلاش کے باوجود مل نہ سکی، ایک کرم فرما سے معلوم ہوا کہ یہ قلمی کتاب مفتی صاحب کے بھائی مفتی اعجاز ولی خان صاحب کے پاس لاہور میں موجود تھی۔ واللہ اعلم...... علامہ مفتی محمد ظفرالدین رضوی کے صاحبزادے اور ہندوستان کے مشہور محقق و ماہر تعلیم ڈاکٹر مختارالدین آرزو حضرت مسعود ملت سے بڑی محبت فرماتے ہیں اور ان کی علمی خدمات کی قدر کرتے ہیں...... ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی شخصیت ایسی ہے کہ اس پر ایک کیا ان کے کارناموں کے مختلف پہلوؤں پر متعدد علمی مقالات لکھے جا سکتے ہیں[۳۴]۔

حضرت مسعود ملت سے تعلق رکھنے والے امام احمد رضا کے خانوادہ عالی سے وابستہ حضرات کے اسماء گرامی اور اس قسم کے تاثرات اور عنایات ایک الگ مقالے کا موضوع بن سکتے ہیں[۳۵]۔ یہ تاثرات اس حقیقت پر شاہد عادل ہیں کہ خانوادہ امام احمد رضا کو حضرات نقشبندیہ سے کتنی الفت ہے۔

(۴)

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد تقریباً ۵۰ سال تک امام احمد رضا کا تعارف ایک خاص حلقے تک محدود رہا اور جدید علمی دنیا بالکل بے بہرہ رہی۔ ۱۹۶۸ء کے لگ بھگ محسن ملت حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے امام احمد رضا کی شخصیت و فکر کے تعارف کے لیے ایک تحریک چلائی اور لاہور میں "مرکزی مجلس رضا" قائم کی۔ چنانچہ کام کا آغاز ہوا اور امام احمد رضا کی شخصیت اور علم پر مقالات پیش کیے گئے ۱۹۷۰ء سے میرے والد ماجد حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی شخصیت و علم و فن پر قلم اٹھایا اور پچیس سال مسلسل لکھتے رہے اور اب بھی لکھتے رہتے ہیں[۳۶]۔ تقریباً ۱۹۸۰ء میں جناب سید ریاست علی قادری (خلیفہ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ) نے کراچی میں ادارہ تحقیقات امام احمد رضا قائم کیا جس کے سرپرست اعلیٰ میرے والد ماجد حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود نقشبندی مجددی

ہیں......الحمدللہ یہ ادارہ آپ کی سرپرستی میں ۲۰ سال سے امام احمد رضا کی شخصیت اور فکر کے فروغ کے لیے انتھک کوشش کر رہا ہے[۳۷]......

دوسرے نقشبندی مجددی بزرگ مولانا محمد عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری علیہ الرحمۃ ہیں جو میرے جدامجد سے بیعت تھے اور والد ماجد حضرت مسعود ملت سے خلافت حاصل تھی۔ جنھوں نے مسلک امام احمد رضا کے احیاء کے لیے سخت جدوجہد کی اور بیسیوں کتابیں اور مقالات لکھے جن میں سے اکثر شائع ہو گئے ۔

تیسرے نقشبندی قادری بزرگ علامہ محمد عبدالحکیم شرف مدظلہ العالی ہیں[۳۸]۔ جو کہ گزشتہ ۳۰ سال سے امام احمد رضا اور مسلک اہلسنت و جماعت پر مسلسل لکھ رہے ہیں۔ آپ کو حضرت مسعود ملت سے سلسلہ نقشبندیہ میں اجازت وخلافت حاصل ہے......

چوتھے نقشبندی مجددی بزرگ علامہ ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد ہیں جنھوں نے ''فتاوٰی رشیدیہ اور فتاوٰی رضویہ کا تقابلی جائزہ'' پیش کر کے خود دیوبندیوں کو حیران کر دیا[۳۹]۔

پانچویں نقشبندی بزرگ مفتی عبداللطیف صدیقی علیہ الرحمۃ (جو ٹھٹھہ شاہ جہانی مسجد کے امام وخطیب و قاضی تھے) کے صاحبزادے علامہ پروفیسر حافظ قاری ڈاکٹر عبدالباری صدیقی نے سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد سے امام احمد رضا کے حالات وافکار پر سندھی میں ڈاکٹریٹ کیا[۴۰]......

چھٹے نقشبندی فاضل پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ہیں جنھوں نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ پر کئی اہم مطبوعات شائع کی ہیں خود بھی لکھا اور کئی سال سے مرکزی مجلس رضا لاہور کا ماہنامہ ''جہان رضا'' بڑی مستعدی سے نکال رہے ہیں۔

ساتویں نقشبندی فاضل جوان اور جامعۃ الازہر، قاہرہ کے استاذ علامہ محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ المصری ہیں جنھوں نے ایک دو سال کے اندر ہی اندر امام احمد رضا پر یادگار کام کیا[۴۱] امام احمد رضا کے عربی کلام کو "بساتین الغفران" کے نام سے مدون کیا جو ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، اور رضا فاؤنڈیشن لاہور کے تعاون سے چھپ گیا ہے۔ اسی طرح ایک اور وقیع مقالہ قلم بند کیا جس کا عنوان ہے۔ "الامام احمد رضا فی العالم العربی" (یعنی امام احمد رضا دنیائے عرب میں) فاضل موصوف میرے والد ماجد حضرت مسعود ملت کے حلقہ ارادت و بیعت میں بھی شامل ہیں۔ آٹھویں نقشبندی قادری فاضل ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری مجددی ہیں جنھوں نے حضرت امام احمد رضا اور ان کی تعلیمات کے

حوالے سے بیسیوں رسائل اور مقالات تحریر فرمائے ہیں آپ کو بھی میرے والد ماجد حضرت مسعود ملت مدظلہ سے سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ میں اجازت وخلافت حاصل ہے۔ ان حضرات کے علاوہ اور بھی کئی نقشبندی قلمکاروں نے امام احمد رضا پر مقالات قلم بند کیے ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ حضرات نقشبندیہ کا امام احمد رضا پر لکھنا کچھ معنی رکھتا ہے، یہ امام احمد رضا کے اس روحانی تعلق کی کرامت ہے جو آپ کو حضرات نقشبندیہ سے تھا اور جو اس حقیقت کی گواہی بھی دے رہا ہے کہ امام احمد رضا کو حضرات نقشبندیہ سے تعلق خاطر تھا اور حضرات نقشبندیہ کو امام احمد رضا سے الحمد للہ آج بھی پوری دنیا میں جو محققین امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور علم وفن پر تحقیق کر رہے ہیں وہ میرے والد ماجد حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی اور ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے اراکین سے رہنمائی حاصل کر رہے ہیں اور حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی بھی محققین کی رہنمائی فرما رہے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ خانوادہ امام احمد رضا کا حضرات نقشبندیہ سے یہ علمی و روحانی تعلق صبح قیامت تک قائم رہے گا۔

خلاصۂ کلام:

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ حقائق سامنے آتے ہیں۔

۱......امام احمد رضا کا نسبی تعلق اس ملک سے تھا جہاں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ ایک عظیم قوت ہے۔

۲......امام احمد رضا کے جلیل القدر خلیفہ علامہ مفتی ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمۃ کے جد اعلیٰ علامہ محمد عبدالحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمۃ نے سب سے پہلے حضرت شیخ احمد سرہندی کو ''مجدد الف ثانی'' فرما کر ہزارہ دوم کے لیے آپ کی مجددیت کا اعلان فرمایا۔

۳......امام احمد رضا کے جد امجد مولانا محمد رضا علی خاں، نقشبندی تھے۔

۴......امام احمد رضا کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ علائیہ میں اجازت وخلافت حاصل تھی۔

۵......امام احمد رضا کے عہد مبارک میں دارالعلوم منظر اسلام کے صدر مدرس مولانا ظہور الحسین ''نقشبندی مجددی'' تھے۔

۶......امام احمد رضا نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مکتوبات شریف کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور وہ اپنی نگارشات میں اس کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔

۷......امام احمد رضا کے افکار و خیالات میں حضرت مجدد الف ثانی کے افکار و خیالات سے بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔ آپ نے حضرت مجدد الف ثانی کے مشن کو آگے بڑھایا۔

۸......امام احمد رضا کو حضرات نقشبندیہ سے بڑی عقیدت و محبت تھی چنانچہ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی نقشبندی مجددی کی خدمت میں آپ خود حاضر ہوئے اور نقشبندی مجددی شیخ طریقت مولانا شاہ رکن الدین الوری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۹......آپ کے فرزندانِ گرامی، خلفاء اور تلامذہ کا تعلق بھی نقشبندیہ حضرات سے رہا اور ہے۔

۱۰......حضرات نقشبندیہ سے امام احمد رضا کے تعلق اور محبت کے فیضان کا نتیجہ ہے کہ نقشبندی محققین اور قلمکاروں نے وہ کام کیا جو تاریخ میں یادگار رہے گا۔

مندرجہ بالا حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض معاندین کا یہ کہنا کہ امام احمد رضا، معاذ اللہ حضرت مجدد الف ثانی یا حضرات نقشبندیہ سے خلش رکھتے تھے سراسر باطل اور لغو ہے۔ مولا تعالیٰ ہمارے دلوں میں اکابرِ امت اور سلف صالحین کی عزت و عظمت قائم رکھے اور اہلسنت و جماعت کو اتحاد و اتفاق عطا فرمائے جس کی اس وقت سخت ضرورت ہے۔ آمین

اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے

☆......☆......☆

حواشی:

Usha Sanyal, Devotional Islam And Politics......1
in British India' Dehli' 1996' p..5

نوٹ:۔

حال ہی میں کوئٹہ بلوچستان میں آباد بڑھیچ قبیلہ کے لوگوں نے بڑھیچ اتحاد تشکیل دیا ہے اور امام احمد رضا کو اپنا قائد و پیشوا تسلیم کیا ہے۔ (جنگ (کوئٹہ) ۲۶ رجنوری ۱۹۹۹ء) ان شاء اللہ یہ اتحاد اس علاقے میں عقائد کی اصلاح کے لیے سنگِ میل ثابت ہوگا......(مسرور)

۲-۳......روہیل کھنڈ یونیورسٹی کے پروفیسر محمود حسین بریلوی جنہوں نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے عربی آثار پر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے 'ایم۔فل'' کیا ہے کہتے تھے کہ انہوں نے U.P کے گزیٹر میں یہ خبر پڑھی تھی۔(مسرور)

۴......حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ: الامام الاکبر المجدد احمد رضا خان والعالم العربی، لاہور ۱۹۹۸ء ص۔۲۱۹ (مخطوطہ الزلال النقی، مطبوعہ ۱۳۶۲ھ، ص۔۵، مکتوبہ ۱۳۰۰ھ)

نوٹ: مولانا محمد رضا علی نقشبندی علیہ الرحمۃ ۲۳ سال کی عمر میں علوم مروجہ سے فارغ ہوئے۔فقہ میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔(تذکرہ علما ہند، ص۔۲۹۳)

۵......ایضاً، ص۔۲۱۹

۶......(ا) محمود نظامی: ملفوظات اقبال، مطبوعہ لاہور، ص۔۱۳۲

(ب) ڈاکٹر محمد مسعود احمد: سیرت مجدد الف ثانی، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء، ص۔۳۶۴

۷......(ا) سید نذیر نیازی، مکتوباتِ اقبال، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۷ء، ص۔۱۶۲-۱۶۱

(ب) علی احمد خان، حضرت قاضی سلطان محمد صاحب، ماہنامہ؟ لاہور، اپریل ۱۹۶۵ء، ص۔۴۴

۸......سید صابر حسین شاہ: ''کیا قائداعظم شیعہ تھے'' ماہنامہ کنزالایمان لاہور، قائداعظم نمبر، ستمبر ۱۹۹۸ء، ص۔۱۳۷، ۱۲۱

۹......محمد صادق قصوری: اکابر تحریک پاکستان، مطبوعہ لاہور ج۔ا، ص۔۶۰-۷۸

۱۰......امام احمد رضا خان بریلوی: الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ، (۱۳۲۴ھ) مشمولہ رسائل رضویہ، مرتبہ، علامہ مولانا محمد عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری نقشبندی مجددی، مطبوعہ لاہور، جلد دوئم ۱۹۷۶ء ص۔۲۷۵

نوٹ:۔

حضرت امیر ابوالعلاء رحمتہ اللہ علیہ (م۔۹صفر ۱۰۶۱ھ) کے جدامجد عہد اکبری میں سمرقند سے ہندوستان تشریف لائے اور دہلی کے قریب قیام فرمایا، یہیں پر حضرت امیر ابوالعلاء کی ولادت ہوئی۔آپ نے شیخ شرف الدین یحییٰ منیری سے فیض باطنی حاصل کیا اور خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے فیض روحانی سے بھی مستفیض ہوئے پھر باشارہ خواجہ غریب نواز اپنے چچا امیر عبداللہ اکبرآبادی سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت حاصل کی۔آپ حضرت مجدد الف ثانی کے معاصرین میں تھے......آپ کے چچا خواجہ عبدالخالق کے مرید وخلیفہ تھے جو عبداللہ کلاں بن خواجہ عبیداللہ احرار (م۔۸۹۵ھ) کے خلیفہ تھے......حضرت امیر ابوالعلاء کا مزار مبارک آگرے میں مرجع خلائق ہے (ضیاء علی خان اشرفی: مردان حق، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۵ء، ص۔۱۶۰-۱۵۸)

۱۱......ملا عبدالحکیم سیالکوٹی عہد جہاں گیری کے مشہور وممتاز عالم تھے، علوم عقلیہ ونقلیہ میں بڑی مہارت رکھتے تھے،

صاحب تذکرہ علمائے ہند مولانا رحمان علی نے آپ کو 'علامہ زماں'' لکھا ہے۔شاہ جہاں بادشاہ نے دوبار آپ کو چاندی میں تلوا کر چاندی آپ کی نذر کی، ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء ۱۶/ربیع الاول کو آپ نے وصال فرمایا۔آپ کی متعدد تصانیف وشروح ہیں مثلاً: حاشیہ تفسیر بیضاوی، ترجمہ فارسی غنیتہ الطالبین ،حاشیہ مطول، حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ ہدایت الحکمہ ،حاشیہ مراح الارواح وغیرہ......(تذکرہ علمائے ہند (ترجمہ اردو)، کراچی ۱۹۶۱ء ص۔۲۸۰۔۸۱)

سو برس بعد علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے سفر حجاز سے واپس آکر گواہی دی کہ ملا عبدالحکیم صاحب کی متعدد تصانیف عرب وعجم میں پڑھائی جاتی ہیں اور ابھی تک ان کی افادیت ومقبولیت میں فرق نہیں آیا۔(سیرت مجدد الف ثانی، کراچی ۱۹۸۳ء، ص۔۳۲۷۔۳۲۸)

۱۲...... وکیل احمد سکندر پوری: ہدیہ مجددیہ، مطبوعہ دہلی ۱۳۰۹ھ، ص۔۹۸

۱۳...... محمد مسعود احمد: صراط مستقیم، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۶ء، ص۔۶

۱۴...... مولوی غلام جان ہزاروی کو دارالعلوم منظر اسلام، بریلی سے ۱۳۳۷ھ میں سندۃ التکمیل جاری کی گئی۔اس میں مولانا ظہور الحسین کے دستخط معہ مُہر بایں الفاظ موجود ہیں،''محمد ظہور الحسین الفاروقی النقشبندی المجددی'' اس سند پر امام احمد رضا کے دستخط بھی موجود ہیں۔(مسرور)

۱۵...... امام احمد رضا کے رسالے''منبہ المنیہ بوصول الحبیب الی العرش والرویہ'' میں مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کی جلد اول کے مکتوب نمبر ۲۷۲ اور ۲۸۳ کے حوالہ جات موجود ہیں۔(''رحمت عالم اور عالم بیداری میں معراج'' مرتبہ ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۹۶ء ص۔۲۳)

۱۶...... محمود احمد قادری: مکتوبات امام احمد رضا بریلوی، مطبوعہ ۱۹۹۶ء لاہور، ص۔۱۰۲۔۸۸

۱۷...... امام احمد رضا خان: فتاوی رضویہ، ج۔۳، فتاوی رضویہ، ج۔۷، رضا فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۹۴ء ص ۶۲۴ (بحوالہ ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں مجموعہ کلمات طیبات، ملفوظات، دہلی، ص۔۹۲،۴۲

۱۸...... ایضاً ص۔۶۲۴

۱۹...... احمد سرہندی: مکتوبات امام ربانی، ج۳، مکتوب نمبر ۱۲۲

۲۰...... اس سلسلے میں تفصیلات مندرجہ ذیل کتابوں میں مل سکتی ہیں۔:

(ا)......پروفیسر محمد فاروق القادری:''فاضل بریلوی اور امور بدعات''، لاہور

(ب)......مولانا محمد یاسین اختر مصباحی:''امام احمد رضا اور ردّ بدعات ومنکرات'' دہلی، ۱۹۸۵ء

(ج)...... پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد:''خوب وناخوب'' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۸ء

۲۱...... پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد: ''سیرت مجدد الف ثانی'' مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء، ص ۱۲۲-۱۵۳

۲۲...... (ا)...... پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد: ''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۱ء

(ب)...... ڈاکٹر محمد مسعود احمد: ''تنقیدات وتعصبات'' مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۸ء

۲۳...... احمد سرہندی: مکتوبات امام ربانی، ج ۱، مکتوب نمبر ۲۱۳

۲۴...... ایضاً، مکتوب نمبر ۲۱۳

۲۵...... شاہ بھولے میاں (سجادہ نشین بارگاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی) تذکرہ رحمانی' کراچی' ص ۳۲۲-۳۲۳

۲۶...... امام احمد رضا خان بریلوی: فتاوٰی رضویہ' مطبوعہ کراچی' ج ۳' ص ۳۵۶، ۶۲، ۶۱، ۴ ج ۹' ص ۹۲-'۱۱۶ -۱۱۷

نوٹ:۔

شاہ رکن الدین الوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد کریم شاہ محمد مسعود محدث دہلوی نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں امام احمد رضا کا فتوٰی ''از کی الهلال بابطال ما احدث الناس فی امر الهلال'' (بریلی ۱۸۸۷ء) تصدیق کے لیے پیش کیا گیا۔ (فتاوٰی مسعودی' کراچی ۱۹۹۷ء' ص ۴۴۷) (مسرور)

۲۷...... یہ بات رضا فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب نے میرے والد ماجد حضرت مسعود ملت سے فرمائی...... (مسرور)

۲۸...... ڈاکٹر محمد مسعود احمد: مکاتیب مظہری' ج ۱-۲' مطبوعہ کراچی' ۱۹۹۹ء' ص ۱۳۴-۱۳۱-۱۴۷'۲۲۷'۳۸۵-

نوٹ:

مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمہ کی خدمت میں جب میرے والد ماجد حضرت مسعود ملت مدظلہ حاضر ہوتے تو وہ اپنے پاس مسند پر بٹھاتے تھے...... (مسرور)

۲۹...... ایضاً ص ۵۶۵

۳۰...... ایضاً مکاتیب مظہری، ص ۵۲۷-۵۲۹

۳۱...... مکاتیب مظہری، ص ۱۴

۳۲...... شہاب الدین رضوی: مفتی اعظم اور ان کے خلفاء' مطبوعہ بمبئی ۱۹۹۰ء ص ۵۷۴-۵۹۱

۳۳...... مفتی محمد مظہر اللہ: فتاوٰی مظہری' جلد ۲' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۹ء، ص ۳۸۷-۴۰۵

۳۴...... مکتوب مورخہ ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۸ء، از علی گڑھ

۳۵...... یہاں امام احمد رضا کے مخدوم زادگان اور امام احمد رضا کے دامن سے وابستہ ان چند افراد کے نام پیش کیے جاتے ہیں جو حضرت مسعود ملت پر مہربان رہے اور مہربان ہیں، اور جنہوں نے دیرینہ تعلق کو یاد رکھا بلکہ اور مستحکم کیا۔

ڈاکٹر محمد امین مارہروی' محمد نجیب میاں مارہروی' علامہ تحسین رضا خان' علامہ ریحان رضا خان' مولانا سبحان رضا خان' علامہ مفتی اختر رضا خان' علامہ منان رضا خان' علامہ توصیف رضا خان' علامہ قمر رضا خان' علامہ ابوالحسنات محمد احمد' علامہ ابوالبرکات سید احمد' علامہ شاہ محمد عارف اللہ میرٹھی' علامہ محمد برہان الحق جبل پوری' سید محمد علوی مالکی' علامہ مفتی تقدس علی خان' مولانا شوکت حسن خان' علامہ ثناء المصطفیٰ' علامہ رضاء المصطفیٰ' مفتی ظفر علی نعمانی' علامہ ضیاء المصطفیٰ' علامہ محمود احمد رضوی' علامہ خلیل احمد قادری' مفتی شریف الحق امجدی' علامہ محمد یاسین امجدی' علامہ خوشتر صدیقی' علامہ احمد سعید کاظمی' مفتی اعجاز ولی خان مفتی خلیل احمد برکاتی' مفتی محمد حسین نعیمی' علامہ ارشد القادری' علامہ مشاہد رضا خان' علامہ محمد معصوم رضا خان' مولانا محمد جلال الدین قادری' مفتی وقار الدین قادری' ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری' علامہ شاہ احمد نورانی' مولانا عبدالودود سلامی' مولانا انوار احمد سلامی' مفتی محمد حسین قادری' علامہ ابراہیم خوشتر' ڈاکٹر محمود احمد اسلامی' ڈاکٹر حامد احمد سلامی' مولانا محمد الیاس عطار قادری' قاری مصلح الدین قادری' مولانا شاہ تراب الحق قادری' جناب حمید اللہ حشمتی' جناب شفیع محمد قادری' جناب سید ریاست علی قادری' جناب سید وجاہت رسول وغیرہ وغیرہ۔

یہ فہرست بہت طویل ہے یہاں چند اسماء گرامی اس لیے پیش کیے گئے کہ جو لوگ حضرات نقشبندیہ کو خانوادہ امام احمد رضا سے بدل کرنا چاہتے ہیں وہ دیکھ لیں کہ خاندان نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ سے خانوادہ امام احمد رضا کے تعلقات کتنے گہرے اور دیرینہ ہیں۔ معاذ اللہ! اگر امام احمد رضا کے دل میں حضرت مجدد الف ثانی یا حضرات نقشبندیہ سے ذرا خلش بھی ہوتی تو تعلقات کی یہ نوعیت نہ ہوتی اور نقشبندیہ محققین وقلمکار امام احمد رضا کی شخصیت وفکر پر اس دل لگی سے کام نہ کرتے ...... (مسرور)

۳۶...... تفصیلات کے لیے مطالعہ کریں:۔

(ا)...... محمد عبدالستار طاہر: مسعود ملت اور رضویات' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء

(ب)...... محمد عبدالستار طاہر: تخصصات حضرت مسعود ملت' مطبوعہ لاہور' ۱۹۹۴ء

۳۷...... اس ادارہ کے صدر صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری' سیکرٹری جنرل ڈاکٹر مجید اللہ قادری' نائب صدور جناب شفیع محمد قادری اور ڈاکٹر حافظ محمد عبدالباری سیکرٹری خزانہ جناب منظور حسین جیلانی' سیکرٹری اطلاعات عبداللطیف قادری ہیں جب کہ مجلس عاملہ کے اراکین میں' جناب ریاست رسول قادری' محمد حنیف رضوی' آفس سیکریٹری ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری۔ الحمدللہ سب ہی ادارے کے لیے انتھک جدوجہد کر رہے ہیں۔ (مسرور)

۳۸ (ا)...... محمد عبدالستار طاہر: محسن ملت علامہ عبدالحکیم شرف نقشبندی قادری' (زیر طباعت)

(ب)...... ڈاکٹر محمد مسعود احمد: امام احمد رضا اور عالمی جامعات' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۸ء' ص ۳۰۔۲۹

۳۹...... مفتی محمد مکرم احمد: فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ رشیدیہ کا تقابلی جائزہ' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۱ء' ادارہ تحقیقات امام احمد رضا' کراچی

نوٹ:۔

ایک نقشبندی بزرگ پاکستان کے ممتاز محقق پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ہیں جنہوں نے علمی سطح پر امام احمد رضا کا بھرپور تعارف فرمایا......(امام احمد رضا اور عالمی جامعات' کراچی ۱۹۹۸ء ص ۱۸۔۱۹)

۴۰...... پروفیسر محمد عبدالباری صدیقی: مولانا احمد رضا خان کے حالات افکار اور اصلاحی کارنامے (بزبان سندھی مقالہ ڈاکٹریٹ' سندھ یونیورسٹی جامشورو۔ حیدرآباد)

۴۱...... حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ المصری: الامام اکبر المجدد محمد احمد رضا خان والعالم العربی لاہور ۱۹۹۸ء

(ب)......حازم محمد احمد عبدالرحم، بساتین الغفران' مطبوعہ لاہور' ۱۹۹۷ء

☆......☆......☆

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم (القرآن الحکیم) بخط ثلث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدهٗ ونصلی علیٰ رسوله الکریم

امام ربانی اور امام اہلسنت

علامہ ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد
(شاہی امام وخطیب مسجد فتحپوری ومفتی اعظم دہلی)

☆☆

نظام قدرت ہے جب بھی دین حق مذہب اسلام پر باطل قوتیں غالب ہونا چاہتی ہیں اور اسلام مخالف سازشیں رچتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد اس کی حفاظت کے لیے ظاہر ہو جاتی ہے اور باطل قوتوں کو منھ کی کھانی پڑتی ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ''وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین''۔ آقائے دو جہاں فخر کائنات رحمۃ للعالمین حضرت احمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ ﷺ نے دعوت حق کی صدا بلند فرمائی تو ابولہب، ابوجہل اور دوسرے بدنصیبوں نے اسلام کی راہ میں رکاوٹیں ڈالیں۔ تیرہ سال مکہ کی زندگی میں آنحضور ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بھی صبر آزما حالات سے گزرنا پڑا۔ ابوطالب گھاٹی میں تین سال کے قریب آپ کو نظر بند کر کے مکہ کے کفار نے مکمل بائیکاٹ کیا۔ لیکن صحابہ بھی جبل استقامت بن کر اٹل رہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی۔ مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور اسلام کو بے پناہ عروج حاصل ہوا۔

خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی باطل قوتوں کا زبردست مقابلہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اول کے عہد میں نئے نئے فتنے کھڑے ہوے۔ کئی لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ آپ کی رہنمائی میں صحابہ کرام نے ہر فتنہ کو دفن کر دیا۔ عہد فاروقی میں اسلام کو ایسی ایسی فتوحات حاصل ہوئیں جس سے ایران اور روم کی مغرور ومتکبر حکومتوں کے بھی دانت کھٹے ہو گئے۔ خلفاء راشدین کا عہد اسلامی خلافت کا تابناک دور ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کے فسق وفجور کے خلاف سید الشہدا امامِ عالی مقام اور شہدائے کربلا رضی اللہ عنہم نے بے مثال قربانی پیش کی اور اسلام کو بچایا۔

شہید ہو کے زمانے کو روشنی دے دی
تجلیوں سے جہاں جگمگا دیے تو نے
لب فرات پہ سر دے کے سرفراز ہوا
نئی حیات کے دریا بہا دیے تو نے

تاریخ شاہد ہے جب بھی باطل نے سر اٹھایا تو اللہ کے نیک بندے سینہ سپر ہو گئے اور اسلام کا جھنڈا ہمیشہ بلند رہا۔ بارہویں صدی عیسوی میں شہاب الدین محمد غوری، قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش سے پہلے ہی روحانی شہنشاہِ ولایت، نائب رسول اللہ فی الہند، خواجہ معین الدین خواجہ غریب نواز اجمیری علیہ الرحمۃ کی روحانی حکومت قائم ہوئی اور وہ حکومت آج بھی قائم ہے۔ قیامت تک رہے گی۔ گو بظاہر ہندوستان کی سلطنت کے تخت پر مختلف خاندانوں کے سلاطین متمکن رہے۔ لیکن درحقیقت ان کو بھی خواجہ غریب نواز کے در سے غیبی طاقت ملتی رہی۔ مغل دور حکومت میں بھی اولیاء اللہ کی روحانی شہنشاہیت کا دور دورہ رہا۔ شہنشاہِ اکبر ایک ان پڑھ بادشاہ تھا۔ درباری علماء اور امراء کی چشمک کی وجہ سے اسے لوگوں نے بہکا دیا اور اس کا رجحان دیگر مذاہب کی طرف بڑھتا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا اور دین الٰہی کے نام پر اس نے نیا دین قائم کر دیا۔ نام تو اس کا دین الٰہی تھا، لیکن اس میں مذہب اسلام کی اور شریعت کی مخالفت ہی مخالفت تھی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب، نقشبندی نے مجدد ہزارہ دوم صفحہ ۲۰ میں دین الٰہی کے باب میں مندرجہ ذیل روشنی ڈالی ہے:

> عہد اکبری کے تیسرے دور میں دین الٰہی کا آغاز ہوا اور جو کچھ ہوا ناگفتنی ہے۔ ہر وہ کام کیا جانے لگا جو اسلام کے سراسر منافی ہے۔ مثلاً کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ کی جگہ اکبر خلیفۃ اللہ پڑھا جانے لگا۔ گائے کی قربانی پر پابندی لگا دی گئی۔ خنزیر اور کتوں کا احترام کیا جانے لگا۔ شراب اور جوا عام ہو گیا۔ اکبر نے علماء کو بالجبر شراب پلائی۔ عورتوں

کی بے حجابی عام ہوگئی۔ پردہ پر پابندی لگا دی گئی۔ ''زمین بوس'' کے نام سے سجدہ کا آغاز کیا گیا۔ عالم و عامی سب بادشاہ کے آگے سجدہ ریز ہونے لگے۔ بعض مساجد ڈھا دی گئیں اور مدارس عربیہ مسمار کر دیے گئے۔ ڈاڑھیاں منڈوا دی گئیں اور شعائر اسلام کا برسرِ عام مذاق اڑایا جانے لگا۔ اس ساری خرابی میں بعض علماء دین کی باہمی چپقلش، دنیا سے محبت، مختلف ادیان کے علماء کی اکبر سے ملاقات، اکبر کی جہالت و بے علمی، ہندو عورتوں کی حرم شاہی میں شمولیت اور ہندو سیاست کا بڑا دخل ہے۔

شہنشاہ جہانگیر نے دین الٰہی پر کھل کر عمل تو نہیں کیا لیکن اس نے بھی اپنے والد اکبر کی پالیسیوں پر عمل اور شریعت کو بالائے طاق رکھا۔ مشہور محاورہ ہے ''الناس علٰی دین ملوکھم'' لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ جس طرف بادشاہ کا رجحان ہوتا ہے۔ ادھر ہی عوام کا میلان ہوتا ہے۔ عوام وہی کرتے ہیں جو بادشاہوں کو کرتا ہوا دیکھتے ہیں۔ اسی لیے حضرت قطب الاقطاب امام ربانی محبوب سبحانی حجۃ العرفاء المحققین ختم العلماء شیخ الاسلام والمسلمین الشیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی علیہ الرحمۃ نے اصلاح و تربیت کے لیے سب سے زیادہ توجہ شہنشاہ جہانگیر پر مرکوز رکھی اور یہ آپ ہی کا فیضان ہے کہ شاہ صاحب اور اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ مذہب اسلام کے متبع و پیروکار بنے اور دین الٰہی کا فتنہ بہت جلد دفن کر دیا گیا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا سلسلہ نسب صرف ۳۱ واسطوں سے خلیفہ دوم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت ماہ شوال المکرم ۹۷۱ھ میں ہوئی۔ سترہ سال میں آپ نے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل فرمائی۔ تحصیل علم کے زمانہ میں ہی چند رسائل تحریر کیے۔ جیسے رسالہ تہلیلیہ (عربی) رسالہ اثبات النبوۃ (عربی) رسالہ رد الرفضہ (فارسی) ان کے علاوہ آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں۔ مبدأ و معاد، مکاشفات غیبیہ، معارف لدنیہ، رسالہ تعیین و لاتعیین، رسالہ مقصود الصالحین، رسالہ در مسئلہ وحدۃ الوجود، آداب المریدین، رسالہ جذب سلوک، رسالہ علم حدیث، شرح رباعیات خواجہ بیرنگ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ نے مکتوبات شریف کا ایسا عظیم الشان علمی و عرفانی ذخیرہ مسلمانان عالم کی رہنمائی کے لیے چھوڑا ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، مکتوبات شریف میں کتاب و سنت کے علوم وفنون نیز اسرار ہائے معرفت و سلوک حقیقت و مجاز کے مباحث کو اس نفیس اور پرتاثیر انداز میں پیش کیا ہے۔ جن سے ان کی قدر و منزلت، افادیت اور تاثیر میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے، حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے مطابق بعض مکاتیب ہزار تصانیف پر بھاری ہیں۔ (مجدد ہزارہ دوم، ص: ۳۰)

آپ کے مکتوبات فارسی میں ہیں لیکن چند مکاتیب اور خلفاء کرام کو دی گئی اسناد فصیح و بلیغ عربی میں ہیں اس سے عربی زبان میں آپ کی قدرتِ کاملہ ظاہر و باہر ہے۔

عہد اکبری کے ابوالفیض فیضی نے قرآن کریم کی تفسیر لکھی اور اس تفسیر کو ایسے الفاظ سے لکھا جس میں کوئی بھی حرف نقطہ والا نہ ہو۔ اسی لیے اس کی تفسیر کو بے نقطہ تفسیر کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ایسی عبارت لکھنا جس میں کوئی حرف نقطہ والا نہ ہو، بہت مشکل کام ہے۔ ایک جگہ پر فیضی اٹک گیا اور وہ بغیر نقطہ والے الفاظ لکھنے سے عاجز ہو گیا۔ اُن دنوں میں حضرت امام ربانی کا وہ گرویدہ تھا۔ امام ربانی نے برجستہ ایسی عبارت تحریر کرادی جو جامع تھی اور بے نقطہ بھی جس پر فیضی حیران رہ گیا۔

حضرت امام ربانی کو اپنے وصال کے دن وقت اور تاریخ کا پورا پورا علم ہو گیا تھا۔ اور آپ بار بار اس سے اپنے صاحبزادگان اور خلفاء کو مطلع فرما رہے تھے۔ چنانچہ آپ کا وصال ۲۸ رصفر المظفر ۱۰۳۴ھ کو سرہند شریف (پنجاب) میں ہوا اور وہیں پر آپ کا روضہ مرجع الخلائق ہے۔ آپ کے صاحبزادگان عالی وقار، خلفاء کرام اور تصانیف جلیلہ نیز فیض باطنی سے آج بھی امام ربانی کا فیض جاری و ساری ہے۔

امامِ اہلسنت مقتدائے امت عظیم المرتبت مولانا علامہ شاہ احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے قلم سے امت کی عظیم الشان خدمت انجام دی۔ آپ کی تحریر و تقریر، آپ کے فتاوٰی اور مواعظ، آپ کی سیرت اور حسن اخلاق نے تیرہویں چودھویں صدی ہجری میں مسلمانان عالم کی رہنمائی کی۔ آقائے دوجہاں ﷺ سے آپ کو عشق صادق تھا۔ اولیاء اللہ سے گہری نسبت اور عقیدت تھی۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے دل میں امام ربانی علیہ الرحمۃ کی عظمت تھی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے۔

۱۰ رشوال المکرم ۱۲۷۲ھ کو فاضل بریلوی (بریلی۔ بھارت) میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد مولوی نقی علی خاں اور دوسرے کامل اساتذہ سے علوم منقولہ و معقولہ کی تحصیل کی۔ بچپن سے زیادہ علوم وفنون پر

آپ کو بالاستیعاب عبور حاصل تھا۔ فقہی بصیرت اور تبحر علمی پر آپ کی تصانیف بالخصوص العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویہ شاہد ہیں۔ جس پر عقیدت مندوں کے علاوہ بے عقیدت مند لوگ بھی معترف ہیں۔
(نزہۃ الخواطر، جلد۔۔۔ص:۳۹)

فاضل بریلوی کو عربی، فارسی اور اردو ادب، نظم ونثر میں مہارت حاصل تھی، ۱۳۲۳ھ میں آپ نے حج بیت اللہ شریف کا سفر کیا تو وہاں پر کچھ لوگوں نے ایک استفتاء پیش کیا، جس میں آقائے دوجہاں رحمۃ للعالمین کے علم مبارک کے باب میں استفسار کیا گیا تھا۔ حالانکہ آپ اپنی کتابوں اور لائبریری سے دور تھے، اور حج بیت اللہ شریف اور زیارت مدینہ شریف کے شوق میں مشغول تھے۔ مقدس مقامات کی زیارت مبارکہ سے لطف اندوز ہو رہے تھے لیکن اس استفسار کے جواب دینے میں آپ نے ذرہ برابر بھی تامل نہیں کیا۔ باوجودیکہ آپ کے پاس حوالے پیش کرنے کے لیے کتابیں نہیں تھیں لیکن آپ نے اپنی قوت حافظہ اور تبحر علمی پر بھروسا کرتے ہوئے جواب لکھنے کا ارادہ کیا۔ اس بارے میں ''الدولة المكية بالمادة الغيبيه'' کے پیش لفظ میں فاضل بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

> **وهذا العبد الضعيف، بفضل ربه القوى اللطيف، اباعن جد فى خدمة السنة الزهراه مقيم على الوهابية الطامة الكبرٰى، صنف كتاب تزيد على مائتين و دعا كبراء هم الى المناظرة لاكرة ولا كرتين فمااحد احدمنهم جواباً وبهت الذين كانوا يسبون بنيانا سباباو كانوا ينسبون الحاربنا كذبا كذابا، فهربوا واستردوا وماتوا وخمدوا، ومن بقى منهم فسترون ان شاء اللّٰه ان سيموت حائرا بائراوهو آخرهن مبهوت.** (ص:۳۲.....طباعۃ پوربندر)

(ترجمہ) یہ عبد ضعیف اپنے قوی اور لطیف رب کے فضل وکرم سے آباواجداد سے ہی روشن اور چمکدار سنت مبارکہ کی خدمت میں ہمہ تن مشغول ہے، وہابیہ فرقہ پر بڑی مصیبت ڈالنے والا ہے۔ اس نے کتابیں تصنیف کی ہیں جن کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے، اس نے ان

کے بڑوں کو مناظرہ کی طرف دعوت دی۔ ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ بہت
مرتبہ، تو ان میں سے کسی نے جواب نہیں دیا اور وہ لوگ جو ہمارے نبی
ﷺ کو برا کہتے تھے، بدترین دشنام، وہ جو ہمارے رب کی طرف کھلے
جھوٹ کو منسوب کرتے تھے۔ وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے، کترانے
لگے، اُن کو موت آ گئی۔ ان کی ہمتیں پست ہو گئیں وہ بجھ گئے اور جوان
میں سے باقی ہے تو تم دیکھو گے ان شاء اللہ وہ بھی حیرت زدہ ہو کر مر
جائے گا، ہلاک ہو جائے گا اور وہ مبہوت نظر آئے گا۔

فاضل بریلوی نے اس جگہ پر دو سو کتابوں کا ذکر کیا ہے، یہ صرف اندازہ نہیں ہے بلکہ وہ کثیر التصانیف جید عالم اور بہترین نامور مصنف تھے جنہوں نے اپنی مختصر سی عمر میں کئی سو کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ایک تحقیق کے مطابق ان کی تعداد ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ (ضمیمہ المعتقد المنتقد مطبوعہ لاہور ص:۲۶۶)

الدولۃ المکیۃ کتاب میں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے رسول کریم ﷺ کے علم مبارک کی وسعتوں کو مدلل اور مبرہن انداز میں، دلکش اسلوب میں، فصیح و بلیغ عربی زبان میں ایسا جامع اور مکمل بیان فرمایا ہے کہ اس کی صرف ہندوستان کے لوگوں نے تعریف نہیں کی بلکہ حرمین شریفین کے اجلہ علماء نے اور عالم اسلام کی عظیم اور مقتدر ذی علم ہستیوں نے اس کی تصدیق کی اور داد تحسین دی۔

(ملاحظہ ہوں الدولۃ المکیۃ میں علماء عرب کی تقاریظ)

علم مافی الارحام، کے عنوان کے تحت فاضل بریلوی نے ایک روایت بیان کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے: خطیب اور ابو نعیم نے دلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ بیان کیا۔ ام الفضل نے مجھ سے بیان کیا اس نے کہا میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''تم کو حمل ہے۔ لڑکا ہے جب تمہارے بچہ پیدا ہو جائے تو میرے پاس لانا'' انہوں نے کہا: ''اے رسول اللہ ﷺ یہ کیسے ہو سکتا ہے اور قریش نے یہ طے کر رکھا ہے کہ عورتوں کے پاس نہ جائیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جیسا میں نے تم کو بتایا ہے ایسا ہی ہے۔'' انہوں نے کہا کہ: جب میرے بچہ پیدا ہوا تو میں اس کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے سیدھے کان میں اذان دی اور بائیں کان میں اقامت کہی، اور لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور عبداللہ نام رکھا اور فرمایا: ''جاؤ خلفاء کے باپ کو لے کر چلی جاؤ۔'' تو میں

نے یہ بات عباس کو بتائی تو وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا جوام الفضل نے بتایا یعنی یہ جو بچہ گود میں ہے اس کی نسل میں خلفاء ہوں گے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔ جو میں نے انہیں بتایا ہے وہی بات ہے۔ یہ خلفاء کا باپ ہے۔انہی میں سے سفاح ہوگا۔اور انہی میں سے مہدی ہوں گے۔''

(دلائل النبوۃ جلد:۳، ص:۲۰۱)

اس روایت کے بیان کرنے کے بعد فاضل بریلوی نے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ بھی معلوم ہے کہ حمل قرار پا گیا ہے۔حمل میں لڑکا ہے۔ یہ لڑکا کس مرتبہ کا ہے۔اس کی نسل میں کون کون ہوں گے۔یعنی آپ کو رحم مادر کی بھی پوری پوری خبر ہے۔اور صلب پدر کی بھی خبر ہے اور آخر نسل تک اس کی نسل میں کون کون ہوگا اس کا بھی علم ہے۔تو اس سے زیادہ علم غیب سے حضور ﷺ کے آگاہ ہونے کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

(الدولۃ المکیۃ ،ص:۱۰۶)

سبحان اللہ یہی اہلسنت کا ایمان ہے۔

قدرتی بات ہے، مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی ولادت بھی شوال کی ہے اور فاضل بریلوی کی ولادت بھی ۱۰ر شوال کی ہے۔امام ربانی مجدد الف ثانی کا وصال بھی صفر المظفر ۱۰۳۴ھ ۲۸ر تاریخ کو ہے اور فاضل بریلوی کا وصال بھی ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کا ہے۔ دونوں ہی مذہب اسلام کی نہایت عظیم الشان ہستیاں ہیں جن کے ظاہری علوم سے عالم اسلام فیضیاب ہورہا ہے اور باطنی فیض بھی ان کا جاری وساری ہے۔انہی تاریخوں میں اعراس شریفہ منعقد ہوتے ہیں۔
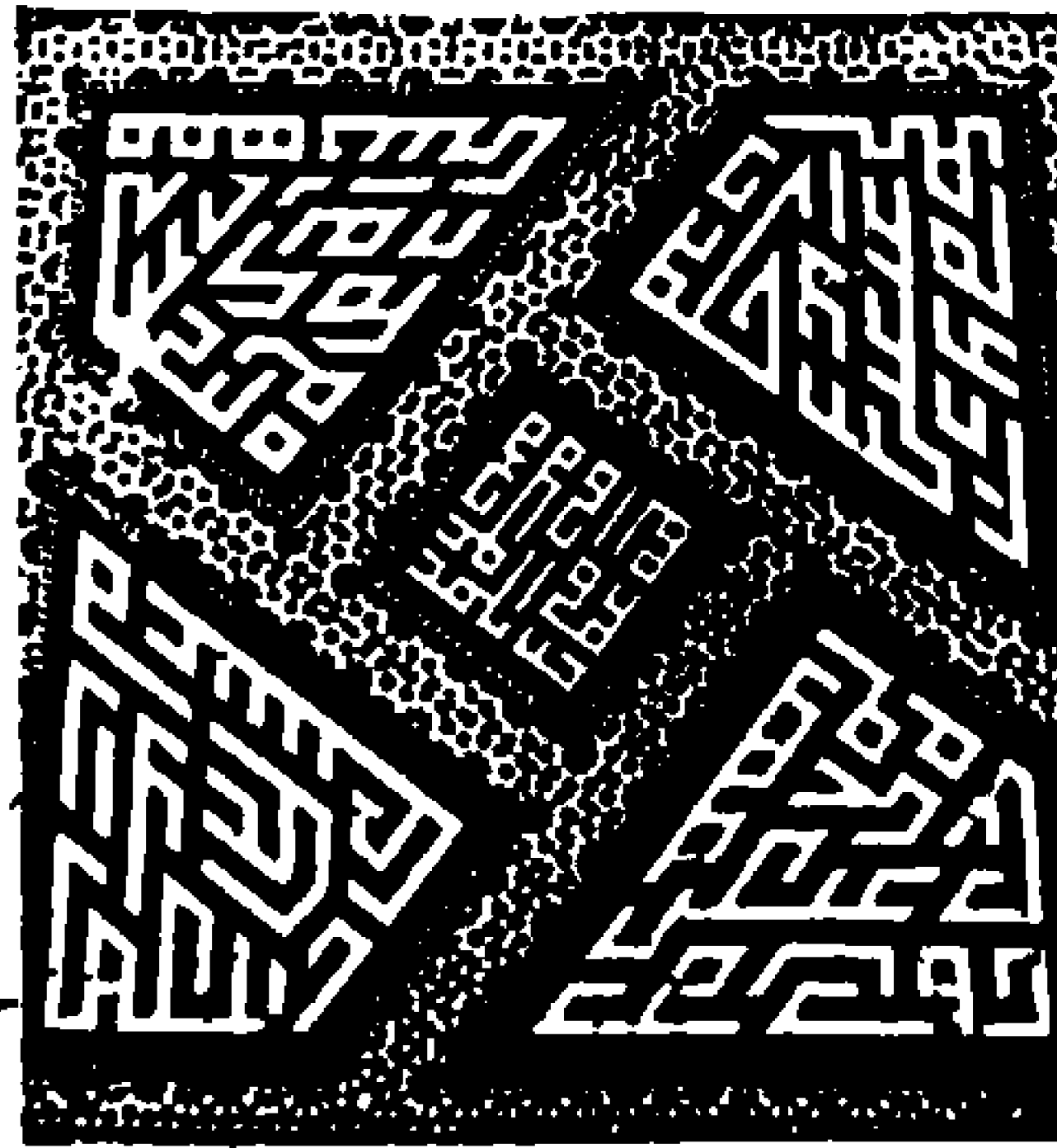
☆......☆......☆

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال[۱]

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
(ایم۔اے،پی۔ایچ۔ڈی)

☆☆

خاندانی میلان طبع اور پھر والدِ ماجد اور قابل اساتذہ کی صحبت نے اقبال کو خودشناسی اور خداشناسی کی طرف متوجہ کیا، اقبال کو تصوف سے گہرا لگاؤ تھا اور اس کو عین اسلام سمجھتے تھے۔ چنانچہ اپنے ایک مضمون میں اس کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اپنے مکتوبات میں کئی جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف شعائرِ حقہ اسلامیہ میں خلوص پیدا کرنے کا نام ہے۔ اگر تصوف کی یہ تعریف کی جائے تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ راقم الحروف اس تصوف کو جسکا نصب العین شعائرِ اسلام میں مخلصانہ استقامت پیدا کرنا ہو عین اسلام جانتا ہے اور اس پر اعتراض کرنے کو بدبختی اور خسران کا مترادف سمجھتا ہے[۲]۔

وہ اولیاء اللہ کی صحبت کو دولتِ کائنات سے بہتر خیال کرتے تھے اور ان کی کفش برداری کو باعث افتخار۔ خواجہ حسن نظامی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

جن لوگوں کے عقائد و عمل کا ماخذ کتاب وسنت ہے اقبال ان کے قدموں پر ٹوپی کیا سر رکھنے کو تیار ہے اور ان کی صحبت کے ایک لحظہ کو دنیا کی تمام عزت وآبرو پر ترجیح دیتا ہے[۳]۔

ان کے نزدیک ملتِ اسلامیہ کے انحطاط کا اصل سبب بزرگانِ دین سے بدگمانی ہے، اسی لیے وہ ان حضرات پاک کی سیرتوں کو پیش کرنے پر زور دیتے ہوئے محمد الدین فوق کو لکھتے ہیں:۔

زمانہ حال کے مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ ان لوگوں کی حیرت
ناک زندگی کو زندہ کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کی
اصل علت حسنِ ظن کا دور ہو جانا ہے۔

(انوارِ اقبال، ص۔۵۲: مکتوب بنام محمد الدین فوق، محررہ، ۷/اکتوبر ۱۹۰۴ء)

ان خیالات کی روشنی میں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اقبال تصوف سے برگشتہ اور اولیاء اللہ کی محبت سے روگردان تھے، وہ اولیاء اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دل سے متوجہ ہوئے چنانچہ وہ عالمِ جوانی سے اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دیتے رہے۔ ۱۹۰۵ء میں جبکہ وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان جا رہے تھے' حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ کے مزار مبارک پر دہلی حاضر ہوئے اور اپنی مشہور نظم التجائے مسافر'' میں مؤثر پیرائے میں اپنے دلی تاثرات بیان کیے جس سے ان کی قلبی کیفیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۸ء کے درمیان وہ انگلستان اور جرمنی میں رہے' جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے انہوں نے ڈاکٹریٹ کیا۔ مقالہ ڈاکٹریٹ کے سلسلے میں انہوں نے انگلستان کی لائبریریوں سے استفادہ کیا اور صوفیائے کرام کی نادر تصانیف کا مطالعہ کیا' مثلاً شیخ شہاب الدین سہروردی' حضرت امام غزالی' حضرت سید علی ہجویری، خواجہ محمد گیسو دراز' میر جرجانی، عزیز الدین نفسی وغیرہ کی کتب و رسائل مطالعہ کیے۔

۱۹۰۸ء میں وطن عزیز واپس آنے کے بعد انہوں نے حضرت مجدد کے مکتوبات شریف کا مطالعہ کیا ۔مکتوبات شریف کا بہترین ایڈیشن ۳۳۔۱۳۲۹ھ/۱۴۔۱۹۱۱ء کے درمیان امرتسر سے شائع ہوا۔ اس زمانے میں اقبال نے جو خطوط لکھے ہیں ان سے حضرت مجدد کے اثرات کا اندازہ ہوتا ہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے[۴]۔ اقبال سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے لیکن ان کو سلسلہ نقشبندیہ اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ سے خاص عقیدت و محبت تھی جس کا اظہار انہوں نے اپنے اس مکتوب میں کیا ہے:۔

خواجہ نقشبند اور مجدد سرہند کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ہے۔
مگر افسوس یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے، یہی حال
سلسلہ قادریہ کا ہے جس میں میں خود بیعت رکھتا ہوں[۵]۔

اقبال کے خیال میں سلسلہ نقشبندیہ حرکی (Dynamic) ہے جب کہ دوسرے سلاسل، سکونی (Static) ہیں۔ چنانچہ مرزا عبدالقادر بیدل (م۔۱۱۳۳ھ) کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے:۔

بیدل کے کلام میں خصوصیت کے ساتھ حرکت پر زور ہے، نقشبندی
سلسلے اور حضرت مجدد الف ثانی سے بیدل کی عقیدت کی بنیاد بھی یہی
ہے، نقشبندی مسلک حرکت اور رجائیت پر مبنی ہے' مگر چشتی سلسلے میں
قنوطیت اور سکون کی جھلک نظر آتی ہے۔ اسی وجہ سے چشتیہ سلسلے کا
حلقۂ ارادت زیادہ تر ہندوستان تک محدود ہے مگر ہندوستان سے باہر
افغانستان، بخارا' ترکی وغیرہ میں نقشبندی مسلک کا زور ہے[۶]۔

اقبال کی نظر میں حضرت مجدد سلسلۂ نقشبندیہ کی اس (حرکیت) کا نقطۂ کمال تھے، اسی لیے ان کو آپ سے گہری محبت اور عقیدت تھی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب ان کے صاحب زادے جاوید اقبال تولد ہوے (۱۵/اکتوبر ۱۹۲۴ء) تو انہوں نے منت مانی کہ جب وہ بڑے ہو جائیں گے تو حضرت مجدد کے مزار مبارک پر ان کو پیش کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور ۱۹۴۳ء میں جاوید اقبال کو ساتھ لیکر سرہند شریف حاضر ہوے۔ اقبال نے ایک مکتوب میں سرہند حاضری کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

آج شام کی گاڑی میں سرہند شریف جارہا ہوں، چند روز ہوے صبح کی
نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی خواب میں کسی نے مندرجہ ذیل پیغام دیا:۔
ہم نے جو خواب تمہارے اور شکیب ارسلاں[۷] کے متعلق دیکھا ہے وہ
سرہند بھیج دیا ہے، ہمیں یقین ہے کہ خدا تعالیٰ تم پر بہت بڑا فضل
کرنے والا ہے
پیغام دینے والا معلوم نہ ہوسکا کہ کون ہے، اس خواب کی بناء پر وہاں
کی حاضری ضروری ہے، اس کے علاوہ جاوید جب پیدا ہوا تھا تو میں
نے عہد کیا تھا کہ جب وہ ذرا بڑا ہو گا تو اسے حضرت کے مزار پر لے
جاؤں گا، وہ بھی ساتھ جائے گا تاکہ یہ عہد بھی پورا ہو جائے[۸]۔

۲۹/جون ۱۹۳۴ء کو سرہند گئے اور ۳۰ جون کو واپس آگئے۔ چناں چہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

میں ہفتے کی شام کو سرہند سے واپس آ گیا تھا۔ نہایت عمدہ اور پُر فضا
جگہ ہے انشاء اللہ پھر بھی جاؤں گا[۹]۔

پھر ۳/ جولائی ۱۹۳۴ء کے ایک مکتوب میں اپنے قلبی تاثرات کا اس طرح اظہار کرتے ہیں:۔

سرہند خوب جگہ ہے مزار نے میرے دل پر بڑا اثر کیا ہے، بڑی پاکیزہ جگہ ہے پانی اس کا سرد و شیریں ہے، شہر کے کھنڈرات دیکھ کر مجھے مصر کا قدیم شہر فسطاط یاد آ گیا جس کی بناء حضرت عمرو بن العاص نے رکھی تھی، اگر سرہند کی کھدائی ہو تو معلوم نہیں کہ اس زمانے کی تہذیب و تمدن کے کیا انکشافات ہوں۔ یہ شہر فرخ سیر کے زمانے میں بحال تھا اور موجودہ لاہور سے آبادی اور وسعت کے لحاظ سے دوگنا تھا[10]

حضرت مجدد سے اقبال کی عقیدت و محبت کا حال ان حضرات نے بھی بیان کیا جو ان سے ملے یا ان کے قریب رہے مثلاً پروفیسر عبدالقیوم مرحوم، حضرت مولانا محمد ہاشم جان مجددی سرہندی مرحوم، مولانا عبدالمجید سالک، سید نذیر نیازی، پروفیسر یوسف سلیم چشتی، مولانا غلام رسول مہر حکیم محمد روح اللہ قادری، پروفیسر سید عبدالقادر مرحوم وغیرہ۔

بقول مولینا حکیم محمد روح اللہ قادری علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء):

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے والد ماجد شیخ نور محمد علیہ الرحمہ اعوان شریف ضلع گجرات، پاکستان کے ایک مشہور و معروف قادری بزرگ حضرت قاضی سلطان محمود صاحب علیہ الرحمۃ (م/ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) سے بیعت تھے۔ اور جب علامہ اقبال سنِ شعور کو پہنچے تو ان کو بھی آپ ہی سے بیعت کرا دیا[11] اور بقول پروفیسر سید عبدالقادر مرحوم (م۔ ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶) علامہ اقبال نے خود ان سے فرمایا کہ حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمۃ کے ارشاد کے مطابق وہ دہلی میں حضرات خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے اور وہاں رؤیا میں قاضی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا فیض حضرت مجدد کے پاس ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال سرہند پہنچے اور فیضیاب ہوئے[12]۔

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمۃ کا وصال ۱۹۱۹ء میں ہوا تو یہ حاضری اس سے پہلے کی بات ہے جب علامہ اقبال ''مثنوی اسرار خودی'' اور ''رموز بے خودی'' لکھ رہے تھے۔

مولانا محمد ہاشم جان سرہندی نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سرہند جاتے ہوئے جب لاہور سے گزرا تو اقبال سے ملاقات ہوئی، جب اقبال کو معلوم ہوا کہ مولانائے ممدوح کا نسبی تعلق حضرت مجدد سے ہے تو انہوں نے

بڑی قدر و منزلت کی اور حضرت مجدد سے اپنی عقیدت کے سلسلے میں یہ واقعہ بیان کیا:

ایک مرتبہ حافظ عبدالحلیم کے ہاں احباب کے ساتھ ''للبتی'' گیا ہوا تھا، واپسی میں سرہند پڑا تو احباب فاتحہ خوانی کے لیے حضرت مجدد کے مزار پر حاضر ہوئے مجبوراً مجھے بھی جانا پڑا۔ سب لوگ مراقب ہوگئے میں بیٹھا رہا اچانک مجھ پر رقت طاری ہوگئی، لرزنے لگا اور تھوڑی دیر بعد بیہوش ہوگیا۔ جب سب لوگ مراقبے سے فارغ ہوئے تو مجھ پر پانی چھڑکا اور میں ہوش میں آیا، اس روحانی تجربے کے بعد مجھے یہ معلوم ہوا کہ مزاراتِ اولیاء فیضانِ الٰہی سے خالی نہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اقبال یہ واقعہ بیان کرتے اور روتے جاتے، ان کا دل محبت سے معمور اور آنکھیں اشکبار تھیں۔

اب راز، راز رہ نہ سکے گا کہ ان کی یاد
پلکوں تک آگئی ہے چراغاں کیے ہوئے

مولانا عبدالمجید سالک نے ''ذکرِ اقبال'' اور ''سرگزشت'' میں حضرت مجدد سے اقبال کی عقیدت کا ذکر کیا ہے، انہوں نے ''سرگزشت'' میں لکھا ہے:

ڈاکٹر اقبال کو ہندوستان کے اولیاء کرام میں سے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ سے بے انتہا عقیدت تھی ۱۹۳۴ء کی جون میں انہیں بیٹھے بٹھائے خیال آیا کہ سرہند شریف کی زیارت کرنی چاہیے چنانچہ انتہا درجے کے آرام طلب ہونے کے باوجود شدید گرمی کے موسم میں سرہند گئے اور وہاں سے واپس آکر یہ نظم لکھی:-

حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر

واپسی پر ڈاکٹر صاحب نے وہ کیفیات بھی بیان کیں جو حضرت کے مزار پاک کی زیارت کے وقت ان کے قلب پر وارد ہوئیں اور دیر تک ہم نشینوں کو کیفیت عرفاں سے سرشار کیا[۱۳]۔

جس نظم کی طرف سالک مرحوم نے اشارہ کیا ہے وہ ''بال جبریل'' میں موجود ہے، اس کے چند اشعار یہ ہیں:۔

حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہاں گیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمیِ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار[۱۴]

سید نذیر نیازی نے بھی سرہند شریف حاضری کے بعد اقبال کے تاثرات کا ذکر کیا ہے انہوں نے لکھا ہے:

حضرت علامہ سرہند سے بڑا گہرا اثر لے کر آئے تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ مسلمان اپنی تاریخ اور تہذیب وتمدن سے کس درجہ بے خبر ہیں بلکہ اس سے غفلت برت رہے ہیں۔ راقم الحروف کے دل پر ایک تو اس اسلوب کا بڑا اثر تھا جس میں حضرت علامہ نے سرہند کا نقشہ کھینچا تھا۔ یہ اسلوب کیسا برجستہ اور تصنع سے پاک تھا، صاف وسادہ۔ ثانیاً ان کا ذہن بعض سکھ گروؤں کے اس قتل کی طرف منتقل ہو گیا جس کو سکھوں نے مکتوبات کے حوالے سے کسی نہ کسی طرح حضرت مجدد کے اثر کا نتیجہ ٹھیرایا ہے' اور جن کی بنا پر یہ ان کا مذہبی فریضہ بن گیا تھا کہ ہر آنے جانے والا سکھ، سرہند کی ایک ایک اینٹ دریا میں ڈال دے[۱۵]۔

پروفیسر چشتی کے سامنے بھی اقبال نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا، چنانچہ راقم کے استفسار پر پروفیسر موصوف نے تحریر فرمایا:۔

اس قدر یاد ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ سجادہ نشیں خلیفہ محمد صادق (مرحوم) نے میرے لیے مزار مبارک پر تخلیہ کرا دیا تھا، میں ایک گھنٹے تک مراقب رہا اور حضرت مجدد کی روح میری طرف محبت آمیز رنگ میں متوجہ رہیں، مجھے ماحول کا احساس نہیں رہا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور حضرت مجھ سے فرمارہے ہیں: ''تمہاری دینی خدمات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول ہوگئی ہیں، آں حضرت کی تم پر خاص نگاہِ کرم ہے'' میرے قلب میں سوز و گداز کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی جس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہوسکتا اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ خاصانِ خدا کا فیض بعد وفات بھی جاری رہتا ہے' اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ حضور انور کے روضۂ مبارک سے کس قدر فیضان جاری ہے' رقت کا عالم برابر طاری رہا، زمان و مکان کا احساس ختم ہوگیا تھا، روحانی فیض میرے رگ و پے میں ساری تھا، دل میں اس قدر وسعت کہ ساری کائنات اسی میں سما گئی[۱۶]۔ ۱۹ ۲۰

غالباً ''ضرب کلیم'' (۱۹۳۵ء) میں اسی تجربے کی بنا پر اقبال نے کہا ہے:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

حضرت مجدد سے اقبال کی عقیدت کورانہ نہ تھی بلکہ انہوں نے تعلیمات مجددیہ کا عمیق نظر سے مطالعہ کیا تھا اور خوب پرکھا تھا' اور نہ صرف یہ کہ وہ ان تعلیمات سے خود متاثر ہوئے بلکہ دوسرے ممالک میں اس کا پرچار بھی کیا چناں چہ ۱۹۳۲ء میں انگلستان میں حضرت مجدد کے افکار و خیالات پر ایک لیکچر[۱۷] دیا تھا جو وہاں بہت پسند کیا گیا اس کے متعلق فاضل جلیل پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ[۲۲] کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی' جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی''[۱۸]

''بالِ جبریل'' میں ایک نظم ملتی ہے جس میں اقبال مسترشدانہ حضرت مجدد سے طلب وسوال کرتے ہیں:

لا اک بار وہی بادہ وجام اے ساقی!
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی
تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

میاں بشیر احمد (بیرسٹرایٹ لاء) کے استفسار پر اقبال نے بتایا کہ اس نظم میں ''ساقی'' سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی طرف اشارہ کیا ہے...... ''مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق'' میں بھی ایک جگہ اقبال کہتے ہیں:۔

از سہ قرن این امت خوار و زبوں
زندہ بے سوز و سرور اندروں

اقبال کو مسلمانانِ عالم کی پستی کا شدید احساس تھا، ان کو سخت افسوس تھا کہ مسلمانوں میں نہ وہ مجتہدانہ شان باقی رہی اور نہ سرفروشانہ آن۔ اسی متاع دزدیدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

شیر مردوں[۲۱] سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی وملّا کے غلام اے ساقی!
عشق کی تیغِ جگر دار اڑا لی کس نے؟
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی!

اور پھر آخر میں کس حسرت سے حضرت مجدد سے التجا کرتے ہیں۔

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

حضرت مجدد نے بعض مشائخ وصوفیہ کے اقوال واعمال پر جو تنقید فرمائی ہے اس میں تین چیزیں سرفہرست نظر آتی ہیں:

(۱) تصور وحدۃ الوجود

(۲) شریعت اور طریقت
(۳) رقص و موسیقی

(۱)

حضرت مجدد نے اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات کی روشنی میں ''نظریہ وحدۃ الوجود'' سے ایک قدم آگے بڑھا کر ''نظریہ وحدۃ الشہود'' پیش کیا، حضرت مجدد کے عہد میں ''تصور وحدۃ الوجود'' کی غلط تعبیر وتشریح نے فضا کو مسموم کر دیا تھا، آپ نے اس کی صحیح تاویل وتشریح فرمائی اور ایک ایسا نظریہ پیش کیا جس میں غلط تعبیر کا وہم وگمان بھی نہ رہا یعنی ''تصورِ وحدۃ الشہود''۔

(۲)

اس کے علاوہ آپ نے ان مشائخ کے اندازِ فکر کی اصلاح فرمائی جو شریعت اور طریقت کو دو علیحدہ حقیقتیں سمجھتے تھے، حضرت مجدد نے عقل ونقل سے یہ ثابت کیا کہ شریعت وطریقت ایک دوسرے کے عین ہیں، ان میں ذرّہ برابر فرق نہیں۔ اس طرح شریعت اور طریقت کی علیحدگی سے جو فتنے اٹھ سکتے تھے یا اُٹھ رہے تھے، حضرت مجدد نے ان کا سدِ باب فرمایا۔

(۳)

تیسری بات یہ کہ رقص وموسیقی کے مقابلے میں موسیقی کو بے حقیقت ثابت کر کے ذکر واذکار سے خارج کر دیا، بعض مشائخ نے اس کو داخل ذکر کر لیا تھا اور بعض اس کو قائم مقام ذکر تصور کرتے تھے۔ حضرت مجدد نے رقص وموسیقی کے مقابلے میں نماز کی حقیقت کو واضح کیا اور یہ بتایا کہ سکون وطمانیت کا سرچشمہ تو دل کے اندر ہے، ہم اس کو باہر تلاش کرتے ہیں اور سکون قلبی اور التذاذِ روحانی کے لیے نماز سے بڑھ کر کوئی مشغلہ نہیں۔

اقبال کی تصانیف اور کلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت مجدد کی ان تینوں اصلاحات سے متاثر ہوئے اور اس حد تک متاثر ہوئے کہ خود ان میں ذہنی اور فکری انقلاب آ گیا جو انہوں نے محسوس بھی کیا اور بیان بھی کیا۔ ہم حقائق وشواہد کی روشنی میں فکرِ اقبال کے اس پہلو کا جائزہ لیتے ہیں:

عرض کیا جا چکا ہے کہ ۱۹۰۸ء میں انگلستان سے واپسی پر اقبال نے حضرت مجدد کے مکتوبات شریف کا مطالعہ کیا اور متاثر ہوئے اور اسی تاثر کا نتیجہ ہے کہ اقبال نے ۱۹۱۲ء میں اپنا تصور خودی پیش کیا۔ ''شمع وشاعر'' (۱۹۱۲ء) وہ پہلی نظم ہے جس میں یہ تصور ملتا ہے، اس سے پہلے وہ وجودی نظر آتے ہیں لیکن سنہ مذکور کے بعد سے شہودی معلوم ہوتے ہیں، وہ ایک نیا اندازِ فکر لے کر ابھرتے ہیں اور اس فکر کو ''مثنوی، اسرار خودی'' (۱۹۰۸ء) میں باقاعدہ پیش کرتے ہیں، اس فکری انقلاب کے لیے ان کو بڑا جہاد کرنا پڑا جس کا اظہار انہوں نے ایک مکتوب میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> میری نسبت بھی آپ کو معلوم ہے، میرا فطری اور آبائی میلان تصوف کی طرف ہے' اور یورپ کا فلسفہ پڑھنے سے یہ میلان اور بھی تیز ہو گیا تھا کیوں کہ فلسفہ یورپ بحثیت مجموعی وحدۃ الوجود کی طرف رُخ کرتا ہے، مگر قرآن پر تدبر کرنے اور تاریخِ اسلام کا بغور مطالعہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی اور میں نے محض قرآن کی خاطر اپنے قدیم خیال کو ترک کر دیا اور اس مقصد کے لیے مجھے اپنے فطری اور آبائی رجحانات کے ساتھ ایک خوفناک دماغی اور قلبی جہاد کرنا پڑا[۲۳]۔

اقبال کے والدِ محترم اہلِ دل تھے، ابن عربی علیہ الرحمہ کی تصانیف سے خاص شغف رکھتے تھے اور وحدۃ الوجود کے مؤید تھے۔ اسی ماحول میں اقبال نے پرورش پائی، چنانچہ وہ اس ابتدائی تربیت، تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے شاہ سلیمان پھلواروی کو لکھتے ہیں:-

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کوئی بدظنی نہیں بلکہ مجھے ان سے محبت ہے، میرے والد کو ''فتوحات'' اور ''فصوص'' سے کمال توغل رہا ہے اور چار برس کی عمر سے میرے کانوں میں ان کا نام اور ان کی تعلیم پڑنی شروع ہوئی، برسوں تک ان دونوں کتابوں کا درس ہمارے گھر میں رہا، گو بچپن کے دنوں میں مجھے ان مسائل کی سمجھ نہ تھی تاہم محفل درس میں ہر روز شریک ہوتا بعد میں جب عربی سیکھی تو کچھ کچھ خود بھی پڑھنے لگا اور جوں جوں علم اور تجربہ بڑھتا گیا' میرا شوق، واقفیت زیادہ ہو گئی[۲۴]۔

بہر کیف حضرت مجدد کے مطالعے نے اقبال کو وحدۃ الوجود سے وحدۃ الشہود کی طرف متوجہ کیا۔ اقبال کی اس فکری تبدیلی نے ان کے انگریز اساتذہ کو حیرت میں ڈال دیا تین چار سال کے اندر اندر اتنا عظیم

انقلاب آ جانا یقیناً حیرت انگیز ہے، چنانچہ ''اسرارِ خودی'' کے شائع ہونے کے بعد اقبال کے استادِ فلسفہ میک ٹیگرٹ نے ان کو لکھا:

طالب علمی کے زمانے میں تو تم زیادہ تر ہمہ اوستی معلوم ہوتے تھے
اب معلوم ہوتا ہے کہ ادھر سے ہٹ گئے ہو۲۵۔

جس زمانے میں اقبال نے ''اسرار خودی'' لکھی ہے' اس سے کچھ پہلے امرتسر سے ''مکتوبات امام ربانی'' کا شاندار ایڈیشن شائع ہو رہا تھا، مکتوبات کی تینوں جلدیں ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء میں چھپ کر منظر عام پر آگئیں، مکتوبات اس سے قبل بھی شائع ہو چکے تھے مگر وہ نایاب تھے، سہل الحصول نہ تھے) بہر کیف اقبال نے ان تینوں مجلدات کا عمیق مطالعہ کیا چنانچہ انہوں نے اس زمانے میں اور بعد میں بھی اپنے خطبات و مکتوبات میں ''مکتوبات امام ربانی'' کے حوالے دیے ہیں۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۵ء کو وہ ایک مکتوب میں خواجہ حسن نظامی مرحوم کو لکھتے ہیں:

حضرت امام ربانی نے مکتوبات میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ ''گستن'' اچھا ہے یا 'پیوستن'...... میرے نزدیک ''گستن'' عین اسلام ہے اور ''پیوستن'' رہبانیت یا ایرانی تصوف ہے اور میں اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں...... آپ کو یاد ہو گا جب آپ نے مجھے سر الوصال کا خطاب دیا تھا (۲۶) تو میں نے آپ کو لکھا تھا کہ مجھے ''سر الفراق'' کہا جائے، اسوقت بھی میرے ذہن میں یہی امتیاز تھا جو مجدد الف ثانی نے کیا ہے، آپ کے تصوف کی اصطلاحات میں اگر میں اپنے مذہب کو بیان کروں تو یہ ہو گا کہ شان عبدیت انتہائی کمال روح انسانی کا ہے' اور اس سے آگے اور کوئی مرتبہ یا مقام نہیں ۲۷۔

اقبال کے اس مذہب کی بنیاد حضرت مجدد کے اس کشف صحیح پر ہے:
مقام عبدیت کہ نہایت جمیع مقامات ولایت است

(مکتوبات امام ربانی جلد اوّل، مطبوعہ امرتسر' ص۔ ۳۹، مکتوب نمبر ۳۰)

حضرت مجدد نے خواجہ اشرف کابلی کے نام ایک مکتوب (جلد اوّل مکتوب نمبر ۴۴) میں ''گستن'' اور ''پیوستن'' پر بحث کی ہے اور لکھا ہے مشائخ طریقت کی ایک جماعت ''گستن'' کو ''پیوستن'' پر مقدم سمجھتی ہے، دوسری جماعت ''پیوستن'' کو ''گستن'' اور تیسری جماعت خاموش ہے۔

حضرت ابو سعید خرازؒ فرماتے ہیں کہ ''جب تک تو آزاد نہ ہوگا نہیں پا سکتا''۔ نہ معلوم ان دونوں میں کونسی بات مقدم ہے (یعنی پانا یا آزاد ہونا) راقم السطور کہتا ہے کہ ایک ہی وقت میں دونوں یعنی گستن و پیوستن وقوع پذیر ہو سکتے ہیں۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ گستن کو پیوستن سے الگ کر دیا جائے یا پیوستن بغیر گستن کے ظاہر ہو جائے۔ اس میں راز ہے تو فقط تقدم ذاتی اور تعین علیت میں ہے۔

شیخ الاسلام ہروی نے دوسرا مذہب اختیار کیا ہے (یعنی پیوستن کو گستن پر مقدم سمجھا ہے) لیکن جن حضرات نے گستن کو مقدم رکھا ہے وہ بھی اس سبقت سے انکار نہیں کرتے۔ پیوستن سے ان کی مراد ظہور تام ہے اور ظہور مطلق پر منافی سبقت نہیں۔ ظہورِ مطلق گستن پر مقدم ہوگا اور ظہور تام مؤخر۔

اس تحقیق کے مطابق انکا نزاع، نزاع لفظی ہوگا۔ لیکن پہلی جماعت کی نظر عالی ہے، (یعنی جو گستن کو پیوستن پر مقدم سمجھتی ہے) کہ تھوڑے کو خاطر میں نہیں لاتے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ توجیہ سے مقدم زمانی بھی پیدا ہوگئی ہے بہر کیف مظہر گستن پیوستن ہونا چاہیے کیوں کہ مرتبۂ ولایت ان مراتب سے وابستہ ہے۔ مرتبہ اولیٰ سیر الی اللہ سے وابستہ ہے اور مرتبہ ثانی سیر فی اللہ سے ان دو سیروں کے بعد حسب مراتب و درجات سالک مرتبہ ولایت و کمال پر پہنچتا ہے:

اقبال کے قلب و دماغ پر حضرت مجدد کی تعلیمات کا تاثر عارضی نہ تھا، پختہ تر ہو گیا تھا جس کا کچھ اندازہ اقبال کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے:

> رہبانیت دنیا کی ہر مستعد قوم میں اس کے عملی زوال کے وقت پیدا ہوتی ہے، اس کا مٹانا ناممکن ہے کہ بعض رہبانیت پسند طبائع ہمیشہ موجود رہتی ہیں، جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ اپنے دین کی حفاظت کریں اور اس کو رہبانیت کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں، ہم وحدت الوجودیوں کو مسلمان بنانا نہیں چاہتے بلکہ مسلمانوں کو ان کے تخیلات کے دام سے محفوظ رکھنا چاہتے

ہیں [۲۸]، اگر ہم حق پر ہیں تو خدا ہماری حمایت کرے گا اور ہم ناحق پر
ہیں تو ہم فنا ہو جائیں گے [۲۹]۔

جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت مجدد نے وحدۃ الوجود سے ایک قدم آگے بڑھا کر وحدۃ الشہود کا تصور پیش کیا۔ اس تصور کے تحت ذات کی نفی نہیں کی گئی بلکہ اثبات کیا ہے اس اثبات کی طرف اقبال [۳۸] نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے:

اک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
باقی ہے نمود سیمیائی

تصور وحدۃ الوجود میں فرد، انا یا خود نفی کی گئی ہے جیسا کہ غالبؔ نے کہا ہے:

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ 'ہے' نہیں ہے

ظاہر ہے کہ ایسے نظریے پر اقبال اپنے تصورِ خودی کی بنیاد کیسے رکھ سکتے تھے جس میں فرد کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مجدد کے مجتہدانہ مکاشفات کی طرف توجہ کی اور انہیں مکاشفات کو اپنے افکار و خیالات کی اساس ٹھیرایا...... ظاہراً اقبال نے قرآن وحدیث کو اپنی فکری اساس قرار دیا ہے لیکن قرآن تو انہوں نے بہت پہلے پڑھ لیا تھا، ہمارا خیال ہے کہ لومتِ لائم سے بچنے کے لیے انہوں نے ایسا کیا، ماحول پر وجود فلسفہ غالب تھا اور اس فلسفے کے خلاف کچھ کہنے کے لیے مستحکم اساس کی ضرورت تھی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مکتوبات امام ربانی کے مطالعہ نے قرآن وحدیث کے متعلق ایک نیا اندازِ فکر عطا کیا ہو کیوں کہ حضرت مجدد کے مکشوفات و تجربات (بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ) قرآن وحدیث کے مطابق ہیں۔ اس طرح اقبال کا کہنا صحیح بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن وحدیث کا تاثر بلاواسطہ نہ سہی بالواسطہ ہوا۔ اگر اقبال کھل کر حضرت مجدد کے افکار و خیالات کی تائید کرتے تو عین ممکن تھا کہ دوسرے سلاسل کے لوگ متحد محاذ قائم کر لیتے، اس احتیاط پر بھی خواجہ حسن نظامی نے معاف نہ کیا۔ اس کے علاوہ اقبال خود قادری تھے اس لیے بھی وہ حضرت مجدد کے بارے میں محتاط رہے، پھر طبعاً وہ آزاد رہنا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے مے مجددی اپنے پیمانے سے پلائی۔

بعض دوسرے فضلاء اور محققین نے بھی حضرت مجدد سے اقبال کے استفادے اور تاثر کا ذکر کیا ہے مثلاً استاد محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں[۳۰] صاحب، ڈاکٹر خلیفہ[۳۱] عبدالحکیم مرحوم، ڈاکٹر برہان[۳۲] احمد فاروقی، ڈاکٹر ابوسعید نورالدین[۳۳] وغیرہ مگران حضرات نے تفصیل کے بجائے اجمال کو پیش نظر رکھا ہے۔

حضرت مجدد نے مشائخ طریقت کو نظریاتی طور پر تین طبقات میں تقسیم کیا:

(۱) طائفہ اولیٰ قائل اند بآ رانکہ عالم با یجاو حق سبحانہٗ درخارج موجود است

(۲) طائفہ دیگر عالم راظلِ حق سبحانہٗ می دانند

(۳) طائفہ ثالث قائل اند بوحدت وجود یعنی درخارج یک موجود است وبس[۳۴]۔

یعنی طائفہ اولیٰ عبدیت کا قائل ہے۔ طائفہ ثانی ظلیت کا اور طائفہ ثالث وجودیت کا۔ اقبال نے ان تینوں طبقات یا نظریات کو ''شاہد'' سے تعبیر کیا ہے وہ، شاہد جو وجود عالم کی شہادت دیتا ہے، حضرت مجدد نے جس ترتیب سے ان طبقات کا ذکر کیا ہے، اقبال نے ان کو مقلوب کر دیا ہے، ان تینوں نظریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اقبال کے یہ اشعار ملاحظہ کریں:

حضرت مجدد کے افکار کیسے صاف صاف جھلک رہے ہیں۔

زندۂ یا مردۂ یا جاں بلب
ازسہ شاہد کن شہادت را طلب
شاہدِ اوّل شعورِ خویشتن!!
خویش را دیدن بنورِ خویشتن
شاہدِ ثانی شعورِ دیگرے
خویش را دیدن بنورِ دیگرے
شاہدِ ثالث شعورِ ذاتِ حق
خویش را دیدن بنورِ ذاتِ حق

حضرت مجدد اسی ثالث یا طائفہ ثالث کے متعلق فرماتے ہیں:

ایں طائفہ علیا راازمقام کہ نہایت جمیع مقامات ولایت ست بہرۂ تمام است[۳۶]

یہ وہی مقام ہے جس کو اقبال اپنا مذہب قرار دیتے ہیں اور انتہائی کمال انسانی کہتے ہیں۔(۳۷) اور اسی مقام کی تشریح وتفسیر اس شعر میں پیش کرتے ہیں:

برمقام خود رسیدن زندگی ست
ذات را بے پردہ دیدن زندگی ست

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ''دیدن'' کی تشریح کر دی جائے ......حضرت مجدد نے تصور وحدۃ الوجود اور تصورِ وحدۃ الشہود میں 'دیدن' اور (دانستن) میں فرق وامتیاز قائم کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

> توحید شہودی ایک دیکھنا ہے یعنی سالک کا مشہود سوائے ایک کے کوئی اور نہ ہو، اور توحید وجودی ایک موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو معدوم سمجھنا[۳۹]۔

اقبال نے حضرت مجدد کے اسی فرق وامتیاز کو مدّ نظر رکھا ہے، جس کو حضرت مجدد نے ''گسستن پیوستن'' اور اقبال نے ''سرّ الوصال اور سرّ الفراق'' سے بھی تعبیر کیا ہے۔ الغرض اقبال حضرت مجدد کے تصورِ عبدیت یا تصورِ وحدۃ لشہود سے بے حد متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا نظریہ خودی حضرت مجدد کے تصورِ عبدیت ہی کی دوسری شکل ہے۔ دونوں تصورات میں ناموں کے علاوہ کوئی فرق نہیں آتا۔

اقبال نے اسی تصور کو پیش نظر رکھتے ہوئے جرمن فلاسفر نٹشے (م ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) پر سخت تنقید کی ہے اور اس کی فکری ناکامی اور نامرادی کا کس حسرت سے ذکر کیا ہے:

خواست تا از آب و گل آید بروں
خوشۂ کزکشتِ دل آید بروں
آں چہ او جوید مقامِ کبریا ست
ایں مقام از عقل و حکمت ماور است
زندگی شرحِ اشارات خودی ست
لا والا از مقاماتِ خودی ست
او بہ 'لا' درماند و تا 'الا' نرفت

از مقامِ عبدہٗ بیگانہ رفت
چشم او جز رویتِ آدم نہ خواست
نعرۂ بے باکانہ زد آدم کجاست؟
کاش بودے در زمانِ احمدے
تارسیدے برسرورِ سرمدے[۴۰]

یہاں ''احمد'' سے مراد احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ ہیں، اقبال کی نظر میں آپ اس مقامِ رفیع پر فائز ہیں، جہاں مفکرینِ مغرب کو بھی سبق سکھا سکتے ہیں اسی لیے اقبال کہتا ہے کہ --- کاش نطشے حضرت مجدد کے عہدِ مبارک میں ہوتا تو وہ اس کو بتاتے کہ زندگی کیا ہے، سروری کیا ہے، لیکن افسوس وہ آپ کے عہدِ مبارک میں نہ ہوا اور بہک گیا۔

او بہ 'لاَ' درماند وتا 'الاَ' نرفت
ازمقامِ عبدہٗ بیگانہ رفت

حضرت مجدد نے 'لاَ' و 'الاَ' کے فرق کو قائلینِ عبدیت کے تحت اس طرح بیان فرمایا ہے:

ممکن راز واجب جدا ساختند و ہمہ را تحت کلمہ 'لاَ' در آور دہ نفی نمودند وممکن را بواجب ہیچ مناسبتے ندیدند، ہیچ نسبت را پا واثبات نہ کردند خود راغیر ازعبد--- نہ شناختند و اور اعزشانہ خالق ومولائے خوددانستند[۴۱]۔

اقبال کے مندرجہ بالا اشعار حضرت مجدد کے اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔

۱۹۳۲ء میں اقبال نے بزم ارسطو Aristatoeian society کی دعوت پر انگلستان میں ایک خطبہ دیا تھا جس کا عنوان تھا:

"Is Religion Possible"[۴۲]

اس خطبے میں اقبال نے حضرت مجدد کے افکار و خیالات کو اہلِ یورپ سے روشناس کرایا، اور حضرت مجدد کی تعلیمات کی روشنی میں مفکرین مغرب کے فکری تسامحات کی نشاندہی فرمائی۔ چنانچہ اسی خطبے میں اقبال نے نطشے کے افکاو خیالات پر تبصرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ

گو اس کی لگن سچی تھی لیکن اس کو (حضرت مجدد جیسا) مرد کامل نہ ملا جو اس کے سامنے حقائق بے نقاب کرتا، اس محرومی کی وجہ سے وہ نامراد و ناکام ہو گیا۔ یوں ایک بڑا ذہین و فطین انسان ضائع ہو گیا اور زندگی کی جھلک بھی لاحاصل ثابت ہوئی جس کے لیے وہ صرف اپنی اندرونی قوتوں کا مرہون منت تھا محض اس لیے کہ اسے کوئی مرشدِ کامل نہ ملا جو اس کی رہنمائی کرتا[۴۳]۔

اس لیے تو کہا ہے:

کاش بودے در زمان احمدے
تا رسیدے بر سرورِ سرمدے

اس زوِ کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کے مکتوبات نے اقبال کو کیسی بصیرت عطا کی تھی۔ وہ کس یقین کے ساتھ مغربی فلاسفہ پر تنقید کر رہے ہیں، گویا کہ مفکرین مغرب ان کے سامنے طفلِ مکتب ہیں ہاں اقبال کو یقین کی اس منزل پر کس نے پہنچایا؟ جو دوسرے مفکرین کے لیے حضرت مجدد کو ایک مرشد کامل قرار دیتا ہے تو کیا اس نے خود حضرت مجدد سے کچھ نہ سیکھا ہوگا، یقیناً پہلے اس نے خود سیکھا اور پھر دوسروں کو سکھایا، پہلے اس نے خود فکری بیعت کی پھر دوسروں کو اس طرف متوجہ کیا۔

اقبال نے نہ صرف نٹشے پر تنقید کی ہے بلکہ سوئزرلینڈ کے ''فلسفی سی جی یونگ''[۴۴] پر کیسی سخت تنقید کرتے ہیں، وہ یہاں تک کہہ گزرے ہیں کہ ''وہ کچھ نہیں سمجھا''...... یونگ پر تنقید کے بعد اقبال حضرت مجدد کے افکار و خیالات پیش کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دیتے ہیں کہ جدید نفسیات میں ترقی کے باوجود اب تک وہ زبان وجود میں نہیں آئی جس میں حضرت مجدد کی باتیں بتائی جائیں۔ چنانچہ وہ عجز و درماندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> جہاں تک شیخ موصوف کی عبارت کا تعلق ہے مجھے ڈر ہے کہ میں نفسیاتِ حاضرہ کی زبان میں اس کے حقیقی معنی شاید ہی بیان کر سکوں کیوں کہ اس قسم کی زبان موجود ہی نہیں[۴۵]۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:

میرا مقصد چونکہ سرِدست اتنا ہے کہ آپ کی توجہ مذہبی واردات کے اس تنوع اور گونا گونی کی طرف منعطف کراؤں جن سے ایک سالک راہ کو گزرنا پڑتا ہے اور جن کی چھان بین اسی لیے ضروری ہے۔ لہٰذا آپ مجھے ان غیر مانوس مصطلحات کے لیے معذور سمجھیں جن کا تعلق ایک دوسری سرزمین اور ایک ایسی نفسیاتِ مذہب سے ہے جس نے تہذیب وتمدن کی ایک سرتاسر مختلف فضا میں پرورش پائی تھی اور جو وضع ہوئیں تو اس کے زیر اثر' لیکن جن میں سچ مچ معانی کی ایک دنیا پوشیدہ ہے[۴۶]۔

اقبال نے اسی خطبے میں حضرت مجدد کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے اور سلوک وعرفان کا مجتہد اعظم قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

انہوں نے اپنے زمانے کے تصوف کا تجزیہ جس بے باکی اور تنقید وتحقیق سے کیا اس سے سلوک وعرفان کا ایک طریقہ وضع ہوا' اور ان سے پہلے جتنے بھی سلسلہ ہائے تصوف رائج ہوے وہ یا تو وسط ایشیا یا سرزمین عرب سے آئے تھے' مگر یہ صرف انہیں کا طریق ہے جس نے ہندوستان کی حدود سے نکل کر باہر کا رخ کیا اور جواب بھی پنجاب، افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک بہت بڑی زندہ قوت کی شکل میں موجود ہے[۴۷]۔

اقبال حضرت مجدد اور یونگ کے افکار وخیالات کا تقابلی جائزہ لینے کے بعد بڑے یقین وثوق کے ساتھ فرماتے ہیں:

شیخ موصوف نے ان ارشادات میں[۴۸] جو امتیازات قائم کیے ہیں ان کی نفسیاتی اساس کچھ بھی ہو اس سے اتنا ضرور پتا چلتا ہے کہ اسلامی تصوف اس ''مصلح عظیم'' (Great Reformer) کی نگاہوں میں ہماری اندرونی واردات اور مشاہدات کی دنیا کس قدر وسیع ہے۔ ان کا ارشاد

ہے کہ اب بے مثال واردات ومشاہدات سے پہلے ، جو وجود حقیقی کا مظہر ہیں، عالم امر یعنی اس دنیا سے گزرنا ضروری ہے جسے ہم ''رہنما توانائی'' کی دنیا کہتے ہیں۔۔۔۔ہم نے اسی لیے تو کہا تھا کہ نفسیات حاضرہ کا قدم ابھی مذہبی زندگی کے قشر تک نہیں پہنچا''۴۹۔

یونگ کے افکار وخیالات پر تنقید کے بعد اقبال آئین اسٹائن ۵۰ کے نظریات پیش کرتے ہیں اور انکی معقولیت کو سراہتے ہوئے حضرت مجدد کے افکار کی روشنی میں اس طرح تبصرہ فرماتے ہیں:

ہم نے جس ہندی بزرگ کے ارشادات کا حوالہ دیا ہے ان کی تحریک اصلاح میں یہی نکتہ مضمر تھا اور اس کے وجوہ بھی ظاہر ہیں خودی کا نصب العین یہ نہیں کہ کچھ دیکھے بلکہ یہ کہ کچھ بن جائے۔'' پھر درحقیقت اس کے بن سکنے ہی کی کوشش ہے جس میں بالآخر اسے موقع ملتا ہے کہ اپنی معروضیت کا زیادہ گہرا ادراک پیدا کرتے ہوئے زیادہ عمیق اور مستحکم بناء پر ''انا الموجود'' کہہ سکے یعنی وہ اپنی وجود کنہ اور اساس کو پالے......خودی کا منتہائے جستجو یہ نہیں کہ اپنی انفرادیت کی حدود توڑ ڈالے، اس کا منتہا ہے اس انفرادیت کو زیادہ صحت کے ساتھ سمجھ لینا ۵۱۔

یہاں اقبال واضح طور پر حضرت مجدد کے نظریات کی ترجمانی کر رہے ہیں، حضرت مجدد کا یہی فکری کارنامہ ہے کہ انہوں نے ''انفرادیت'' کو زیادہ صحت کے ساتھ سمجھایا، اور ''انفرادیت'' کی نفی کے بجائے اس کا اثبات فرمایا۔۔۔تقریبا ہر شاعر ومفکر نظریۂ وحدۃ الود کا مبلغ ومعلن نظر آتا ہے لیکن اقبال ایک ایسا شاعر ومفکر ہے جس نے اپنے اشعار وافکار میں وحدۃ الشہود کی ترجمانی کی ہے اگر انکو دور جدید کا ''ترجمان مجدد'' کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

ابتداء میں عرض کیا تھا کہ حضرت مجدد نے تین قابل قدر اصلاحات کیں یعنی نظر وحدۃ الشہود پیش کیا، شریعت وطریقت میں مطابقت پیدا کی اور رقص وموسیقی کی تردید کی۔۔۔۔اقبال ان تینوں اصلاحات سے متاثر ہوئے وحدۃ الشہود کے متعلق اوپر بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔اب شریعت طریقت اور رقص وموسیقی کے

متعلق مختصر عرض کرنا ہے شریعت طریقت کے باہمی ربط کے متعلق حضرت مجدد فرماتے ہیں:

شریعت وطریقت ایک دوسرے کے عین ہیں، حقیقت میں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں ...... اگر دونوں میں بال برابر بھی فرق ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ 'حقیقت الحقائق' تک ابھی رسائی نہیں ہوئی[۵۲]۔

اقبال نے شریعت وطریقت کی اس عینیت کا اس طرح ذکر کیا ہے:

بہر حال حدودِ خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے[۵۳]۔

اقبال نے اپنی مثنوی میں شریعت وطریقت کے اس فرق کو بیان کیا ہے، چنانچہ شریعت کی تعریف کرتے ہوئے ایک جگہ کہتے ہیں:۔

شرع برخیزد ز اعماقِ حیات
روشن از نورش ظلامِ کائنات[۵۴]

اور طریقت کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

پس طریقت چیست اے والا صفات
شرع را دیدن با عماقِ حیات[۵۵]

اعماقِ حیات سے شریعت کا پھوٹ پڑنا اور اعماق حیات' میں شرع کا مشاہدہ کرنا وہی باتیں ہیں جو شرح وبسط کے ساتھ حضرت مجدد نے فرمائی ہیں' بس ذرا ہیر پھیر سے اقبال نے پیش کر دیا ہے۔

اقبال گو ابتداء میں رقص وموسیقی سے محظوظ ہوے ہیں لیکن بعد میں جب ان کی آنکھیں کھلیں (غالباً مکتوبات امام ربانی کے مطالعے کے بعد) تو انہوں نے اس پر سخت تنقید کر اور اس کو حکمت شرعیہ کے منافی قرار دیا اور پھر بڑی دل لگتی توجہ فرمائی وہ لکھتے ہیں:۔

اسلامی تصوف نے اس خیال سے کہ ہمارے مشاہدات میں جذبات کی آزمائش نہ ہونے پائے موسیقی تک کو عبادت میں جگہ نہیں دی۔ بعینہ اس نے صلوٰی با جماعت پر زور دیا[۵۶]۔

یہاں اقبال نے موسیقی کے عدم جواز میں تین باتوں کا ذکر کیا ہے:۔

۱......اسلامی تصوف نے موسیقی کو جزو عبادت قرار نہیں دیا۔

۲......اسلامی تصوف جذبات کی آمیزش سے بالاتر عبادت کا خواہاں ہے۔

۳......اسلامی تصوف نے نماز باجماعت پر زور دیا ہے۔

حضرت مجدد نے بھی مکتوبات شریف میں ان تینوں امور کا ذکر کیا ہے:۔

۱......غنا کی حرمت میں بکثرت آیات و احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان کا احاطہ کرنا بھی مشکل ہے[۵۷]۔

۲......نسبت جس قدر جہالت اور حیرت میں ترقی کرے اور جس سے دور تر ہو اسی قدر اصیل ہے اور مقصد حاصل ہونے کے نزدیک تر ہے[۵۸]۔

۳......نماز کی حقیقت سے ناواقفیت کی بناء پر بکثرت مشائخ سماع و نغمہ اور وجد و تواجد میں تسکین اضطراب کو تلاش کرتے ہیں...... لیکن اگر نماز کے کمالات کی حقیقت سے ذرہ برابر بھی واقف ہوتے تو ہرگز ہرگز نہ سماع و نغمہ سنتے اور نہ وجد و تواجد کرتے۔

کہا جاتا ہے کہ اقبال جلال الدین رومی سے متاثر تھے لیکن کم از کم جن نکات کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ان میں رومی کے تاثر کا پتہ نہیں چلتا' بلاشبہ یہ تبدیلی اور انقلاب حضرت مجدد کے اثرات کا نتیجہ ہے۔ ضرورت ہے کہ مکتوبات امام ربانی کی روشنی میں افکار اقبال کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے اور اس گمشدہ سرچشمے کا کھوج لگا کر حقائق واشگاف کیے جائیں' اسی موضوع پر ڈاکٹریٹ کے لیے مقالہ لکھا جاسکتا ہے کاش کوئی بلند ہمت اس طرف توجہ کرے۔

اقبال نے جس انداز سے مغربی دنیا میں حضرت مجدد کا تعارف کرایا ہے اور جس طرح آپ کے افکار و خیالات کی تشریح و تعبیر کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی آپ الف ثانی کے مجدد ہیں' چار سو سال گزر جانے کے بعد نفسیا تجدید اس بلندی تک نہ پہنچی جہاں چار سو سال قبل حضرت مجدد پہنچ چکے تھے۔ ہاں اس مقام پر پہنچنے کے لیے جدید فلسفہ و نفسیات کو ابھی بہت کچھ کرنا ہے کیوں کہ بقول اقبال ابھی تو وہ افکار مجدد کی گرد تک بھی نہ پہنچ سکی۔ ع

کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیان کے لیے

حواشی

۱......نوٹ: حضرت مجدد اور اقبال پر راقم کے تین مقالات اقبال اکادمی (کراچی) نے اپنے سہ ماہی مجلّے ''اقبال ریویو'' میں شائع کئے تھے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱......علامہ اقبال اور حضرت مجدد الف ثانی، شمارہ اپریل ۱۹۶۴ء

۲......اقبال کے فلسفہ خودی میں مقام عبدیت، شمارہ جولائی ۱۹۶۴ء

۳......شریعت وطریقت افکار اقبال کی روشنی میں، شمارہ جنوری ۱۹۶۵ء

ہم نے ان اوراق میں انہیں مقالات کا خلاصہ پیش کیا ہے، اقبال اکادمی، ''اقبال ریویو'' کے مضامین کا انتخاب شائع کر رہی ہے، یہ تینوں مقالات اس انتخاب میں شامل ہیں جو عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ مسعود

۲......بشیر احمد ڈار: انوار اقبال، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء، ص ۲۶۸، مضمون ''علم ظاہر و باطن'' مطبوعہ اخبار ''وکیل'' امرتسر، ۲۸/جون ۱۹۱۶ء۔

۳......انوار اقبال ص۔۱۸۶، مکتوب محررہ ۱۱/جنوری ۱۹۱۸ء

۴......بعض شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۶ء میں اقبال کے ذاتی کتب خانے میں ''مکتوبات امام ربانی'' موجود تھے، ممکن ہے کہ سنہ مذکورہ سے پہلے ہوں، شاہ سلیمان پھلواری کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

شیخ (ابن عربی) نے تجلی ذاتی کو انتہائی مقام قرار دیا ہے اور اس کے بعد عدم محض، حضرت مجدد نے یہ فقرہ ایک مکتوب میں نقل کیا ہے، میری کتابیں اس وقت لاہور میں موجود نہیں ہیں کہ صفحہ اور مقام کا پتا دے سکتا۔

(بشیر احمد ڈار، انوار اقبال، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء، ص۔۱۷۹، مکتوب بنام شاہ سلیمان پھلواری محررہ ۲۴/فروری ۱۹۱۶ء)

۵......شیخ عطاء اللہ، اقبال نامہ، جلد اوّل مطبوعہ لاہور مکتوب نمبر ۳۵ (بنام سید سلیمان ندوی مرحوم)

۶......محمود نظامی: ملفوظات، مطبوعہ لاہور، ص۔۱۲۲

۷......امیر شکیب ارسلاں ایک عظیم مفکر تھے، وہ اتحاد عالم اسلامی کے بڑے سرگرم رکن تھے۔ تاریخ اسلام اور اسلامی تمدن پر گہری نظر رکھتے تھے، بہت سی مشرقی اور مغربی زبانوں سے واقف تھے۔ دنیائے اسلام کا حال معلوم کرنے کے لیے دنیا کا دورہ کیا۔ ان کی بہت سی قابل قدر کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ وہ جنیوا کے ایک فرانسیسی رسالے "La Nation Arabe" کے مدیر تھے۔ ان کی عربی کی تصنیف ''لماذا تاخر المسلمون'' جو قاہرہ سے

''النار'' میں قسط وار شائع ہوئی۔ ہندوستان میں محمد محی الدین نے اس کا ملیالم میں ترجمہ کیا اور ایم اے شکور نے انگریزی میں ترجمہ کیا جو "Our Decline And Its Causes" کے عنوان سے ۱۹۴۴ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

۸......نذیر نیازی، سید، مکتوبات اقبال، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۷ء ص ۱۶۱۔

۹......ایضاً ص۔۱۶۲

۱۰......نذیر نیازی، سید، مکتوبات اقبال، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۷ء ص ۱۶۱

۱۱......ماہنامہ آئینہ (لاہور) اپریل ۱۹۶۵ء ا۔''حضرت قاضی سلطان محمود صاحب'' از علی احمد خاں ص۔۱۴۴، ب۔ عبداللہ قریشی، اقبال اور طریقت، بشمولہ،''آئینہ اور اقبال'' شائع کردہ آئینہ ادب، لاہور، ص۔۲۵۴

۱۲......مکتوب علی احمد خاں بنام سید نور محمد قادری محررہ ۸/دسمبر ۱۹۶۵ء بحوالہ ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور شمارہ اپریل ۱۹۷۵ء ''سلسلۂ قادریہ میں علامہ اقبال کی بیعت'' از سید نور محمد قادری، ص ۴۴۰

۱۳...... عبدالمجید سالک سرگزشت: مجموعہ لاہور ۱۹۶۶ء ص ۳۴۸

۱۴...... اقبال: بال جبریل مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ء ص۔۲۱۱۔۲۱۳

۱۵...... نذیر نیازی سید: مکتوبات اقبال، ص ۶۴۔۶۵

۱۶......مکتوب محررہ ۲۶۵، اپریل ۱۹۶۳ء از لاہور

۱۷...... راقم نے اس لیکچر کا مسودہ تلاش کیا مگر ہنوز کامیابی نہیں ہوئی۔ مختلف فضلاء کو بھی لکھا مثلاً ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم، مولانا غلام رسول مرحوم، آنجہانی ڈاکٹر اے جے آربری، ڈاکٹر جاوید اقبال، ڈاکٹر عبادت بریلوی وغیرہ وغیرہ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۳ء کے درمیان ان فضلاء سے مراسلت ہوئی۔ اگر یہ لیکچر دستیاب ہو جاتا تو فکر اقبال کے بعض نئے گوشے سامنے آ جاتے۔ مسعود

۱۸......عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ، حصہ اوّل، مطبوعہ لاہور (مکتوب محررہ ۸/اگست ۱۹۳۳ء)۔

۱۹......اقبال، بال جبریل، ص ۱۰۰ (حواشی صفحہ ہذا)

۲۰......اقبال، مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، مطبوعہ لاہور، ۱۹۳۶ء ص۔۲۸

۲۱......یہاں ''شیر مرد'' کی ترکیب بڑی معنی خیز ہے، مولانا عبدالرحمٰن جامی سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ کے بارے میں فرماتے ہیں:

همه شیران جهاں بستہ این سلسلہ اند

روبد از حیطہ حسیاں بگسلد این سلسلہ را

اور حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی علیہ الرحمہ حضرت مجدد کی منقبت میں فرماتے ہیں:

شیرے بخوابِ ناز بہ پہلوئے دو شبل   یارب چہ راز ہاست کہ ایں جانہفتہ اند؟
مسعود

۲۲...... اقبال' بال جبریل، ص ۱۷، ۱۸

۲۳...... مکتوب محررہ ۳۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء، بنام خواجہ حسن نظامی دہلوی

نوٹ: یہ مکتوب ہم کو ڈاکٹر شیخ محمد اکرام و (چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف) کی عنایت اور ایجوکیشن ایڈوائزر اوقاف سید غلام شبیر بخاری کے توسط سے ستمبر ۱۹۶۴ء میں ملا۔ مسعود

۲۴...... بشیر احمد ڈار: انوار اقبال مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء، ص۔ ۱۷۸ مکتوب بنام شاہ سلیمان پھلواری محررہ ۲۴ر فروری ۱۹۱۶ء

۲۵...... عبدالحکیم' خلیفہ' فکر اقبال، مطبوعہ لاہور، ص۔ ۴۳۵

۲۶...... خدا کی شان ہے جس ایرانی تصوف پر جرمنی سے ڈاکٹریٹ کیا تھا، چند سالوں کے اندر اندر اس کے خلاف یہ بغاوت! (حاشیہ)

۲۷...... مکتوب محررہ ۳۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء۔۔۔ سید عبدالرشید فاضل نے بھی اس مکتوب کا ضمناً ذکر کیا ہے۔ سید عبدالرشید فاضل: ''علامہ اقبال اور تصوف'' مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۶۷ء، ص ۳۰،

۲۸...... اقبال وحدۃ الوجودیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں، یہاں محض طنزاً اس طرح لکھ دیا ''تخیلات کے دام'' سے مراد بھی انہیں نام نہاد مشائخ کے تخیلات مراد ہیں جنھوں نے وحدۃ الوجود کی غلط تعبیر و تشریح کر کے مسلمانوں کو گمراہ کیا۔ مسعود

۲۹...... عبدالواحد معینی' مقالات اقبال، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء، ص۔ ۱۷۸ بحوالہ ''سرِ اسرار خودی'' ۱۹۱۶ء

۳۰...... غلام مصطفیٰ خاں' ڈاکٹر' ادبی جائزے، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۹ء، ص۔ ۱۰۵

۳۱...... عبدالحکیم' خلیفہ' فکر اقبال، مطبوعہ لاہور، ص۔ ۴۴۶

۳۲...... برہان احمد فاروقی' ڈاکٹر' حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا نظریۂ توحید، مطبوعہ لاہور، ص ۴۶، ۴۷

۳۳...... ابوسعید نورالدین' ڈاکٹر'' وحدۃ الوجود اور فلسفۂ خودی'' ''اقبال ریویو'' کراچی، جولائی ۱۹۲۶ء ص۔ ۱۱۵

۳۴...... مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل مطبوعہ امرتسر ۱۹۱۱ء/ ۱۳۳۳ھ مکتوب نمبر ۱۶، ص۔ ۳۶، ۳۷

۳۵...... اقبال: جاوید نامہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ء، ص۔ ۱۳

۳۶...... مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۱۶، ص۔ ۳۹

۳۷...... مکتوب محررہ ۳۰ر ستمبر ۱۹۱۵ء بنام خواجہ حسن نظامی دہلوی

۳۸...... اقبال: جاوید نامہ، ص۔ ۳۱

۳۹......مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل ص۔۸۳،۸۴

۴۰...... اقبال: جاوید نامہ ص،۱۷۷و۱۷۸

۴۱......مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل ص۔۳۹

۴۲......یہ خطبہ اقبال کے مجموعہ خطبات کا ساتواں خطبہ ہے، یہ مجموعہ مندرجہ ذیل عنوان سے شائع ہوا:

Reconstruction Of Religous Thought In Islam.

''تشکیل جدید الٰہیات'' کے نام سے اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔(مسعودؔ)

۴۳......اقبال' تشکیل جدید الٰہیات، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء، ص۔۳۰۲

۴۴...... Carl Gustav Yung (d.1961 A.D.)

۴۵......اقبال' تشکیل جدید الٰہیات ص۔۲۹۸,۲۹۹

۴۶......اقبال' تشکیل جدید الٰہیات، ص۔۲۹۸و۲۹۹

۴۷......ایضاً ص۔۲۹۸

۴۸...... یہاں اقبال کا اشارہ ''مکتوبات امام ربانی'' جلد اوّل کے مکتوب نمبر ۲۵۳ کی جانب ہے جو شیخ اویس سامانی کے نام لکھا گیا ہے اور جس میں حضرت مجدد نے ان مقاماتِ قلب کا ذکر فرمایا ہے: روح، سر، خفی، اخفیٰ

۴۹......اقبال' تشکیل جدید الٰہیات: ص' ۳۰۰

۵۰...... Albert Einstein (19---1955)

۵۱...... اقبال' تشکیل جدید الٰہیات۔ص۔۔۔

۵۲......مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۸۴، ص۔۷۸

۵۳......عطاء اللہ' شیخ: اقبال نامہ، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۱۰۳ محررہ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۶ء ص ۲۰۲و۲۰۴

۵۴......اقبال' مثنوی' پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق، مطبوعہ لاہور ۱۹۳۶ء صفحہ ۳۹

۵۵......مثنوی' پس چہ باید کرد اے اقوام شرق' مطبوعہ لاہور ۱۹۳۲ء' ص۔۴۰

۵۶......اقبال: تشکیل جدید السیات'

۵۷......مکتوبات امام ربانی' جلد اول' مکتوب نمبر ۲۶۶

۵۸......مکتوبات امام ربانی: جلد اول'

۵۹......ایضاً'

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

فلسفۂ اقبال پر حضرت مجدد کے اثرات

پروفیسر ڈاکٹر بابر بیگ مطالی

☆

فلسفہ یونانی الاَصل کلمہ ہے، جس کے لغوی معنی ہیں ''حکمت، دانائی، علمِ حکمت، علم موجودات''۔ [۱] لیکن فلسفہ میں محض عقل ودانش پر بھروسا کرتے ہوئے کائنات کے حقائق معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر اقبال رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں:

فلسفہ محض حقائق کو تصور کرنے کی کوشش کا نام ہے۔ [۲]

فلسفہ آسمان کی وسعتوں، آفتاب کی رفعتوں اور تخلیقِ کائنات کے اسرار ورموز سے آگاہی کی لگن میں رہتا ہے۔ لیکن شام وسحر کے تسلسل کو ہی سمجھنے سے قاصر ہے۔

بقول اقبال رحمتہ اللہ علیہ:

یہ آفتاب کیا یہ سپہرِ بریں ہے کیا؟
سمجھا نہیں تسلسلِ شام و سحر کو مَیں [۳]

مسلمانوں فلسفیوں نے فلسفے کی تعریف یوں کی ہے کہ:

فلسفہ نام ہے تلاشِ حق کا اور فلسفی وہ ہے جو صداقت کی تلاش میں اپنی عقل پر انحصار کرے۔ [۴]

خواجہ غلام صادق لکھتے ہیں:

فلسفی کے فکر کی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنے نظریات کے ثبوت میں محض

استدلال ہی پر تکیہ کرتا ہے اور شواہد پیش کرنے کی سعی نہیں کرتا۔ ۵

جب تک فلسفہ کی تائید انسان کی رُوح نہ کرے اور بصیرتِ ایمانی اس کی شہادت نہ دے اس وقت تک فلسفہ مقصدِ حیات تک رسائی نہیں کرسکتا اور زندہ کہلانے کا حقدار نہیں کہلاسکتا۔ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں: ۔

جس معنیٔ پیچیدہ کی تصدیق کرے دِل
قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ گُہر سے

یا مُردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار
جو فلسفہ لکھّا نہ گیا خُونِ جگر سے ۶

حیاتِ انسانی کا مقصود اصلی تو خالقِ کائنات کی معرفت ہے اور فلسفہ اس کا شعور حاصل نہیں کرسکتا۔ نِرے فلسفہ سے دُنیا تو مل سکتی ہے مگر خُدا نہیں مل سکتا۔ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں: ۔

خِرد بیگانۂ ذوقِ یقین است
قمارِ علم و حکمت بدنشین است
دو صد بو حامد و رازی نیرزد
بنادانی کہ چشمش راہ بین است ۷

اس رُباعی سے مُرا یہ ہے کہ منطق یا فلسفہ ذوقِ یقین (ایمان) نہیں دے سکتا۔ علم وحکمت کا مشغلہ انسان کے حق میں مفید نہیں یعنی فلسفہ دُنیا تو دے سکتا ہے مگر خُدا کی معرفت نہیں عطا کرسکتا۔ اگر دوسو امام غزالی اور دوسو امام رازی (یعنی فلسفی) بھی مل جائیں تو ایک نادان مسلمان کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتے جو شانِ فقر رکھتا ہو۔

ڈاکٹر عباس علی خان کے نام اپنے مکتوب محررّہ ۲۰ رمئی ۱۹۳۷ء میں اقبال رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

انسان صرف جویائے محبت اور اپنے یارِ حقیقی کی دُھن میں لگا رہے۔ باقی تمام عبث اور خیالی دُنیا کا بیہودہ فلسفہ ہے۔ ۸

فلسفی حق بات کیلیے بودی دلیلیں لاتا ہے اور حق شناسی سے قاصر رہتا ہے اُس کی آنکھ معرفتِ الٰہی

کے شواہد کو دیکھنے کی استطاعت نہیں رکھتی کیونکہ وہ متابعتِ احکام الٰہیہ کے سُرمے سے خالی ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

فلسفی را با سیاست دان بیک میزان مسنج
چشم آن خورشید کوری دیدۂ این بی نمی
آن تراشد قولِ حق را حُجتِ نا استوار
وین تراشد قولِ باطل را دلیلِ محکمی [9]

فلسفی کو سیاستدان کیساتھ ایک ہی ترازو میں مَت تول۔ فلسفی کی آنکھ سُورج سے اَندھی' سیاستدان کی نَم سے خالی۔ فلسفی حق کیلیے بودی دلیل تراشتا ہے اور سیاستدان جُھوٹی بات کیلیے مضبوط دلیل گھڑتا ہے۔

یہی وُہ تصورات ہیں جنکا اظہار ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے بہت پہلے برِّصغیر پاک وھند کے عظیم سپُوت' مبلّغِ دین حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اپنے مکاتیبِ قُدسیہ میں کر چکے ہیں۔ آپ کے نزدیک فلسفی کی آنکھ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے سُرمے سے خالی ہوتی ہے لہٰذا وہ وجوبِ باری تعالیٰ کے شعور کو حاصل نہیں کرسکتی۔

مُلّا حاجی محمد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

فلسفی کہ دِیدۂ بصیرتِ اُو بکحل متابعتِ صاحب شریعت علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسّلام والتحیۃ مکتحل نہ شُدہ است از حقیقتِ عالمِ امر نابینا است۔ فضلاً عن ان یکون لہ' شعور عن مرتبة الوجوب تعالی وتقدّس نظرِ کوتاہ او مقصور بر عالم خَلق است ودر آنجا نیز ناتمام است۔ [10]

فلسفی جس کی بصیرت کی آنکھ صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسّلام والتحیۃ کی متابعت کے سُرمے سے محروم ہے' عالمِ امر کی حقیقت سے نابینا ہے۔ چہ جائیکہ اسے مرتبہ وجوب تعالیٰ وتقدّس کا شعور ہو۔ اس کی کوتاہ نظر عالمِ خلق پر ہی رُکی ہوئی ہے اور اس میں بھی ناتمام ہے۔

حُصولِ معرفت الٰہیّہ کے سِلسلے میں عقل اور فلسفہ اُس وقت تک کچھ نہیں کر سکتے جبتک انہیں شریعت کی راہنمائی حاصل نہ ہو۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اگر عقل اس معاملے میں کفایت کرتی تو یُونان کے فلاسفہ جنہوں نے اپنا راہنما اپنی عقل کو سمجھا گمراہی کے بیابان میں نہ بھٹکتے پھرتے اور وہ خداوند تعالیٰ کو سب سے زیادہ پہچانتے حالانکہ خُداوند تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق جاہل ترین آدمی وہی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بے کار اور معطّل سمجھا ہے اور ایک چیز کے سوا اور وہ بھی اضطراری طور پر نہ کہ اختیار سے، اور کسی چیز کو اُسکی طرف منسوب نہیں کرتے۔ انہوں نے اپنے پاس سے عقلِ فعال تراش لی اور حوادث کو خالقِ ارض وسما سے چھڑا کر اس عقل کی طرف منسوب کیا اور اَثر کو مؤثر حقیقی جلّ وشانہ، سے روک کر اپنی ایجاد سمجھنے لگے۔ [11]

فلسفیوں نے خالقِ کائنات، نبوت، آخرت، حشر ونشر کا انکار کیا۔ اور کائنات کو اَزلی اور قدیم مانا۔ حدوثِ عالم کے مُنکر ہوے اور پھر ان میں سے کچھ فلسفیوں نے مسلمان ہونے کا دعوٰی بھی کیا۔ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے ان کا رَد کرتے ہوے فرمایا:

عجب آنکہ بعضے از اہلِ اسلام ایں معنی را از ایشاں باور میدارند و بے تحاشی ایشاں را مسلمان میدانند۔ عجب تر آنکہ بعضے از مسلمانانِ اسلام بعضے را کہ ازیں جماعۃ اند کامل میدانند وطعن وتشنیع اینہا را منکر مے انگارند وحال آنکہ آنہا منکر نصوصِ قطعی اند وانکار اجماعِ انبیاء می نمایند۔ [12]

حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک فلاسفہ دھوکے میں رہے۔ اُنہوں نے بھوک کی ریاضت سے صفائیٔ نفس حاصل کی اور اس پر اعتماد کرتے ہُوے خیالی اور کشفی صُورتوں کو اپنا پیشوا جانا اور اس وجہ سے انبیاء (علیہم السلام) پر ایمان لانے سے گریزاں رہے۔ دفتر اوّل مکتوب ۳۱۳ میں افلاطون کی سی نادانی کا ذکر کرنے کے بعد دفتر سوم میں خواجہ ابراھیم قبادیانی کی طرف مکتوب میں فرمایا:

سُبحان اللہ اَفلاطُون کہ رئیسِ فلاسفہ است، دولتِ بعثتِ حضرت عیسیٰ

علیٰ نبینا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام دریابدوخودرا از نادانی مستغنی دانستہ
باآنحضرت نگردد واز برکاتِ نبوت بہرہ نگیرد۔[۱۳]

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نہ صرف فلاسفہ بلکہ ان دنیاوی علوم کی بھی مخالفت کی جو آخرت میں کام نہ آسکیں اور فلاسفہ کے محبوب تھے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان نرے علومِ فلسفہ، منطق وہندسہ وغیرہ کو باعثِ عذاب قرار دیا۔

قلیج اللہ بن قلیج خان کی طرف مکتوب میں فرمایا:

علومی کہ بآخرت کارنیایند ہم از دنیا اند اگر تحصیل نجوم ومنطق وہندسہ
وحساب وامثال آنہا از علوم لا طائل بکاری آید فلاسفہ از اہل نجات می
بودند۔[۱۴]

فلسفہ کی تردید میں آپ یہ شعر نقل فرماتے ہیں: ؎

فلسفہ چون اکثرش باشد سفہ پس کلِّ آں
ہم سفہ باشد کہ حکمِ کل حکمِ اکثر است[۱۵]

فلسفہ کا اکثر حصہ تو بے وقوفی ہے تو اس کا کل بھی بے وقوفی ہوگا۔ کیونکہ اکثر
کا حکم کُل کا بھی حکم ہوتا ہے۔

یُوں حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرعی علوم کو نرے فلسفیانہ علوم پر فوقیت دی کیونکہ علومِ شریعت، بصیرت اور ایمان میں پختگی کا باعث بنتے ہیں۔ حضرت اقبال بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

زِندگی کے مدارج بے شمار ہیں۔ اس ضمن میں بہت سے اُمور عقلِ انسانی
سے باہر ہیں۔ اُن کے متعلق بصیرت وایمان اور ذرائع سے پیدا ہوتا
ہے۔ ان ذرائع کا تعلق فلسفہ سے نہیں ہے۔[۱۶]

آپ کے ہاں اب حال کا دَور ہے فلسفیانہ موشگافیوں کا نہیں: ؎

نشہ از حال بگیرند و گذشتند ز قال
نکتۂ فلسفہ دُردِ تہِ جام است اینجا[۱۷]

لوگ حال سے مَستی حاصل کرتے ہیں اور زری بک بک سے نکل گئے
ہیں فلسفے کی باریک باتیں یہاں تلچھٹ کی طرح ہیں۔

فلسفہ معرفتِ الٰہی اور مقصودِ حقیقی تک رسائی سے قاصر ہے۔ جبکہ علوم شرعیہ کا عالم اور عامل اسے حاصل کرسکتا ہے۔ فلسفہ کے امام بُوعلی سینا اور صُوفی عالم مولانا رُوم کے مابین یُوں امتیاز کیا:

بُوعلی اندر غُبارِ ناقہ گُم
دستِ رُومی پردۂ محمل گرفت
ایں فروتر رفت و تا گوہر رسید
آں بگردابی چوخس منزل گرفت [18]

بوعلی سینا ناقے کے اڑائے ہوئے غبار میں گم۔ جبکہ رُومی کے ہاتھ میں محمل کا پردہ آ گیا۔ یہ اور گہرائی میں گیا اور موتی تک جا پہنچا جبکہ وہ (بوعلی) تنکے کی طرح بھنور میں پھنس کر رہ گیا۔

جو فلسفہ اور عقلِ انسان کے اندر تقوٰی پیدا نہ کرے وہ بے فائدہ ہے۔

اقبال کہتے ہیں:

از آن فکرِ فلک پیما چہ حاصل؟
کہ گردِ ثابت و سیّارہ گردد [19]

یُوسف سلیم چشتی اس شعر کا مطلب یُوں بیان کرتے ہیں:

اس عقل سے انسان کو کیا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے جو اُسے ماہرِ فلکیات تو بنا دے لیکن اس کے اندر تقوٰی اور دینداری پیدا نہ کرے۔ [20]

اقبال رحمتہ اللہ تعالٰی کے ہاں فلسفہ کی رُوح آزادانہ تحقیق ہے اور اس کا مقصود یہ ہے کہ فکرِ انسانی نے جو مفروضات بلا جرح وتنقید قبول کر رکھے ہیں اُن کے مخفی گوشوں کا سُراغ لگایا جائے۔

آپ رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

The spirit of philosphy is one of free

iquiry....Its function is to trace the uncritical assumptions of human thought to their hiding places۔ [۲۱]

یوں ڈاکٹر محمد اقبال، ایک بڑے فلسفی ہی نہیں بلکہ علومِ دین سے واقف ایک عبقری شخصیت تھے۔ جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نظریات سے کافی حد تک متاثر تھے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فلسفیانہ افکار پر کس قدر اثرات پڑے؟ اُن کا اندازہ فلسفہ کے ان مسائل کی، ہر دو ہستیوں کے نظریات کی روشنی میں تحقیق سے بطریق احسن ہوگا، جو حسبِ ذیل ہیں :

(۱)

وجودِ مطلق

فلسفہ کا سب سے بڑا اور اہم مسئلہ وجودِ مطلق یعنی خُدا کی ھستی کی معرفت اور پہچان ہے۔ ڈی۔او۔لیری۔ لکھتے ہیں:

علتِ اوّل کا جو خُدا ہے، علم حاصل کرنا فلسفے کی غایت ہے۔ کیونکہ وہ سب کی علت ہے۔ اور اس کی معرفت اور اس کے علم سے سب چیزیں سمجھ میں آ سکتی ہیں۔ [۲۲]

کائنات خود بخود معرض میں نہیں آ گئی بلکہ کسی علت کے سَبب آئی پھر اُس علت کا باعثِ مَاقبل علت ہوئی۔ لیکن یہ سلسلۂ عِلَل لا متناہی نہیں ہوسکتا۔ عِلتوں کی کھوج لگاتے جائیں تو ایک ایسے وجود تک رسائی ہوتی ہے جو سَب عِلتوں کی عِلّت تو ہے مگر اُس کی کوئی علت نہیں۔ وہ ذات واجب الوجود ہے جو اپنی ہستی سے قائم ہے اور دوسرے کی محتاج نہیں۔

وجودِ مطلق کا ادراک مکمّل طور پر کر لینا ایک انسان کے بَس میں نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کی ذات میں غور کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ حدیث نبوی صَلَّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں وارد ہوتا ہے:

تفکروا فی آلاءِ اللہ یعنی عظمتہ ولا تفکروا فی اللہ ۔ [۲۳]

اور اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ کی نشانیوں یعنی اُس کی عظمتوں میں غور کرو اور

اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ کی ذات میں غور نہ کرو۔
ڈاکٹر اقبال لکھتے ہیں:

"My friends often ask me,"Do you believe in the existenc of God? "

I think I am entitled to know the meaning of the terms used in this question before I answer it. My friends ought to explain to me what they mean by "believe," "existence" and "God" especially by the last two, if they want an answer to their question.I confess I do not understand these terms,and whenever I cross-examine them I find that they do not understand them either [۴۴]

باوجود اِس اظہارِ لاعلمی کے' علامہ اقبال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذاتِ مُطلقہ کی ذات اور صفات کے بارے میں گفتگو کی ہے اور حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے میر شمس الدّین علی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے وجودِ واجب تعالیٰ سے متعلق سوال کیا تو آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب میں فرمایا:

بالجملہ تواند بود کہ ماہیّتِ واجبی جلّ سُلطانہٗ بخودی خودم بود نہ بوجود و اثباتِ وجود و اطلاقِ وجوب دران حضرت جلّ شانہٗ از قبیلِ منتزعاتِ عقل باشد بَل لِلّٰہِ المثلُ الاَعْلیٰ۔

مختصر یہ ہوسکتا ہے کہ ماہیّتِ واجبی جلّ سُلطانہٗ اپنی خُودی کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود و اثباتِ وجود کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کیلیے وجوب کا اطلاق' عقل کے منتزعات کے قبیل سے ہے۔(بَلْ لِلّٰہِ المَثَلُ الْاَعْلیٰ)۔

ایک ارادت مند خاتون کی طرف مکتوب میں فرمایا:

اَللّٰہ تعالیٰ بذاتِ اقدسِ خود موجود است وہستی اُوتعالیٰ بخودی خود است واُوتعالیٰ چنانچہ ہست، ہمیشہ بودہ است وہمیشہ خواھد بود۔ ۲۶

اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے موجود ہے اور اس کی ھستی اپنی خودی سے قائم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس طرح ہیں ہمیشہ سے ایسے ہی ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔

حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی وہ تصور ہے جس پر اقبال کا تصورِ وجود مطلق پروان چڑھتا ہے اور وہ خدا کی ذات کو خودیٔ مطلق (یا انائے مطلق) قرار دیتے ہوئے ''شخصیتِ خالص'' سمجھتے ہیں۔ وہ انائے کامل کہ جس کی عینی و اساسی صفت خلاّقی ہے۔ آپ کے ہاں یہ بابصر اور تخلیقی مشیّت ''انا'' اپنی انفرادیّت کے پیشِ نظر اسم معرفہ لفظ ''اللہ'' سے موسوم کی گئی۔ اپنے خطبہ ''The conception of God and the Meaning of Prayer'' میں لکھتے ہیں:

''A rationally directed creative "will" which we have found reasons to describe as an ego. In order to emphasize the individuality of the ultimate Ego the Qur,an gives him the proper name of Allah۔ ۲۷

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر حقیقتِ مطلقہ کو ''انا'' سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا:

I have conceived the Ultimate Reality as an Ego ۲۸

دوسرے خطبہ میں بھی اس بات کا اظہار کیا اور حقیقتِ مطلقہ کو روحانی قرار دیا:

The ultimate nature of Reality is spiritual, and must be conceived as an ego.۲۹

اقبال کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات لامتناہی ہے لیکن مکانی لامتناہیت کے معنوں میں لامتناہی نہیں بلکہ ان معنوں میں کہ اس کی تخلیقی فعالیت کے ممکنات جو اسی کے اندرونِ وجود میں مضمر ہیں لا محدود ہیں اور یہ کائنات ان کا جزوی مظہر ہے۔ [۳۰]

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

اللہ نور السّمٰوات والارض ط مثل نورہٖ کمشکوٰۃٍ فیہا مصباح .ط المصباح فی زجاجۃ ط الزّجاجۃ کانّہا کوکب "دُرّی" [۳۱]

اس آیت کی تفسیر' اقبال رحمتہ اللہ تعالیٰ یوں کرتے ہیں:

اس آیت کے ابتدائی حصّے سے تو بلا شبہہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ذاتِ الٰہیہ کو انفرادیّت سے دُور رکھنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن جب ہم اس استعارے کا تا آخر مطالعہ کرتے ہیں تو یہ اَمر واضح طور پر سامنے آجاتا ہے کہ اس کا مقصد اس کے بالکل برعکس ہے اس لیے کہ جُوں جُوں استعارہ آگے بڑھتا ہے اس خیال کی نفی ہو جاتی ہے کہ ذاتِ الٰہیہ کا قیاس کسی لاصُورت کونی عنصر پر کیا جائے۔ کیونکہ اوّل تو استعارے نے نُور کو شُعلے پر مُرتکز کر دیا اور پھر اس کی انفرادیت پر مزید زور اس طرح دیا ہے کہ یہ شُعلہ ایک شیشے کی قندیل میں ہے اور قندیل ستارے کی مانند' جس سے ظاہر ہے ایک مخصوص اور متعیّن وجود۔ [۳۲]

اقبال کے نزدیک حقیقتِ مُطلقہ یعنی خُدا حیّ و قیوم اور ازلی و اَبدی ہے۔ وہ ہمیشہ سے خلّاق ہے۔ اُس کی خلّاقی مُسلسل ہے۔ اس کی خلقت اور تجلّی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ اضافہ نقص سے کمال کی طرف نہیں ہے بلکہ لامتناہی اور مُسلسل خلاقی کمال ہی کمال ہے۔

اَللہ تعالیٰ قدیم ہے۔ لیکن یہ قدم اور اوّلیّت زمانے کی اولیّت سے وابستہ نہیں بلکہ زمانے کو اولیّت ملی ہے تو قدمِ الٰہی کے باعث۔ اقبال کہتے ہیں:

"The priority of God is not due to the

priority of time, on the other hand, the priority of time is due to God's priority" ۳۳

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مُرید کے نقطۂ نظر جو قدمِ الٰہی سے متعلق ہے' کو اقبال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی رائے کے مطابق قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"one of the disciples very pointedly put the commonsense view saying, there was a moment of time when God existed and nothing else existed beside Him" ۳۴

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدیم ذات کے ساتھ موجود ہے اور تمام اشیاء اس کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قدیم وازلی ہے باقی تمام اشیاء حادث ہیں۔ خانجہاں کی طرف مکتوب میں لکھتے ہیں:

بدانند کہ اللہ تعالیٰ بذاتِ قدیم خود موجود است وسائر اشیاء بایجادِ اُوسبحانہٗ موجود گشتہ اند وبتخلیقِ اوتعالیٰ از عدم بوجود آمدہ پس اُوتعالیٰ قدیم وازلی باشد واشیاء ہمہ حادث ونو پدید باشند۔ ۳۵

اللہ تعالیٰ افعال اور عباد ہر دو کا خالق ہے۔ ۳۶

وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ قادر مطلق اُسی کی ذات ہے۔ ۳۷

''تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ'' میں علامہ اقبال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اللہ تعالیٰ کی چار صفات کا تذکرہ کیا ہے:

(ا) خالقیت (ب) علم (ج) قُدرتِ کاملہ اور (د) دیمومت ۳۸

حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانی نہیں ہے جو ہر اور عرض نہیں۔ محدود اور متناہی نہیں۔ طویل اور عریض نہیں۔ دراز اور کوتاہ نہیں۔ فراخ اور تنگ نہیں بلکہ وہ فراخی والا ہے لیکن وہ وُسعت نہیں جو ہمارے فہم میں آئے۔ وہ محیط

ہے لیکن وہ احاطہ نہیں، جس کا ادراک کیا جا سکے۔ وہ قریب ہے لیکن وہ قُرب نہیں جو ہماری سمجھ میں آتا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ ہے لیکن معیّت متعارفہ نہیں۔ ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ فراخی والا ہے۔ احاطہ کرنے والا ہے قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ان صفات کی کیفیات کو ہم جان نہیں سکتے۔ [۳۹]

اللہ تعالیٰ زمان ومکان اور جہت سے پاک ہے۔ [۴۰] البتہ اقبال نے انائے مُطلقہ کیلیے زمان مجرّد تجویز کیا ہے کہ جسے زمانِ خالص (Pure Time) بھی کہا جاتا ہے۔ اور حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی مراد نفی زمان ومکان سے یہ مادّی زمان ومکان ہی ہیں۔ حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ تنزیہہ پَر ہیں۔ حدُوث اور نقص سے پاک ہیں۔ [۴۱] اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی قدیم ہیں۔ [۴۲]

اللہ عالَم میں داخل نہیں اور اس سے خارج بھی نہیں۔ عالم سے مُنفصل نہیں، مُتّصل نہیں۔ وہ بلند ذات موجود ہے۔ [۴۳]

حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے حضور عرض کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ہمچنیں حق سبحانہٗ را نہ عین عالَم میداند نہ مُتّصل عالمؑ و نہ منفصل عالم و نہ باعالم و نہ جدا از عالم و نہ محیط و نہ ساری۔ و ذوات وصفات وافعال رامخلوقِ اُو میداند نہ آنکہ صفات اینہا صفاتِ اُو است وافعالِ اینہا افعالِ اُو بلکہ دَرافعال مؤثر قدرت اورا میداند قدرتِ مخلوقات راتاثیرے نمیداند کما ھُوَ مذھب العلما المتکلمین۔ [۴۴]

اقبال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں ذاتِ الٰہی وہ حقیقت واحدہ ہے جس میں تمام عالم معین ہے۔ اُس کی ذات تمام اشیاءِ عالم سے زیادہ بسیط اور اُن سب کا منشاء ہے۔ وہ نقص اور تقیید سے پاک ہے وہ صفات وشیؤن کے تنزّلات سے پاک ہے مردِ مؤمن کا مقصود یہی ذات ہے:

مردِ مومن در نسازد باصفات
مصطفیٰ راضی نشد اِلّا بذات [۴۵]

مرد مؤمن صفات پر قناعت نہیں کرتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیدارِ

ذات ہی سے مطمئن ہوے۔

حقیقتِ مُطلقہ یعنی ذاتِ خداوندی کا وجود ہی مُسلم ہے۔ باقی ہر شئے فانی اور ختم ہونے والی ہے انسانی فطرت کو اِدھر اُدھر ٹھوکریں کھانے کے بعد اس کی ذات میں ہی پناہ ملتی ہے۔ جب وہ چار سُو کے انتشار سے پریشان ہو جاتا ہے تو ذاتِ حقیقی کا سہارا تلاش کرتا ہے۔

اقبال کہتے ہیں: ؎

نِگہ اُلجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں!
خِرد کھوئی گئی ہے چار سُو میں!
نہ چھوڑ اے دِل فغانِ صُبح گاہی
اَماں شاید مِلے اَللہ ھُو میں

اقبال کے ہاں کائنات اور روحانی زندگی کا فعال عنصر خالقِ کائنات کی وحدانیت ہے اسی سے کثرتِ حقائق کی صحیح توجیہ ممکن ہے۔ اثباتِ توحید کے بغیر حیات اپنے مرکزی نقطے سے محروم رہتی ہے جس کے بغیر اُس کا تحقق اور کمال ناممکن ہے۔

اقبال فرماتے ہیں: ؎

خودی کا سرِّ نہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
یہ دور اپنے براھیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ[۴۷]

وجودِ باری تعالیٰ پر یقین کا مقصود عمل و سیرت کے اندھیروں میں اجالا کرنا ہے تاکہ مقامِ انسانیت سے آگاہی حاصل ہو اور عمل و کردار میں وحدت پیدا کی جا سکے۔ دورِ حاضر میں یہ علمِ کلام ایک مسئلہ بن گیا ہے۔ اس پر بحث و تمحیص ہوتی ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس پر تأسف کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے ؟ فقط اِک مسئلہ علمِ کلام !
روشن اس ضو سے اگر ظلمتِ کردار نہ ہو
خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام ! ۴۸

اقبال کے ہاں مادّی دُنیا میں منزلِ مقصود تک عقل نہیں پہنچا سکتی ۔ یہ کام صرف وجود باری تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین ہی کر سکتا ہے۔ ؎

در جہانِ کیف و کم گردید عقل
پی بہ منزل برد از توحید عقل ۴۹

دین، عقل، شریعت، زور وقوّت اور ثبات واستحکام بھی توحید سے ہیں: ؎

دین ازو حکمت ازو آئین ازو
زور ازو قوّت ازو تمکین ازو ۵۰

خواجہ حسن نظامی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں:

خدا آپ کا بھلا کرے آپ نے ہندوستان کے پُرانے بتکدے میں
توحید کی مشعل روشن کی ۔ مجھے یقین ہے کہ دِل اس کی حِدّت سے
گرمائیں گے اور آنکھیں اس کے نُور سے منوّر رہوں گی۔ ۵۱

ڈاکٹر اقبال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک توحید کا یہ تقاضا ہے کہ صِرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیجائے نہ کہ ملوک وسلاطین کی اور ذاتِ الٰہیہ زندگی کی روحانی اساس ہے۔ لھذا اللہ تعالیٰ کی اطاعت فطرتِ صحیحہ کی اطاعت ہے:

The new culture finds the foundation of world unity in the principle of Tawhid......It demands loyalty to God, not to thrones.And since God is the ultimate

spiritual basis of all life, loyalty to virtually amounts to man's loyalty to his own ideal nature".[۵۲]

حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ' توحید کے انتہائی درجے کی تلقین کرتے ہیں کہ انسان کا جسم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں ہو اور دلِ غیرِ خدا کے خیال تک سے باز رہے۔

آپ علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں:

توحید عبارت از تخلیصِ قلب اَست از توجہ مَا دون اُوسبحانہٗ' تا زمانیکہ دل را گرفتاری بما سوا متحقق است۔ اگر چہ اقل قلیل باشد از اربابِ توحید نیست۔ بی تحصیل ایں دولت واحد گفتن وواحد دانستن نزد اربابِ حصول فضول است۔ [۵۳]

جہاں تک ذاتِ باری تعالیٰ کی رؤیت کا تعلق ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔ مؤمنوں کو خدا تعالیٰ کی بہشت میں بے جہت اور بے مقابلہ اور بے کیف و احاطہ دید ہو گی۔[۵۴]

''مبداء و معاد'' میں حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

انّ الرؤیۃ فی الاٰخرۃ حق'' نؤمن بہٖ و لا نشتغل بکیفیّتہٖ [۵۵]

بے شک آخرت میں رُؤیت کا ہونا برحق ہے تو ہمارا اس پر ایمان ہے لیکن ہم اس بات کے درپے نہیں ہوتے کہ اس کی کیفیّت کیا ہو گی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام کی فہم اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ جہاں تک اس دنیاوی زندگی میں رؤیت باری تعالیٰ کا تعلق ہے تو حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ دنیاوی آنکھوں سے اس رؤیت کے قائل نہیں۔ آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''ہم ایسے خدا کی پرستش ہرگز نہیں کرتے جو شہود کے احاطہ میں آسکے جو دیکھا جا سکے' جو معلوم ہو سکے اور جو وہم و خیال میں سما سکے کیونکہ مشہود' مرئی' معلوم' موہوم اور خیال میں آجانے والی چیز' مشاہدہ کرنے والے' دیکھنے والے' جاننے والے' وہم کرنے والے اور خیال کرنیوالے کی طرح

مخلوق اور پیدا شُدہ ہے۔ ۵۶

بہشت میں ہر بہشتی شخص کی رؤیت اسمِ الٰہی کے اندازہ کے مطابق ہوگی۔ جو اس کے تعین و تشخص کا مبداء ہے۔ ۵۷ جبکہ دنیا میں بشری آنکھوں میں دِیدارِ ذات مطلقہ کی استطاعت نہیں۔ ہاں خالق کائنات کے جلوؤں کا نظارہ کرنے سے انکار ممکن نہیں تجلّیات انوارِ ربّانی کا دِیدار کیا جاسکتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے معراج شریف کی رات جو دیدارِ خداعزّ وجل کیا تو وہ رؤیت اُخروی تھی اور حقیقت محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نورِ بصیرت سے کیا۔ اور یہ آپ کیلیے خاص رؤیتِ بَصری ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

أُسرِیَ لیلة المِعراج بالجسد الیٰ ماشاء اللہ تعالیٰ وعُرِضَ عَلیهِ الجَنَّة وَالنَّارُ وَاُوحِیَ الیه مَااُوحِیَ وَشُرِّفَ ثَمَّه' بالرّؤیة البصریّة وهٰذا القسم من المِعراج مخصوص'' به علیه الصّلوٰة والسَّلام. ۵۸

ڈاکٹر اقبال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ دیدارِ خداوندی کے بارے میں لکھتے ہیں:

برمقامِ خود رسیدن زندگی است ذات را بے پردہ دیدن زندگی است ۵۹

اپنے مقام پر پہنچنا اور ذاتِ باری تعالیٰ کو بے پردہ دیکھنا زندگی ہے۔

''ارمغانِ حجاز'' میں اقبال کہتے ہیں:

دلِ ما از کنارِ ما رمیدہ
بہ صورت ماندہ و معنی ندیدہ
زما آن راندۂ درگاہ خوشتر
حق او را دیدہ و مارا شنیدہ ۶۰

اس رباعی کا بنیادی تصور یہ ہے کہ مؤمن کا مقصودِ دِیدارِ ذات ہے۔ لیکن اقبال کی مُراد دیدار سے یقین کامل ہے۔ کیونکہ دُنیا میں بصری آنکھوں سے دیدارِ الٰہی ناممکن ہے اور یہ صرف خاصہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم

ہے کہ معراج کی شب خالقِ کائنات کی رؤیت سے مشرّف ہوئے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرح حضرت اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اس کے قائل ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

گرچہ عینِ ذات را بی پَردہ دِید
رَبِّ زِدنِي از زبانِ او چکید[۶۱]

گو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص ذات باری تعالیٰ کو بغیر کسی آڑ کے دیکھا۔ پھر بھی اُن کی زبانِ مبارک سے رَبِّ زِدنِی عِلماً ہی نکلا۔

ذات وصفات کے بارے میں امت کی کلامی بحثوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

ابن مریم مرگیا یا زندۂ جاوید ہے ؟
ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جُدا یا عینِ ذات[۶۲]

آپ نے ان مباحثوں کو علمِ کلام کے بُت اور لات ومنات قرار دیتے ہوئے ان مسائل میں گفتگو کرنے سے بچنے کی تلقین کی اور خدا پر یقین کامل کا درس دیا۔

(۲)

وجود وشہود

فلسفہ کا ایک اہم اور نازک ترین مسئلہ ''وحدۃ الوجود'' ہے جس کا استناد شیخِ اکبر حضرت محی الدّین ابن عربی علیہ الرحمۃ کی طرف کیا جاتا ہے اور ''وحدۃ الشھود'' کہ جس کے بانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرھندی علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی ہے۔ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابتداء میں وحدۃ الوجود کے قائل تھے اور بعد میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے افکار ونظریات کے مطالعے سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ ''وحدۃ الوجود'' بے عملی کا باعث بنتا ہے اور اس کی فلسفیانہ تعبیر الحاد وزندقہ کی طرف لے جاتی ہے جبکہ محتاط نظریہ ''وحدۃ الشھوذ'' ہے جو ایسے سقم سے پاک ہے۔ یوں اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت مجدد

رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ہر دو شخصیات اس مسئلے میں متفق ہیں اور اقبال پر یہ حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیمات کا اثر ہے۔

ڈاکٹر بُرہان احمد فاروقی اپنی ایک نشری تقریر میں فرماتے ہیں:

> حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور علاّمہ اقبال کے افکار میں بظاہر جو مماثلت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ دونوں کے دلوں میں وَلولہ تھا کہ لوگوں کے خیالات کا رُخ اسلام کی طرف پھیرا جائے۔ دونوں کشف کو ذریعۂ علم سمجھتے ہیں دونوں وحدت الوجود کو غلط سمجھتے ہیں دونوں کو اس بات پر اصرار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اسوۂ کامل اور معیارِ کمال کی حیثیت رکھتی ہے۔[۶۳]

اسی تقریر میں آگے چل کر پھر اسی بات کا اظہار کرتے ہیں:

> حضرت مجدد الف ثانی اور علاّمہ اقبال دونوں وحدۃ الوجود یا نظریہ توحید وجودی کی تردید کرتے ہیں۔

ڈاکٹر ابو اللّیث صدّیقی لکھتے ہیں:

> چونکہ ہمارے اکثر اکابر صوفیہ وحدتِ وجُود کے قائل تھے اس لیے علاّمہ محمد اقبال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ایسے تصوّف کو اسلام کی سپرٹ کے منافی سمجھتے ہیں اور اس کے مقابلے میں وہ اس وحدتِ شہُود سے مُتفق ہیں جسکے علمبر دار حضرت شیخ احمد سرھندی مُجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ تھے۔ علاّمہ اقبال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک برّصغیر کی تاریخ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے 'کردار' ان کی تعلیمات اور افکار و نظریات نے بڑی حد تک اس فلسفہِ وحدتِ وجود کے رَدّ کرنے کا فریضہ انجام دِیا اور غالباً حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے اقبال کی عقیدت کا یہ بھی ایک سبب ہے۔[۶۴]

نظریہ وحدتِ وجود در حقیقت خدا اور کائنات کے باہمی تعلق سے متعلق ہے۔ فلاطینوس کی تعلیم کے مطابق:

خُدا مطلق ہے یعنی حلقہ وجود اور حقیقت کے ماوراء وہی پہلی طاقت ہے
وجود اور کون کے متعلق جو کچھ ہم جانتے ہیں اس کی ذات پر اطلاق نہیں
ہوتا۔ اس لیے وہ نا قابلِ علم ہے کیونکہ وہ اسی طرح پر ہے جو ہماری فکر سے
قطعاً ماورا ہے وہ غیر محدود ہے اور اس بناء پر ایک' کیونکہ غیر محدود ہونے کی
وجہ سے اس کے علاوہ اور کسی وُجود کا اس سطح پر امکان نہیں رہتا''۔ [۶۵]

اس نے خالق اور مخلوق کی ثنویّت کا انکار کر دیا اور کہا کہ مخلوقات دراصل ذاتِ اَحد کے صدوارت (Emanations) [۶۶] ہیں۔

اُس کے ہاں حقیقی خُدا سے ناؤس صادر ہوتی ہے ناؤس سے رُوح عالم نکلتی ہے۔ [۶۷] یہی نظریہ بعد میں وحدتِ وجود کے نام سے پروان چڑھا۔ بقول ڈاکٹر ابو سعید نور الدّین:

فلسفہ نو فلاطونیّت میں سے جو نظریہ مسلمان صوفیہ کے دل و دماغ پر سب
سے زیادہ اثر انداز ہوا وہ نظریہ وحدت الوجود ہے۔ [۶۸]

صوفیائے کرام میں سے حضرت ذوالنون مِصری کی طرف وحدت الوجود سے متعلقہ خیالات منسوب کیے جاتے ہیں پھر حضرت بایزید بِسطامی' حضرت جنید بغدادی' حسین بن منصور حلاج' ابوبکر شبلی علیہم الرحمۃ [۶۹]۔ البتہ اس نظریہ کو پروان چڑھانے والے حضرت ابن عَربی ہیں۔

وحدت الوجود کے معنی ڈاکٹر سہیل بخاری کے الفاظ میں یہ ہیں:

جملہ موجودات کا وجود واحد ہے اور وہ وجود حق تعالیٰ کا ہے تمام اشیائے
کائنات اس کے لباسات' تعیّنات اور مظاہر ہیں۔ [۷۰]

ڈاکٹر ابو سعید نور الدّین لکھتے ہیں:

وحدت الوجود سے مراد یہ ہے کہ وجود یا ہستی صرف واحد ہے باقی
ہمہ عَدم ہے وجود واحد کے علاوہ وجود کائنات و مافیہا کا کوئی اعتبار نہیں
اس کو دوسرے الفاظ میں ہمہ اُوست کہتے ہیں ۔ اس لحاظ سے
کائنات و مافیہا یعنی جو کُچھ چشمِ ظاہری سے نظر آتا ہے' سب کا سب اسی
وجودِ واحد کا جلوہ ہے اس سے الگ کوئی شئے نہیں۔ [۷۱]

شیخ عبدالقادر عیسیٰ شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وحدۃ الوجود یعنی ایک ہی ہے اور وہ حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔ دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے ان میں سے ایک حق ہے اور دوسرا کفر اس لیے وحدۃ الوجود کے قائلین کے دو گروہ ہیں۔ [۷۲]

پہلا گروہ وحدت الوجود سے یہ مراد لیتا ہے کہ "حق سبحانہ وتعالیٰ اور مخلوق متحد ہیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ کے علاوہ کوئی وجود نہیں۔ ہر چیز وہی ہے اور وہی تمام اشیاء کا عین اور ہر چیز میں کوئی نہ کوئی نشانی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ وہی اس کا عین ہے۔[۷۳]

اس گروہ کے بارے میں حضرت شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

یہ قول صریح کفر اور زندیقی ہے اور یہود ونصاریٰ اور بتوں کے پجاریوں کے باطل عقائد سے بھی زیادہ گمراہ کن ہے۔ [۷۴]

دوسرے گروہ کے نظریات یہ ہیں کہ:

(ا)......اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ازلی ہے اس کا وجود ایک ہے بلاشبہ وہ تعدد سے پاک ہے۔ [۷۵]

(ب)......اس کی ایجادات اس کا مظہر ہیں۔ کائنات اسی کے حکم سے قائم اور ثابت ہے۔ [۷۶]

ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نظریہ وحدت الوجود کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر ابوسعید نورالدین لکھتے ہیں:

ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ الوجود واحد ہے وہی موجود ہے اور مخلوقات کا وجود عین وجود خالق ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے خالق اور مخلوق میں کوئی فرق نہیں جو شخص خالق اور مخلوق کے وجود میں امتیاز کا قائل ہے وہ اس حقیقت کے اعتبار سے نا آشنائے محض ہے۔ جو خود اس کی ذات کے اندر موجود ہے۔ [۷۷]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وحدت الوجود کی پیچیدگیوں کے پیشِ نظر وحدت الشہود کا ستھرا اور نکھرا تصور پیش کیا۔ البتہ اسے فلسفیانہ مباحث کے بجائے ارتقائے سلوک کے مدارج کے پس

منظر میں بیان کیا۔آپ نے مشائخِ طریقت کے تین گروہ ذِکر کیے:۔

(۱)...... پہلا گروہ اس امر کا قائل ہے کہ کائنات عالم حق سبحانہ کی ایجاد سے خارج میں موجود ہے اور جو کچھ اس میں اوصاف وکمالات ہیں سَب حق سبحانہ' کی ایجاد سے ہیں۔

(۲)......دوسرا گروہ عالم کو حق سبحانہ' کا ظِلّ جانتا ہے مگر اس امر کا قائل ہے کہ عاَلم خارج میں موجود ہے۔لیکن اصالت کے طریق پر نہیں بلکہ ظلّیت کے طور پر اور یہ کہ عالم کا وجود حق سبحانہ' کے کے ساتھ قائم ہے جس طرح ظِلّ' اصل کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔

(۳)......تیسرا گروہ وحدۃ الوجود کا قائل ہے یعنی خارج میں صرف ایک ذات موجود ہے اور بَس۔ اور حق سبحانہ' کی ذات اور عالم کا خارج میں اصلاً تحقّق نہیں صرف علمی ثبوت رکھتے ہیں۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ :اَلأَعْیَانُ مَاشَمَّتْ رَائِحَۃَ الْوُجُوْدِ۔(اشیاء نے وجود کی خوشبو نہیں سونگھی)۔ ۷۸

یہ تیسری جماعت عالم (کائنات) کو حق سبحانہ' کا ظِلّ کہتی ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہتی ہے کہ ان کا وجود صرف مرتبۂ حِس میں ہے۔نفس الامر اور خارج میں عدم محض ہے۔اور یہ لوگ خُدائے عزّ وجلّ کو صفاتِ وجُوبیہ اور امکانیہ کے ساتھ متّصف کرتے ہیں۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں یہ تیسرا گروہ باوجود واصل کامل ہونے کے مخلوق کو گمراہ کر رہا ہے اور زندقہ اور بے دینی تک پہنچا رہا ہے۔چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ہر چند ایں طائفہ واصل وکامل اند علیٰ تفاوتِ درجاتِ الوَصل والکمال اَمّا خلق راسخنانِ ایشاں بضلالت والحاد راہنموئی کردو بزندقہ رسانید۔ ۷۹

پہلا گروہ وحدت الشّہود کا قائل ہے۔حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

خود را غیر از عبدِ مخلوق غیر مقدور نشناختند واُو را عزّ شانہ خالقِ ومولائے خود دانستند۔ خود را مولا دانستن ویا ظِل اوانگاشتن برِین بزرگواراں بَسیار گران ودشواری آید مَالِلتّرابِ وَرَبِّ الأربَاب۔ ۸۰

اپنے آپ کو اس کا عبد مخلوق بے قدرت کے سوا کچھ نہیں سمجھا اور اس اللہ عزوشانہ کو اپنا خالق ومولیٰ جانا ہے۔اپنے آپ کو مولیٰ سمجھنا یا اُس کا ظلّ قرار دینا ان بزرگوں کے نزدیک سخت گراں اور دُشوار ہے۔چہ نسبت

خاک را با عالم پاک۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ پہلے وحدت الوجود کے قائل تھے اور مدت دراز تک اسی راہ میں گھومتے رہے۔ بالآخر منزلِ مقصود کو پالیا اور وحدتِ شہود کی حقیقت تک جا پہنچے۔

آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت یار محمد جدید بدخشی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف مکتوب میں لکھتے ہیں:

اوّل توحید وجودی کا معتقد تھا۔ بچپن سے ہی اس توحید کا علم اور اس پر پورا یقین تھا۔ اگرچہ حال نہیں رکھتا تھا۔ جب اس راہ میں آیا تو اوّل توحید وجودی کا راستہ منکشف ہوا اور مدت دراز تک اس مقام کے مراتب میں گھومتا رہا اور بہت سے علوم جو اس مقام کے مناسب تھے فائض ہوتے رہے اور وہ مشکلات وواردات جو ارباب توحید پر وارد ہوتی ہیں سب کی سب کشف اور علوم فائضہ کے ذریعہ حل ہوگئیں۔ ایک مدت کے بعد اس درویش پر ایک اور نسبت غالب ہوئی اور اس غلبہ میں توحید وجودی میں توقف پیدا ہوا۔ لیکن یہ توقف توحیدِ وجودی والوں کے ساتھ حُسنِ ظن کی بنا پر پیدا ہوا۔ انکار کی بناء پر پیدا نہ ہوا۔ ایک مدت تک اس بارے میں متوقف رہا۔ آخر الامر معاملہ اس کے انکار تک پہنچا اور مجھے دکھایا گیا کہ یہ مرتبہ سب سے پست مرتبہ ہے۔ یہاں سے ظلیّت کے مقام پر پہنچا لیکن اس کا انکار بے اختیار تھا۔ نہیں چاہتا تھا کہ اس مقام سے باہر آئے۔ اس لیے کہ بہت سے مشائخِ عظام اس مقام میں اقامت پذیر تھے۔ اور جب ظلیّت کے مقام میں پہنچا اور خود کو اور عالم کو ظلِ محسوس کیا' جیسا کہ دوسرا گروہ اس کا قائل ہے تو اس اَمر کی آرزو پیدا ہوئی کہ کاش اس مقام سے باہر نہ نکالیں کیونکہ یہ درویش' کمال وحدت الوجود میں پاتا تھا اور یہ مقام ظلیّت اس سے کچھ قدرے مناسبت رکھتا ہے۔ اتفاقاً کمالِ عنائت اور غریب نوازی سے اس مقام سے بھی اُوپر لے گئے اور مقامِ عبدیّت تک پہنچا دیا۔ اس وقت اس مقام کا کمال دکھائی دیا اور اس کی

بلندی واضح ہوئی اور گذشتہ مقامات سے تائب ہوا اور استغفار کیا۔ اگر
اس درویش کو اس راستے سے نہ لے جاتے اور بعض مراتب کی بعض
پر فوقیت نہ دکھاتے تو اس مقام عبدیّت میں اپنا تنزل جانتا کیونکہ اس
درویش کے نزدیک توحید وجودی سے اُوپر کوئی مقام نہ تھا۔ ۸۱

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے ارتقائے سلوک کے تین مدارج طے کیے۔

(۱)......وحدت الوجود

(۲)......ظلّیت

(۳)......وحدت الشّھود (مقام عبدیّت)

آخری مقام تک رسائی کے بعد پہلے دو باطل قرار پاتے ہیں۔

ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اوران کے پیروکاروں کا نظریہ ہے کہ:

(ا)...... باری تعالیٰ کے اسماء وصفات ذاتِ واجب تعالیٰ وتقدس کا بھی عَین ہیں اور ایک دوسرے کا بھی عین۔ ۸۲

(ب)......اس مقام میں کسی بھی اسم اور نشان کے اعتبار سے تعدّد وتکثر نہیں اور نہ ہی کوئی تمایز اور تباین ہے۔ ۸۳

(ج)...... ان اسمآء وصفات اور شیوٗن واعتبارات نے حضرتِ علم میں تمایز اور تباین اجمالاً وتفصیلاً پیدا کیا ہے۔ اگر اجمالی تمیز ہے تو اس کو تعیّن اوّل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر تفصیلی تمیز ہے تو اس کا نام تعیّن ثانی ہے۔ ۸۴

(د)......تعیّن اوّل کا نام وحدت ہے اور یہ حقیقت محمدی ہَے اور تعین ثانی واحدیّت ہے۔ ۸۵

(س)......تمام ممکنات کے حقائق ہیں اور یہ حقائقِ ممکنات 'اعیانِ ثابتہ کہلاتے ہیں۔ ۸۶

(ص)...... یہ دونوں علمی تعیّنات یعنی وحدت اور وَاحدانیّت مرتبہٗ وجوب میں ہیں۔ ۸۷

(ط)......اعیانِ ثابتہ نے وجود خارجی کی بُو تک نہیں سُونگھی اور خارج میں احدیّتِ مجرّدہ کے سِوا کچھ بھی موجود نہیں اور یہ کثرت جو خارج میں دکھائی دیتی ہے اعیان ثابتہ کا عکس ہے جو ظاہر

وجود جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں، کے شیشوں میں منعکس ہوا ہے اور خیالی پیدا کیا ہے۔ [88]

ابنِ عربی ہمہ اُوست کا نعرہ لگاتے ہیں۔ [89] جبکہ اس کے برعکس حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمہ اَز اُوست کے علمبردار ہیں۔ حضرت مُجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

نزدِ فقیر ظِلِ شئے عین شئے نیست بلکہ شبح است ومثالِ آن شئے وحملِ یکے بردیگرے ممتنع است۔ پس نزد فقیر ممکن عینِ واجب نباشد وحمل درمیانِ ممکن وواجب ثابت بنود چہ حقیقتِ ممکن عدم است وعکسے کہ از اسماوصفات است دران عدم منعکس گشتہ است شبح ومثالِ آں اسماوصفات است نہ عینِ آنہا پس ہمہ اُوست گفتن درست نباشد۔ [90]

مُراد یہ ہے کہ کسی شئے کا ظلال اُس کا عین نہیں بلکہ اس کا شبح اور مثال ہے۔ ممکن واجب کا عین نہیں ممکن کی حقیقت عدم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے جبکہ کائنات ممکن۔ لہٰذا یہ دونوں ایک ہی چیز نہیں۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک عالم خارج میں موجود ہے مگر ظِلّی وجود کیساتھ جس طرح حق سُبحانہُ خارج میں اصلی وجود کیساتھ موجود ہے بلکہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے۔ [91]

ابنِ عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عالم کو حق تعالیٰ کا ظِل مانتے ہیں مگر ظِل کے وجود کو وہم میں گمان کرتے ہیں اور اس کے حق میں وجودِ خارجی کی بُو بھی جائز نہیں مانتے۔ مختصر یہ کہ کثرتِ موہوم کو وحدتِ وجود کے ظِل سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ خارج میں صرف ایک ذات کو تصور کرتے ہیں [92] جبکہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ممکن خارج میں وجودِ ظلّی کے ساتھ بطریقِ حقیقت موجود ہے نہ کہ وَہم اور تخیل کے طَور پر۔ [93]

یہی وہ نظریہ وحدت الشُھود ہے جو احتیاط کی قبیل سے ہے اور اس کا سہرا حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے سر ہے۔ وحدت الشُھود سے مراد یہ ہے کہ وجودِ کائنات اور مختلف آثار وصفات کا ظہور حقیقتِ مُطلقہ یعنی خدائے بزرگ و برتر کی ذات وصفات کا ظِل وعکس ہیں جو عدم میں مُنعکس ہو رہا ہے اور یہ ظِل عینِ صاحب ظِل نہیں بلکہ ایک شبح اور مثال ہیں۔ پھر یہ ظِل مرتبہ وہم میں نہیں بلکہ ظِل کا وجود حقیقت کے اعتبار سے ہے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اسی عظیم خدمتِ اسلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر رحیم بخش

شاہین رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

حضرت مجدد کا ایک عظیم کارنامہ وحدت الوجود کی تردید ہے۔اس میں آپ کو اوّلیّت حاصل ہے۔آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے شریعتِ حقّہ کی بالادستی کے لیے ابن عربی کے نظریات پر شدید تنقید کی اور ثابت کیا کہ وحدت الوجود کا فلسفہ اسلامی تعلیمات کے صریحاً خلاف ہے۔انہوں نے وَحدت الوجود کے خلاف وحدت الشّہود کا نظریہ پیش کیا جو شریعت کے تقاضوں کے مطابق ہے۔اس نظریے کی رو سے وہ کثرت جو نظر آتی ہے وہ اعیان ثابتہ کا عکس نہیں خارج میں موجود ہے۔وہ ممکن کو واجب کا عین نہیں مانتے۔ان کے نزدیک کائنات خدا کی مخلوق ہے اور انسان اللہ کا بندہ۔گویا ہَمہ اُوست کے بجائے ہمہ از اُوست کا قائل ہونا ضروری ہے۔ [۹۴]

اسی بنا پر حضرت اقبال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا:

A great religious genius of the seventeenth century shaikh Ahmed of serhind-whose fearless analytical criticism of contemporary sufism resulted in the development of a new technique [۹۵]

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد فرماتے ہیں:

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ذاتی تجربات ومشاہدات کی روشنی میں نظریہ وحدت الوجود سے ایک قدم آگے بڑھ کر نظریہ وحدت الشّہود پیش کیا۔حضرت مجدّد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے عہد میں تصور وحدت الوجود کی غلط تعبیر وتشریح نے فضا کو مسموم کر دیا تھا۔آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک ایسا نظریہ پیش کیا جس میں غلط تعبیر کا

وہم وگمان بھی نہ رہا۔یعنی تصورِ وحدت الشہود۔ ۹۶

درحقیقت حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے دور میں وحدت الوجود کی فلسفیانہ تعبیر کر کے اسے مشکوک اور غلط معنی پہنادیے گئے ۔ رام اور رحمان کو ایک جانا جانے لگا۔ حضرت مجدد نے انہی حالات میں وحدت الشّہود کا تصوّر پیش کیا۔جسے غلط تعبیر سے ہم کنار نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت مجدد علیہ الرّحمتہ فرماتے ہیں:

رام ورحمان را یکے دانستن از نہایت بے عقلی است۔خالق بامخلوق یکے نمیشو دو بیچون باچون متّحد نمیگردد۔ ۹۷

رَام اور رَحمٰن کو ایک جاننا بڑی بیوقوفی ہے۔خالق، مخلوق کیساتھ ایک نہیں ہوسکتا اور چُون کیساتھ بیچون متّحد نہیں ہوسکتا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے وحدت الشّہود کو ''عین الیقین'' جبکہ وحدت الوجود کو ''علم الیقین'' کے قبیل سے ذکر کیا۔شیخ فرید بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی طرف مکتوب میں فرماتے ہیں:

توحید یکہ دراثناءِ رَاہ ایں طائفہ علیّہ رادست می دہددو قسم است۔ توحیدِ شہودی وتوحید وجودی۔توحید شہودی یکے دیدنست یعنی مشہودِ سالک جُز یکے نباشدوتوحید وجودی یک موجود دانستن است وغیر اُورَا معدوم انگاشتن وباوجودعدَمیّت مجالے ومظاہرِ آن یکے پنداشتن ۔ پس توحید وجودی ازقبیلِ علم الیقین آمدوشہودی ازقسم عین الیقین۔ ۹۸

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی طرح ڈاکٹر محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ بھی پہلے وحدۃ الوجود کے قائل تھے بعد میں وحدۃ الشّہود کی طرف مائل ہوگئے۔

علّامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں:

مجھے اس امر کا اعتراف کرنے میں کوئی شرم نہیں کہ میں ایک عرصے تک ایسے عقائد ومسائل کا قائل رہا جو بعض صُوفیہ کے ساتھ خاص ہیں اور بعد میں قرآن شریف پر تدبّر کرنے سے قطعاً غیر اسلامی ثابت ہوے مثلاً شیخ محی الدین ابن عربی کا مسئلہ قدم ارواحِ کملا' مسئلہ وحدت الوجود یا

مسئلہ تنزلات ستّہ یا دیگر مسائل جن میں بعض کا ذکر عبدالکریم جیلی نے اپنی کتاب ''انسان کامل'' میں کیا ہے۔[۹۹]

۱۹۱۵ء میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی اسرارِ خودی شائع ہوئی۔[۱۰۰] جس میں مسئلہ خودی باضابطہ طور پر پیش کیا گیا۔ اس کی اشاعت سے قبل آپ پر وحدت الوجود کا رنگ غالب تھا۔ سفر یورپ پر گئے۔ وہاں تین سال قیام کیا۔ میونخ یونیورسٹی سے

The Development of Metaphysics in Persia[۱۰۱]

کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔[۱۰۲] یہ مقالہ لکھتے وقت بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت محی الدین ابن عربی سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

The studunt of Islamic Mysticism who is anxious to see an all-embracing expositoin of the Principle of unity, must look up the Heavy Volumes of the Andalusian Ibn.'Arabi,whose Profound teaching stands in strange Contrast with the dry-as dust Islam of his countrymen[۱۰۳]

۳۰ دسمبر ۱۹۱۵ء کو خواجہ حسن نظامی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

میرا فطری اور آبائی میلان تصوف کی طرف ہے اور یورپ کا فلسفہ پڑھنے سے یہ میلان اور بھی قوی ہو گیا تھا کیونکہ فلسفہ یورپ بحیثیت مجموعی وحدت الوجود کی طرف رُخ کرتا ہے۔[۱۰۴]

اس ضمن میں معنی آفرینی کے لحاظ سے یہ شعر اُردو ادب میں شاہکار ہے:

ہاں آشنائے لب ہو نہ رازِ کہن کہیں
پھر چھڑ نہ جائے قصۂ دار و رسن کہیں[۱۰۵]

اس پُرانے بھید کو لب پر نہ آنا چاہیے ورنہ اندیشہ ہے کہیں حسین ابن منصور حلاج کی طرح سولی اور رسّے کا قصہ تازہ نہ ہو جائے۔

اسرارِ خودی کی اشاعت کے بعد اچانک انکشاف ہُوا کہ آپ وحدۃ الوجود کے بجائے وحدت الشھو د کے قائل ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اُستاد میک ٹیگرٹ نے جب ''اسرارِ خودی'' کا انگریزی ترجمہ پڑھا تو ایک خط میں آپ سے استفسار کیا کہ:

> Have you not changed your position very much? surely in the days when we used to Talk Philosophy together you were much more of a pantheistic and mystic[۱۰۶]

یُوں ایک تھوڑے ہی عرصے کے بعد اقبال کا نظریہ ''وحدۃ الوجود'' بدل گیا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے ایک مضمون لکھا جس کا عنوان ہے: ''کیا اقبال وجُودی تھے؟'' اس میں آپ لکھتے ہیں:

> اقبال تھوڑے عرصے کے لیے وحدت الوجود کے قائل رہے مگر بعد میں اُن کا خیال یہ رہا کہ خُدا خُدا ہے اور انسان انسان۔ وہ خدا' انسان اور کائنات تینوں کی مستقل حیثیت مانتے ہیں۔[۱۰۷]

''سِرِّ اسرارِ خودی'' میں ڈاکٹر اقبال خود فرماتے ہیں:

> ہم وحدت الوجودیوں کو مسلمان نہیں بنانا چاہتے بلکہ مسلمانوں کو اُن کے تخیلات کے دم سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم حق پر ہیں تو خُدا ہماری حمایت کرے گا اور اگر ہم ناحق پر ہیں تو ہم فنا ہو جائیں گے۔[۱۰۸]

وحدۃ الوجوُد وصال کا علمبردار ہے جبکہ وحدت الشھوُد فراق کی تعلیم دیتا ہے۔ ڈاکٹر اقبال رحمتہ اللہ علیہ ''فراق'' کو ترجیح دیتے ہوئے خواجہ حسن نظامی کے نام مکتوب محررہ۔ ۳۰/دسمبر ۱۹۱۵ء میں لکھتے ہیں:

> حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکتوبات میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ گسستن اچھا ہے یا پیوستن؟ یعنی فراق اچھا ہے یا وصال؟

میرے نزدیک گسستن عینِ اسلام ہے اور پیوستن رہبانیّت یا ایرانی (غیر اسلامی) تصوف ہے اور میں اس غیر اسلامی تصوف کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔ ۱۰۹

یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوبات کو پڑھنے کا اثر تھا۔ ڈاکٹر اقبال نے اس کا اعتراف مذکورہ بالا خط میں یوں کیا:

آپ کو یاد ہوگا جب آپ نے مجھے سِرّ الوصال کا لقب دیا تھا تو میں نے آپ کو لکھا تھا کہ مجھے سِرّ الفراق کہا جائے۔ اس وقت بھی میرے ذہن میں یہی امتیاز تھا جو حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا ہے۔ ۱۱۰

حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے گسستن اور پیوستن ہر دو کا مظہر بننے کی تلقین کرنے کے ساتھ ساتھ گسستن کے قائلین کو بلند نظر قرار دیا۔ ۱۱۱

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام مکتوب محررّہ ۲۴ رجون ۱۹۱۶ء میں لکھتے ہیں:

تعجب ہے آپ کا بھی یہ خیال ہے کہ میں نے جرمَن فلسفہ اس مثنوی میں لکھا ہے۔ علمائے اسلام ابتدا سے آج تک تصوفِ وجودیہ کے مخالف رہے ہیں مَیں نے کوئی نئی بات نہیں کی ..... اسلامی تصوف کا دارومدار گسستن پر ہے۔ تصوفِ وجودیہ کا پیوستن یا فنا پر۔ اگر میں نے گسستن کی حمایت کی ہے تو کوئی بدعت نہیں کی۔ ۱۱۲

حضرت ابن عربی وحدت الوجود کے قائل ہیں اور یہ مقام تجلّی ذاتی ہے۔ ان کے ہاں اس کے بعد عدم محض ہے۔ حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ صُوفی کے نام مکتوب میں فرماتے ہیں:

شیخ محی الدّین ابنِ عربی را کما ینبغی لائح ساختند و تجلّی ذاتی کہ صاحبِ فصوص آنرا بیان فرمودہ است ونہائت عروج جزآں نمی داند ودرآں تجلّی میگوید:
وما بعد هذا الا العدم المحض بآں تجلّی مشرّف گشت۔ ۱۱۳

ڈاکٹر اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا ذکر شاہ سلیمان پھلواری کے نام مکتوب محررہ ۲۴ رفروری ۱۹۱۶ء

میں کیا۔[۱۱۴]

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس مقام تجلّی سے آگے بھی ایک مقام ہے جہاں یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ خدائے بزرگ وبرتر وراء الوراء ہستی ہے۔ اور وہ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں وہ بے مثل اور بیمثال ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

احاطہ وقُربِ اوتعالیٰ علمی است چناں مقررّ اہل حق است شکر اللہ تعالیٰ سعیھم واوسبحانہٗ باہیچ چیز متحدّ نیست اواوست تعالیٰ وتقدس وعالم عالم اوسبحانہٗ بیچون وبیچگونہ است وعالم سراسر بداغِ چونی وچگونگی متسمِ بیچون راعین چون نتواں گفت واجب تعالیٰ راعینِ ممکن نتواں خواند۔ قدیم ہرگز عینِ حادث نشود ممتنع العدم عینِ جائز العدم نگردد وانقلاب حقائق محالست عقلاً وشرعاً وصحت حمل یکے بردیگرے ممتنع است اصلاً وراً ساً۔[۱۱۵]

ذاتِ حق سبحانہ وتعالیٰ کا احاطہ اور قُرب ذاتی نہیں بلکہ علمی ہے' جیسا کہ اہل حق شکر اللہ سعیھم کے ہاں قرار پاچکا ہے اور وہ سبحانہٗ وتعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متّحد نہیں اور خُدا خُدا ہے اور عالم عالم ہے۔ وہ سُبحانہ وتعالیٰ بے مثل وبیمثال ہے اور عالم سارے کا سارا مثل ومثال کے داغ سے داغدار ہے۔ بے مثل وبے کیف ذات کو ذی مثل وذی کیف کا عین نہیں کہا جاسکتا۔ واجب تعالیٰ کو ممکن کا عین نہیں کہہ سکتے۔ اور قدیم' حادث کا عین ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ممتنع العدم ذات جائز العدم کا عین نہیں ہوسکتی۔ انقلابِ حقائق عقلاً اور شرعاً محال ہے۔ ایک کا حمل دوسرے پر بالکل ممتنع ہے۔

ڈاکٹر اقبال رحمتہ اللہ علیہ' توحید شھودی کے قائل ہیں۔ آپ کا یہ شعر اس کی خوب ترجمانی کررہا ہے۔

اک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
باقی ہے نمودِ سیمائی[۱۱۶]

اس جہاں میں تیرا ہی وجود حقیقی ہے اور باقی جو کچھ نظر آرہا ہے یہ سب

طلسمی اور نمائش اور خیال کی کرشمہ سازی ہے۔

حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے حلول واتحاد کے قائلین کا ابطال کیا اور ان کے لیے ذِلّت ورسوائی کی دُعا کی۔آپ فرماتے ہیں:

قوم" یقولون بالحلول خذلهم الله سبحانه' ۔[۱۱۷]

اقبال رحمتہ اللہ علیہ بھی حلول کے قائل نہیں۔[۱۱۸] اسی لیے وہ خودی پر زور دیتے ہیں۔دونوں بزرگوں میں یہ بات بھی مماثل ہے کہ وحدت الوجود کے قائل رہنے کے بعد وحدت الشھود کی طرف مائل ہوئے۔ لیکن وجودی صوفیہ کی تکفیر کے بھی قائل نہیں۔حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے وحدت الوجود کے قائلین کو واصلِ حق قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمات کو دوسروں کے لیے گمراہی گردانا۔[۱۱۹]

ڈاکٹر اقبال رحمتہ اللہ علیہ ابن عربی کے مسئلہ قدم ارواح کملا' مسئلہ وحدت الوجود مسئلہ تنزّلات وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

مذکورہ بالا تینوں مسائل میرے نزدیک مذہب اسلام سے کوئی تعلّق نہیں رکھتے گو مَیں اُن کے ماننے والوں کو کافر نہیں کہہ سکتا کیونکہ انہوں نے نیک نیّتی سے ان مسائل کا استنباط قرآن شریف سے کیا ہے۔[۱۲۰]

مزید برآں دونوں بزرگوں پر اواخر عُمر میں وحدت الوجود کی طرف دوبارہ رجوع کرنے کا بے بنیاد الزام لگایا گیا۔طارق جہلمی اپنی کتاب 'اہم فکری مسائل' میں لکھتے ہیں:

دفتر سوم کے مکتوبات نمبر ۵۸۔نمبر ۶۲۔ نمبر ۶۷۔ نمبر ۶۸۔ نمبر ۷۱۔ نمبر ۸۰۔ نمبر ۸۹۔ نمبر ۹۷۔ نمبر ۱۰۰۔ نمبر ۱۰۹۔ کے مطالعے سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جناب شیخ احمد سرہندی نے آخری عُمر میں اپنی سابقہ رائے سے رُجوع فرمالیا تھا۔[۱۲۱]

مزید لکھتے ہیں:

ابتدائی دور میں وحدت الوجود کی تردید کی تھی اور اس عالم کے وجود خارجی کا اثبات کیا تھا مگر آخر عمر میں اِس خیال سے رجوع کر لیا اور جیسا کہ مکتوب نمبر ۵۸ ومابعد سے ثابت ہے کہ ان کا عقیدہ ہو گیا تھا کہ عالم کا

وجود خارجی نہیں بلکہ وہمی ہے۔ [۱۲۲]

راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ طارق جہلمی کی عدمِ بصیرت کا نتیجہ ہے وگرنہ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ تو مکتوب نمبر ۵۸ میں بھی ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ کے متضاد فرماتے ہیں۔ خواجہ احراری رحمتہ اللہ علیہ کے نام اس مکتوب میں آپ رحمتہ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

فقیر کے نزدیک ممکنات کے حقائق عدمات ہیں اور حضرت شیخ کے نزدیک وجودات منزلہ اور حضرت شیخ نے کثرت کی نمود کو خارج میں ثابت کیا ہے اور کہا کہ صور علمیہ متکثرہ جو کہ ممکنات کے حقائق ہیں اور ان کو اعیان ثابتہ سے تعبیر کیا ہے' اللہ تعالیٰ کے وجودِ ظاہر کے آئینہ ہیں کہ اس کے سوا خارج میں کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ منعکس ہوئے اور خارج میں ظہور پیدا کیا اور ایسا دکھائی دیتے ہیں کہ خارج میں ہیں اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی چیز خارج میں موجود نہیں۔ [۱۲۳]

آپ نے شیخ کے ''کثرت کی نمود کو خارج میں ثابت کرنے'' کی تردید کی اور اسے مرتبہٴ وہم میں گردانا اور فرمایا:

پس جس کو شیخ قدس سرّہ نے خارج سمجھا ہے اور چیزوں کو اس میں بطریقِ انعکاس نمود ثابت کیا ہے وہ خارج نہیں ہے بلکہ مرتبہٴ وہم ہے جس نے خداوند تعالیٰ کی صنعت سے تقررّ وثبات پیدا کیا ہے۔ [۱۲۴]

اسی طرح مکتوب ۱۰۹ میں فرمایا:

مرتبہ وہم ورائے مرتبہ علم ومرتبہ خارج است۔ [۱۲۵]

یہی حال بقیہ ذکر کردہ مکاتیب کا ہے۔ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں علی عبّاس جلالپوری لکھتے ہیں:

عام طور پر سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اقبال مرتے دم تک وَحدتِ وجود اور سریان کے مخالف رہے' لیکن یہ عدمِ تدبّر کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال اواخرِ عُمر میں وحدتِ وجود کی طرف دوبارہ رجوع لانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ [۱۲۶]

یہ جلالپوری صاحب کی عدمِ واقفیت' اور تحقیقی بصیرت کے فقدان کا نتیجہ ہے۔ڈاکٹر ابو سعید نورالدین لکھتے ہیں:

ان کو وحدت الوجود کے سب سے بڑے ترجمان اور مفسر ابنِ عربی کے زُمرے میں شامل کرنا سَراسر زیادتی اور ناانصافی ہے۔ [۱۲۷]

۱۴۔مارچ ۱۹۳۳ء کو اسد ملتانی سے ایک ملاقات میں ڈاکٹر اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

تصوف کا علم پُرانا اور کسی قدر نکما ہو چکا ہے۔ضرورت ہے کہ زمانۂ حاضرہ کے علمِ نفسیات کی روشنی میں اس کی پھر تجدید کی جائے اس کام میں شیخ احمد سرھندی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیقات بہت امداد دے سکتی ہیں۔ [۱۲۸]

جب اواخر عمر میں ڈاکٹر اقبال' وحدت الشھود کے علمبردار حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف سے راہنمائی حاصل کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں تو کیونکر وہ متضاد نظریہ یعنی وحدت وجود کے قائل ہو سکتے ہیں؟

(۳)

خَیر و شَر

فلسفہ کا ایک مسئلہ' خیر و شر کا معیار اور ان کا باہمی تعلّق ہے۔خَیر، شَر کی ضِد ہے۔خیر وہ ہے جو سب کو مرغوب ہوتی ہے۔مثلاً فضل' عقل' عدل۔ القاموس الفرید میں اس کے معانی یوں درج ہیں:

''فائدہ' نفع' بھلائی' مال' دولت' پیداوار'' [۱۲۹]

المنجد میں لکھا ہے:

الخیرج خیور! ضدُّ الشّر!! حصول الشّئی علیٰ کمالاتہٖ'' [۱۳۰]

یعنی خَیر کسی چیز کو اس کے کمالات پر حاصل کرنے کا نام ہے۔یہ شَر کی ضِد ہے۔اور اس کی جمع خیور ہے۔ انگریزی زبان میں اس کیلئے لفظ''Good'' [۱۳۱] یعنی اچھا اور اچھائی مستعمل ہے جبکہ ''شر'' برائی اور بدی کو کہتے ہیں۔اَلقامُوس الفرِید میں تحریر ہے:

"شرّ" بدی، فساد، خرابی، گناہ[۱۳۲]

انگریزی زبان میں اِسے "Evil" اور "ill" کہتے ہیں۔[۱۳۳] بُرائی، بدی، بداخلاقی، اور گناہ سبھی شر میں داخل ہیں۔ خیر وشر دونوں ایک دوسرے کی ضِد ہیں۔ فلاسفہ میں خیر وشر کی بابت اختلاف ہے۔ ان کے ہاں لفظ خیر، حقیقت، علم اور لذّت کے معنوں میں بھی مستعمل ہے جبکہ شر، عدم، جہالت، اور تکلیف کے مفہوم کو حاوی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

انّ اللہ یأمر بالعدل والإحسان وایتآئی ذی القربیٰ وینھٰی
عن الفحشآء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکّرون۔[۱۳۴]

قرآن مجید میں کئی مواقع پر خیر وشر کے بارے میں بحث کی گئی ہے مگر مذکورہ بالا آیت اس ضمن میں جامع ترین ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنّ أجمع آیة فی القراٰن لِلخیر والشّرفی سورة النّحل
(اِنَّ اللہ یأمر بالعدل والإحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھٰی
عن الفحشآء والمنکر والبغی یعظکم لعلّکم تذکّرون)[۱۳۵]

گویا افراط وتفریط سے احتراز کرتے ہوئے اعتدال کی روش اختیار کرنا، دوسروں کو فائدہ پہنچانے والی نیکیاں کرنا، عزیز وا قارب سے محبّت اور اخوّت کے سامان یعنی ایتاء ذِی القربیٰ وغیرہ خیر میں داخل ہیں۔ جبکہ بُرے اوصاف، بے حیائی کے کام اور ہر وہ کام جس سے شرع نے منع کیا ہو، پھر قول وفعل سے لوگوں پر زیادتی اور سرکشی کرنا، شر میں داخل ہیں۔

خیر وشر کی دو اقسام ہیں: (ا) طبیعی اور (ب) اخلاقی۔ کائنات میں بعض اشیاء خیر ہیں اور بعض شر۔ انہیں طبیعی خیر وشر کہا جاتا ہے۔

دوسرے انسانی اعمال، ان میں سے بعض اچھے اور مفید ہوتے ہیں اور بعض بُرے اور نقصان دہ ہوتے ہیں۔ انہیں اخلاقی خیر وشر کہا جاتا ہے۔ خیر وشر دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

زشت و نکو زادہَ وھمِ خداوندِ تُست
لذّتِ کردار گیر، گام بنہ، جوے کام[۱۳۶]

(نیکی اور بدی تیرے خداوند کے وھم کی پیداوار ہے۔ عمل کے مزے

لوٹ۔قدم بڑھا' اپنی مراد پالے)۔

خیر وشر کا حقیقی راز کیا ہے؟ اقبال اسے فاش کرنا مشکل جانتے ہیں:

چہ گویم نکتۂ زشت و نکو چیست
زباں لرزد کہ معنی پیچ دار است [۱۳۷]

خیر وشر کا بھید کیا ہے؟ میں کیا بتاؤں۔ زبان لرزتی ہے کیونکہ یہ مضمون سخت مشکل ہے۔

کائنات میں موجود ہر شئے فی نفسہٖ خیر ہے۔ اس کو شر میں کوئی دخل نہیں۔ جب ہم کسی شئے کو شر کہتے ہیں تو صرف اس لحاظ سے کہ وہ ہماری خواہشات کے منافی ہوتی ہے۔ لیکن اس کا ہماری خواہشات کے برعکس ہونا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ فی الواقعہ وہ شر میں داخل ہو' کیونکہ ہوسکتا ہے وہ دوسرے شخص کے حق میں خیر ہو۔ یا ہم اُسے ناپسند اور شر سمجھیں مگر وہ ہمارے حق میں ہی بہتر ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

عسٰی اَن تحبّوا شیئاً وّھو شرّ لّکم وعسٰی ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لّکم۔ [۱۳۸]

جہاں تک اخلاقی شر کا تعلق ہے تو اس کا کاسب انسان ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف' ہرگز منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم اور قبضۂ قدرت سے خارج نہیں لیکن کاسب کو بوجہ اختیارِ کسبِ خیر وشر' بھلائی اور برائی کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اِسے دونوں میں امتیاز سمجھا دیا گیا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ [۱۳۹]

اگر شر ہی نہ ہو تو خیر کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے۔ شر کی بدولت خیر کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آرے خیرِ محض را شرِ محض میباید تا حقیقتِ خیریّت بظہور آید۔ وبضدّھا تتبیّن الاشیاء خیر وکمال مہیّا بود شر ونقص در بایست حُسن وجمال را

آئینہ درکار است و آئینہ نمی باشد مگر در مقابلِ شئی پس لاجرم خَیر را شر و کمال را نقص آئینہ آمد۔[۱۴۰]

اتنی بات ضرور ہے کہ خیر محض کے ساتھ شر محض بھی ہونا چاہیے' تاکہ خیر کی حقیقت واضح ہو سکے۔ اشیاء ضِد سے پہچانی جاتی ہیں۔ خَیر و کمال کے ساتھ شَرّ و نقص بھی چاہیے۔ حُسن و جمال کیلئے آئینہ درکار ہے' اور آئینہ شئے کے مقابل ہوتا ہے لٰہذا خَیر کیلیے شَر اور کمال کیلیے نقص کا آئینہ ضروری ہے۔

یہی تصور ڈاکٹر اقبال رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ خودی مختلف طریقوں سے اپنے راستے سے مزاحمتیں ہٹاتی ہے اور ان پر غالب آتی ہے۔ شَر کا ہونا لازمی ہے' خَیر کے کاموں کیلیے، ورنہ کاوش کس چیز کی ہوگی۔ اور انسانی قُوّتِ ارادی کیسے ظاہر ہوگی۔ شَر کائنات کے بازار کی رونق ہے۔ دُشمن قوی ہو تو خودی کی بدولت اس کا (شَر جیسے دُشمن کا) مقابلہ آسان ہوتا ہے۔

اقبال رحمتہ اللہ کہتے ہیں:۔

راست می گویم عدو ہم یارِ تُست
ہستیِ اُو رونقِ بازارِ تُست
ہر کہ دانائی مقاماتِ خودی است'
فضلِ حق داند اگر دشمن قوی است[۱۴۱]

میں سچ کہتا ہوں اگر حقیقت حال پر نظر ہو تو دشمن بھی تیرا دوست ہے کیونکہ اس کا وجود تیرے بازار کی رونق اور گرمی کا سرچشمہ ہے۔ جو شخص خودی کے مقامات سے آگاہ ہے اور انکی حقیقت سمجھتا ہے' وہ طاقتور دُشمن کو خدا کا فضل قرار دیتا ہے۔

اقبال کا فلسفہ خیر و شر اس بات کا غماز ہے کہ شر وجہِ خیر ہے۔ باغ خلیل میں بہار کی وجہ آتشِ نمرود بنی۔

زُلیخا کے واقعہ سے کمالاتِ یوسف کا اظہار ہوا۔ فرعون کے تکبر نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے کلیم اللہ ہونے کی راہ ہموار کی۔ اگر طوفان نہ ہوتے تو شناوری کہاں سے ترقی پاتی۔ اندیشۂ ہجراں نے لذّتِ وصال کی اہمیّت کو اجاگر کیا۔ لذّت وسکون والی جنّت پر اعتراضات کے پیرائے میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال رحمتہ اللہ کہتے ہیں:

ندیدہ درد زندان یوسف را
زلیخایش دلِ نالاں ندارد
خلیلِ اُو حریفِ آتشی نیست
کلیمش یک شرر درجاں ندارد
بہ صَرصَر در نیفتد زورقِ او
خطر از لطمۂ طوفاں ندارد
یقیں را در کمینِ بُوک ومگر نیست
وصال اندیشۂ ہجراں ندارد
کُجا آں لذّتِ عقل غلط سیر
اگر منزل رہِ پیچاں ندارد
مزی اندر جہانی کورذوقی
کہ یزداں دارد و شیطاں ندارد[۱۴۲]

حضرت مجدد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں بھی مصائب و آلام لذّت کا باعث بنتے ہیں۔ بلکہ آپ رحمتہ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ بزرگان کے ہاں تو مصائب زیادہ پسندیدہ ہیں اور ان سے وہ نعمتوں کی نسبت

زیادہ لذت حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ خالق کائنات کی مُراد سے آلام اور شدائد پیش آتے ہیں لہٰذا وہ فاعلِ حقیقی کے جمالِ مطلق پر نگاہ رکھتے ہیں۔ غمی اور خوشی ہر دو میں خوش رہتے ہیں۔ اور لذت محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ مصائب گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں:

گوئیم کہ سببِ ورودِ بلا و مصیبت ہر چند کسبِ ذنوب و سیآت ست،
امّا آں بلا و مصیبت فی الحقیقۃ مکفّرِ آں سیآت ست و مزیلِ ظلماتِ آں
ذنوب است۔ [۱۴۳]

حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کی طرح اقبال کے ہاں بھی خیر و شر کی دو اقسام ہیں۔(۱)......کونی یا طبیعیاتی (۲)......اخلاقی۔ اپنے ایک خُطبے میں فرماتے ہیں:

Thus the two facts of moral and physical evils Stand out prominent in the life of nature. [۱۴۴]

نیکی اور بدی دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب انسان کی مرضی پر منحصر ہے اور ان خیر و شر کے مواقع سے فائدہ اٹھانا اِنسان کے دائرہ اختیار میں ہے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں:

Both God and The Devil Give man opportunities only,leaving him to make use of them in the way he thinks fit [۱۴۵]

مردِ مؤمن نورِ ایمان سے خیر و شر میں تمیز کر لیتا ہے:

خیر را او باز میداند زِ شر
از نگاہش عالمی زیر و زَبر [۱۴۶]

مردِ مؤمن فکر و فہم کی پختگی اور ذکرِ الٰہی کی بدولت خیر و شر کی جنگ میں ثابت قدم رہتا ہے:

پایِٔ اُو محکم بہ رزمِ خَیر و شَر
ذکرِ اُو شمشیر و فِکر اُو سپَر [۱۴۷]

اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں حرکت خیر کی غماز ہے جبکہ جمود شر کی علامت ہے۔ کائنات اضافہ پذیر ہے

اورانسان ایک نہ ایک دِن شر پر غالب آ جائے گا۔فتح آخرکار خیر کی قوّتوں کی ہوگی۔
آپ رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

The teaching of the Qur'an,which believes in the possibility of Improvement in the behaviour of man and his control over natural forces,is neither optimism nor pessimism.It is meliorism, which recognizes a growing universe and is animated by the hope of man's eventual victory over evil [۱۴۸]

اقبال کے ہاں شَر یعنی شیطان کو مارنا مشکل ہے۔اپنی نفسانی خواہشات کے ابلیس کو قرآنی تعلیمات پر عَمل کر کے مسخّر کر لینا چاہیے۔اور اُسے اپنا فرمانبردار بنالیا جائے:

کُشتنِ ابلیس کارِ مشکل است
زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کُنی
کشتۂ شمشیرِ قُرآنش کُنی [۱۴۹-الف]

خیر کی وابستگی علم وحکمت سے ہے۔شریر اور رذیل لوگوں کے ہاں علم وحکمت باقی نہیں رہتے۔
اقبال کہتے ہیں:

با خساں اندر جہانِ خیر و شر
دَر نسازد مستیِ علم وہُنر [۱۴۹-ب]

علمِ وحکمت خیرِ کثیر ہے اسے حاصل کرنا چاہیے:

گفت حکمت را خُدا خیرِ کثیر
ہر کجا ایں خیر رابینی بگیر۱۵۰

ابلیس اور شر کا مقابلہ آدم کا حُسن نکھیرتا ہے۔اقبال کہتے ہیں:

بزم با دِیو است آدم را وبال
رزم با دیو است آدم راجمال ۱۵۱

میکیاولی کے نزدیک خیروشر کا معیار مذہب نہیں بلکہ مُملکت (State) ہے۔اور ہروہ بات جس سے مملکت کو تقویت حاصل ہو سکے اَچھی (خیر) ہے اور ہروہ بات جس سے مملکت کو ضُعف پہنچے بُری (شر) ہے۔ ۱۵۲

لیکن اِسلام کے ضابطہء حیات میں خیروشر کا معیار مذہبی علم اور دانائی ہے جس کی بنا پر پرہیزگاری حاصل ہو۔اقبال واضح کرتے ہیں کہ وہ عقلمند اور صاحبِ علم جو خیروشر میں تمیز نہیں کرسکتا۔اُس سے تو نادان اور جاہل دِیندار بہتر ہے کیونکہ بزرگی کا معیار تقوٰی یعنی خیر کو اپنانا ہے۔آپ کہتے ہیں:

ز من گِیر این کہ مَردی کور چشمی
ز بینائی غلط بینی نِکوتر ۱۵۳

ڈاکٹر اقبال کے ہاں دُنیا میں خیروشر دونوں موجود ہیں اور اس کا معیار خودی ہے جو تقوٰی سے پروان چڑھتی ہے۔مردِ مومن کا حُکم نیکی ہے اور جس سے روکے وہ بدی ہے:

پیشِ باطل تیغ و پیشِ حق سپَر
امر ونہیِ اُو عیارِ خیر و شَر ۱۵۴

باطل کے سامنے ہوتو مؤمن تلوار بن جاتا ہے۔حَق کی حفاظت کیلئے
ڈھال بن جاتا ہے۔اس کے اَمر ونہی خیروشر کا معیار ہیں۔

درحقیقت' اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ خیر ہے اور جس سے منع

فرمایا ہے وہ شر ہے۔

(۴)

جَبر وقَدر

مسئلہ جبر وقدر دِین اور فلسفہ کے اہم مسائل میں سے ہے۔ اس کی اہمیّت اس چیز سے اور بھی بڑھ گئی ہے کہ ایمان بالقدر کا حُکم خود شریعتِ مطہرہ نے دِیا۔ امام مسلم علیہ الرحمۃ نے اپنی صحیح میں ایک حدیث روایت فرمائی، جس میں حضرت جبریل علیہ السّلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان، اسلام اور اِحسان کے بارے میں پوچھتے ہیں تاکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان کا مفہوم اور مقصود معلوم ہو سکے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے ایمان کے بارے میں استفسار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكِتَابِهٖ وَلِقَائِهٖ وَرُسُلِهٖ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ كُلِّهٖ" ۱۵۵

اس مسئلہ کی نوعیّت کچھ اس طرح ہے کہ تقدیرِ الٰہی کا انسانی افعال سے کِس حد تک تعلّق ہے؟ انسان اپنے افعال میں کِس حد تک آزاد ہے اور کِس حد تک پابند؟ کیا کٹھ پُتلی کی طرح پابند ہے کہ اُسے کچھ اختیار نہیں یا بالکل آزاد ہے کہ جو چاہے کرے اُسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

اس ضِمن میں دو نظریاتِ بَاطِلہ سامنے آتے ہیں: (ا) جَبر (ب) قَدر

جَبر سے مُراد یہ ہے کہ انسان کے عزم اور عمل کو متعیّن کر دِیا جائے اور وہ چاہتے ہوئے بھی اس کے برعکس نہ کر سکے۔ اِنسان مجبورِ محض بن کر رہ جائے۔ اس کے قائلین "جبریہ" کہلاتے ہیں۔

اَلمُنجد میں لِکھا ہے:

الجبر: تثبيت وقوع مايقدّره الله من القضاء ويحكم به .

الـجَبَرِيَّة الْمُجَبِّرَة: فرقة من فرق الاسلام يقولون بالجبر اى انّ الانسان لاقدره له علىٰ ان يفعل الشّئ اويتركه بارادته بل هو مُجبر" علىٰ احد الامرين۔ ۱۵۶

جَبرِیَہ کے نزدیک انسان مجبورِ محض ہے اُسے افعال پر کوئی قُدرت نہیں۔ وہ ایک تنکے کی طرح ہے کہ

تیز ہوا کیساتھ اُڑا جا رہا ہے۔ اس کا کوئی آزاد ارادہ نہیں وہ مقیّد ہے۔ ڈی اولیری لکھتے ہیں:

اس فرقہ کی ابتداء جہم بن صفوان ایرانی (متوفی ۱۳۰ھ) سے ہوئی تھی۔ ۱۵۷

ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

جب تنزّل اور انحطاط کا دور آیا تو اس نظریے نے آہنی جبریّت یا تقدیر پرستی کی صورت اختیار کر لی اور مسلمان اپنے نصیب' مقدّر' یا قسمت کا بہانہ بنا کر عمل سے فارغ ہو گئے۔ ۱۵۸

قدر کے لُغوی معنی قُدرت اور اختیار کے ہیں۔

المُنجد میں ہے: ''القدر'' ج اقدار: ''الطّاقۃ والقوۃ''۔ ۱۵۹

لفظ قدر' تقدیر' مقدّر' قسمت اور اندازہ کے معنوں میں بھی مستعمل ہے..... یعنی اللہ تعالیٰ نے جو پہلے سے فیصلہ فرما دیا ہے۔ اس کے مطابق حکم دیتا ہے۔ ''المُنجد میں لکھا ہے:

القَدَرُ ج اقدار ا مایُقَدِّرُہُ اللہ من القضاء ویحکم بہٖ۔ ۱۶۰

اس کے قائلین ''قَدریہ'' کہلائے۔ صاحبِ مُنجد لکھتا ہے:

القدریة قوم ''یجحدون القدر فیقولون انّ کلّ عبدٍ من عبادِاللہِ خالق لفعلہٖ متمکّن من عملہٖ او ترکہ بارادتہ۔ ۱۶۱

ان لوگوں نے عالِمِ الغیب والشہادۃ اَللہ تَعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ کے علم وقُدرت کا انکار کیا۔ تقدیر کی تکذیب کی۔ قضا وقدر کے منکر ہوے۔ ان کے نزدیک انسان اپنے افعال کا خالق خود ہی ہے اور ہر چیز انسان کی قُدرت اور ارادے کے ماتحت ہے۔ وہ اپنے افعال اور ارادے میں مکمل طور پر خود مختار ہے۔

ڈی اولیری لکھتے ہیں:

یہ نظریہ سب سے پہلے معبد الجہنی (متوفی ۸۰ھ) کی تعلیم میں نظر آتا ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ سنبویہ ایرانی کا شاگرد تھا اور دمشق میں تعلیم دیتا تھا۔ ۱۶۲

تقدیر اور قسمت عام معنوں میں ایک بیرونی قوّت ہے جو انسان کو مجبور کرتی ہے اور وہ اپنے ارادے

سے کچھ نہیں کرسکتا۔ تقدیر پرستی کا یہ تصوّر انسان کو بے عمل رہنے کا بہانہ فراہم کرتا ہے۔ عام لوگوں کا یہی تصوّرِ تقدیر ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

ناا ہل کو حاصل ہے کبھی قوّت و جبروت
ہے خوار زمانے میں کبھی جوہرِ ذاتی!
شاید کوئی منطق ہو نہاں اس کے عمل میں
تقدیر نہیں تابعِ منطق نظر آتی [۱۶۳]

اقبال کے نزدیک تقدیر قسمت کا وہ بے رحم ہاتھ نہیں جو ایک سخت گیر' آقا کی طرح خارج سے کام کر رہا ہو۔ بلکہ ہر شئے کی حد وسع ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

The destiny of a thing then is not an unrelenting fate working from with out like a task master,it is the inward reach of a thing,its realizable possibilities which lie within the depths of its nature and serially actualize themselves without any feeling of external compulsion [۱۶۴]

دَرحقیقت قُدرت واختیار اور مقدور ومختار ہر دو ربّ کائنات کے خلق کا کرشمہ ہیں۔ انسان یہ قُدرت استعمال کرتا ہے تو یہ اس کا فعل یا سبَب ہوتا ہے جس کی بنیاد پر وہ اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ علامہ فضل رسول قادری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

اِنَّہٗ تَعَالیٰ خَالِق'' لِاَفْعَالِ الْعِبَادِ وَالْعَبْدُ کَاسِب''۔ [۱۶۵]

یہ ربّ العٰلمین کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے۔ جو قرآن مجید میں یوں آیا ہے:

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَاتَعْمَلُوْنَ [۱۶۶]

حضرتِ اقبال‘ مولائے رُوم سے جبر وقدر کا مفہوم جاننے کی غرض سے پوچھتے ہیں:

اے شریکِ مستیِ خاصانِ بدر
میں نہیں سمجھا حدیثِ جبر و قدر[۱٦٧]

مولانا رُوم جواباً وضاحت کرتے ہیں کہ قوّت‘ خدا کی عطا کردہ ہے جبکہ اس کے استعمال میں انسان خود مُختار ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کوّے اور باز کی مثال پیش کرتے ہیں کہ خالق کائنات جلّ وعلاَ نے دونوں کو یکساں قُوّتِ پرواز دی لیکن باز بلند پروازی اختیار کرتا ہے اور کوّا اس بلند پروازی سے گریز کرتا ہے۔
آپ لکھتے ہیں:

بال بازاں راسُویِ سُلطاں بُرد
بَال زاغاں را بگورستاں برد[۱٦٨]

شہبازوں کو پروبازوشاہ کی جانب لے جاتے ہیں ۔ کوؤں کو یہ پروبازو قبرستان کی طرف لیجاتا ہیں۔

اسی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اقبال لکھتے ہیں:

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے‘ شاہیں کا جہاں اَور[۱٦٩]

ہر وہ شخص جو قوانینِ فطرت کے مطابق زندگی بسر کرے گا۔ سعی وعمل اور ثابت قدمی اختیار کریگا‘ اُسے اعمال کا ثمر ضرور ملے گا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہ‘ [۱۷۰]

تو جو ایک ذرّہ بھر بھلائی کرے اُسے دیکھے گا۔ (کنزالایمان)

عمل کی بدولت انسان کو خوشحالی ملتی ہے اور عمل کا فقدان ہی پریشانیوں کا باعث بنتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فِطرت میں نہ نُوری ہے نہ ناری ہے[۱۷۱]

اقبال کے ہاں وہی قومیں ترقی پاتی ہیں جو عمل کرتی ہیں اور تقدیر بھی اُن کے حق میں ہو جایا کرتی ہے:

ہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی
برّاں صفتِ تیغ دوپیکر نظر اس کی[۱۷۲]

قسمت کا بہانہ بنانا فطرتی پستی ہے۔ ابلیس کے حوالے سے' اقبال واضح کرتے ہیں کہ اس کا سجدہ نہ کرنے کو تقدیر کا لکھا کہنا آزادی کے خلاف ہے:

پستیِ فطرت نے سکھلائی ہے یہ حجّت اُسے
کہتا ہے' تیری مشیّت میں نہ تھا میرا سجود
دے رہا ہے اپنی آزادی کو مجبوری کا نام
ظالم اپنے شعلۂ سوزاں کو خُود کہتا ہے دُود[۱۷۳]

ڈاکٹر اقبال قسمت پر انحصار کو پاؤں کی بیڑی قرار دیتے ہیں اور اسے کھول کر' بھاگ دوڑ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں:

بپای خُود مزن زنجیرِ تقدیر
تہِ ایں گنبدِ گردان رہی ہست
اگر باور نداری خیز و دریاب
کہ چُون پا واکنی جولانگہی ہست[۱۷۴]

اہلِ اسلام میں تقدیر کا غلط عقیدہ رائج ہوگیا اور اُنھوں نے اپنے تئیں مجبور محض' تصور کر لیا۔ یُوں میدانِ عمل میں پیچھے رہ گئے۔ اقبال کے ہاں یہی اہلِ اسلام کی تباہی کا باعث ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

بہ رومی گفت با من راہبِ پیر کہ دارم نکتۂ از من فرا گیر
کُند ہر قوم پَیدا مرگِ خود را ترا تقدیر و ما را کشت تدبیر[۱۷۵]

اقبال کا یہ تصور ہے کہ مُسلمان کو اپنی تقدیر خود بنانی چاہیے جیسے اعمال ہوں گے وَیسی تقدیر ہوگی۔

خودی را گیر و محکم گیر و خوش زی مدہ دَر دستِ کس تقدیرِ خُود را[۱۷۶]

جو شخص یہ کہتا ہے کہ 'یہ ہونا تھا' ہو کے رہا' کام ایک تقدیر کا پابند ہے اُسے شخص کے بارے میں اقبال کہتے ہیں کہ اُس نے تقدیر کا مفہوم نہیں سمجھا:

اے کہ گوئی بودنی ایں بُود ' شد
کارہا پابندِ آئیں بوُد شُد
معنیِ تقدیر کم فہمیدہ ئی
نی خودی را نی خدا راہ دِیدہ ئی [۱۷۷]

اقبال مردِ مؤمن کی یہ شان بیان کرتے ہیں کہ وہ خدا سے راز و نیاز رکھتا ہے اور خُدا اسے مؤافقت کی درخواست کرتا ہے۔ جب مردِ مؤمن ارادہ کر لیتا ہے تو تقدیر اُسی طرح ہو جاتی ہے:

مردِ مؤمن با خُدا دارد نیاز
باتو ما سازیم' تو باما بساز
عزم اُو خلاقِ تقدیرِ حق است
روز ہیجا تیرِ اُو تیرِ حق است [۱۷۸]

آپ تقدیر کو بدلنے کیلیے خودی بلند کرنے کا درس دیتے ہیں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خُدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے [۱۷۹]

اقبال کے نزدیک مجبور محض صِرف نباتات ہیں۔ مردِ مؤمن تو صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اپنی مرضی اور اختیار سے پابندی کرتا ہے:

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند [۱۸۰]

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اُس شخص کو دائرہ اسلام سے خارج تصور کرتے ہیں جو انسان کو مجبور محض خیال کرے اور جبر یہ کا نقطۂ نظر اپنائے۔ مولانا بدر الدّین کی طرف مکتوب میں فرماتے ہیں:

جبریہ فرقے کا گمان یہ ہے کہ بندے کا فعل ہے ہی نہیں بلکہ بندے کی حرکات، جمادات کی حرکات کی مانند ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک بندوں کو نہ قدرت ہے، نہ ارادہ اور نہ اختیار۔ اور ان کا گمان ہے کہ بندے کو نہ تو نیکی پر ثواب ملتا ہے۔ نہ برائی پر عذاب۔ اور کفار اور نافرمان لوگ معذور ہیں۔ ان سے کوئی پوچھ نہ ہوگی کیونکہ سارے افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بندہ اس بارے میں مجبور ہے۔ جبریہ کا یہ عقیدہ کفر ہے۔ [181]

جہاں تک قدریہ کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قدریہ قضا و قدر کے منکر ہیں، اور ان کا گمان ہے کہ افعالِ عباد صرف بندوں کی قدرت سے وجود میں آتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ بندوں کے لیے شر اور برائی کا فیصلہ کرتا اور پھر ان کو اس پر عذاب دیتا تو اس ذات سبحانہٗ کی طرف سے ظلم اور جور قرار پاتا۔ لیکن یہ شبہہ ان لوگوں کی جہالت کے باعث ہے۔ کیونکہ قضائے الٰہی بندے کی قدرت اور اختیار کو سلب نہیں کرتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قضا اس طرح کی ہے کہ بندہ اپنے اختیار سے کام کرے گا۔ [182]

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے قضا اور تقدیر کی دو اقسام بیان کیں۔ (ا) قضائے معلق (ب) قضائے مبرم۔ [183] قضائے مبرم میں تبدیلی کی مجال نہیں البتہ قضائے معلق میں تغیر و تبدل کا احتمال ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

درقضاءِ معلق احتمال تغییر وتبدیل است و درقضاءِ مبرم تغییر وتبدیل را مجال نیست۔ [184]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ" [185] (میرا قول کبھی تبدیل نہیں ہوتا)

یہ قضائے مبرم کے بارے میں ہے۔ [186]

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَه' أُمُّ الْكِتَابِ[187]

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت قضائے معلّق کے ضمن میں ذکر کی۔ [188]

پھر قضائے مُبرم جو اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ اس کی دو اقسام ہیں: (ا) قضائے مُبرم حقیقی۔ (ب) قضائے معلّق مشبّہ بالمبرم۔ [189]

معلّق مشبّہ بالمبرم لوحِ محفوظ میں مُبرم کی صُورت رکھتی ہے۔ دُعا سے یہ بھی بدل سکتی ہے۔[190] گویا انسان اپنے نیک اعمال سے اللہ تعالیٰ کو تقدیریں بدلنے پر راضی کرسکتا ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک انسان کو انہیں اُمور کے بارے میں پوچھا جائے گا جن کا اسے اختیار حاصل ہے۔ انسان نہ تو مجبورِ محض ہے اور نہ قادرِ مطلق۔ بعض امور میں انسان مجبورِ محض ہے مثلاً موت، زندگی، صحت، مرض، آفاتِ سماویہ وارضیہ۔ اولاد میں نر و مادّہ کا ہونا۔ اور بعض میں انسان کے کسب کو دخل ہے مثلاً حصولِ رزق، علاج، افعالِ بدنیہ، طاعت و عصیان، نیند و بیداری وغیرہ۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جبر و قدر کے مابین کی رائے رکھتے ہیں:

قَالَ بَعْضُهُمْ بِمَحْضِ الْجَبْرِ فِيمَا يَصْدُرُ مِنَ الْعَبْدِ بِالْاِخْتِيَارِ وَنَفٰى بَعْضُهُمْ نسبته' اِلَى الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ وَاَخَذَ طائفة بطرفي الاقتصادِ فِي الا عتقادِ الَّذِى هُوَالصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ۔[191]

بعض بندے سے جو کچھ اُس کے اختیار سے صادر ہوتا ہے اس میں جبر کے قائل ہیں اور بعض نے بندے سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اُس کی خُدائے واحد کی طرف نسبت کی نفی کی ہے اور ایک گروہ نے جبر و قدر کے عقیدے میں درمیانی راہ اختیار کی اور یہ سیدھا راستہ ہے۔

حضرت اقبال بھی اسی نقطۂ نظر کے حامل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

چنین فرمودۂ سُلطانِ بدر است
کہ ایمان درمیانِ جبر و قدر است[192]

پھر ایمان بالتّقدیر کا منشاء یہ ہے کہ انسان میں قناعت' یکسوئی' صبر و استقامت اور عمل کے میدان میں آگے بڑھنے کا ذوق پیدا کیا جائے۔

(۵)

زمان و مکاں

عمومی طور پر لفظ زماں ''وقت (Time)'' کے معنوں میں مستعمل ہے۔ اس کے عربی مترادفات' ''دہر''۔ ''وقت'' اور ''حین'' ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:۔

هَلْ أَتىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا.[۱۹۳]

بلاشبہہ انسان پر زمانہ میں سے ایک وقت وہ گذرا کہ کہیں اُس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

ایک دوسری آیہ کریمہ: وقالوا ما هي الا حياتنا الدنيا نموت و نحيا و ما يهلكنا الا الدّهر[۱۹۴] میں بھی ''الدّھر'' سے مراد زمانہ ہی ہے۔

اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

وقت کے اس تصور سے' جس کا ادراک حواس کے ذریعے ہوتا ہے۔ مجرّد وقت کو ممیّز کرنے کیلیے' دہر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ یا اسے زمانِ معنوی' زمانِ مطلق' زمانِ علوی وغیرہ کہتے ہیں۔[۱۹۵]

زمان کی دو اقسام ہیں: (ا) زمانِ طبعی (ب) زمانِ مجرّد

(ا)......زمانِ طبعی کو زمانِ متسلسل اور زمانِ شماری بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا ادراک حواس کے ذریعے ہوتا ہے۔ اسے ماضی' حال اور مستقبل میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(ب)......زمانِ مجرّد کو غیر متسلسل' زمانِ حقیقی اور معنوی' زمانِ علوی اور زمانِ مطلق کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اِسے حواس کے ذریعے احاطہِ ادراک میں لانا ناممکن ہے۔ اسی کے لیے لفظ ''دہر'' مستعمل ہے۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

لاتسبّوا الدّهر فانّ الدّهر هو الله۔ [196]

زمانہ کو بُرا نہ کہو۔ بے شک زمانہ اللہ کا ہے۔

اس زمانِ مجرّد کو زمانِ خالص (Pure Time) کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ [197] مکان لغوی اعتبار سے اِسم ظرف ہے۔ کَانَ یَکُوْنُ کوناً کے معنی ''ہونا'' ہیں۔ یُوں مکان کے معنی ہیں: ''ہونے کی جگہ''۔ ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں: ''مکان سے مُراد خلا میں کسی شئے کے مقام کا تعیّن کرنا ہے'' [198] نیوٹن کے نزدیک یہ خلائے مطلق ہے جس میں جُملہ اشیاء واقع ہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبال لکھتے ہیں:

"The Newtonian view of space as an absolute void in which things are situated" [199]

کندی کے نزدیک (مکان) دراصل وہ سطح ہوتی ہے جو جسم پر محیط ہوتی ہے۔ جب جسم کو ہٹالیا جائے تو مکان کا وجود ختم نہیں ہوتا کیونکہ خالی جگہ فوراً کسی اور جسم ہوا پانی وغیرہ سے پُر ہوجاتی ہے۔ [200] یُوں خلا میں کسی شے کا مقامِ تعیّن مکان کہلاتا ہے۔ مکاں کی دو اقسام ہیں (ا) مکانِ مطلق (ب) مکانِ غیر مطلق

(ا)......مکانِ مطلق: یہ ستون، اَبعاد، فاصلوں کی تمام قیود اور بندشوں سے آزاد ہوتا ہے۔ تمام لامتناھیاں اس پر ختم ہوتی ہیں اِسے لامکاں بھی کہتے ہیں۔ اس کا استناد فلاسفہ ذاتِ خداوندی کی طرف کرتے ہیں۔

(ب)......مکانِ غیر مطلق: اسے مکان غیر الٰہیہ بھی کہا جاتا ہے اس کی پھر دو اقسام ہیں۔ ایک مادّی یا مرئی اشیاء کا مکان اور دُوسرا غیر مادّی اشیاء یا غیر مرئی اشیاء کا مکان۔ اقبال کے نزدیک مادّی اشیاء کے مکان کی پھر تین قسمیں ہیں۔

اوّل...... بڑے بڑے اجسام کا مکان جس میں ہم وُسعت اور پہنائی کا اثبات کرتے ہیں۔ جس میں حرکت کیلیے وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ [201]

دوم......لطیف اجسام کا مکان مثلاً ہوا اور آواز کا مکان۔ [202]

سوم......نُور یا روشنی کا مکان۔ [203]

غیر مادّی ہستیوں مثلاً ملائکہ وغیرہ کا مکان' اس مکان میں بھی بعد کا عنصر قائم رہتا ہے یہ ہستیاں سنگ ودشت سے تو گذر سکتی ہیں مگر ان کی حرکت بھی وقت کی پابند ہوتی ہے۔ عام معنوں میں زمان یا وقت ایک خارجی شئے ہے جس کے گذرنے کا احساس انسانی ذِہن میں دریا کے بہاؤ کی طرح ہوتا ہے۔ جونہی کوئی واقعہ رُونما ہوتا ہے تو ہم اُسے ماضی' حال اور مستقبل وغیرہ سے نسبت دیتے ہیں۔ زیادہ واقعات رُونما ہونے کی صورت میں انہیں پہلے اور بعد کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اور دو واقعات کے درمیانی وقت کو بغیر کسی واقعہ کے گذرنے کی صورت میں خالی وقفہ کہہ دیا جاتا ہے یُوں وقت (Time)' پیریڈ (Period) یعنی مُدّت کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

مکان سے متعلق احساسِ انسانی زمان کی نسبت ذرا مختلف ہے۔ آنکھ ایک ایسا آلہ ہے جو خلا میں موجود اشیاء کے محل کا تعیّن کرتی ہے۔ اس میں سمت کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو سمت بھی بدل جائے گی اور ایک ہی سمت میں نظر آنے والی دو اشیاء دو مختلف سمتوں میں نظر آنے لگیں گی یوں خلا میں تعیّنِ مقام' ذاتی ہوگا۔

ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

''خلا میں کسی شئے کے مقام کا تعیّن خارجی نہیں بلکہ ذاتی یا شخصی ہے''[۲۰۴]

ڈاکٹر محمد اقبال کے ہاں لامتناہی تک رسائی فکرِ محض اور تصوّف دونوں کا نصب العین ہے اور اس مقصد کی حامل تہذیب ثقافت' زماں ومکان کو زندگی اور مَوت کا مسئلہ سمجھتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"In the history of muslim culture,on the other hand,we find that both in the realms of pure intellect and religious prychology, by which term I mean higher Sufism,the ideal revealed is the possession and enjoyment of the Infinite.In a culture, with such an attitude the problem of space and time becomes,a question of life and

death."[۲۰۵]

اقبال کے ہاں مکان کی نسبت زمان کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ آپ کے نزدیک انفرادی اور اجتماعی خودی دونوں زمان سے لازم وملزوم ہیں۔ زمان کی انفرادیت آپ کے ہاں زیادہ کشش رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے وائٹ ہیڈ کا نظریۂ اضافت آپ کو زیادہ پسند ہے۔ لکھتے ہیں:

"That is why whitehead,s view of Relativity is likely to appeal to muslim students more than that of Einstein in whose theory time loses its charachter of passage and mysteriously translates Into utter space" [۲۰۶]

آپ کے ہاں زمان ہی تقدیر ہے۔ لکھتے ہیں:

"Destiny is time regarded as prior time freed from the not of causal requence_ the diagrammatic character which the logical understanding imposes on it" [۲۰۷]

اقبالؔ انسان کو ترغیب دیتا ہے کہ زمانِ خالص تک رسائی حاصل کرلو تا کہ تقدیر تمہارے ماتحت ہوجائے:۔

خودی کو کر بُلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خُدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے[۲۰۸]

آپ کے ہاں زمان متسلسل کے پابند حیوانات ونباتات ہیں۔ لہٰذا انسان کو ساری زندگی کھانے پینے میں گذار کر اُنہیں میں نہیں الجھ کر رہنا چاہیے بلکہ خُودی کے فکری پہلو کی بدَولت زمانِ خالص کو تلاش کرنا چاہیے:

اِسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں[209]

جاوید نامہ میں زمانِ متسلسل کی روح زروان کی صُورت میں ظاہر کر کے اس کی زبان سے خالص زمان تک پہنچنے کی ترغیب دی گئی اور طریقہ سکھایا گیا ہے۔ زروان کہتا ہے:

درطلسمِ من اسیرست ایں جہاں
از دمم ہر لحظہ پیراست ایں جہاں
لِی مَعَ اللہ ہر کرا در دل نِشست
آں جوانمردی طلسمِ من شکست
گر تُو خواہی من نباشم درمیاں
لِی مَعَ اللہ باز خواں از عینِ جاں[210]

گویا رُوحِ زمان ومکان (یعنی زروان) کے طلسم کو توڑنے کیلئے ''لِی مَعَ اللہ وقت'' کی عملی صورت پیدا کرنی پڑے گی۔ یُوں فکری اَنا کی بدولت خالص زمان تک رسائی ممکن ہوگی۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ مقام اور مرتبہ رَبّ العٰلمین کی عبادت کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ حبیب کبیریا حضور نبی کریم ﷺ کی خاص وقت تک رسائی نماز میں ہوئی۔ فرماتے ہیں:

وقت خاص کہ حضرتِ پیغمبر را بودہ علیہ وعلیٰ آلہِ الصَّلٰوۃ والسَّلام کہ تعبیر ازان بہ لی مع اللہ وقت فرمودہ نزدِ فقیر در نماز بود۔[211]

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

لی مع اللہ وقت معنی حدیث کہ ازاں سرور علیہ وعلیٰ آلہِ الصلوات والتسلیمات نقل کردہ اند وجمعی از وقت وقتِ مستمر مراد داشتہ اند وجمعی دیگر وقت نادر راجع باین باشد چہ نسبت بہ بعضی لطائف استمرارست ونسبت بہ

بعضی دیگر ندرۃ فلا خاف۔ ۲۱۲

اور سرورِ کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوات والتسلیمات کی حدیثِ مبارکہ **لی مع اللہ وقت** جو آپ نے نقل کی ہے۔ایک جماعت نے اس وقت سے دائمی وقت مراد لیا ہے اور دوسری جماعت نے غیر دائمی مراد لیا۔اور ان کا رجوع اس بیان کی طرف ہے کیونکہ بعض لطائف کی نسبت وقت کا استمرار ہوتا ہے اور بعض کی نسبت غیر استمرار' لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں اور مخالفت نہیں۔

یوں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمان خالص میں مستمر اور غیر مُستمر دونوں میں رسائی ممکن ہے۔آپ نے اسے تجلّی ذاتی بَرقی کی طرف اشارہ قرار دیا۔فرماتے ہیں:

حدیث لِیْ مَعَ اللہِ وَقْت'' لا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَک'' مُقَرَّب'' وَلَانَبِیّ'' مُرْسَل''

برتقدیرِ صحت اشارت بتجلّی ذاتی برقی تواند بود۔ ۲۱۳

شیخ محمّد چتری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مکتوب میں لکھتے ہیں:

آں سرور را با وجودِ استمرار وقت' وقتِ نادر ہم بُودہ است وآن وقت درحینِ ادائے نماز بُودہ است۔ ۲۱۴

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ربّ العٰلمین زمان و مکان سے پاک ہے اور اس کیلیے کوئی مکان یا جہت نہیں۔آپ فرماتے ہیں:

آگاہ باش کہ ظہورِ فوق العرش در وہم نیندازد کہ حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ فوق العرش مستقر بود و مکان وجہت اُورا ثابت باشد **تعالیٰ عن ذالک وعمّالایلیق بجانب قدسہٖ تعالیٰ**۔ ۲۱۵

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

زمان ومکان وجہت را در حضرت اُوتعالیٰ گنجایش نیست اینہا ہمہ مخلوقِ اویند۔ ۲۱۶

یہاں زمان سے زمانِ طبعی اور مکان سے مکانِ غیر الٰہیہ مُراد ہے البتہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ربّ العلمین کیلیے لامکان کا اثبات کیا:

لامکانی درمکان گنجایش ندارد وبچوں رابیرونِ دائرہ چُون باید جُست۔
لامکانی راماورائے مکان باید طلبید۔[۲۱۷]

پھر لامکاں کی کیفیت کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں لہٰذا انسان کو اپنے اَندر جھانکنا چاہیے۔اقبال کہتے ہیں:

بحرف اندر نگیری لامکاں را
درونِ خود نگر ایں نکتہ پیداست[۲۱۸]

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہ، فَقَدْ عَرَفَ رَبّہ، ۔
(جس نے اپنے آپ کو پہچانا تو اس نے اپنے رَب کو پہچان لیا۔)[۲۱۹]

(٦)

کشف ووجدان

کشف عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کے لغوی معنی: ''کھولنا۔برہنہ کرنا۔ظاہر کرنا'' ہیں۔[۲۲۰]
صاحبِ منجد لکھتا ہے:

كَشَفَ يَكْشِفُ كَشْفًا وكَاشِفَةً الشئى وعن الشئى : اظهره ورفع عنه مايواريه اَويُغَطِّيه. يقال كشف الله عنه' ايى ازاله ۔[۲۲۱]

شیخ عبدالقادر شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کشف وہ نُور ہے جو سالکین کو منازلِ سلوک کے دوران حاصل ہوتا ہے۔اور یہ ظاہری حجاب کو اٹھا دیتا ہے اور مادی اسباب کو زائل کر دیتا ہے۔[۲۲۲]

المنجد میں لکھا ہے:

عندالصّوفیّین: هو انکشاف الحقائق الالهیة للصّوفی بعد اتخاذه طُرقاً مخصوصة للوصول الٰی ذٰلک. واهل الکشف عندهم. هم الّذین وصلوا الٰی مقامٍ سامٍ فی الصّوفیه فیشاهدون حقیقة العالم الرّوحانیّ مِن غیر نظرٍ عقليٍ بَل بِنور یقذفهُ الله فی قلوبهم۔ [۲۲۳]

کشف کی وجہ سے بصارت، بصیرت میں بدل جاتی ہے اور اہل کشف اللہ تعالیٰ کے نُور سے ہر چیز کو عیاں دیکھتے ہیں۔ وہ زمان ومکاں کی حدُود سے آزاد ہو جاتے ہیں اور عالم اَمر کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ کائنات کے حقائق جان لیتے ہیں۔ جو دوسرے (یعنی عام) لوگ نہیں جان سکتے۔ شیخ شاذلی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

کشف کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ جب اپنے ظاہری حواس سے باطنی حواس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کی روح اس کے حیوانی نفس پر غالب آجاتی ہے رُوح انتہائی لطیف اور ہر چیز کو آشکارا کر دیتی ہے۔ اس طرح بندے کو کشف کی کیفیّت حاصل ہوتی ہے اور اسے الہام ہونے لگتا ہے۔ [۲۲۴]

کشف کا مرکز قلب ہے۔ حضرت ابن عجیبہ رحمتہ اللہ علیہ کشف کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

وہ خیال جو صاحبِ فراست کے دِل میں اچانک رُونما ہوتا ہے یا اس سے مراد وہ وارد ہے جو اس کے دل میں ظاہر ہوتا ہے۔ [۲۲۵]

کشف اور شہُود ہم معنیٰ مستعمل ہیں۔ یہ ہر دو صوفیہ کیلیے ثابت ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علمائے اہلسنّت را نورِ فراست ست فقط، وصُوفیہ را ہم نُورِ فراست وہم کشف وشہود۔ [۲۲۶]

وِجدان، وَجد سے بنا ہے۔ ''وَجَدَ یَجِدُ وجودًا'' کے معنیٰ ''پانا اور جاننا'' [۲۲۷] ہیں وجدان

کا تعلّق افعالِ قلوب سے ہے اور علم کے معنوں میں مُستعمل ہے۔ المنجد میں لکھا ہے:

وَجَدَ يَجِدُ وَجْدًا وَجُدًا وَجِدَةً وَوُجُودًا وَوِجدانا المطلوب: أصَابه، وأدركه، وظفربه بعد ذهابه . يقال وجدتُ الضّالة. وتاتي وجد بمعنى عَلِمَ فتكون من افعال القلوب ۔ ۲۲۸

وِجدان حصول علم کی ایک باطنی قوّت ہے۔ صاحبِ منجد رقم طراز ہیں:

الوِجدان: مص !!و في عرف بعضهم: هو النّفس وقواها الباطنه۔ ۲۲۹

ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

وِجدان یا عرفان یعنی قلبِ فواد یا شدّتِ جذبہ سے حاصل کردہ علم ۔ ۲۳۰

یُوں کشف اور وجدان ایک ہی چیز کے دو نام ہیں جن کا تعلّق قلب اور دل سے ہے۔ حواسِ خمسہ سے حاصل کردہ عِلم مشاہدہ کہلاتا ہے۔ جبکہ دل کی بصیرت کا تعلّق کشف اور وجدان سے ہوتا ہے عقل اور حواس کے بعد تیسرا ذریعہ علم، یہی کشف اور وجدان ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک حقائق کا اثبات کشف و وجدان کے ذریعے سے حاصل کردہ علم سے بھی ہوسکتا ہے۔ آپ نے نظریۂ وحدت الشّھود کا اثبات کشف کے ذریعہ صوفیانہ طریق سے کیا۔ ۲۳۱

آپ کے نزدیک فراست، نظریات کو حدسیّات (اندازہ اور تخمینہ سے متعلق چیزیں) بنا دیتی ہے جبکہ کشف ایک درجہ بڑھ کر انہیں حسیّات بنا دیتا ہے۔

مبدأ و معاد میں تحریر فرماتے ہیں:

فرق درمیانِ کشف و فراست ہمچوں فرق درمیان حدسیّات وحسیّات است۔ فراست نظریات را حدسیّات می سازد، کشف حسیّات ۔ ۲۳۲

حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ، سیّد مُحب اللہ مانکپوری کے نام اپنے مکتوب میں صُوفیہ کی کشفیہ باتوں سے حُسنِ ظن کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

بروفقِ آرائے علماءِ اہلِ حق کار باید کرد واز کشفیہءِ صوفیہ بحُسنِ ظن
سکوت باید ورزید وبہ لا ونعم جرأت نباید کرد۔ [۲۳۳]

حضرت مجدد علیہ الرحمتہ کے نزدیک کشف اور الہام صرف اہل کشف کیلیے باعثِ علم اور حُجت ہیں دوسروں کیلیے شرعی حُجت نہیں البتہ تقویت کا باعث ضرور ہیں۔ اہلِ کشف کی تقلید احتمال خطا کی صُورت میں جائز نہیں البتہ فقہی مُجتہد کا قول صَواب اور خطا دونوں صورتوں میں دوسروں کیلیے شرعی حُجت ہے۔ مجتہدین کے مقلد خطاَ کی صُورت میں معذور متصور ہونے کے ساتھ ساتھ ایک درجہ ثواب بھی پائیں گے۔ جبکہ کشفِ خطاَ کے پیَروکار معذور متصور نہ ہونگے نہ ثواب حاصل کرسکیں گے۔ شیخ صوفی کے نام اپنے مکتوب میں حضرت مجدد رحمتہ اللہ لکھتے ہیں:

خطائی کشفی حُکم خطای اجتہادی دارد کہ ملامت وعتاب ازاں مرفُوع است بلکہ یک درجہ از درجاتِ ثواب درحقِ اُومتحقق است۔ ایں قدر تفاوت دارند کہ مقلدان مجتہد حکم مجتہد دارند ودرجہ از درجاتِ ثواب برتقدیرِ خطا نیز می یابند بخلاف مقلّدانِ اہلِ کشف کہ معذور نیستند واز درجہٴ ثواب برتقدیرِ خطا محرُوم اندچہ الہام وکشف برغیر حجت نیست وقولِ مجتہد برغیر حجت است۔ [۲۳۴]

البتہ متشرع صوفیہ کہ جنہیں ''فنا اور بقا'' اور ''سیر عن اللہ اور سیر باللہ'' کے بعد عالم دنیا کی طرف لایا گیا ہو' کو علماء شریعت کا درجہ دیا۔ [۲۳۵] اوران کے کشف کوصحیح گردانتے ہوئے فرمایا:

درمیانِ علماء وایں بزرگواران ہمیں قدر تفاوت است کہ علماء استدلالاً وعِلماً میدانند وایشاں کشفاً وذوقاً ے یابندوایّ دلیلِ علیٰ صحةِ حالهم ادّل من هذه المطابقة۔ [۲۳۶]

البتہ مُرید کیلیے اپنے کشف کے بجائے مُرشد کی اتباع ضروری قرار دی۔ فرماتے ہیں:

مخدوما اگر وقائع رااعتبار بود وبرمنامات اعتماد باشد مُریدان را بہ پیران ہیچ احتیاج نباشد والتزام طریقے از طُرق عبث می افتد چہ

ہر مُرید ے موافق وقائع خُود عمل خواہد کرد۔ ۲۳۷

میرے مخدوم! اگر واقعات کا کُچھ اعتبار ہوتا اور منامات اور خوابوں کا کچھ بھروسا ہوتا تو مُریدوں کو پیروں کی حاجت نہ رہتی اور طریقوں میں سے کسی ایک طریق کا پکڑنا عبث معلوم ہوتا کیونکہ ہر ایک مُرید اپنے واقعات کے موافق عمل کر لیتا۔

جہاں تک ڈاکٹر محمد اقبال کا تعلق ہے تو اس ضمن میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی فرماتے ہیں:

علامہ اقبال نے خود صاحبِ کشف ہونے کا دعوٰی نہیں کیا۔ وُہ نہ صرف کشف کو ذریعہ علم مانتے ہیں بلکہ خدا کے علم کا ذریعہ مانتے ہیں۔ ۲۳۸

ڈاکٹر سہیل بخاری اس کے خلاف کہتے ہیں:

علم و معرفت حاصل کرنے کیلیے حواسِ خمسہ کے استعمال میں بھی اقبال صوفیہ سے اختلاف کرتے ہیں۔ صُوفیہ کا کہنا ہے کہ آنکھ کان بند رکھو اور زبان سے کچھ نہ کہو اور صِرف کشف والہام سے راہنمائی اور معرفت حاصل کرو۔ اس کے برعکس اقبال کہتے ہیں کہ تُو آنکھ کان اور ہونٹ کھلے رکھ یعنی دیکھ سُن اور بول چال پھر تجھے راہِ حق نظر نہ آئے تو تجھے مجھ پر ہنسنے کا حق ہوگا۔

وہ فرماتے ہیں:

چشم و گوش و لَب کشا اے ہوشمند
گر نہ بینی رَاہِ حق بَر مَن بخند ۲۳۹

یہ ڈاکٹر سہیل بخاری صاحب کی غلط فہمی یا ادراکِ حقیقت سے قاصر رہنا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں اقبال کی مُراد صرف ظاہری آنکھ وغیرہ ہی نہیں بلکہ ظاہری و باطنی ہر دو حَواس مراد ہیں کیوں کہ حقیقت بینی کیلیے بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت کا ہونا بھی امرِ لازم ہے۔ وِجدان وعرفان' معرفت کا ہی دُوسرا نام ہیں اور ان کا مقصود بھی حقیقت دیکھنا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

کارِ حِکمت دِیدن و فرسُودن است
کارِ عرفاں دِیدن و افزون است![۲۴۰]

فلسفے کا کام دیکھنا اور نظریے کا ابطال کرتے رہنا ہے۔معرفت کا کام حقیقت کو دیکھنا اور اس میں آگے بڑھنا ہے۔

کانٹ اور غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا موازنہ کرتے ہوے علامہ اقبال نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے حقیقتِ مطلقہ تک رسائی عقل سے بالاتر کسی ذریعےعلم سے حاصل کی اور وہ وجدان ہے۔اقبال کہتے ہیں:

"There is,however,one important differenec between ghazali and Kant. Kant's consistently with his principles,could not affirm the possibility of a hnowledge of God. ghazali,finding no hope in analytic thougt, moved to mystic experience, and there found an independent content for religion" [۲۴۱]

بالآخر آپ کے ہاں فکر اور وجدان دونوں کا سرچشمہ ایک ہو جاتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ بنتے ہیں۔ایک جزواً حقیقتِ مطلق ادراک کرتا ہے تو دوسرا من حیث الکل۔آپ نتیجہ یُوں اخذ کرتے ہیں:

"In fact,intuition, as Bergson rightly says,is only a higher kind of intellect" [۲۴۲]

اقبال کے نزدیل کشف و وجدان کی حسبِ ذیل خصوصیات ہیں:

(۱) حضُوریّت (۲) ناقابلِ تجزیہ کلیّت۔(۳) عدیم الشال وجودِ" دیگر" کی معیّت کا احساس (۴) ناممکن ابلاغ (۵) زمان متسلسل سے عارضی قطع تعلق۔[۲۴۳]

یوں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور ڈاکٹر اقبال دونوں کشف و وجدان کو ذریعۂ علم مانتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک اعلیٰ درجے پر حقیقت مطلقہ تک رسائی وِجدان کی بدولت ہوتی ہے البتہ فکر و فہم کی اہمیت کے بھی آپ انکاری نہیں۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کامل اہلِ کشف کے وجدان کو اُن کیلیے حجت گردانتے ہیں۔ البتہ ان کا کشفِ خطا دوسروں کیلیے حجت نہیں اور مُرید کیلیے اپنے کشف کے بجائے پیرومرشد کی اتباع ضروری ہے۔

☆......☆......☆

حواشی

۱...... گلزار محمد خواجہ' گلزارِ معانی (خواجہ بک ڈپو' اُردو بازار' لاہور) ص۔۱۰۴۰

۲......نذیر نیازی' سید' مکتوباتِ اقبال (اقبال اکیڈمی' کراچی' ۱۹۵۷ء) ص۔۴۵

۳...... محمد اقبال' ڈاکٹر' کلیاتِ اقبال، اردو (شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور' ۱۹۹۱ء) ص۔۴۴۰ (بال جبریل' فلسفہ و مذہب)

۴......عبدالخالق' ڈاکٹر' مُسلم فلسفہ (عزیز پبلیشرز' اُردو بازار' لاہور' ۱۹۸۱ء) ص۔۱۲ ''تعارف از پروفیسر خواجہ غلام صادق۔''

۵...... اَیضاً۔

۶...... کلیاتِ اقبال (اُردو) ص۔۵۰۶ (ضربِ کلیم' فلسفہ)

۷...... محمد اقبال' ڈاکٹر' کُلیاتِ اقبال (فارسی)' (اقبال اکادمی پاکستان' لاہور' ۱۹۹۰ء) ص۔۸۶۲ (ارمغانِ حجاز' بہ یارانِ طریق'')

۸...... عطاء اللہ' شیخ' اقبال نامہ (شیخ محمد اشرف' کشمیری بازار' لاہور' ۱۹۵۱ء)۔ حِصہ اوّل ص۔۲۹۷

۹...... کُلیاتِ اقبال (فارسی) ص۔۳۶۲ (پیامِ مشرق' فلسفہ و سیاست)

۱۰......مُجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ' مکتوباتِ امام ربانی (باہتمام محترم لالہ اسرار محمد خاں صاحب۔۳۷۰۔ گارڈن ویسٹ' کراچی)۔ دفتر اوّل' مکتوب:۳۴' (حِصہ اوّل' ص۔۹۴)

۱۱......اَیضاً..........دفتر سوم' مکتوب:۲۳ (حِصہ ہشتم ص۔۵۲)

۱۲......اَیضاً..........دفتر اوّل' مکتوب:۲۶۶۔ (حصہ چہارم' ص۔۱۲۱)

۱۳......اَیضاً..........دفتر سوم' مکتوب:۲۳ (حصہ ہشتم ص۔۵۴)

۱۴......اَیضاً..........دفتر اوّل' مکتوب:۴۷ (حصہ اوّل' ص۔۵۵)

۱۵......اَیضاً..........دفتر سوم' مکتوب:۲۳ (حصہ ہشتم ص۔۵۵)

۱۶......نذیر نیازی' سیدّ' مکتوباتِ اقبال' ص۔۴۷' مکتوب محررہ ۱۹/اگست ۱۹۳۱ء

۱۷......کلیات اقبال (فارسی) ص۔۲۷۷ (پیام مشرق' جہانِ عمل)

۱۸......ایضاً......ص۔۲۶۶ (حکمت وشعر)

۱۹......ایضاً......ص۔۸۳۳ (ارمغانِ حجاز' تعلیم)

۲۰...... چشتی' یوسف سلیم' شرح ارمغانِ حجاز (عشرت پبلشنگ ھاؤس لاہور) ص۔۲۳۲

۲۱ ......Muhammad Iqbal,Dr,

The Reconstruction of Religious Thought in Islam.(Iqbal Academy Pakistan,Lahore.1989) Page-1

۲۲...... ڈی اولیری' فلسفۂ اسلام (مترجمہ احسان احمد) نفیس اکیڈمی' کراچی' ۱۹۸۰ء ص۔۱۷۱

۲۳......بیہقی' ابوبکر احمد بن حسین' شعب الایمان (دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۹۹۰ء) جزء اوّل ص۔۱۳۶' حدیث: ۱۲۰

۲۴...... Muhammad Iqbal,Dr

Stray Reflections (Edited by Jawaid Iqbal,Dr.)Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 1992.P-27 (The Existence of God)

۲۵...... مکتوباتِ امام ربانی' دفتر سوم مکتوب: ۱۴' حصّہ ہشتم' ص۔۲۴

۲۶......ایضاً......مکتوب: ۱۷' ص۔۲۹

۲۷...... The Reconstruction of Religious Thought in Islam,P.50

۲۸...... Ibid - P-57

۲۹...... Ibid - P-49

۳۰...... Ibid - P-52

۳۱...... القرآن : (35 : 24)

۳۲...... The Reconstruction etc P- 51

۳۳...... Ibid - P- 60

۳۴......Ibid - P- 53

۳۵......مکتوبات امام ربانی' دفتر دوم' مکتوب ۶۷' (حصّہ ہفتم' ص۔۴۰)

۳۶...... ایضاً......دفتر سوم' مکتوب: ۱۷ (ماخوذ)

۳۷...... اَیضاً......دفتر دوم' مکتوب:۹۹(ماخوذ)

۳۸......The Reconstruction etc.P-52

۳۹......مکتوبات امام ربانی' دفتر دوم' مکتوب:۶۷' ص۔۴۱

۴۰......ایضاً......

۴۱......اَیضاً......دفتر سوم' مکتوب: ۹۵

۴۲......ایضاً......دفتر دوم' مکتوب: ۶۷

۴۳......ایضاً......دفتر دوم' مکتوب: ۳۴

۴۴......اَیضاً......دفتر اوّل' مکتوب:۸' (حصہ اوّل ص۔۱۶)

۴۵......کلیاتِ اقبال(فارسی)ص۔۴۹۲'(جاویدنامہ' تمہید زمینی)

۴۶......کُلیاتِ اقبال (اردو)ص۔۳۷۵ (بالِ جبریل' رُباعیات)

۴۷......اَیضاً......ص۔۴۷۹ (ضربِ کلیم' لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ)

۴۸......اَیضاً......ص۔۴۸۹ ''توحید''

۴۹......کلیاتِ اقبال (فارسی)ص۔۱۰۴(اسرارخودی' رُکن اوّل توحید)

۵۰......اَیضاً......ص۔۱۰۵

۵۱...... اِقبال نامہ......حِصّہ دوم۔ص۔۳۶۵

۵۲......The Reconstruction of Religious Thought in Islam, P-117

۵۳......مکتوباتِ امام ربّانی' دفتر اوّل' مکتوب:۱۱۱۔حِصّہ دوم' ص۔۱۱۴

۵۴...... ایضاً......دفترِ دوم' مکتوب ۶۷(ہفتم ص۔۴۳)

حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دو یدن مؤ مناں مر حضرت حق سبحانہ' را در بہشت بے جہت و بے مقابلہ و بے کیف و بے احاطہ حق ست۔ایمان آریم باین رؤیت اخروی۔(حوالہ مذکورہ)

۵۵...... مجدد الف ثانی' مبدأ و معاد'(مکتبۃ الحقیقۃ' استانبول' ترکی ۱۹۹۰ء)ص۔۴۱

۵۶......اَیضاً......(ترجمہ)

۵۷......مکتوبات امام ربانی' دفتر سوم' مکتوب:۱۰۰۔(حِصّہ نہم ص۔۶۷)

۵۸......اَیضاً......دفتر اوّل' مکتوب:۱۳۵(حِصّہ سوم۔ص۔۱۵)

۵۹.....کلیاتِ اقبال (فارسی) ص۔۴۹۲ (جاوید نامہ' تمہید زمینی)

۶۰.....ایضاً.....ص۔۶۷۷ (ارمغانِ حجاز' حضور حق)

۶۱.....ایضاً.....ص۔۲۰۱ (پیام مشرق' پیشکش)

۶۲.....کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔۶۵۸' (ارمغان حجاز' ابلیس)

۶۳ (الف).....منشوراتِ اقبال (بزمِ اقبال' لاہور ۱۹۸۸ء) ص۔۳۱

مضمون: ''اقبال اور مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ' از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۶۳ (ب).....ایضاً.....ص۔۳۴

۶۴.....صدیقی' ابواللیث' ڈاکٹر' اقبال اور مسلکِ تصوف (اقبال اکادمی پاکستان' لاہور ۱۹۷۷ء) ص۔۳۸۱

۶۵.....فلسفہ اسلام ص۔۳۳۔۳۴

۶۶.....نعیم احمد' ڈاکٹر' اقبال کا تصورِ بقائے دوام (اقبال اکادمی پاکستان' لاہور' ۱۹۸۹ء) ص۔۱۳۴

۶۷.....فلسفہ اسلام' ص۔۳۵' (ماخوذ)

۶۸.....ابوسعید نورالدین' ڈاکٹر' اسلامی تصوف اور اقبال (اقبال اکادمی پاکستان' لاہور ۱۹۹۵ء) ص۔۱۱۴

۶۹.....ایضاً.....ص۔۱۱۵۔۱۲۴ (ماخوذ)

۷۰.....سُہیل بخاری' ڈاکٹر' اقبال ایک صُوفی شاعر (مکتبہ اسلوب' کراچی ۱۹۸۸ء) ص۔۱۶

۷۱.....اسلامی تصوف اور اقبال ص۔۱۱۴

۷۲.....الشاذلی' شیخ عبدالقادر عیسیٰ رحمتہ اللہ علیہ' تصوف کے روشن حقائق (زاویہ ٹریڈرز' لاہور ۱۹۹۸ء)۔ (اُردو ترجمہ از محمد اکرم الازہری) ص۔۴۸۰

۷۳.....ایضاً.....ص۔۴۸۱

۷۴.....ایضاً.......

۷۵.....ایضاً.........

۷۶.....ایضاً.....ص۔۴۸۱۔۴۸۲

۷۷.....اسلامی تصوف اور اقبال ص۔۱۳۲

۷۸.....مکتوباتِ امام ربانی' دفتر اوّل مکتوب ۱۶۰' حصہ سوم ص۔۳۷

۷۹.....ایضاً.....ص۔۳۸ (۸۰) ایضاً.....ص۔۳۹

۸۱.....ایضاً.....ص۔۳۹' ص۔۴۰

۸۲......اَیضاً......دفتر دوم، مکتوب ا (حصہ ششم ص۔ ۶)

۸۳......اَیضاً ص۔ ۶۔ ۷ ۸۴......اَیضاً ۸۵......ایضاً ۸۶......ایضاً ۸۷......ایضاً

۸۸......اَیضاً ۸۹......اَیضاً ص۔ ۷ ۹۰......اَیضاً ص۔ ۸ ۹۱......اَیضاً ص۔ ۹۔ ۱۰

۹۲......ایضاً ص۔ ۱۰ ۹۳......اَیضاً

۹۴......ماہنامہ ''نوراسلام'' لاہور جولائی ۱۹۹۵ء جلد: ۴۰۔ شمارہ: ۷، ص۔ ۲۰

۹۵......The Reconstruction of Religious Thought in Islam,P- 152

۹۶......محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی (مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۳۹۳ھ) ص۔ ۳۷۳

۹۷......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب: ۱۶۷ (حصہ سوم ص۔ ۵۱)

۹۸......اَیضاً......مکتوب: ۴۳ (حصہ دوم، ص۔ ۶)

۹۹......عبدالواحد معینی، سیّد (مرتب)، مقالاتِ اقبال (آئینہ ادب، انارکلی، لاہور ۱۹۸۸ء) ص۔ ۲۰۱
''اسرارِ خودی اور تصوف''

۱۰۰......ایضاً......ص۔ ۱۹۳۔ ''دیباچہ مثنوی اسرار خودی''

۱۰۱......Muhammad Iqbal,
The Development of Metaphysics in Persia.
(Bazm.i.Iqbal, Lahore,1964)

۱۰۲......یہ ڈگری آپ کو میونخ یونیورسٹی سے ۴۔ نومبر ۱۹۰۷ء کو ملی (جاوید اقبال، ڈاکٹر، ''زندہ رود'' شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۸۵ء۔ جلد اوّل ص۔ ۱۲۴)

۱۰۳......The Development of Metaphysics in Persia, P-x.

۱۰۴......ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر، خطوطِ اقبال (مکتبہ خیابانِ ادب، لاہور، 1976ء) ص۔ ۱۱۴

۱۰۵......کلیاتِ اقبال (اُردو) ص۔ ۴۶ (بانگِ درا، شمع)

۱۰۶......Sherwani,Latif Ahmad.
Speeches, Writings and Statements of Iqbal.
Iqbal Academy Pakistan, Lahore,1995) P-180

۱۰۷......سیّد عبداللہ، ڈاکٹر، مسائلِ اقبال (مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی۔ لاہور ۱۹۸۷ء) ص۔ ۱۸۶

۱۰۸......مقالاتِ اقبال۔ ص۔ ۲۱۸

۱۰۹......شاھین، ڈاکٹر رحیم بخش، اوراق گم گشتہ (اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۹ء) ص-۱۷۴، خطوطِ اقبال (مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی) ص-۱۱۶

۱۱۰......ایضاً......

۱۱۱......مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اوّل، مکتوب:۱۴۷ (حصہ سوم ص-۲۵)

۱۱۲......قریشی، محمد عبداللہ، اقبال بنام شاد (بزم اقبال لاہور ۱۹۸۶ء) ص-۱۷۱-۱۷۲

۱۱۳......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب:۳۱ (حصہ اوّل ص-۸۳)

۱۱۴......ڈار، بشیر احمد، انوارِ اقبال (اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۷۷ء) ص-۱۷۹

۱۱۵......مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب: ۳۱ (حصہ اوّل ص-۸۴)

۱۱۶......کُلیاتِ اقبال (اردو) ص-۳۴۶ (بال جبریل، قصیدہ باتباع سنائی، نمبر ۳۱)

۱۱۷......مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب:۱۱۹ (حصہ نہم ص-۱۱۵)

۱۱۸......مقالاتِ اقبال، ص-۱۱۸

۱۱۹......دیکھئے، حوالہ نمبر ۷۹

۱۲۰......مقالاتِ اقبال ص-۲۰۱-۲۰۲ مضمون: ''اسرارِ خودی اور تصوّف''

۱۲۱......طارق مجاھد جہلمی، اہم فکری مسائل (ورلڈ اسلامک مشن، بریڈفورڈ، برطانیہ 1984ء) ص-۷۹-۸۰

۱۲۲......ایضاً......ص-۸۰-

۱۲۳......مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۵۸ (حصہ ھشتم ص-۱۳۳)
''صور علمیہ متکثرہ'' سے لیکر ''موجود نہیں'' یعنی آخر تک ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کا عقیدہ نقل کیا گیا ہے

۱۲۴......ایضاً......ص-۱۳۴

۱۲۵......یضاً......مکتوب ۱۰۹- (حصہ نہم ص-۸۹)

۱۲۶......جعفر بلوچ، پروفیسر، اقبالیاتِ اسد مُلتانی (اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۸۴ء) ص-۸۳
بحوالہ ''اقبال کا علم کلام''

۱۲۷......اسلامی تصوّف اور اقبال، ص-۱۹

۱۲۸......اقبالیاتِ اسد ملتانی، ص-۷۶

۱۲۹......کیرانوی، وحید الزّمان، القاموس الفرید (صابری دار الکتب، لاہور ۱۹۸۲ء) ص-۱۸۹

۱۳۰......لوئیس معلوف، المنجد (دار المشرق، بیروت ۱۹۷۳ء) ص-۲۰۱

۱۳۱.....الیاس انطون الیاس' القاموس المدرسی (دارالاشاعت' کراچی' ۱۹۸۴ء) حصہ عربی انجلیزی ص۔۱۲۳
۱۳۲.....القاموس الفرید ص۔۳۳۶
۱۳۳.....القاموس المدرسی' حصہ عربی انجلیزی ص۔۲۰۵
۱۳۴.....القرآن' ۱۶:۹۰
۱۳۵.....شعب الایمان' جلد 2۔ص۔۴۷۳' حدیث نمبر ۲۴۴۰'
" ذکر الآیۃ الجامعۃ لِلخیرُ الشّرفی سورۃ النحل"
۱۳۶.....کلیات اقبال (فارسی) ص۔۲۴۵ (پیامِ مشرق' "اغوائی آدم")
۱۳۷.....اَیضاً.....ص۔۲۲۴ (رباعی نمبر ۸۶)
۱۳۸.....القرآن: (۲۱۶:۲)
۱۳۹.....اَیضاً.....(۹۱۔۸۔۱۰)
۱۴۰.....مکتوباتِ امام ربّانی' دفتر اوّل' مکتوب:۹ (حصّہ اوّل' ص۔۱۸)
۱۴۱.....کُلیاتِ اقبال (فارسی) ص۔۶۸ (اسرار و رموز' حکایت نوجوانی از مرو کہ پیش حضرت سیّد مخدوم علی ھجویری آمدہ)
۱۴۲.....اَیضاً.....ص۔۲۸۲ (پیام مشرق' بہشت)
۱۴۳.....مکتوبات امام ربّانی' دفتر دوم' مکتوب:۹۹ (حصّہ نہم صہ ۱۲۵)
۱۴۴.....T he Reconstruction of Religious Thought in Islam.P-64.
۱۴۵.....Stray Reflections, P-16
۱۴۶.....کُلیات اقبال (فارسی) ص۔۶۸۲ (مثنوی پس چہ باید کرد' تمہید)
۱۴۷.....اَیضاً.....ص۔۷۳۰ (خطاب بہ اقوام سرحد)
۱۴۸.....The Reconstruction of Religious Thought in Islam.P-65
۱۴۹.....(الف).....کلیات اقبال (فارسی) ص۔۵۴۸ (جاوید نامہ' حکمت خیر کثیر است)
(ب).....اَیضاً.....ص۔۷۱۴ (مثنوی پس چہ باید کرد)
۱۵۰.....ایضاً.....صہ ۵۴۷ (جاوید نامہ' حکمت خیرِ کثیر است) یہ شعر پیام مشرق میں بھی موجود ہے۔
(کلیاتِ اقبال (فارسی) ص۔۲۰۱' پیام مشرق' پیشکش) یہ قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے
وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔ (القرآن' ۲۶۹:۲)
۱۵۱.....کلیاتِ اقبال (فارسی) ص۔۶۳۲ (درحضور شاہِ ہمدان)

۱۵۲......یوسف سلیم چشتی' شرح ارمغانِ حجاز (عشرت پبلشنگ ھاؤس' لاہور) حصہ فارسی ص۔۴۷

۱۵۳......کُلیاتِ اقبال (فارسی) ص۔۸۳۳ (تعلیم)

۱۵۴......اَیضاً.....صہ۱۷۰ (اسرار و رموز' ولم یکن لہ' کفواً احد'')

۱۵۵......نیشاپوری' مسلم بن حجاج۔ الصحیح ومعہٗ شرح الکامل للنووی (قدیمی کُتب خانہ' کراچی)

۱۵۶......المنجد' ص۔۸۷' مادّہ ''جَبَرَ''

۱۵۷......فلسفہ اسلام' صہ۱۰۲

۱۵۸......جاوید اقبال' ڈاکٹر' افکارِ اقبال (تشریحاتِ جاوید) اقبال اکادمی پاکستان' لاہور ۱۹۹۴ء' صہ ۶۵

۱۵۹......المنجد' صہ۶۱۲' تحت مادّہ ''قدر''

۱۶۰......اَیضاً ۱۶۱......اَیضاً ۱۶۲......فلسفہ اسلام' ص۔۱۰۱

۱۶۳......کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔۴۸۸ (ضربِ کلیم' تقدیر)

۱۶۴...... The Reconstruction of Religious Thought in Islam P.40

۱۶۵...... فضلِ رسول قادری' علّامہ' المعتقد المنتقد (ومعہٗ تعلیقہ: ''المستند المعتمد بناء نجات الابد'' از امام احمد رضا حنفی رحمتہ اللہ علیہ)' مکتبہ حامدیہ' لاہور' ص۔۵۹

۱۶۶......القرآن' ۳۷:۹۶

۱۶۷......کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔۴۳۰

۱۶۸......اَیضاً.....ص۔۴۳۱' یہ شعر مثنوی مولوی معنوی سے لیا گیا ہے (مولانا روم' مثنوی مولوی معنوی' مترجمہ قاضی سجّاد حسین' حامد اینڈ کمپنی' لاہور' دفتر ششم' ص۔۱۵۱)

۱۶۹......کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔۴۸۸ (بالِ جبریل' حال و مقام)

۱۷۰......القرآن: ۹۹:۷

۱۷۱......کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔۲۷۴ (طلوعِ اسلام)

۱۷۲......ایضاً.....ص۔۴۸۹ (ضربِ کلیم' تقدیر)

۱۷۳......اَیضاً.....ص۔۵۱۱ (ضربِ کلیم' ابلیس و یزدان)

۱۷۴......کُلیاتِ اقبال (فارسی) ص۔۲۲۲ (پیامِ مشرق۔ لالہ طور)

۱۷۵......اَیضاً.....ص۔۸۵۱ (ارمغان حجاز' جبر و اختیار)

۱۷۶......اَیضاً.....ص۔۸۱۲ (ارمغان حجاز' حضورِ ملّت)

۱۷۷......اَیضاً......ص۔۵۹۶(جاوید نامہ: زندہ رود مشکلاتِ خُود راپیش ارواحِ بزرگ میگوید)

۱۷۸......اَیضاً......

۱۷۹......کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔۳۴۷ (بالِ جبریل)

۱۸۰......اَیضاً......ص۔۵۲۸ (ضربِ کلیم، احکامِ الٰہی)

۱۸۱......مکتوباتِ امام ربّانی، دفتر اوّل، مکتوب:۲۸۹، (حصہ پنجم، ص۔۸۳)

۱۸۲......اَیضاً.....ص۔۸۱۔۸۲

۱۸۳......اَیضاً.....مکتوب:۲۱۷ (حصہ اول، ص۔۱۲۳)

۱۸۴......اَیضاً......

۱۸۵......القرآن، ۲۹:۵۰

۱۸۶......مکتوباتِ امام ربّانی، دفتر اوّل مکتوب: ۲۱۷ (حصہ سوم، ص۔۱۲۴)

۱۸۷......القرآن، ۳۹:۱۳

۱۸۸......دیکھئے حوالہ نمبر ۱۸۶

۱۸۹......امام احمد رضا حنفی رحمۃ اللہ علیہ المستند المعتمد، ص۔۵۹

۱۹۰......مکتوباتِ امام ربّانی، دفتر اوّل، مکتوب: ۲۱۷ (ص۔۱۲۴)

۱۹۱......ایضاً......مکتوب ۲۸۹ (حصہ پنجم، ص۔۷۶)

۱۹۲......کُلیاتِ اقبال (فارسی) ص۔۴۴۶ (زبُورِ عجم)

۱۹۳......القرآن، ۱:۷۶

۱۹۴......القرآن، ۲۴:۴۵

۱۹۵......اردو دائرہ معارف اسلامیہ (زیرِ اہتمام دانش گاہِ پنجاب لاہور ۱۹۷۳ء) لد۱۰۔ص۔۴۷۷، زیرِ مادّہ ''زماں''

۱۹۶......الصحیح المسلم جلد۲، ص۔۲۳۷، کتاب الالفاظ من الادب وغیرھا، باب النھی عن سب الدھر

۱۹۷......The Reconstruction of Religious thought in Islam, P-44

۱۹۸......افکارِ اقبال، ص۔۷۳

۱۹۹......The Reconstruction of Religious though in Islam, P-28

۲۰۰......ڈی اولیری: فلسفہِ اسلام صہ ۱۶۰

۲۰۱......The Reconstruction of Religious thought in Islam, P-108

۲۰۲.....Do ۲۰۳..... Do

۲۰۴.....افکارِ اقبال' ص۔۷۳

۲۰۵.....The Reconstruction of Religious thought in Islam,P-105

۲۰۶.....The Reconstruction of Religious thought in Islam,P-106

۲۰۷.....Ibid - P,40

۲۰۸.....کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔۳۴۷ (بال جبریل)

۲۰۹.....اَیضاً.....ص۔۳۵۳

۲۱۰.....کلیات اقبال (فارسی) ص۔۴۹۹ (زروان کہ رُوحِ زمان ومکان است)

۲۱۱.....مکتوباتِ امام ربانی' دفتر اوّل' مکتوب:۲۶۰' حصہ چہارم ص۔۸۸

۲۱۲.....ایضاً.....مکتوب:۱۷۵ (حصہ اول' ص۔۶۳)

۲۱۳.....ایضاً.....مکتوب:۹۹ (حصہ دوم' ص۔۹۹)

۲۱۴.....اَیضاً.....مکتوب:۲۹۳ (حصہ پنجم' ص۔۱۱۷)

حدیث:'' لی مع الله وقت لا یسعنی فیه ملک مقرب ولانبی مرسل:'' کو مُلّا علی قاری علیہ الرحمہ نے موضوعات میں شمار کیا اور اسے صوفیہ کا قول قرار دیا۔ البتہ عین القضاۃ ھمدانی رحمتہ اللہ علیہ نے ''تمہیدات''۔ نجم الدّین رازی رحمتہ اللہ علیہ نے ''مرصاد العباد''۔ عماد الدّین'' حیاۃ القلوب''۔ شیخ ابنِ یحییٰ مُنیری رحمتہ اللہ علیہ'' ''مکتوبات''۔ واعظ کاشفی'' ''تفسیر حسینی'' اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے ''مدارج النبوۃ'' میں بحیثیت حدیثِ مرفوع ذِکر کیا۔ البتہ اس کا مفہوم روایت علی رضی اللہ عنہ سے مشابہہ ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:

''جُزءً لِلّٰهِ تعالیٰ وُجزءً لِاَهلهٖ وجُزءً كَانَ صلى الله عليه وسلم اذااتى منزله' جزء دخولهٖ ' ثَلٰثَةَ اجزاءٍ. بينه وبين الناس'' -

مّلا علی قاری رحمة الله عليه المضوع فی معرفة الحديث الموضوع ص۱۱۷

عین القضاۃ ہمدانی' تمہیدات ص۔۱۲۲

رازی' مرصاد العباد' ص۔۷۷

عمادالدین' حیاۃ القلوب۔ جلد۲' ص۔۲۷۱
منیری' سہ صدی مکتوبات' جلداوّل ص۔۱۹۰
واعظ کاشفی' تفسیر حُسینی' پارہ ۱۶ سورۂ مریم' رکوع اوّل' آیت نمبرا کے تحت ،شیخ
عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ' مدارج النّبوۃ' جلد۲۔ ص۔۷۸۹
امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ' المقاصد الحسنۃ' حدیث نمبر۹۲۶ (حدیث علی رضی اللہ عنہ)

۲۱۵......مکتوباتِ امام ربّانی رحمۃ اللہ علیہ' دفتر دوم' مکتوب:۱۱ حصّہ ششم ص۔۳۴

۲۱۶......اَیضاً......مکتوب:۶۷ (حصّہ ہفتم ص۔۴۱)

۲۱۷......اَیضاً......دفتر اوّل' مکتوب:۳۱ (حصّہ اوّل' ص۔۸۶)

۲۱۸......کُلیاتِ اقبال (فارسی ص۔۲۳۸ (پیامِ مشرق رُباعی: ۱۵۹)

۲۱۹......مکتوباتِ امام ربّانی رحمۃ اللہ علیہ' دفتر اوّل' مکتوب:۲۳۴ (حصّہ چہارم' ص۔۳۰)

علاّمہ جلال الدّین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قال ابن سمعانی: هومن کلام یحییٰ بن معاذ" (الدرّرالمنتثرہ ص۔۲۴۹)

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول گردانا" (کتاب فیہ مافیہ' ص۔۵۶)

کاشانی لکھتے ہیں: "درحدیث صحیح است: من عرف نفسہ' فقدعرف ربّہ' " (مصباح الهدایۃ' ص۹۰)

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

وَقَدْ رُوِیَ عَن عائشة رضی الله عنها قالت یار سول الله! متیٰ یعرف الانسان ربَّه؟
قَالَ: اِذَاعَرَفَ نَفْسَه' " (ادب الدّنیا والدّین ص۔ ۲۳۱)

۲۲۰......القاموس الفرید' ص۔۵۷۲

۲۲۱......المنجد' ص۔۶۸۷' تحت مادّہ "کشف"

۲۲۲......تصوف کے روشن حقائق' ص۔۳۷۱

۲۲۳......المنجد۔ص۔۶۸۷' تحت مادّہ "کشف"

۲۲۴......تصوف کے روشن حقائق' ص۔۳۷۱

۲۲۵......ایضاً......ص۔۳۷۰

۲۲۶......مبداومعاد' ص۔۶۶

۲۲۷......القاموس الفرید' ص۔۶۵۹

۲۲۸......المنجد،ص۔۸۸۸،تحت مادّہ ''وجد''

۲۲۹......اَیضاً......،

۲۳۰......افکارِاقبال (تشریحات جاوید)ص۔۲۱

۲۳۱......مکتوباتِ امام ربانی،دفتر اوّل مکتوب:۱۶۰(حصہ سوم ص۔۳۹۔۴۰)

۲۳۲......مبدا و معاد،ص۔۶۶

۲۳۳......مکتوباتِ امام ربانی،دفتر اوّل۔مکتوب:۲،۲۷۲(حصہ پنجم،ص۔۱۳)

۲۳۴......اَیضاً......مکتوب:۳۱،(حصہ اوّل،ص۔۸۶)

۲۳۵......اَیضاً......مکتوب:۴۸،(حصہ دوم،ص۔۲۱)

۲۳۶......اَیضاً......مکتوب:۱۳،(حصہ اوّل،ص۔۲۹)

۲۳۷......اَیضاً......مکتوب:۳،۲۷۳،(حصہ پنجم،ص۔۱۹)

۲۳۸......منشوراتِ اقبال: ص۔۳۴۔۳۵

۲۳۹......اقبال ایک صُوفی شاعر،ص۔۳۰۳

نوٹ، پیراگراف میں مذکور شعر ''اسرارِخودی'' کا ہے۔(کلیاتِ اقبال (فارسی)ص۔۶۶

۲۴۰......کلیاتِ اقبال (فارسی)ص۔۵۹۰۔(جاوید نامہ:فلک مُشتری)

۲۴۱......The Reconstruction of Religious thought in Islam,P-4

۲۴۲...... Ibid, P-2

۲۴۳......Ibid, P.14-18

☆......☆......☆

علی جاید دفعہ مرزلع
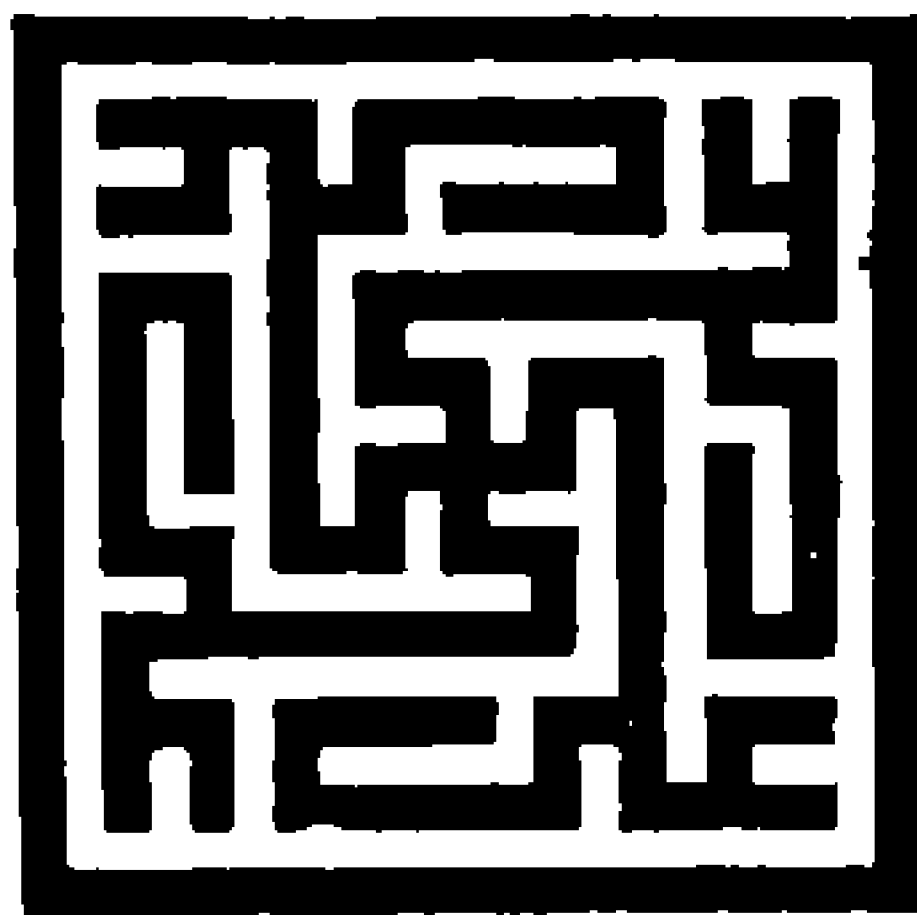
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تصانیفِ اقبال میں ذکرِ مجدد

ڈاکٹر محمد بابر بیگ مطالی

☆☆

دسویں صدی ہجری کے اواخر میں ہندوستان تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جبر و تشدد، ظلم و ستم، شرک و بدعت، الحاد و زندیقیت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں انسانیت کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ تعصب و جہالت اور اخلاقیات کی گمشدگی سے ایمانیات تو درکنار، انسانوں سے انسانیت ہی ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ عوام تو درکنار خواص کی یہ حالت تھی کہ ان کے نزدیک ہر انحراف، عدل، معصیت، عینِ تقویٰ، رذالت، محض شرافت اور سیئات حسنات بن چکی تھیں۔ حاکمِ وقت جلال الدین اکبر پیشانی پر قشقہ لگائے اور گلے میں زُنّار پہنے ہوئے تھا۔ خلاف شریعت قوانین کا اجراء کیا گیا۔ درباری آداب میں سجدہ تعظیمی شامل، اور ''دینِ الٰہی'' کے نام سے ایک نیا مذہب جاری کر دیا گیا۔ یوں مسلمانوں کے لئے کلمہ حق کا برملا اظہار محال ہو گیا۔

ان حالات میں خالقِ کائنات کی رحمت جوش میں آئی اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں ایک نجات دہندہ عطا فرمایا۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۱۴ شوال ۹۷۱ھ بمطابق ۲۶ مئی ۱۵۶۴ء جمعۃ المبارک کو سرہند شریف میں ہوئی [۱]۔ آپ نے تریسٹھ سال کی عمر میں ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ/۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء منگل، چاشت کے وقت وصال فرمایا [۲]۔

آپ نے اصلاحی اقدامات پر مبنی پانچ سو چھتیس خطوط، ایک سو چھہتر حضرات کی طرف لکھے [۳]۔ ان اصلاحی کوششوں کا آغاز تو اکبر بادشاہ کے عہد سے کیا مگر بارآور جہانگیر کے دور میں ہوئیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کوششوں سے ''دین الٰہی'' جیسی ملحدانہ تحریک کا قلع قمع کیا۔ ہنود کی سازش کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا۔ تصوف میں نکھار پیدا کیا۔ جادۂ شریعت سے ہٹے ہوئے علماءِ سُوء ہنود کی

روشِ جاہ پسندی، ہندوؤں کے میل جول سے پیدا ہونے والی غلط رسوم، شرک و بدعت اور فلاسفہ کے عقل ہی کو معیارِ حق سمجھنے پر تنقید کی۔ عقائد کی اصلاح فرمائی۔ گاؤ کشی کی اہمیت اجاگر کی۔ امتِ مسلمہ میں ملی تشخص ابھارا اور ہند میں دو قومی نظریہ کی بنیاد ڈالی۔ یہی وہ خدمات ہیں جن کے اعتراف میں حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ''سرمایہ ملت کا نگہبان''، ''شیخ مجدد'' اور ''صاحب اسرار'' جیسے القابات سے یاد کیا۔ حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب، ملفوظات، تقاریر، واقعات، مضامین اور نظم و نثر کے حسب ذیل مجموعوں میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ملتا ہے:

۱......اقبال نامہ......شیخ عطا اللہ

۲......انوارِ اقبال......بشیر احمد ڈار

۳......خطوطِ اقبال......ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

۴......مکتوباتِ اقبال......سید نذیر نیازی

۵......ملفوظاتِ اقبال......محمود نظامی

۶......مقالاتِ اقبال......سید عبد الواحد معینی

۷......تاریخِ تصوف......ڈاکٹر محمد اقبال

۸......اوراقِ گم گشتہ......ڈاکٹر رحیم بخش شاہین

۹......The Reconstruction of Religious thought in Islam (Dr. Iqbal)

۱۰......بالِ جبریل

۱۱......جاوید نامہ

۱۲......مثنوی پس چہ باید کرد

۱۲......اقبالیاتِ اسد ملتانی (پروفیسر جعفر بلوچ)

علاوہ ازیں ''مجدد ہزارہ دوم'' (ڈاکٹر مسعود احمد) اور ''شرح بالِ جبریل (یوسف سلیم چشتی) میں بھی ''ذکرِ مجدد بزبانِ اقبال ملتا ہے۔ تفصیل یوں ہے:

(۱)

خواجہ حسن نظامی کے نام مکتوب محررہ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۵ء میں ڈاکٹر اقبال لکھتے ہیں:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ گسستن اچھا ہے یا پیوستن؟ یعنی فراق اچھا ہے یا وصال؟ میرے نزدیک گسستن عین اسلام ہے اور پیوستن رہبانیت یا ایرانی (غیر اسلامی) تصوف ہے۔ اور میں اس غیر اسلامی تصوف کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔ گزشتہ علماء اسلام نے بھی ایسا ہی کیا اور اس بات کی تاریخی شہادت بھی موجود ہے۔ آپ کو یاد ہوگا جب آپ نے مجھے سر الوصال کا لقب دیا تھا تو میں نے آپ کو لکھا تھا کہ مجھے سر الفراق کہا جائے۔ اس وقت بھی میرے ذہن میں یہی امتیاز تھا جو حضرت مجدد الف ثانی نے کیا ہے[۴]۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات ربانی کے حوالہ سے گسستن اور پیوستن کا تذکرہ کیا لیکن مکتوب کی نشاندہی نہیں کی۔ حضرت مجدد الف ثانی نے خواجہ محمد اشرف کابلی کے نام اپنے ایک مکتوب میں یہ بحث کی ہے جو دفترِ اول میں ہے[۵]۔

(۲)

سید نذیر نیازی کے نام مکتوب محرر ۲۹ ؍ جون ۱۹۳۴ء میں لکھتے ہیں:

آج شام کی گاڑی میں سرہند شریف جا رہا ہوں۔ چند روز ہوئے۔ صبح کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کسی نے مندرجہ ذیل پیغام دیا:

ہم نے جو خواب تمہارے اور شکیب ارسلان کے متعلق دیکھا ہے وہ سرہند بھیج دیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ خدا تعالیٰ تم پر بڑا فضل کرنیوالا ہے۔

پیغام دینے والا معلوم نہیں ہو سکا کون ہے۔اس خواب کی بناء پر وہاں کی حاضری ضروری ہے۔اس کے علاوہ جاوید جب پیدا ہوا تھا تو میں نے عہد کیا تھا کہ جب ذرا بڑا ہوگا تو اسے حضرت کے مزار پر لے جاؤں گا۔وہ بھی ساتھ جائے گا تا کہ یہ عہد بھی پورا ہو جائے۔چوہدری محمد حسین، منشی طاہر الدین اور علی بخش ہمراہ ہوں گے۔اتوار کی صبح کو لاہور واپس پہنچیں گے[۶]۔

سید نذیر نیازی لکھتے ہیں:

۲۹/جون کی شام کو حضرت علامہ حسبِ قرارداد سرہند تشریف لے گئے۔حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے مزار پر حاضری دی اور ۳۰ کی شام کو لاہور واپس آ گئے[۷]۔

(۳)

سید نذیر نیازی کے نام مکتوب محررہ ۲/جولائی ۱۹۳۴ء میں لکھتے ہیں:

میں ہفتہ کی شام کو واپس آ گیا تھا۔نہایت عمدہ اور پُر فضا جگہ ہے۔ان شاء اللہ پھر بھی جاؤں گا[۸]۔

(۴)

سید نذیر نیازی کے ہی نام مکتوب محررہ ۳/جولائی ۱۹۳۴ء میں لکھتے ہیں:

سرہند خوب جگہ ہے۔مزار نے میرے دل پر بڑا اثر کیا ہے۔بڑی پاکیزہ جگہ ہے۔پانی اس کا سرد اور شیریں ہے۔شہر کے کھنڈرات دیکھ کر مجھے مصر کا قدیم شہر فسطاط یاد آ گیا جس کی بنا حضرت عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکھی تھی۔اگر سرہند کی کھدائی ہو تو معلوم نہیں اس زمانے کی تہذیب و تمدن کے کیا انکشافات ہوں۔یہ شہر فرخ سیر کے زمانے میں بحال تھا اور موجودہ لاہور سے آبادی، وسعت کے لحاظ سے دگنا[۹]۔

پیراگراف میں مذکور نام ''عمر بن العاص'' (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) غلط ہے جبکہ درست ''عمرو بن العاص'' ہی معلوم ہوتا ہے کہ سہو کتابت سے واؤ مفقود ہو گیا۔

(۵)

سید سلیمان ندوی کے نام مکتوب محررہ ۱۳/نومبر ۱۹۱۷ء میں لکھتے ہیں:

خواجہ نقشبند اور مجدد سرہند کی میرے دل میں بہت عزت ہے مگر افسوس ہے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے یہی حال سلسلہ قادریہ کا ہے جس میں خود بیعت رکھتا ہوں، حال آنکہ حضرت محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا[۱۰]

(۶)

پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوب محررہ ۸/اگست ۱۹۳۳ء میں لکھتے ہیں:

میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اُداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اب پھر اُدھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے[۱۱]۔

ڈاکٹر مسعود احمد فرماتے ہیں:

۱۹۳۲ء میں اقبال نے حضرت مجدد پر جس تقریر کا ذکر کیا ہے وہ باوجود تلاش بسیار کے دستیاب نہ ہو سکی[۱۲]

اس سلسلے میں آپ نے ڈاکٹر محمد شریف مرحوم، ڈاکٹر جاوید اقبال، مولانا غلام رسول مہر، ڈاکٹر آربری اور ڈاکٹر عبادت بریلوی سے بذریعہ خط و کتابت رابطہ کیا لیکن مثبت جواب حاصل کرنے سے قاصر رہے[۱۳]

تاہم اقبال نے دسمبر ۱۹۳۲ء میں لندن کی ارسطاطلین سوسائٹی کے اجلاس میں ایک لیکچر دیا جس کا عنوان تھا: Is religion possible (کیا مذہب ممکن ہے؟) اس لیکچر میں بھی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے[۱۴]

(۷)

اکبرالہ آبادی کے نام مکتوب محرر ۲۵/ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں لکھتے ہیں:

کئی صدیوں سے علماء اور صوفیاء میں طاقت کے لیے جنگ رہی جس میں آخر کار صوفیا غالب آئے۔ یہاں تک کہ اب برائے نام جو باقی ہیں وہ بھی جب تک کسی خانوادے میں بیعت نہ لیتے ہوں ہردلعزیز نہیں ہوسکتے۔ یہ روش گویا علماء کی طرف سے اپنی شکست کا اعتراف ہے مجدد الف ثانی' عالمگیر اور مولانا اسماعیل شہید نے اسلامی سیرت کے احیا کی کوشش کی مگر صوفیا کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہِ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا۔[۱۵]

۱۹۱۵ء میں ''اسرار خودی'' شائع ہوئی۔ اقبال نے اس میں افلاطون، عجمی تصوف اور حافظ شیرازی کے وجودی رجحانات پر خوب تنقید کی۔ جس کی وجہ سے علماء اور صوفیاء کا ایک گروہ آپ کا مخالف ہوگیا۔ خواجہ حسن نظامی اس مخالفت میں آگے آگے تھے۔ اکبرالہ آبادی اپنے ذاتی رجحانات کی وجہ اور خواجہ حسن نظامی کے اثرات کی بدولت اقبال کی مخالفت کرنے لگے۔ اقبال کو قدرتی طور پر اکبر جیسے روشن خیال کی جانب سے مخالفت کی توقع نہ تھی۔ لہذا انہایت خلوص کے ساتھ یہ خط لکھا تا کہ مخالفت کا سبب رفع کیا جاسکے[۱۶]۔

(۸)

شاہ سلیمان پھلواری کے نام مکتوب محررہ ۲۴ فروری ۱۹۱۶ء میں تحریر کرتے ہیں:

تجلّی ذاتی کا ذکر کرتے ہوئے شیخ اکبر فرماتے ہیں: **وما بعد هذاالتجلی الا العدم المحض فلا تطمع ولا تحب في ان ترقی من هذه الدرجة من التجلی الذاتی.** اس میں شیخ نے تجلی ذاتی کو انتہائی مقام قرار دیا ہے اور اس کے بعد عدم محض۔ حضرت مجدد نے یہ فقرہ ایک مکتوب میں نقل کیا ہے میری کتابیں اس وقت لاہور میں موجود نہیں کہ صفحہ ومقام کا پتہ دے سکتا[۱۷]

ڈاکٹر اقبال کتابوں کی عدم دستیابی کے باعث ''مکتوبات امام ربانی'' سے مکمل حوالہ (صفحہ و مقام وغیرہ) نہ بتا سکے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے شیخ صوفی کے نام اپنے مکتوب میں اس کا ذکر کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

شیخ محی الدین ابن عربی را کما ینبغی لائح ساختند و تجلی ذاتی کہ صاحب
فصوص آنرا بیان فرمودہ است و نہایت عروج جز آں رانمی دانند و درشان
آں تجلی میگویند و مابعد ھذا الا العدم المحض بآں تجلی ذاتی مشرف گشت [18]

(۹)

اپنی کتاب ''تاریخ تصوف'' میں لکھتے ہیں:

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ تصوف شعائر حقہ
اسلامی میں خلوص پیدا کرنے کا نام ہے [19]۔

حضرت مجدد کے حوالے سے اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بیان حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے شریعت وطریقت کے بارے میں ان فرمودات سے مستفاد ہے جو ''مکتوبات امام ربانی'' دفتر اول مکتوبات ۳۶ اور ۴۰ میں ہیں۔

(۱۰)

''تاریخ تصوف'' میں ''تصوف اور اسلام'' کے عنوان کے تحت متفرق اشارات درج ہیں۔ یہاں ''کتاب الفہرست'' کے ذیل میں حسب ذیل کتب کے نام درج ہیں:

۱......تعریفاتِ جرجانی

۲......مقطعات

۳......امام غزالی مصنفہ شبلی

۴......مکتوبات امام ربانی [20]

(۱۱)

''مقالاتِ اقبال'' میں مضمون ''علم ظاہر و علم باطن'' کے تحت لکھا ہے:

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اپنے مکتوبات میں کئی جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف شعائرِ حقہ اسلامیہ میں خلوص پیدا کرنے کا نام ہے۔[۲۱]
یہ مضمون ''علمِ ظاہر و علم باطن'' اخبار ''وکیل'' امرتسر، کے ۲۸ ر جون ۱۹۱۶ء کے شمارہ میں شائع ہوا[۲۲]
بشیر احمد ڈار نے اسے ''انوار اقبال'' میں درج کیا[۲۳]

ڈاکٹر اقبال کا مذکورہ بیان حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے شریعت و طریقت کے بارے میں ان فرمودات سے ماٴخوذ ہے جو ''مکتوبات امام ربانی'' دفتر اول مکتوبات ۳۶ اور ۴۰ میں ہیں۔

(۱۲)

''اوراقِ گم گشتہ'' میں ''میاں بشیر احمد'' (کی یادداشت) کے تحت تحریر ہے:

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے شعری مجموعوں میں مجھے ان کی کتاب ''بالِ جبریل'' سب سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ مجھے کلکتہ میں ۳۱ ر جنوری ۱۹۳۵ء کو ملی۔ لاہور آ کر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے اس نسخے پر انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا:

محمد اقبال۔ لاہور۔ ۱۵ ر مارچ ۱۹۳۵ء۔

چند روز بعد میں پھر ان کے پاس گیا اور اس شعر کی تشریح چاہی:

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی

میں نے تین سو سال پیچھے نگاہ دوڑائی تو شہنشاہ جہانگیر کی مے خواری نظر آئی۔ میں حیران ہوا کہ اس کے کیا معنی ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ اشارہ ہے شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف[۲۶]

ڈاکٹر شاہین نے میاں بشیر احمد کی یہ یادداشت ماہنامہ ''اردو ڈائجسٹ لاہور شمارہ اپریل ۱۹۶۴ء کی[۲۷]۔
قبل ازیں ۱۹۳۸ء میں محمود نظامی نے ''ملفوظات اقبال'' مرتب کیے[۲۸]۔ وہاں میاں بشیر احمد کا تحریر کردہ مضمون ''اقبال کی یاد'' درج ہے اس میں لکھا ہے:

ایک روز میں نے پوچھا ڈاکٹر صاحب اس شعر میں کیا اشارہ ہے:

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی!

میں حیران ہوا کہ تین سو سال ہوئے کہ جہانگیر کے ہاں میخواری کا دور دورہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب کیا پھر وہی رسمِ قدیم جاری کرنا چاہتے ہیں؟ جواب دیا کہ "نہیں۔ یہ شیخ احمد مجدد الف ثانی سرھندی علیہ الرحمۃ کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانان کے سب سے زبردست رہنما گزرے ہیں"[۲۹]

"ملفوظاتِ اقبال" میں پروفیسر حمید احمد خان کے مضمون "علامہ اقبال سے ایک ملاقات" میں لکھا ہے:

ڈاکٹر صاحب (نے فرمایا) بیدل کے کلام میں خصوصیت کے ساتھ حرکت پر زور ہے......نقشبندی سلسلے اور حضرت مجدد الف ثانی سے بیدل کی عقیدت کی بنیاد بھی یہی ہے۔ نقشبندی مسلک حرکت اور رجائیت پر مبنی ہے۔ (Dynamic and Opimistic)[۳۰]۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی "شرح بال جبریل" میں لکھتے ہیں:

۱۹۳۵ء میں ان (اقبال) کو حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور مزار مبارک پر مراقب ہوکر جو روحانی فیض ان کو حاصل ہوا اور جو کیفیت ان پر طاری ہوئی، اس کا کچھ تذکرہ انہوں نے مجھ سے بھی کیا تھا[۳۱]

(۱۵)

ڈاکٹر اقبال نے حضرت ہاشم جان سرھندی سے ایک ملاقات میں فرمایا:

ایک مرتبہ میں حافظ عبدالحلیم کے ہاں چند احباب کے ساتھ سبی گیا ہوا تھا۔ واپسی کے وقت راستے میں سرہند پڑا، احباب حضرت مجدد کے

مزار مبارک پر فاتحہ خوانی کے لیے گئے۔ مجبوراً مجھے بھی جانا پڑا۔ سب لوگ مراقب ہوگئے۔ میں بیٹھا رہا۔ اچانک مجھ پر رقت طاری ہوگئی۔ لرزنے لگا اور تھوڑی دیر بعد بے ہوش ہوگیا۔ جب سب لوگ مراقبے سے فارغ ہوئے تو مجھ پر پانی چھڑکا گیا اور میں ہوش میں آیا۔ اس روحانی تجربے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ مزارات اولیاء فیضان الٰہی سے خالی نہیں[۳۲]

(۱۶)

ڈاکٹر مسعود احمد کے نام مکتوب محررہ ۲۶ اپریل ۱۹۶۳ میں یوسف چشتی لکھتے ہیں:

''انہوں (یعنی اقبال) نے کہا تھا کہ سجادہ نشین خلیفہ محمد صادق مرحوم نے میرے لیے مزار مبارک پر تخلیہ کرادیا تھا۔ میں ایک گھنٹے تک مراقب رہا اور حضرت مجدد کی روح میری طرف محبت آمیز رنگ میں متوجہ رہی۔ مجھے ماحول کا احساس نہیں رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور حضرت مجھ سے فرمارہے ہوں کہ ''تمہاری دینی خدمات سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں مقبول ہوگئی ہیں۔ آں حضور ﷺ کی تم پر خاص نگاہِ کرم ہے۔''

میرے قلب میں سوز و گداز کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی جس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہوسکتا اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ خاصانِ خدا کا فیض بعد از وفات بھی جاری رہتا ہے اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہء مبارک سے کس قدر فیضان جاری ہے۔ رقت کا عالم برابر طاری رہا۔ زمان و مکاں کا احساس ختم ہوگیا تھا۔ روحانی فیض میرے رگ و پے میں طاری تھا۔ دل میں اس قدر وسعت پاتا تھا کہ ساری کائنات اس میں سما گئی[۳۳]۔

(۱۷)

ڈاکٹر مسعود احمد کے ساتھ ایک ملاقات میں مولانا غلام رسول مہر نے کہا:

''علامہ نے روما میں Religious Experience پر ایک تقریر کی
تھی۔ پھر جب مصر پہنچے تو وہاں بھی قریب قریب یہی تقریر دہرائی اور ان
دونوں تقریروں میں علامہ نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا ذکر فرمایا تھا[۳۴]''

مولانا غلام رسول مہر کی ڈاکٹر مسعود سے یہ ملاقات ۱۴؍ جولائی ۱۹۶۳ء کو لاہور میں ہوئی[۳۵]
علامہ اقبال نے مصر میں ''شبان المسلمین'' کے دفتر میں ۴؍ دسمبر ۱۹۳۱ء شام سات بجے یہ خطاب فرمایا
تھا۔ ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

''ہال اہل علم سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اقبال کی یہ تقریر انگریزی میں تھی[۳۶]۔''

البتہ روما میں یہ لیکچر ۲۶؍ نومبر ۱۹۳۱ء شام پانچ بجے ''رائل اکیڈمی'' میں دیا تھا[۳۷]
اقبال نے اس لیکچر، کے نوٹس اپنے ہاتھ سے لکھے۔ بی۔ اے ڈار نے
انہیں Letters and writing of Iqbal میں درج کیا[۳۸]۔
چونکہ یہاں تفصیلی لیکچر نہیں لہذا حضرت مجدد الف ثانی کا ذکر بھی نہیں ہے۔

(۱۸)

۱۴؍ مارچ ۱۹۳۳ء کو جناب اسد ملتانی سے گفتگو کرتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا:

تصوف کا علم پرانا اور کسی قدر نکما ہو چکا ہے۔ ضرورت ہے کہ
زمانۂ حاضر کے علمِ نفسیات کی روشنی میں اس کی پھر تجدید کی
جائے۔ اس کام میں شیخ احمد سرھندی مجدد الف ثانی کی تحقیقات بہت
مدد دے سکتی ہیں۔ ضرورت ہے، کہ ان مکتوبات و ملفوظات کا ایک
منتخب ایڈیشن شائع کیا جائے جو (مجموعہ) اس وقت موجود ہے۔ اس
میں بہت سی کانٹ چھانٹ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے
معتقدین کے ہر قسم کے سوالات کے جوابات دیے ہیں۔
بعض نہایت عام فقہی مسائل ہیں اور بعض نہایت اہم صوفیانہ نکات۔
ضرورت اس امر کی ہے کہ انہی صوفیانہ نکات کا انتخاب علیحدہ شائع کیا

جائے اور پھر اسی کی بناء پر موجودہ نفسیات کی روشنی میں جدید علمِ تصوف
کی بنیاد ڈالی جائے[۳۹]

پروفیسر جعفر بلوچ نے جناب محمد اسد خان ملتانی کے تین مضامین، سولہ منظومات اور چند متفرق اشعار پر مشتمل ایک کتاب ''اقبالیاتِ اسد ملتانی'' مرتب کی[۴۰]۔ دوسرا مضمون 'فیضان اقبال' جناب اسد ملتانی کی ڈاکٹر اقبال سے ایک ملاقات کی تفصیل پر مبنی ہے جو مارچ ۱۹۳۳ء میں دہلی میں ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی پر ہوئی تھی[۴۱]۔ مذکورہ پیراگراف اسی مضمون ''فیضان اقبال'' کا حصہ ہے یہ پہلی بار ماہنامہ ''طلوع اسلام'' کے شمارہ مئی ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا تھا۔ جناب جعفر بلوچ نے اسے بعینہ اپنی کتاب ''اقبالیاتِ اسد ملتانی'' میں شامل کر لیا[۴۲]۔

(۱۹)

The Reconstrustion of Religious thought in Islam;
کے ساتویں خطبہ Is Religion Possible? میں لکھا ہے:

"A great religious genius of the seventeenth century. Shaikh Ahmad of Sirhind whose fearless analytical criticism of contemporary sufism resulted in the development of a new technique. All the various systems of sufi technique in India came from Central Asia and Arabia, his is the only technique which crossed the India border, and is still a living force in the Punjab, Afghanistan, and Asiatic Russia, I am afraid it is not possible for me to expound the real meaning of this passage in the language of modern Psyshology, for such language does not yet exist. Since, however, my object is simply to give you an idea of the infinite wealth of experience which the ego in his Divine quest has to sift and pass through, I do hope you will excuse me for the apparently outlondish terminology which possesses a real substance of meaning, but which was formed under the inspiration of a religious psychology developed in the atmosphere of a different

culture. Coming now to the passage. The experience of one Abdul-Mu'min was diescribed to the Shaikh as follows; "Heavens and Earth and God's throne and Hell and Paradise have all ceased to exist for me. When I look round I find them now here. When I stand in the presence of some body, I see nobody before me nay even my own being is lost to me. God is infinite no body can encompass Him. and this is the extreme limit of spiritual experience. No saint has been able to go beyond this,.

On this the Shaikh replied "The experience which is described has its origin in the ever varuing life of the Qalb; and it appears to me that the recipient of it has not yet passed even one-fourth of the innumberable "Stations" of the Qalb. The remaining three-fourths must be passed throught in order to finish the experiences of this first "Station" of spiritual life. Beyond this "Station" there are other "Station" now as Ruh;Sirr-i-Khafi, and Sirr-i-Akhfa, each of these "Station" which together constitute what is technically called, Alam-i-Amr has its own characteristic states and experiences. After having passed through these "Station" the seeker of truth gradually receives the illuminations of Divine Names "and" Divine Attribute" and finally the illuminations of the Divine Essence.

Whatever may be the psychological ground of the distinctions made in this passage it gives us at least some idea of a wholy universe of inner experience as seen by a great reformer of Islamic sufism. According to him this 'Alam-i-Amr.i.e.' the world of directive energy must be passed through before one reaches that unique experience which symbolizes the purely objective.[۳۳]

ترجمہ: سترھویں صدی کے ایک بہت بڑے مرشد کامل حضرت شیخ احمد سرہندی جنہوں نے اپنے زمانے کے تصوف کا تجزیہ ایسی بیبا کی اور تنقید وتحقیق سے کیا کہ اس سے سلوک وعرفان کا ایک نیا طریقہ وضع ہوا۔ ان سے پہلے جتنے بھی سلسلہ ہائے تصوف رائج ہوے وہ یا تو وسط ایشیا، یا سرزمینِ عرب سے آئے تھے، مگر یہ صرف انہیں کا طریق ہے جس نے ہندوستان کی حدود سے نکل کر باہر کا رخ کیا اور جواب بھی پنجاب، افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک بہت بڑی زندہ قوت کی شکل میں موجود ہے۔ جہاں تک شیخ موصوف کی عبارت کا تعلق ہے مجھے ڈر ہے کہ میں نفسیات حاضرہ کی زبان میں......اس کے حقیقی معنی شاید ہی بیان کرسکوں، کیونکہ اس قسم کی زبان موجود ہی نہیں لیکن میرا مقصد چونکہ سرِ دست صرف اتنا ہے کہ آپ کی توجہ مذہبی واردات کے اس تنوع اور گونا گونی کی طرف منعطف کراؤں جن سے ایک سالکِ راہ کو گزرنا پڑتا ہے اور جن کی چھان بین اس لئے ضروری ہے، لہٰذا آپ مجھے ان غیر مانوس مصطلحات کے لیے معذور سمجھیں جن کا تعلق ایک دوسری سرزمین اور ایک ایسی نفسیات مذہب سے ہے جس نے تہذیب وتمدن کی ایک سرتا سر مختلف فضا میں پرورش پائی تھی اور جو وضع ہوئیں تو اس کے زیرِ اثر، لیکن جن میں سچ مچ معانی کی دنیا پوشیدہ ہے۔ بہرحال اب میں شیخ موصوف کی ایک عبارت پیش کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ جب ایک شخص عبدالمومن نام کے اس مشاہدے اور تجربے کا حال شیخ موصوف سے بیان کیا گیا:

> میرے لیے نہ تو ارض وسماوات کا وجود ہے نہ عرشِ الٰہی کا، نہ جنت اور دوزخ کا، میں اپنے ارد گرد نظر ڈالتا ہوں تو ان کو کہیں نہیں دیکھتا۔ میں جب کسی کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں تو مجھے کوئی نظر نہیں آتا بلکہ میں اپنا وجود بھی کھو دیتا ہوں ذات الٰہیہ لامتناہی ہے۔ کوئی اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ یہی منتہا ہے روحانی مشاہدات کا۔ کسی ولی کا گزر اس سے آگے نہیں ہوا۔

اس پر شیخ نے فرمایا:

> میرے سامنے جو مشاہدات بیان کیے گئے ہیں ان کا تعلق قلب کی ہر لحظہ بدلتی ہوئی زندگی سے ہے۔ معلوم ہوتا ہے صاحبِ مشاہدات نے قلب کے لاتعداد مقامات میں سے ابھی ایک چوتھائی بھی طے نہیں

کیے۔ ان مقامات کا طے کرنا ضروری ہے تا کہ عالمِ روحانیت کے مقامِ اول کے مشاہدات کی تکمیل ہو جائے۔ اس مقام کے بعد اور بھی کئی مقامات ہیں مثلاً: روح کا مقام سرِ خفی اور سرِ اخفیٰ کے مقامات۔ ان سب مقامات کے جن کو مجموعاً ہم اپنی اصطلاح میں عالمِ امر سے تعبیر کرتے ہیں اپنے اپنے احوال اور واردات ہیں۔ جب سالک کا گزر ان مقامات سے ہوتا ہے تو رفتہ رفتہ اس پر اسمائے الٰہیہ اور پھر صفاتِ الٰہیہ کی تجلی ہوتی ہے بالآخر ذاتِ الٰہیہ کی۔ شیخ موصوف نے ان ارشادات میں جو امتیازات قائم کیے ہیں ان کی نفسیاتی اساس کچھ بھی ہو اس سے اتنا تو ضرور پتا چلتا ہے کہ اسلامی تصوف کے اس مصلحِ عظیم کی نگاہوں میں ہماری اندرونی واردات اور مشاہدات کی دنیا کس قدر وسیع ہے کہ ان بے مثال واردات اور مشاہدات سے پہلے جو وجودِ حقیقی کا مظہر ہیں، عالمِ امر یعنی اس دنیا سے گزرنا ضروری ہے جسے ہم رہنما توانائی کی دنیا کہتے ہیں۔

علامہ اقبال نے یہ لیکچر ستمبر ۱۹۳۲ء میں تحریر کیا اور دسمبر ۱۹۳۲ء میں لندن کی ارسطاطلین سوسائٹی کے اجلاس میں پڑھا۔ سید نذیر نیازی کے نام مکتوب محررہ ۲۹ ستمبر ۱۹۳۲ء میں لکھتے ہیں!

''لندن کی Aristatlian Society نے مجھ پر کسی فلسفیانہ موضوع پر لیکچر دینے کی درخواست کی تھی جو کہ ختم کیا ہے۔ اس کا عنوان: ?Is Religion possible۔ اگر خود گیا تو لیکچر زبانی دیا جائیگا ورنہ ڈاک میں بھیج دیا جائیگا۔ لیکچر لکھنے میں قریباً ایک ماہ صرف ہوا[۴۴]

ڈاکٹر جاوید اقبال رقمطراز ہیں:

لندن میں قیام کے دوران اقبال نے ارسطاطلین سوسائٹی کے اجلاس میں انگریزی میں اپنا فلسفیانہ مقالہ ''کیا مذہب ممکن ہے'' پڑھا[۴۵]۔

مذکورہ بالا خطبہ میں اقبال نے جو مشاہدہ اور تجربہ عبدالمومن کا بیان کیا ہے وہ موصوف کا نہیں بلکہ شیخ ادریس سامانی کے واردات و مشاہداتِ قلبیہ ہیں۔ جو انہوں نے عبدالمومن کی زبانی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ

تک پہنچائے تھے۔ شیخ ادریس سامانی کے نام مکتوب میں حضرت مجدد لکھتے ہیں:

بیان احوال و مواجید کہ بلسان مولانا عبدالمومن حوالہ نمودہ بودند و استفسار جواب آں فرمودہ مولانا بتفصیل ہمہ را وانمود و گفت کہ فرمودہ اند کہ اگر بجانب زمین نظر میکنم زمین را نمی یابم و اگر بجانبِ آسماں نظر می اندازم آنرا نیز نمے یابم و ہم چنیں عرش و کرسی و بہشت و دوزخ را نیز وجودنمے یابم و بیش کسے کہ میروم او را نیز وجودنمے یابم و خود را نیز موجود نمیدانم و وجودِ حق تعالیٰ جل شانہ، بے پایاں است نہایت او را ہیچ کس نیافتہ است و بزرگان نیز تا ہمین جا گفتہ اند و تا اینجا آمدہ از سیر ماندہ شدہ اند[۴۶]۔

ڈاکٹر اقبال نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا جواب جس انداز میں نقل کیا۔ وہ من وعن کے بجائے اصل مکتوب کا خلاصہ بزبانِ اقبال معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے حسب ذیل الفاظ میں جواب تحریر فرمایا تھا:

مخدوما! ایں احوال و امثال ایں احوال از تلوینات قلبست۔ مشہود میگردد کہ صاحبِ ایں احوال از مقاماتِ قلب زیادہ از ربع (۱/۴) طے نکردہ است، سہ حصہ دیگر از مقامات قلب طے باید کرد تا معاملہ قلب را بتمام طے کردہ باشد از گذشت قلب روح است و از گزشت روح سّر است و از گزشت سّر خفی است بعد ازاں اخفی۔ ہر کدام ازیں چہار باقی ماندہ احوال و مواجید علاحدہ دارد۔ ہمہ را جدا جدا طے باید کرد و بکمالاتِ ہر کدام متحلّی باید شد۔ از گزشت ایں پنجگانہ عالم امر و طے منازل اصول آں ہا مرتبہً بعد مرتبۃٍ قطع مدارج ظلال اسماء و صفات کہ اصولِ این اصول است درجتہً بعد درجتہ تجلیات اسماء و صفات است وظہورات شیون و اعتبارات از گزشت این تجلیات، تجلیاتِ "ذاتست تعالیٰ و تقدس" الخ[۴۷]

حضرت مجدالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے قلب کے مقامات کا اس ترتیب سے ذکر کیا:

(۱) قلب (۲) رُوح (۳) سِّر (۴) خفی (۵) اخفی۔ جبکہ ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے (۱) روح (۲) سرخفی اور (۳) سراخفی لکھا ہے، جو کہ غلط ہے۔

(۲۰)

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی!
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی!
تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے، تیرا فیض ہو عام اے ساقی!
میری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی!
شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی!
عشق کی تیغِ جگر دار اڑا لی کس نے؟
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی!
سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عینِ حیات
ہو نہ روشن، تو سخن مرگِ دوام اے ساقی!
تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی![۴۸]

''بالِ جبریل''......کی یہ غزل بغیر عنوان کے ہے۔اس کے لیے ''ساقی'' عنوان مناسب ہے، یہاں ......حضرت مجددالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ ہے۔

دوسرے شعر کی وضاحت میں یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

میرا قیاس کہتا ہے کہ علامہ مرحوم کا اشارہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی طرف ہے[۴۹]۔

راقم الحروف (مطالی) کہتا ہے کہ آپ کا قیاس مبنی پر صواب ہے۔ میاں بشیر احمد نے ڈاکٹر اقبال سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اقبال نے فرمایا!

''یہ اشارہ ہے شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف[۵۰]

(۲۱)

پنجاب کے پیرزادوں کے نام

حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
کی عرض یہ میں نے عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں میری بینا ہیں، ولیکن نہیں بیدار!
آئی یہ صدا سلسلۂ فقر ہوا بند
ہیں اہلِ نظر کشورِ پنجاب سے بیزار!
عارف کا ٹھکانہ نہیں وہ خطہ کہ جس میں
پیدا کلہِ فقر سے ہو طرّۂ دستار!

باقی کلہِ فقر سے تھا ولولہء حق
طرّوں نے چڑھایا نشہء خدمتِ سرکار[۵۱]

''بال جبریل'' کی اس نظم میں ڈاکٹر اقبال نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو ''زیرِ فلک مطلعِ انوار'' (آسمان تلے نورانی تجلیات کا مرکز ظہور)۔ ''صاحبِ اسرار''۔ ''سرمایہء ملت کا نگہبان'' جیسے القابات سے یاد کیا اور زبان مجدد سے پنجاب کے پیرزادوں کی موجودہ حیثیت بیان کرتے ہوئے اصلاحِ احوال کے لیے جھنجھوڑا ہے۔

(۲۲)

کاش بودی در زمانِ احمدی
تا رسیدی برسرورِ سرمدی[۵۲]

''جاوید نامہ'' کے اس شعر میں احمد سے مراد حضرت مجدد الف ثانی ''شیخ احمد فاروقی سرھندی ہیں۔
ڈاکٹر اکبر حسین قریشی رقمطراز ہیں:
احمد سے اشارہ ہے شیخ احمد سرھندی کی طرف [۵۳]۔ میاں عبدالرشید نے اس شعر کا ترجمہ یوں کیا:
کاش وہ حضرت مجدد کے زمانے میں ہوتا تا کہ وہ اسے سرورِ سرمدی تک پہنچا دیتے [۵۴]۔
سرمد دلی کے ایک مشہور مجذوب کا خاص تخلص ہے جو عالمگیر کے زمانہ میں تھا۔[۵۵] یوں اس شعر میں احمد، سے مراد فقط حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

(۲۳)

باسلاطیں درفتد مردِ فقیر
از شکوہِ بوریا لرزد سریر
از جنوں می افگند ہوی بہ شہر
وارہاند خلق را از جبر و قہر

می نگیرد جز بہ آں صحرا مقام
کاندرو شاہیں گریزد از حمام
قلب او را قوت از جذب و سلوک
پیشِ سلطاں نعرہ او ''لا ملوک''[۵۶]

''مثنوی پس چہ باید کرد'' کے ان اشعار[۵۷] میں بظاہر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر دکھائی نہیں دیتا لیکن بیان کیے گئے خصائصِ فقر، زبان حال سے گواہی دے رہے ہیں کہ اقبال نے یہاں حضرت مجدد کی سیرت و کردار کو سامنے رکھا۔ شہنشاہ وقت کے مقابلہ میں کھڑا ہونا اور لا ملوک کا نعرہ بلند کرنا جیسے اوصاف، حضرت مجدد کے اس کردار کی طرف اشارہ ہیں کہ جب آپ نے جہانگیر کے سامنے سجدہ تعظیمی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ابو البیان پسروری لکھتے ہیں:

جب دربار میں پہنچے تو آئین دربار کے بموجب نہ آپ نے سجدہ کیا اور نہ ہی تعظیم کے لیے گردن کو خم کیا۔ بادشاہ کے ندیموں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو آپ کو اشارہ سے سمجھایا کہ سجدہ کرو۔ آپ نے بآوازِ بلند فرمایا کہ یہ پیشانی غیر اللہ کے آگے ہرگز نہیں جھکے گی[۵۸]۔

خود ڈاکٹر اقبال نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار[۵۹]

ڈاکٹر مسعود احمد لکھتے ہیں:

عجب نہیں کہ ''مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق'' میں اسلام میں فقر و درویشی کا تصور پیش کرتے ہوئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی سیرت بھی سامنے ہو، ان اشعار کے قرائن سے کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے[۶۰]۔

(۲۴)

از سہ قرن ایں امت خوار و زبوں
زندہ بے سوز و سرورِ اندروں[۶۱]

''مثنوی پس چہ باید کرد'' کے اس شعر میں بظاہر حضرت مجدد کا ذکر نہیں ملتا لیکن تین سو سال سے امت کی زبوں حالی اور اندرونی سوز و سرور کے بغیر ایام بسر کرنے کا بیان زمانہ مجدد کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ''بالِ جبریل'' کے اس شعر:

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

کی وضاحت میں اقبال نے فرمایا کہ یہ شیخ احمد مجدد الف ثانی کی طرف اشارہ ہے[۶۲]

☆......☆......☆

حواشی

۱......خواجہ ہاشم کشمی لکھتے ہیں: ''طلوع ایں آفتاب ولایت بدانچہ از تقریر شریف حضرت ایشان کہ بہ تخمین میفر مودند و نیز ایں بندہ از بعض معمران اقربای ایشان شنودہ چون ولادت پیر بزرگوارِ ایشاں در حدود سنہ احدی و سبعین و تسعمائۃ وقوع یافتہ کہ کلمہ خاشع ۹۷۱ھ بیان آن سال سعادت قرین نماید و ایں در بلدہ شریفہ سرھند بودہ''۔ (''برکات احمدیہ'' مکتبہ الحقیقہ استنبول، ترکی، ۱۹۸۸ء، ص ۱۲۷: فصل دوم در بیان ولادت صوری حضرت ایشاں) حضرت بدرالدین سرھندی لکھتے ہیں: ''آپ کی ولادت باسعادت ماہ شوال ۹۷۱ھ میں بلدہ معظمہ سرھند میں واقع ہوئی۔ (حضرات القدس، مترجم، مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ ۱۴۰۳ھ جلد ۲، صفحہ ۲۶)

ابوالبیان پسروری رقم طراز ہیں:

''۱۴/شوال ۹۷۱ھ شب جمعہ کو آپ عالمِ قدس سے عالمِ امکان میں تشریف فرما ہوے۔''

(سیرت امام ربانی، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی ۱۴۰۹ھ، ص ۵۵)

۱۴/شوال ۹۷۱ھ کو ۲۶/مئی ۱۵۶۴ء تھی۔

(تقویمِ تاریخی مرتبہ عبدالقدوس ہاشمی، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص ۲۴۳، ماخوذ'')

۲......عبدالشکور فاروقی لکھتے ہیں:

''۲۸ر صفر ۱۰۳۴ھ ایک ہزار چونتیس میں بعمر ۶۳ سال مطابق عمر شریف نبوی (علی صاحبھا الصلوۃ والسلام) اپنے وطن مبارک سرھند میں آپ نے وفات پائی''۔

(تذکرہ امام ربانی، مولفہ منظور نعمانی، دارالاشاعت کراچی، ص ۲۷۹)

حلیم شرقپوری لکھتے ہیں:

''وصال منگل کے دن ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ اشراق کے بعد ہوا'' (مجدد اعظم، شعاع ادب، لاہور، ۱۹۵۶ء، ص ۱۱۳)

ابوالبیان پسروری دونوں کے برعکس رقمطراز ہیں:

''آپ کا وصال بدھ کے دن ۲۹ر صفر ۱۰۳۴ھ کو بوقت اشراق ہوا۔'' (سیرت امام ربانی ص ۱۶۹)

جبکہ ڈاکٹر مسعود کے بقول ''۲۹ر صفر المظفر ۱۰۳۵ھ بروز دوشنبہ صبح کے وقت جان عزیز جان جاناں کے سپرد کردی۔'' (سیرت مجدد الف ثانی، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۶ء ص ۲۲۶)

یوں ابوالبیان پسروری نے ۲۹ر صفر کو بدھ جبکہ پرفیسر ڈاکٹر مسعود احمد نے دوشنبہ (سوموار) قرار دیا۔ ۲۹/صفر کو بلحاظ قمری بدھ جبکہ بلحاظ شمسی منگل تھا۔ سوموار کسی صورت بھی نہیں بنتا۔ حضرت مجدد کا وصال بروز منگل ہی ہوا۔ آپ کے خلیفہ خواجہ بدرالدین سرھندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وآں روز سہ شنبہ بود۔ اول وقت ضحیٰ بست ونہم شہر صفر ۱۰۳۴ھ۔'' (وصال احمدی، اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ صفحہ ۱۸) جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے تو منگل کو ۲۸ ہی تھی۔ خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''روز پنجشنبہ بست وسوم صفر بدرویشاں بدستِ مبارک جامہا قسمت کردند۔'' (برکات احمدیہ ص ۲۸۸ فصل نہم)

جب جمعرات کو ۲۳ صفر تھی تو منگل کو ۲۸ ہی بنتی ہے۔ جہاں تک خواجہ بدرالدین سرھندی علیہ الرحمۃ کے منگل کو ۲۹ لکھنے کا تعلق ہے عین ممکن ہے کہ یہ ہجری شمسی ہو جبکہ اس روز ہجری قمری تو ۲۸، ہی تھی۔ خواجہ ہاشم کشمی لکھتے ہیں:

روزِ پنجشنبہ بست وسوم صفر بدرویشاں بدستِ مبارک جامہا قسمت کردند'' (برکات احمدیہ' ص ۲۸۸)

جب جمعرات کو ۲۳ صفر تھی تو منگل کو ۲۸ ہی بنتی ہے۔ جہاں تک خواجہ بدرالدین سرھندی کے منگل کو ۲۹ لکھنے کا تعلق ہے تو عین ممکن ہے کہ یہ ہجری شمسی ہو جبکہ اس روز ہجری قمری تو ۲۸ ہی تھی۔ میری تائید خواجہ ہاشم کشمی کے اس بیان سے ہوتی ہے:

''ایں واقعہ عظمیٰ در چاشت روز سہ شنبہ، قریب یک پاس روز بست وہشتم شہر صفر و بحساب شمسی نصف جدی گویند بست ونہم صفر سنہ نہ ہزار وسہ وچہار از ہجرت سید الابرار ﷺ بوقوع پیوستہ'' (برکاتِ احمدیہ' ص ۲۹۲، ۲۹۳)

تقویم تاریخی کے لحاظ سے بھی منگل کو ۲۸/صفر تھی اور سن عیسوی ۱۶۲۴ء جبکہ دسمبر کی دس تاریخ (مستفاد از ''تقویم تاریخی'' ص ۲۵۹)

۳......مطالی، ڈاکٹر بابر بیگ، مکتوبات مجدد الف ثانی/تخریج احادیث' (مقالہ پی ایچ ڈی پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۹۲ءص ۶۸)

۴......شاہین، ڈاکٹر رحیم بخش: اوراقِ گم گشتہ (اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۷۹ء) ص ۴۷ ڈاکٹر شاہین صاحب اس خط کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ یہ "کسی بھی مجموعے میں شامل نہیں (حوالہ بالا ص ۴۷) اس کتاب کی تکمیل یکم اپریل ۱۹۷۴ء کو ہوئی (حوالہ بالا ص ۱۰) دو سال بعد ۱۹ رمئی ۱۹۷۶ء کو ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے "خطوطِ اقبال" مرتب کی (خطوط اقبال، مکتبہ خیابان ادب، لاہور ۱۹۷۶ء ص ۲۶) اس میں بھی یہ پیراگراف ہے (حوالہ بالا ص ۱۱۶ جبکہ خط صفحات ۱۱۴ تا ۱۱۹ پر ہے۔ یوسف سلیم چشتی نے "شرح اسرار خودی" کے دیباچہ میں درج کیا۔ (شرح اسرار خودی، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور ص ۳۹ تا ۴۵)

!اس شرح کی تاریخ تحریر ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ ہے (حوالہ بالا ص ۱۳، پیش لفظ) بحساب انگریزی اس یوم ۸/ جون ۱۹۵۲ء تھی (مستفاد از تقویم تاریخی' ص ۳۴۳)

خط درج کرنے سے پہلے یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں۔

"وہ خط جسے ۱۵ رجنوری ۱۹۱۶ء کے خطیب سے نقل کر کے ۲۲ رجولائی ۱۹۴۲ء کے نوائے وقت نے شائع کیا تھا۔" (شرح اسرار خودی ص ۳۹)

جبکہ ڈاکٹر شاہین صاحب فرماتے ہیں: "تلاش پر معلوم ہوا کہ اول تو ۱۵ جنوری کو خطیب شائع ہی نہیں ہوا۔ یہ خط درج نہیں شاید ۷ رجنوری کے شمارہ میں ہو جو دستیاب نہیں ہو سکا" (اوراق گم گشتہ ص ۴۷)

۵......مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ: مکتوبات امام ربانی (فارسی)

باہتمام لالہ اسرار محمد خاں، کراچی، سنہ ندارد دفتر اول، مکتوب۔ ۱۴۷

۶......نذیر نیازی، سید: مرتب، مکتوباتِ اقبال (اقبال اکیڈمی کراچی، ۱۹۵۷ء ص ۱۶۱)

۷......ایضاً ص ۱۶۲

۸......ایضاً

زیر مطالعہ نسخہ "مکتوبات اقبال" میں سہو کتابت کی بنا پر تاریخ ۲ جون لکھ دی گئی ہے (حوالہ بالا) جبکہ درست ۲ جولائی ہے۔ کیونکہ ۳۰ جون کو تو ڈاکٹر صاحب سرہند شریف سے واپس تشریف لائے اور اس کے بعد نیازی صاحب کو خط لکھا۔

۹......ایضاً ص ۱۶۴

۱۰......عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ (شیخ محمد اشرف، لاہور) حصہ اول ص ۹۷ عبدالمجید سالک نے یہ پیراگراف "ذکر اقبال" میں درج کیا ہے اور حاشیہ پر اقبال نامہ کا ہی حوالہ ہے۔ (ذکر اقبال، بزم اقبال، لاہور ۱۹۹۳ء) ص ۲۵۵

۱۱......اقبال نامہ، حصہ اول' ص۴۴۲ تا ۴۴۳

۱۲......محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: مجدد ہزارہ دوم' ادارہ معارف مجدد الف ثانی، کراچی، ۱۹۹۷ء' ص ۱۲۹

۱۳......ایضاً ۔۔۔۔(ماخوذ)

۱۴......مقالہ ہذا، حوالہ نمبر ۴۰۔۴۲

۱۵......اقبال نامہ حصہ دوم ص ۴۸۔۴۹

۱۶......یہ ڈاکٹر رحیم بخش شاہین رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''ارمغانِ اقبال'' سے مستفاد ہے۔(ارمغان اقبال، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۲۲)

۱۷......ڈاکٹر بشیر احمد ڈار، انوار اقبال (اقبال اکادمی، پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۷۹)

۱۸......مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۳۱

ترجمہ: شیخ محی الدین العربی کے معارف کے دقائق پورے طور پر واضح کیے گئے ہیں اور تجلی ذاتی جسے صاحب فصوص نے بیان فرمایا ہے اور نہایت عروج اسی کو قرار دیا ہے اور اس تجلی کی شان میں فرماتے ہیں:

''اور اس کے بعد صرف عدم محض ہے مجھے اس تجلی سے بھی مشرف فرمایا''

۱۹......محمد اقبال ڈاکٹر: تاریخ تصوف' مرتبہ پروفیسر صابر کلوروی، (مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور ۱۹۸۷ء) ص ۹۱

ڈاکٹر' محمد اقبال نے ۱۹۱۶ء میں یہ کتاب لکھی۔ پروفیسر صابر کلوروی نے اسے ۱۹۸۵ء میں دریافت کیا اور حواشی لکھے۔(حوالہ مذکورہ ص ۷۔۸)''ماخوذ''

۲۰......تاریخ تصوف/ص ۹۳

۲۱......معینی، عبدالواحد، سید: مرتب، مقالات اقبال (آئینہ ادب انارکلی لاہور ۱۹۸۸ء) ص ۲۵

۲۲......ایضاً......توضیح از محمد عبداللہ قریشی

۲۳......انوار اقبال' ص ۲۶۸

۲۴......مقالات اقبال' ص ۲۱۸۔۲۱۹

۲۵......ایضاً ص ۲۲۱، مستفاد از مضمون، اسرار خودی'

۲۶......اوراق گم گشتہ' ص ۳۳۷، ۳۳۸

۲۷......ایضاً ص ۳۳۷ (''اقبال میری نظر میں'')

۲۸......محمود نظامی: ملفوظات اقبال (مع حواشی و تعلیقات از ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۷۷ء ص ۲۹، دیباچہ

۲۹......ایضاً ص ۵۱، ۵۲

میاں بشیر احمد کا مضمون ''اقبال کی یاد میں'' ملفوظات کے صفحات ۳۹ تا ۵۵ کو محیط ہے۔ پیراگراف میں مذکور شعر ''بال جبریل'' کی ایک غزل کا ہے۔ (کلیات اقبال ص ۳۰۴) ''مسلمان ہند'' کے بجائے مناسب ''مسلمانان ہند'' ہے۔ (مطالی)

۳۰......ملفوظات اقبال، ص ۱۵۴

۳۱......یوسف سلیم چشتی، پروفیسر: ''شرح بال جبریل'' (عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور) ص ۷۰۶، ۷۰۷

۳۲......مجدد ہزارہ دوم' ص ۱۲۴

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے یہ واقعہ حضرت ہاشم جان سرھندی سے خود سنا اور ''مجدد ہزارہ دوم'' میں بیان کیا

۳۳......مجدد ہزارہ دوم ص ۱۲۷، ۱۲۸

۳۴......ایضاً......ص ۱۷۵۔۱۷۶

۳۵......ایضاً......ص ۱۷۵

۳۶......جاوید اقبال، ڈاکٹر: زندہ رود (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء) حصہ سوم ص ۱۸۱

۳۷......محمد رفیق افضل: گفتار اقبال (ادارہ تحقیقات پاکستان، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۸۶ء ص ۲۶۲)

+ڈاکٹر جاوید اقبال: زندہ رود حصہ سوم ص ۱۵۴

۳۸...... B.A Dar; letters & Writtings of Iqbal (Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 1981,A.C) p.80-82

۳۹......جعفر بلوچ' پروفیسر: اقبالیات اسد ملتانی' مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۹۱ء' ص ۷۶

۴۰......اسے پہلی بار ۱۹۸۴ء میں جبکہ دوسری بار ۱۹۹۱ء میں اقبال اکادمی پاکستان، لاہور نے شائع کیا۔ کتاب کے آغاز میں ''حرفے چند'' کے عنوان سے پروفیسر جعفر بلوچ نے کتاب سے متعلق گفتگو فرمائی۔ اس ادبی سرمایہ کے بارے میں جعفر بلوچ رقم طراز ہیں: ''یہ مختصر کتاب جناب اسد ملتانی کے دو مضامین، سولہ منظومات اور چند متفرق اشعار پر مشتمل ہے۔ کتاب کے آغاز میں جناب اسد کی شخصیت اور حضرت علامہ اقبال سے ان کے روابط و مراسم پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ (اقبالیاتِ اسد ملتانی ص ۴،۵)

درحقیقت اس کتاب میں ''دید شنید'' کے عنوان سے جناب اسد ملتانی کے تین مضامین ہیں:

۱۔ شبنم کا قطرہ، ۲۔ فیضان اقبال، ۳۔ اقبال، انا اور تخلیق پہلا مضمون صفحات ۴۸۔۵۴، دوسرا ۶۱۔۷۸ جبکہ تیسرا ۷۹۔۹۴ پر درج ہے۔ پہلا مضمون ''شبنم کا قطرہ'' نثر کی صورت میں جناب اسد کے ان خیالات پر مشتمل ہے جو نظم ''شبنم کا قطرہ'' کے بارے میں کہے۔ جناب جعفر صاحب نے اسد ملتانی کی نظم اور اقبال کی طرف سے اصلاح، بھی سپرد قلم کردی جو کتاب کے صفحات ۵۵۔۶۰ پر تحریر ہے۔ سولہ منظومات اس مذکورہ نظم کے علاوہ ہیں جو ''حسن ارادت'' کے نام سے کتاب کے صفحات ۹۷۔۱۳۵ پر ہیں۔ صفحہ ۱۳۶ پر متفرق اشعار ہیں جن کی تعداد چھ ہے۔

۴۱......اقبالیات اسد ملتانی ص ۲۹، ص ۶۱-۶۲

۴۲......دوسری دفعہ ''بزمِ اقبال'' کے سہ ماہی مجلّہ ''اقبال'' کے شمارہ اپریل ۱۹۷۶ء میں جناب اختر راہی نے شائع کرایا۔ انہوں نے نیا عنوان ''اسد ملتانی کے روزنامچے کے چند اوراق'' قائم کیا۔ جناب اسد ملتانی کا تمہیدی نوٹ بھی حذف کر دیا۔ اور متن میں جابجا ''اصلاحیں'' بھی کیں۔ حواشی میں اضافے کیے، جناب جعفر بلوچ نے حواشی کے سلسلہ میں راہی صاحب سے استفادہ کیا۔ اگرچہ مضمون ''طلوعِ اسلام'' میں مندرج متن کے مطابق شائع کیا۔'' (ماخوذ از اقبالیات اسد ملتانی، ص ۶۱)

۴۳......Muhammad Iqbal,Dr; The Reconstrution of Religious thought in islam (Iqbal Academy Pakistan, Lahore,1981.c) p-152-53

۴۴......مکتوبات اقبال (نذیر نیازی) ص ۸۳ + اقبال نامہ (شیخ عطاء اللہ) حصہ دوم ص ۳۰۸، ۳۰۹

شیخ عطاء اللہ نے سنہ تحریر ۲۹ رمئی ۱۹۳۲ء ذکر کیا جو غلط ہے۔ کیونکہ سید نذیر نیازی نے ۲۹/ستمبر ۱۹۳۲ء تحریر کیا ہے۔ پروفیسر صابر کلوروی نے بھی شیخ عطاء اللہ کی تحریر کردہ تاریخ کو غلط قرار دیا ہے۔ (اشاریہ مکاتیب اقبال، اقبال اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۴ء ص ۱۴۰)

۴۵......زندہ رود، جلد ۳، ص ۲۱۰

۴۶......مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۲۵۳ حصہ چہارم ص ۶۲-۱۶

ترجمہ ''ان احوال و مواجید کا بیان جو مولانا عبدالمومن کی زبان کے حوالے کیا تھا مولانا نے مفصل طور پر ظاہر کر کے کہا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میں زمین کی طرف نظر کرتا ہوں تو اس کو بھی نہیں پاتا اور جس کسی کے آگے جاتا ہوں اس کا وجود بھی نہیں پاتا، اور ایسے ہی عرش و کرسی اور بہشت و دوزخ کا بھی وجود نہیں پاتا اور اپنا وجود بھی نہیں جانتا ہوں، حق تعالیٰ کا وجود بے پایاں ہے اس کی نہایت کو کسی نے معلوم نہیں کیا۔ بزرگ بھی اسی جگہ تک رہ گئے ہیں اور یہاں تک آ کر سیر سے عاجز ہو گئے ہیں

۴۷......ایضاً ص ۶۲

ترجمہ: میرے مخدوم! اس قسم کے احوال قلب کے تلوینات سے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے احوال والے شخص نے قلب کے مقامات سے ابھی چوتھے حصے سے زیادہ طے نہیں کیا۔ مقامات قلب سے تین حصے اور طے کرنے چاہیں تا کہ قلب کا معاملہ پورے طور پر طے ہو، اور پھر قلب کے آگے روح اور روح کے آگے سر اور سر کے آگے خفی اور اس کے بعد اخفی ہے۔ ان باقی ماندہ چاروں میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ احوال و مواجید ہیں اور سب کو جدا جدا طے کرنا چاہیے عالمِ امر کے ان پنجگانہ لطائف سے گزرنے اور ان کے اصولوں کی منازل کو درجہ بدرجہ طے کرنے اور اسماء و صفات کے ظلّی مدارج کو جو ان کے اصول ہیں، درجہ بدرجہ قطع کرنے کے بعد اسماء و صفات اور شیونات و اعتبارات کے ظہورات ہیں۔

۴۸......محمد اقبال: ڈاکٹر: کلیات اقبال اردو (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۱ء) ص ۳۰۴ بال جبریل میں یہ آٹھویں غزل ہے۔

۴۹......شرح بالِ جبریل ص ۱۳۱

۵۰......ملفوظاتِ اقبال (محمود نظامی) ص ۵۲، اوراق گم گشتہ ص ۳۳۸

۵۱......کلیاتِ اقبال (اردو) ص ۴۵۰، ص ۴۵۱

۵۲...... محمد اقبال، ڈاکٹر: کلیاتِ اقبال (فارسی)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۹۰ء ص ۶۲۶ (جاوید نامہ)

۵۳......قریشی، اکبر حسین، ڈاکٹر: مطالعہ تلمیحات واشارات اقبال (اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۶ء) ص ۴۳۳

۵۴......عبدالرشید، میاں: سلیس اردو ترجمہ "جاوید نامہ" (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۹۲ء) ص ۲۸۳

۵۵......گلزار محمد خواجہ، گلزار معانی (خواجہ بک ڈپو، لاہور) ص ۸۸۳، تحت لفظ "سرمد"

۵۶......کلیاتِ اقبال (فارسی) ص ۶۹۳

۵۷......ترجمہ اشعار یوں ہے:

۱۔ مردِ فقیر بادشاہوں کے مقابلے میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ شکوہِ بوریا سے تخت لرز جاتا ہے۔

۲۔ وہ اپنے جنوں سے شہر میں ہنگامہ کھڑا کر دیتا ہے اور خلقِ خدا کو جبر وقہر سے نجات دلاتا ہے'

۳۔ مردِ فقیر صرف اس صحرا میں مقام بناتا ہے جہاں شاہین کبوتر کا مقابلہ کرنے سے گریز کرتا ہے۔

۴۔ فقیر کا قلب جذب وسلوک سے قوت پاتا ہے۔ وہ بادشاہ کے سامنے "کوئی بادشاہ نہیں" کا نعرہ لگاتا ہے۔

۵۸......سیرت امام ربانی ص ۵۵

۵۹......کلیاتِ اقبال (اردو) ص ۴۵۱ (بال جبریل)

۶۰......مجدد ہزارہ دوم' ص ۱۳۲

ڈاکٹر مسعود صاحب نے (مجدد ہزارہ دوم میں) اقبال کے پانچ اشعار درج کیے ہیں جن میں آخری وہی ہے جو راقم الحروف کے تحریر کردہ اشعار میں آخری (چوتھا) ہے۔ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کے بیان کردہ بقیہ چار اشعار دیگر ہیں۔

۶۱......کلیاتِ اقبال (فارسی) ص ۶۹۵ (مثنوی پس چہ باید کرد)

۶۲......اوراقِ گم گشتہ ص ۳۳۸، ملفوظاتِ اقبال (محمود نظامی) ص ۵۲

☆......☆......☆

مزار ڈاکٹر محمد اقبال لاہور۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشورِ پنجم

جناب غوث اعظم نے خبر دی ان کی آمد کی
نہ ہوگا کوئی بھی ہمسر مجدد الف ثانی کا
(مصطفیٰ)
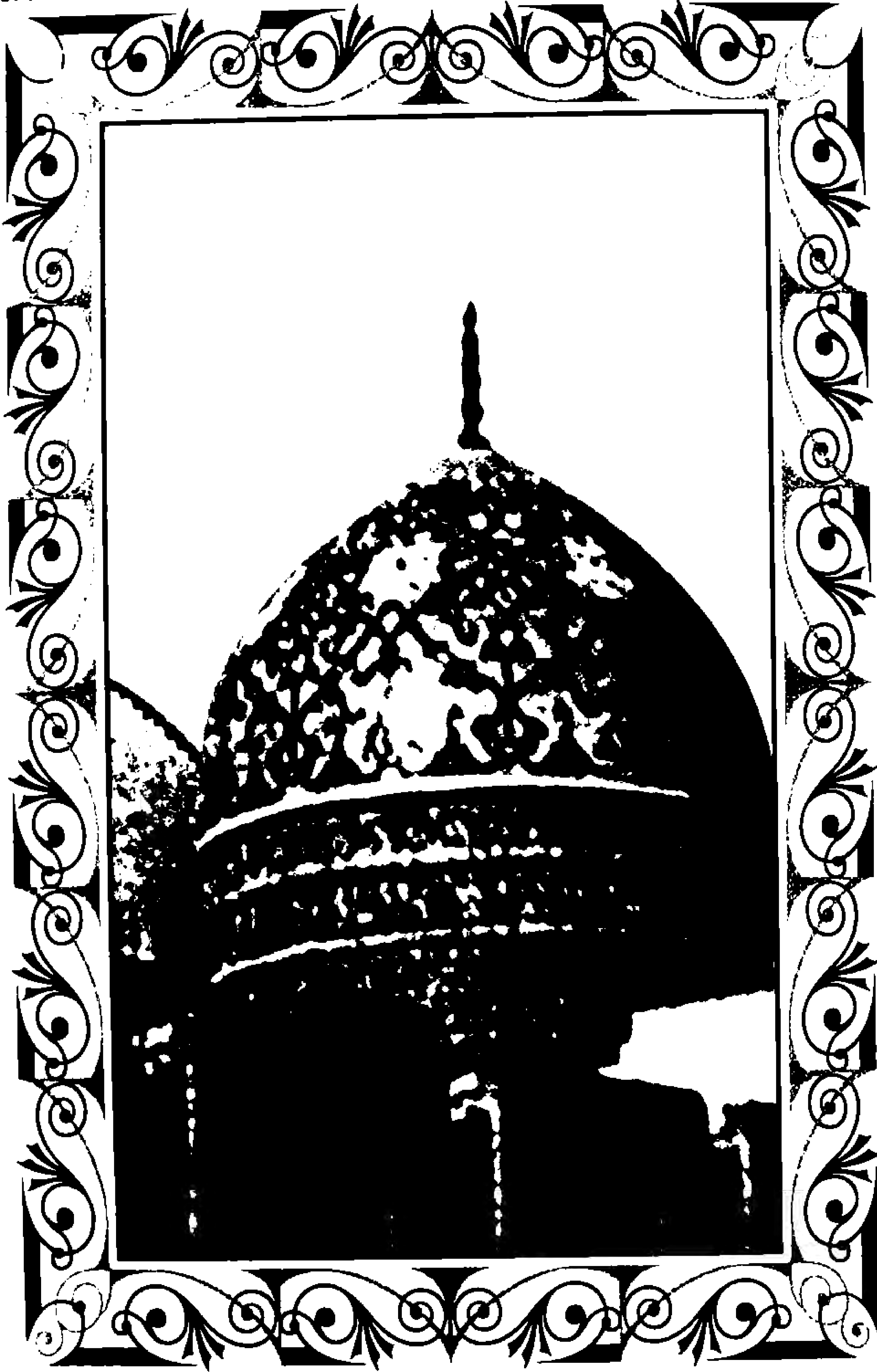
روضہ مبارک حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ
المعروف غوث الاعظم دستگیر (پیران پیر) بغداد شریف عراق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

حضرت امامِ اعظم حضرت مجدد کی نظر میں

علامہ عبدالحکیم خان اختر مجددی مظہری شاہجہانپوری[۱]

☆☆

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی واسم گرامی نعمان ہے۔ امام اعظم آپ کا وہ لقب ہے جو اکابرامت کی طرف سے ملا' کیونکہ کسی کو کشورِ فقاہت میں آپ کا کوئی ثانی نظر نہیں آیا۔ ابوحنیفہ آپ کی کنیت ہے اور یہ آپ کے کسی بچے کے باعث نہیں بلکہ اس ملتِ ابراہیمی اور دینِ حنیف کے عدیم المثال علمبردار ہونے کے باعث قسامِ ازل نے آپ کو اس کنیت سے متصف ومشہور کر دیا۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

مشہور روایت کے مطابق آپ کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی۔ آپ نسلاً فارسی (ایرانی) تھے۔ مولانا فقیر محمد جہلمی علیہ الرحمۃ نے سلسلۂ نسب یوں لکھا ہے۔

نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان بن قیس بن یزدگر بن شہریار بن نوشیروان[۱]۔

بعض روایات میں آپ کے پڑدادا کا نام ''مرزبان'' اور بعض میں ''ماہ'' بھی آیا ہے۔ ممکن ہے یہ ان کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کے نام ہوں۔ جبکہ مرزبان اس وقت سردار کو کہتے تھے' اور اسلامی نام نعمان رکھا گیا ہو۔ ممکن ہے کہ نام نعمان ہو اور ''مرزبان'' وماہ دونوں لقب ہوں۔ ہاں ان کا اکثر روایات میں نام ''زوطی'' آیا ہے۔ اور قرین قیاس ہے کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے یہی نام[۲] ہوگا۔

۱......آپ نے ۱۴ر نومبر ۱۹۹۳ء کو لاہور میں انتقال فرمایا (محمد عالم مختار حق)

آپ کے والدِ محترم حضرت ثابت کے متعلق یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ وہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی بارگاہ میں حاضر ہوے تھے۔ انہوں نے حضرت ثابت اور ان کی اولاد کے لیے خیر و برکت کی دعاء فرمائی تھی[۳] نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ابنائے فارس کی تعریف کرتے ہوے آپ کی بشارت دی تھی[۴] بلاشبہہ آپ سراجِ امت محمدیہ اور اہلِ حق کو قیامت تک مشعل راہ کا کام دینے والے ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کوفے میں ہوئی' جو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دار الخلافہ ہونے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۳۲ھ) کی موجودگی کے باعث علم و فضل کا مرکز اور اہلِ علم حضرات کا مرجع بن گیا تھا۔ آپ نے ہوش سنبھالا تو کوفہ میں ہر علم و فن کے برگزیدہ حضرات کا جمِّ غفیر دیکھا۔ صحابہ کرام کو دیکھنے والے اور ان بزرگوں سے دل کھول کر فیض یاب ہونے اور کسبِ علم کرنے والی ہستیاں چاروں طرف موجود تھیں۔ ان حضرات نے علوم دینیہ کے مخزن اور اتباع صحابہ کی منہ بولتی تصویر ہونے کے باعث مخلوقِ خدا کو سرمایۂ دین و دنیا سے مالا مال کرنے کی خاطر حلقہ درس جاری کر رکھے تھے' جن کی طرف لوگ ایسے دوڑتے تھے جیسے پیاسا کنوئیں کی طرف[۵]۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ معاشی لحاظ سے خوش گزران تھے۔ کپڑے کی وسیع پیمانے پر تجارت کرتے تھے۔ تحصیلِ علم کی طرف مائل ہوے تو درجہ کمال تک پہنچ گئے اور فقہ کو اپنا خصوصی میدان بنایا۔ کیونکہ یہ میدان تمام علومِ دینیہ کا جامع ہے۔ نیز قسامِ ازل نے کشور فقاہت کی سلطانی کا تاج آپ کے سر پر سجایا ہوا تھا۔ امت محمدیہ میں آپ وہ سب سے پہلے خوش نصیب فرد ہیں جنہوں نے اس خطرے کو محسوس کیا کہ وہ دن دور نہیں جب دور رسالت سے دور اور صحیح صورت حال کی خبر داری سے مجبور ہونے کے باعث لوگ قرآنی آیات اور فرامین رسالت کو ایسے مفہوم و مطالب کا لباس پہنانے لگیں گے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ یوں جگہ جگہ بے پناہ فتنے کھڑے ہو جائیں گے جو قرآن و حدیث کے حقیقی مفہوم و مطالب کو یوں اپنے نرغے میں لے لیں گے جیسے گھنگور گھٹائیں مہر درخشاں کو چھپا کر اہلِ زمین کو اس کی تابانی سے محروم کر دیتی ہیں[۶]

اس خطرے کو محسوس کرتے ہی آپ نے چالیس ایسے حضرات کا بورڈ تشکیل دیا جو اپنے اپنے میدان میں یگانۂ روزگار اور سرمایۂ افتخار تھے[۷] ان جملہ حضرات میں امام اعظم سب سے فائق اور وسیع النظر ہونے

کے باعث شمعِ محفل ثابت ہوتے تھے۔ بعض اوقات اراکین مجلس ایک ہی مسئلہ پر مہینہ بھر غور وخوض اور بحث وتمحیص کرتے رہتے، اشکال وشبہات پیش ہوتے اور جملہ پہلوؤں پر مکمل غور کرنے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں پوری طرح جانچنے کے بعد اس کا جو حکم متعین ہوتا اسے ضبطِ تحریر میں لایا جاتا۔ یوں فقہ حنفی چالیس نادر روزگار ہستیوں کی کاوش فکر سے اس صورت میں منظر عام پر جلوہ گر ہوئی کہ دوسرے کسی مجتہد کو اس معیار کا شرف حاصل نہ ہو سکا اور بالآخر امام ابوحنیفہ کو جملہ ائمہ مجتہدین اور اکثر مفسرین، محدثین، فقہاء اور اولیاء اللہ نے ''امام اعظم'' کے لقب سے یاد کیا اور آپ کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کیا۸۔

یوں تو دیگر ائمہ مجتہدین یعنی امام مالک بن انس (المتوفی ۱۷۹ھ) 'امام محمد بن ادریس شافعی (المتوفی ۲۰۴ھ) اور امام احمد بن حنبل (المتوفی ۲۴۱ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے مقلدین میں کافی علماء اور اولیائے عظام ہوئے' لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین میں جتنے فقہاء اور اولیاء اللہ ہو گزرے ہیں ان کا شمار اگر نا ممکن نہیں تو از حد مشکل ضرور ہے۔ دوسری جانب آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ دنیا میں جتنے حضرات مسلمان کہلاتے ہیں۔ ان کے دو تہائی سے زیادہ افراد امام ابوحنیفہ کے مقلد سُنّی حنفی کہلانے والے اور امت محمدیہ کا سوادِ اعظم ہیں۹۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ o

امام ابوحنیفہ جہاں علم وفضل میں عدیم النظیر تھے وہاں زہد وورع میں بھی آپ کا جواب نہیں تھا۔ مایہ ناز معاصرین اور اس دور کے کتنے ہی اولیاء اللہ نے اس حقیقت کا پورے شرحِ صدر سے اعتراف کیا ہے۔۱۰ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے لے کر آج تک آپ کے متعلق بہت کچھ کہا گیا اور بہت کچھ لکھا گیا۔ آپ کے خداداد کمالات کو جتنا کوئی دیکھ سکا اس نے انہیں بیان کر کے آپ کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ امام مالک اور امام عبداللہ بن مبارک سے لے کر آج تک امتِ محمدیہ کے اکثر بزرگوں نے آپ کے محامد ومحاسن بیان کیے ہیں' جن میں حنفی بزرگ ہی نہیں بلکہ اہلِ حق کے باقی تینوں مذاہب کے اولیاء اللہ اور فقہا ومحدثین بھی آپ کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رہے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کی نکتہ رسی' دقتِ نظر اور وسیع النظری تک رسائی نہ ہونے کے باوجود بعض بزرگوں نے جو امام اعظم پر اعتراضات کیے' اور آپ کے بعض مسائل کو حدیث کے خلاف یا قیاس پر مبنی لکھ دیا تو چاروں مذاہب کے بزرگوں نے ان اعتراضات کو دلائل و براہین سے غلط ٹھہرایا' اور حضرت امام اعظم کی طرف سے دفاع

کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ جبکہ بعض فقہا و محدثین نے تو اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھ کر وہ دادِ تحقیق دی کہ انصاف کی لاج رکھ لی ہے۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ اگر اہل حق وصداقت کے مایہ ناز بزرگ ہیں تو اعتراض کرنیوالے حضرات بھی غیر نہیں تھے۔ وہ بھی اپنے تھے۔ بدنیت نہیں تھے۔ لیکن فکری نارسائی کے باعث اعتراض کر بیٹھے تھے[11] ان بزرگوں کے اعتراضات اور آج کے ایک گمراہ فرقے اور حاسد ومتعصب لوگوں کے اعتراضات میں زمین وآسمان کا فرق ہے کیونکہ:-

آنکھ والا ترے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدہ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے

داتا کی نگری (لاہور) میں بیٹھ کر یہ سطور لکھتے وقت یہ خیال دل میں چٹکیاں لینے لگا کہ حضرت امام اعظم کے بارے میں کیوں نہ حضرت شیخ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۵ھ) کے تاثرات پیش کروں۔ چنانچہ مرشد لاہور فرماتے ہیں:

وَمِنْھُم امامِ اماماں ومقتدای سنّیاں شرف فقہا وعزِ علماء ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الخزار رضی اللہ عنہ، وی را اندر مجاہدت وعبادت قدمِ راست بودہ است واندر اُصول ایں طریقت شانے عظیم داشت[12]۔

ان بزرگوں میں سے ہی اماموں کے امام اہلسنت کے پیشوا، فقہا کے شرف اور علماء کی عزت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت خزار رضی اللہ عنہ ہیں' ان کا مجاہدے اور عبادت میں قدم درست ہے' اور یہ اس طریقے میں بڑی عظیم شان رکھتے ہیں۔

اس سلسلے میں مزید فرماتے ہیں۔

یحییٰ ابن معاذ الرازی رضی اللہ عنہ گوید پیغمبر را صلی اللہ علیہ وسلم بخواب دیدم گفتمش

یا رسول اللہ این اطلبک قال عند علمِ ابی حنیفة[13]

یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ عرض گزار ہوا کہ "یا رسول اللہ

آپ کو کہاں تلاش کروں''؟ فرمایا کہ علمِ ابوحنیفہ کے پاس۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خواب کا ذکر ان لفظوں میں فرمایا ہے:

من کہ علی بن عثمان الجلابی ام رضی اللہ عنہ، بشام بودم بر روضۂ بلال موذّنِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خفتہ بودم، خود را بمکۂ دیدم اندر خواب کہ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم از باب بنی شیبہ اندر آمد و پیرے را در کنار گرفتہ چنانکہ اطفال را گیرند بشفقتی من پیش وی رفتم و بر پشت پایش بوسہ دادم و اندر تعجب آں بودم کہ آں پیر کیست وی بر حکم اعجاز بر باطن و اندیشہ من مشرف شد، مرا گفت ایں امامِ تست و اہل دیارتو ابوحنیفہ[۱۴]

میں کہ علی عثمان جلابی ہوں، شام میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے موذّن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر سویا ہوا تھا کہ خواب میں خود کو مکہ مکرمہ میں دیکھا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ کی طرف سے اندر داخل ہو رہے ہیں اور ایک بوڑھے کو گود میں لیا ہوا تھا۔ جیسے کہ از راہ شفقت بچے کو گود میں لیتے ہیں' میں حاضر بارگاہ ہوا آپ کے قدم کو بوسہ دیا اور اس تعجب میں تھا کہ یہ مرد پیر کون ہے۔ آپ معجزانہ شان سے میرے باطن اور دلی خیال پر مطلع ہوے اور فرمایا کہ ''یہ تمہارا اور تمہارے ملک والوں کا امام ابوحنیفہ ہے'۔

''کشف المحجوب'' کی اس عبارت اور شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جیسے دیدہ بینا رکھنے والے بزرگ اور میدان کشف و روحانیت کے شہسوار کے مذکورہ بالا خواب سے کتنی ہی باتیں راسخ العقیدہ مسلمانوں کے صفحہ ذہن میں ابھرتی ہیں ان میں سے چند باتیں یہ بھی ہیں:

۱۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کی قبروں میں مزارات تعمیر کرنا اہل حق کا قرونِ اولیٰ سے اب تک معمول رہا ہے جیسا کہ مذکورہ عبارت کے برروضہ بلال والے لفظوں سے ثابت ہے۔

۲۔ یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کے عوام تو کیا خواص تک بزرگوں کے مزارات پر حاضری دیتے رہے جیسا کہ حضرت داتا گنج بخش کے مذکورہ عمل سے واضح ہے۔

۳۔ اہلسنت کے عوام وخواص کا یہ عقیدہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے باطنی حالات اور دلوں میں چھپے ہوئے خیالات تک کو جان لیتے ہیں۔

۴۔ ''بر پشت پایش بوسہ دادم'' سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی دست بوسی تو کیا پابوسی بھی جائز ہے۔

۵۔ امام ابوحنیفہ پورے طور پر حفاظت رسول میں تھے۔

۶۔ امام ابوحنیفہ اپنے بعد والے بزرگوں کے بزرگ اور اماموں کے امام ہیں۔

۷۔ ''امامِ تست واہل دیار تو'' سے معلوم ہوا کہ پاکستان اور بھارت دونوں ملک حنفیوں کے ہیں۔ باقی فالتو فنڈ میں سے ایک ایرانی سوغات اور بقایا برٹش گورنمنٹ کی یادگاریں ہیں۔

اب ہم قارئین کرام کی خدمت میں وہ تاثرات پیش کرنا چاہتے ہیں جو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ جیسے دیدۂ بینا رکھنے والے مردحق آگاہ نے اخذ کیے اور دوسرے مسلمانوں کو ان سے مطلع کرنے کی خاطر یوں انہیں سپردقلم کیا:۔

درست شدازیں خواب مراکہ وی یکی ازاں بودہ است کہ از اوصافِ طبع فانی بودند باحکام شرع باقی و بدان قائم چنانکہ برندہ وی پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم بود واگر وی خودرفتی باقی الصفتہ بودی وباقی الصفتہ یا مخطی بود یا مصیب چوں برندہ دی پیغامبر بود صلی اللہ علیہ وسلم فانی الصفتہ باشد ببقای صفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وچون بر پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم خطا صورت نگیرد برانکہ بدو قائم بود ہیم نگیر دوایں رمزی لطیف ست [۱۵]

میرا یہ خواب درست ثابت ہوا کیونکہ وہ (امام اعظم) ان حضرات میں سے ایک ہیں جو اپنے طبعی اوصاف سے فانی اور احکام شرع کے ساتھ باقی و قائم ہیں۔ کیونکہ ان کے لے جانے والے پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اگر وہ خود چلتے تو باقی الصفتہ ہوتے جبکہ باقی الصفتہ خطا کار ہوتا ہے یا غلطی سے بچنے والا' لیکن جب ان کے لے جانے والے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو وہ فانی الصفتہ

ہوئے، یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کیساتھ باقی رہنے
والے اور چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطا کو راستہ نہیں
ہے لہٰذا جو ان کے ساتھ قائم ہوا اُسے خطرہ نہیں یہ لطیف رمز ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۵ھ) چونکہ دانائے راز ہیں، لہٰذا عین الیقین سے دیکھ کر راز کی بات ظاہر کر دی۔ یہی تو وہ دیکھنے والی آنکھیں ہیں جن کے بارے میں سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ۔ یعنی فراست مومن سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور کے ساتھ دیکھتا ہے۔ مذکورہ واقعہ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ (المتوفی ۲۰ھ) کے مزار پُر انوار پر پیش آیا۔ اب خود امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مرجع ابرار کے بارے میں بزرگوں کا معمول ملاحظہ فرمایئے:

اعلم انه لم يزل العلماء ذوالحاجات يزرون قبره (اى قبرابى حنيفه) ويتوسلون عنه فى قضاء حوائجهم ويرون تجح ذلک، منهم الامام الشافعى مما كان ببغداد فانه جاء عند انه قال انى لا تبرک بابى حنيفة واجيئى الىٰ قبره فاذا اعرضت لى حاجة صليت ركعتين وجئت الىٰ قبره وسئلت الله عنده فتقضىٰ سريعاو ذكر بعض المتكلمين علىٰ منهاج النووى ان الشافعى علىٰ الصبح عند قبره فلم يقنت فقيل له ثم قال تادابا مع صاحب هذا القبرو ذكر ذلک غيره ايضاوزادانه لم يجه بالبسملة ولا اشكال فى ذالک[١٦]

جاننا چاہیے کہ ہمیشہ سے حاجت مند علماء ان یعنی حضرت امام ابوحنیفہ کی قبر کی زیارت کرتے، اپنی حاجتوں کے پورا ہونے میں ان کا وسیلہ پکڑتے اور اس میں کامیابی دیکھتے آئے ہیں۔ ان میں سے حضرت امام شافعی بھی ہیں۔ جب وہ بغداد میں تھے تو یہاں حاضر

ہوے اور فرمایا کہ میں حضرت امام ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا اور ان کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں۔ جب مجھے حاجت پیش آتی ہے تو دو رکعتیں پڑھ کر ان کی قبر پر حاضر ہوتا اور اس کے پاس اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہو جاتی ہے بعض متکلمین نے نووی کی طرح ذکر کیا ہے کہ امام شافعی نے ان کی قبر کے پاس صبح کی نماز پڑھی تو قنوت ترک کر دی۔ پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس قبر والے بزرگ کا ادب کرتے ہوے۔ ان کے سوا دوسروں نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے بسم اللہ آواز سے نہ پڑھی اور اس میں کوئی اشکال نہیں۔

مشہور محدث امام ابن حجر مکی ھیتمی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۹۷۵ھ) کی مذکورہ عبارت سے مایہ ناز بزرگوں کے کتنے ہی معمولات و معتقدات سامنے آ جاتے ہیں اور ان کی روشنی میں جب مبتدعینِ زمانہ کی روش اور ان کے نظریات کو دیکھتے ہیں تو دونوں کے اندر مماثلت و مشابہت کا شائبہ تک بھی تو نظر نہیں آتا۔

صاف نظر آنے لگتا ہے کہ توحید کے ان خانہ ساز ٹھیکیداروں کا مذہب بزرگوں والی صراطِ مستقیم سے بغاوت پر مبنی ہے۔ ان حضرات کو ارشاد ربانی کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ میں فائدہ نظر نہ آیا ہوگا اسی لیے کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ کے بجائے کُوْنُوْا مَعَ الْمُفْسِدِیْنَ کو شعار بنایا ہوا ہے۔

ارشاد ربانی: کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ ○ وَّ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ○ کے تحت حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رختِ سفر باندھنا پڑا۔ آپ اس سرائے فانی میں آئے تو عبدالملک بن مروان کی حکومت تھی اور اس کی طرف سے مشہور زمانہ ظالم و جابر حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا۔ ۱۵۰ھ میں وفات پائی تو عباسی خلفیہ منصور نے ۱۴۶ھ سے آخری وقت تک نظر بند رکھا۔ گرم اور نرم ہر قسم کے حالات سے گزرے لیکن عزم و استقلال کے کوہِ گراں کے قدموں میں لغزش نہ آئی۔ ذرا نہ لڑکھڑائے اور ہمتِ مردانہ کے ساتھ ماہِ شوال میں جمعۃ المبارک کے دن ۱۵۰ھ میں جنت الفردوس کی جانب روانہ ہو گئے اور امت محمدیہ کے لیے جانے سے پہلے اجتہادی وسائل کا ایسا باغ لگا گئے جو ہر قسم کی آندھیوں اور جھکڑوں نیز مخالفین و حاسدین کی سازشوں کے باوجود قیامت تک سدا بہار رہے گا۔ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی. ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ان کے عدیم المثال علمی و اجتہادی کارناموں کو بھی کشفی نظر سے دیکھا اور اپنے مکتوباتِ عالیہ میں جابجا ان کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ نے مختلف اہل دل حضرات کو حضرت امام اعظم کی شانِ رفیع سے خبردار کیا۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے صاحبزادگان یعنی خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۷۰ھ/۱۶۵۰ء) اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۷۹ھ/۱۶۵۹ء) کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے انہیں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ تلقین فرمائی:

عجب معاملہ ست امام اعظم در تقلید سنت از ہمہ پیش قدم است و احادیث مرسل در رنگِ احادیث مسند شایان متابعت میداند و بر رائے خود مقدم می دارد و ہم چنین قول صحابی را بواسطہ شرف صحبت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات بر رائے خود مقدم میدارد و دیگراں نہ چنیں اند مَعَ ذٰلِکَ مخالفان او را صاحب رائے میدانند و الفاظے کہ مبنی از سوء ادب اند باُو منتسب می سازند باوجود آنکہ ہمہ بکمال علم و وفور ورع و تقویٰ اُو معترف اند۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ دہاد کہ آزارِ راس دین و رئیس اہل اسلام نمایند و سوادِ اعظم اسلام را ایذا انکند یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ جماعہ اکابر دین را اصحاب رائے میدانند اگر ایں اعتقاد دارند کہ ایشاں بہ رائے خود حکم می کردند و متابعت کتاب و سنت نہ می نمودند۔ پس سوادِ اعظم از اہل اسلام بزعم فاسدِ ایشاں ضال و مبتدع باشند بلکہ از جرگہ اہل اسلام بیرون بوند ایں اعتقاد نہ کند مگر جاہلے کہ از جہل خود بے خبر است یا زندیقے کہ مقصودش ابطال شطر دین است۔ ناقصے چند احادیث چند یاد گرفتہ اند و احکام شریعت را منحصر دراں ساختہ اند و ماورائے معلوم خود را نفی می نمایند و آنچہ نزد ایشاں ثابت نشدہ منفی می سازند [۱۷]

عجیب معاملہ ہے کہ امام اعظم سنت کی پیروی میں باقی سب ائمہ سے
آگے ہیں اور اسی لیے مرسل احادیث کو وہ مسند احادیث کی طرح لائقِ
متابعت جانتے ہیں' اور اپنی رائے سے بہر صورت مقدم رکھتے ہیں۔
بلکہ اسی طرح صحابی کے قول کو بھی اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں کیونکہ وہ
حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کی صحبت کے شرف سے
مشرف ہیں' اور یہ معاملہ دوسرے ائمہ کے ہاں نہیں ہے۔ اس کے
باوجود مخالفین انہیں صاحب رائے جانتے اور ایسے لفظوں سے یاد کرتے
ہیں جو بے ادبی پر مبنی ہیں۔ حالانکہ وہ سب آپ کے علمی کمال اور
تقویٰ و ورع سے مالا مال ہونے کے معترف ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ
انہیں توفیق بخشے کہ وہ دین کے سردار اور مسلمانوں کے رئیس کو ایذا نہ
پہنچائیں' اور مسلمانوں کے سواد اعظم کے دلوں کو نہ دکھائیں وہ چاہتے
ہیں۔ کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ وہ جماعت جو
اکابر دین کو اصحاب رائے جانتی ہے' اگر ان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ بزرگ
اپنی رائے سے حکم دیتے ہیں۔ اور کتاب وسنت کی متابعت نہیں کرتے تو
اس طرح مسلمانوں کا سواد اعظم ان کے زعم فاسد کی رو سے گمراہ اور
بدعتی قرار پاتا ہے۔ بلکہ وہ حضرات دائرہ اسلام ہی سے خارج ہو جاتے
ہیں یہ عقیدہ نہ رکھے گا مگر ایسا جاہل جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے' یا ایسا
زندیق جو آدھے دین کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ بعض نیم ملا چند حدیثیں
یاد کر کے شرعی احکام کو ان کے اندر منحصر ٹھہرا لیتے ہیں' اور جو چیزیں ان
کی معلومات سے باہر ہیں ان کی نفی کر دیتے ہیں۔ اور جو ان کے
نزدیک ثابت نہیں ہے اس کا انکار کر دیتے ہیں''۔

قارئین کرام! یہ طویل اور ایمان افروز عبارت آپ نے مع ترجمہ ملاحظہ تو فرمالی۔ اس کے اندر
حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی نے جو کچھ فرمایا ان باتوں کو آگے چلنے
سے پہلے کیوں نہ نمبروار دہرا لیا جائے:

۱۔ امام اعظم سنت کی پیروی میں تمام مسلمان بلکہ جملہ ائمہ دین سے بھی آگے ہیں۔
۲۔ امام ابوحنیفہ احترام حدیث کے باعث مرسل احادیث پر بھی مسند احادیث کی طرح عمل کرتے تھے۔
۳۔ آپ اقوال صحابہ کو بھی اپنی رائے پر ترجیح دیتے تھے جبکہ باقی ائمہ کے ہاں ایسا نہیں ہے۔
۴۔ آپ مرسل احادیث کو اپنی رائے پر ترجیح دیا کرتے جبکہ دیگر ائمہ ایسا نہیں کیا کرتے تھے۔
۵۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا احترام کرتے ہوئے صحابہ کرام کے اقوال کو اپنی رائے پر مقدم رکھا کرتے تھے۔
۶۔ امام ابوحنیفہ کے مخالفین بھی آپ کے علمی کمال کے معترف تھے۔
۷۔ مخالفین وحاسدین بھی یہ مانتے تھے کہ امام ابوحنیفہ ورع وتقویٰ کی دولت سے مالا مال ہیں۔
۸۔ امام ابوحنیفہ دین کے سردار ہیں۔
۹۔ امام ابوحنیفہ مسلمانوں کے رئیس ہیں۔
۱۰۔ مجدد اعظم کی دعاء ہے کہ کوئی امام ابوحنیفہ کی بدگوئی کر کے انہیں اور دیگر مسلمانوں کو ایذا نہ پہنچائے۔
۱۱۔ امام ابوحنیفہ تو مسلمانوں کے سواد اعظم کے پیشوا ہیں۔
۱۲۔ اگر کوئی امام ابوحنیفہ کی برائی کرے تو وہ مسلمانوں کے دل دکھاتا ہے۔
۱۳۔ امام اعظم ابوحنیفہ اللہ کا نور (نور ہدایت) ہیں۔
۱۴۔ امام ابوحنیفہ کی بدگوئی کرنے والے گویا اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔
۱۵۔ امام ابوحنیفہ اکابر دین سے ہیں۔
۱۶۔ جس کا یہ خیال ہو کہ امام ابوحنیفہ کتاب وسنت کی پیروی کے بجائے اپنی رائے سے حکم لگایا کرتے تھے تو اس کا زعم فاسد ہے۔
۱۷۔ ایسا خیال رکھنے والا مسلمانوں کے سواد اعظم کو گمراہ اور بدعتی ٹھہرا رہا ہے حالانکہ احادیث مطہرہ میں سواد اعظم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔
۱۸۔ ایسا خیال رکھنے والا گویا ان تمام مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے رہا ہے۔ جو امام ابوحنیفہ کو مسلمانوں کا امام اور بزرگ جانتے ہیں۔
۱۹۔ جو یہ کہے کہ امام ابوحنیفہ اپنی رائے سے شرعی حکم لگایا کرتے تھے وہ ایسا جاہل ہے کہ اپنی جہالت سے بے خبر ہے۔

۲۰۔ مذکورہ رائے رکھنے والا ایسا زندیق ہے جو نصف دین کو باطل کرنا چاہتا ہے۔

۲۱۔ امام ابوحنیفہ کی بدگوئی کرنے والے ناقص العلم (نیم ملا خطرہ ایمان کے مصداق) ہیں۔

حضرات گرامی! اسی مکتوب گرامی کے اندر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے امت محمدیہ کے امام اعظم یعنی امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہ تصریحات بھی فرمائی ہیں:

وائے ہزار وائے از تعصب ہائے بارد ایشاں و از نظر ہائے فاسد ایشاں بانی فقہ ابوحنیفہ است و سہ حصہ از فقہ او را مسلم داشتہ اند و در ربع باقی ہمہ شرکت دارند باوے در فقہ صاحب خانہ اوست و دیگراں ہمہ عیال وے اند باوجود التزام ایں مذہب مرابا امام شافعی گویا محبت ذاتی ست و بزرگ میدانم لہذا در بعضے اعمالِ نافلہ تقلید مذہب اومی نمایم اما چہ کنم کہ دیگراں را باوجود وفور علم و کمال تقوی در جنبِ امام ابی حنیفہ در رنگِ طفلاں می یابم [۱۸]

حاسدوں کے بیجا تعصب اور فاسد نظر پر افسوس! ہزار افسوس! فقہ کے بانی امام ابوحنیفہ ہیں۔ تین چوتھائی فقہ ان کے لیے مسلم ہے جبکہ باقی ائمہ ایک چوتھائی میں سارے شریک ہیں۔ فقہ میں صاحب خانہ امام ابوحنیفہ ہیں، اور باقی سارے ائمہ ان کے بال بچے ہیں۔ باوجود اس کے کہ میں حنفی مذہب کا پابند ہوں لیکن مجھے امام شافعی سے ذاتی محبت ہے اور انہیں بزرگ جانتا ہوں۔ اس لیے بعض نفلی کاموں میں ان کے مذہب کی تقلید کر لیتا ہوں لیکن کیا کروں کہ دوسرے ائمہ مجتہدین کو وافر علم اور کمال تقوی کے باوجود امام حنیفہ کے پہلو میں بچوں کی طرح دیکھتا ہوں۔

قارئین کرام! سابقہ عبارات کے تحت ہم نے اکیس (۲۱) باتیں شمار کی تھیں آیئے دیکھتے ہیں کہ اس پیش کردہ عبارت میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مزید کیا کچھ فرمایا ہے:

۲۲۔ امام ابوحنیفہ کے حاسدین ومعترضین پر مجدد اعظم نے ہزاروں بار افسوس کیا ہے۔

۲۳۔ امام ابوحنیفہ ہی علم فقہ کے بانی ہیں۔

۲۴۔ تین چوتھائی فقہ اکیلے امام اعظم ابوحنیفہ کو حاصل ہے اور باقی ایک چوتھائی دیگر ائمہ کو۔

۲۵۔ فقہ میں امام ابوحنیفہ صاحب خانہ ہیں۔

۲۶۔ دیگر ائمہ امام ابوحنیفہ کے عیال (بال بچے) ہیں۔

۲۷۔ حضرت مجدد الف ثانی حنفی مذہب کی پابندی کیا کرتے تھے۔

یہی نہیں بلکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حنفی مذہب کی حقانیت وقبولیت اور انفرادیت کو بیان کرتے ہوئے خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما کو یہ بھی بتایا تھا۔

بے شائبہ تکلف وتعصب گفتہ میشود کہ نورانیت ایں مذہب حنفی بنظر کشفی دررنگ دریائے عظیم می نماید وسائر مذاہب دررنگِ حیاض وجداول بنظر درآیند وبظاہر ہم کہ ملاحظہ نمودہ فی آید سواداعظم ازاہل اسلام متابعان ابی حنیفہ اند علیہم الرضوان وایں مذہب باوجود کثرت متابعان دراصول وفروع از سائر مذاہب متمیز است ودراستنباط طریق علیحدہ دارد وایں معنی مبنی برحقیقت است [۱۹]

بغیر تکلف وتعصب کے کہا جا سکتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت کشف کی نظر سے بہت بڑے دریا کی طرح دکھائی دیتی ہے' اور باقی مذاہب حوضوں اور نہروں کے مانند نظر آتے ہیں۔ اور ظاہر کی نظر سے دیکھیں تب بھی یہی کچھ دکھائی دیتا ہے کہ مسلمانوں کا سواد اعظم امام ابوحنیفہ کے متبعین پر مشتمل ہے علیہم الرضوان۔ اور پیروکاروں کی کثرت کے علاوہ یہ مذہب اصول وفروع میں باقی تمام مذاہب سے ممتاز ہے۔ اور استنباط مسائل میں اسکا طریقہ کار ہی نرالا ہے اور یہ اس کے برحق ہونیکی دلیل ہے۔

محترم قارئین! اس عبارت سے پہلے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہم ستائیس مجددی ارشادات مل جل کر شمار کر چکے ہیں آیئے دیکھتے ہیں کہ مذکورہ عبارت میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں مزید کیا کچھ فرمایا ہے:

۲۸۔ کشفی نظر میں حنفی مذہب دریائے عظیم اور دیگر مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح ہیں۔

۲۹۔ احناف کی اتنی تعداد ہے کہ یہ اکیلے ہی مسلمانوں کا سواد اعظم کہلائے جا سکتے ہیں۔

۳۰۔ مجدد اعظم نے جملہ احناف کیلئے علیہم الرضوان کہا ہے۔

۳۱۔ حنفی مذہب اصول وفروع میں دیگر مذاہب سے ممتاز ہے۔

۳۲۔ حنفی مذ: کا طریقہ استنباط دیگر جملہ مذاہب سے عمدہ اور نرالا ہے۔

۳۳۔ حنفی مذہب حقانیت پر مبنی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے آسمان علم وعرفان کے مہر درخشا کی تابانیوں کے بارے میں کشور ولایت کے دیدہ ور فرمانروا یعنی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے علمی وکشفی دونوں نگاہوں سے دیکھ کر یہ تصریحات بھی فرمائی ہیں:

> از علوِ شان امام بزرگ ترین ایں بزرگواراں امام اجل، پیشوائے اکمل ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، چہ نویسد کہ اعلم وا ورع و اتقائے مجتہدین است چہ شافعی و مالک و چہ احمد بن حنبل امام شافعی می فرماید اَلْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ عَيَالُ اَبِیْ حَنِيفَةِ۔ منقول ست کہ امام شافعی چوں بزیارتِ قبر امام اعظم می رفت ترک اجتہاد خود می کرد و برائے خود عمل نمی نمود و می گفت کہ شرم می آید کہ در حضور ایشا عمل برائے خود بکنم کہ مخالف رائے ایساں باشد۔ ترک قرأت فاتحہ خلف الامام می نمود وقنوت در فجر نمی خواند۔ آرے بزرگی، شان ابی حنیفہ را شافعی داند۔ فردا کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرماید بمذہب ابوحنیفہ عمل خواہد کرد۔ چونکہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ، در فصول ستہ می فرماید و ہمیں بزرگیٔ ایشاں را کافی ست کہ پیغمبر اولوالعزم بمذہب او عمل نماید۔ صد بزرگی دیگر را بایں بزرگی عدیل نمی تواں انداخت[۲۰]

ترجمہ: بزرگ ائمہ کے بزرگ، امامِ اجل، پیشوائے اکمل، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم الشان مرتبے کے بارے میں بھلا میں کیا لکھوں' جبکہ وہ جملہ مجتہدین سے زیادہ علم والے اور زیادہ ورع وتقویٰ والے ہیں، خواہ وہ امام شافعی وامام مالک ہوں۔ یا امام احمد بن حنبل۔
امام شافعی فرماتے ہیں کہ تمام فقہاء ابوحنیفہ کے بچے ہیں۔ منقول ہے کہ امام شافعی جب قبر امام اعظم کی زیارت کے لیے جاتے تو اپنے اجتہاد کو ترک کر دیا کرتے تھے اور اپنی رائے پر عمل نہیں کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے ان (امام ابوحنیفہ) سے شرم آتی ہے کہ ان کے سامنے ایسا کام کروں جو ان کی رائے کے خلاف ہو۔ چنانچہ وہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیتے اور نماز فجر میں قنوت بھی نہیں پڑھا کرتے تھے۔ درحقیقت امام ابوحنیفہ کی عظمت شان کو امام شافعی جانتے تھے۔ کل جب حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ السلام نزول فرمائیں گے تو امام ابوحنیفہ کے مذہب کی طرح عمل کریں گے۔ جیسا کہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ فصول ستہ'' میں فرماتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ کے لیے یہی ایک بزرگی کافی ہے کہ ایک اولوالعزم پیغمبران کے مذہب کے مطابق عمل کریں گے۔ دوسری سو بزرگیاں (قابلِ فخر باتیں) بھی اس ایک بزرگی کے برابر نہیں ہوسکتیں۔

قارئین کرام کو بخوبی یاد ہوگا کہ ہماری گنتی تینتیس (۳۳) تک پہنچ گئی تھی۔ مذکورہ بالا عبارت کے اندر بھی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ مناقب بیان کیے ہیں آیئے انہیں بھی مل جل کر گن لیتے ہیں:

۳۴۔ امام ابوحنیفہ تمام ائمہ کے بزرگ یعنی بزرگوں کے بھی بزرگ ہیں۔
۳۵۔ امام ابوحنیفہ درحقیقت امامِ اجل اور پیشوائے اکمل ہیں۔
۳۶۔ مجدد اعظم نے امام اعظم کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا ہے۔

۳۷۔ امام ابوحنیفہ تمام مجتہدین سے زیادہ علم والے ہیں۔

۳۸۔ امام ابوحنیفہ جملہ مجتہدین سے ورع وتقویٰ میں زیادہ ہیں۔

۳۹۔ امام اعظم کی قبر پر امام شافعی حاضری دیا کرتے تھے۔

۴۰۔ امام اعظم کی قبر اس لائق ہے کہ عوام وخواص کو اس کی زیارت کرنی چاہیے۔

۴۱۔ امام شافعی بوقتِ حاضری صاحب قبر (امام ابوحنیفہ) سے شرمایا کرتے تھے۔

۴۲۔ امام ابوحنیفہ کا خلاف کرتے ہوئے بڑی سے بڑی ہستی کو بھی شرمانا چاہیے۔

۴۳۔ امام ابوحنیفہ آج بھی اپنی قبر میں زندہ اور مرجعِ عوام وخواص ہیں۔

۴۴۔ امام شافعی حقیقت میں مرتبہ دان امام ابوحنیفہ تھے۔

۴۵۔ امام ابوحنیفہ کا ہر مسلمان کو احترام کرنا چاہیے جیسا کہ امام شافعی کیا کرتے تھے۔

۴۶۔ نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسلک حنفی مذہب جیسا ہوگا۔

۴۷۔ امام ابوحنیفہ کا یہ شرف سیکڑوں بزرگیوں سے زیادہ درجہ رکھتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادگان یعنی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے انہیں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کے متعلق یہ بھی بتایا:

حضرت عیسیٰ علیٰ نَبِیِّنَا وَ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ کہ بعد از نزول متابعت ایں شریعت خواہد نمود، اتباع سنت آں سرور عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہِ الصَّلوٰۃ و السَّلَامُ نیز خواہد کرد کہ نسخ ایں شریعت مجوز نیست۔ نزدیک است کہ علماء ظواہر مجتہداتِ اوراعلٰی نَبِیِّنَا وَ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ از کمال دقت وغموض ماخذ انکار نماید ومخالف کتاب وسنت دانند مثل وروح اللہ بمثل امام اعظم کوفی ست رحمۃ اللہ علیہ کہ بہ برکت ورع و تقوٰی و بدولت متابعت سنت درجہ عُلیا در اجتہاد و استنباط یافتہ است کہ دیگراں درفہم آں عاجز وقاصر اند ومجتہدات اُورا بواسطہ دقت معانی مخالفِ کتاب وسنت دانند داُ و راو اصحاب اورا اصحاب رائے پندار ندکُلّ

ذٰلِکَ لِعَدَمِ الْوُصُوْلِ اِلیٰ حَقِیْقَةِ عِلْمِهٖ وَ عَدَمِ الْاِطّلَاعِ عَلٰی فهمه وفراست امام شافعی بکرشمہ از دقت فقاہت او عَلَیْهِ الرِّضْوَان دریافت کہ گفت اَلْفُقَهَآءُ کُلُّهُمْ عَیَالُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وائے از جرأت ہائے قاصر نظراں کہ قصور خود را بدیگرے نسبت نمایند و بواسطہ ہمیں مناسبت کہ بحضرت روح اللہ دارد تواند بود آنچہ خواجہ محمد پارسا در فصول ستہ نوشتہ است کہ حضرت عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام بعد از نزول بمذہب امام ابو حنیفہ عمل خواہد کرد یعنی اجتہاد حضرت روح اللہ موافق اجتہاد امام اعظم خواہد بود نہ آنکہ تقلید ایں مذہب خواہد کرد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کہ شان اُو عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ازاں بلند تر است کہ تقلید علماء امت فرماید[۲۱]

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے واپس تشریف لانے کے بعد شریعت محمدیہ کی پیروی کریں گے۔ کیونکہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں ہے۔ قریب ہے کہ ظاہر بین علماء حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مجتہدات کا کمال دقت اور غموض ماخذ کے سبب انکار کریں گے۔ اور کتاب وسنت کے خلاف جانیں گے۔ حضرت عیسیٰ رُوح اللہ کی مثال امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہے کہ ورع وتقویٰ کی برکت سے اور متابعت سنت کے باعث اجتہاد واستنباط میں اعلیٰ مقام پایا ہے' کہ دوسروں کا فہم اس کے سمجھنے سے عاجز وقاصر ہے' اور ان کے مجتہدات کو دقتِ معانی کے سبب کتاب وسنت کے خلاف جانتے ہیں۔ اور انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اصحاب رائے شمار کرتے ہیں یہ سب کچھ ان کے علم و درایت کی حقیقت تک نہ پہنچنے اور ان کے فہم پر مطلع نہ ہونے کے باعث ہے۔ امام شافعی کی فراست دیکھیے کہ دقت فقاہت سے کچھ حصہ ملا تو بیساختہ کہہ اٹھے کہ تمام فقہاء

ابوحنیفہ کے بچے ہیں۔ افسوس ان قاصر نظر لوگوں کی جرأت پر جو اپنے
نقص کو دوسروں کے سر منڈھتے ہیں۔ اور حضرت رُوح اللہ کے ساتھ
یہی مناسبت رکھنے کے باعث یہ ہوگا۔ جیسا کہ خواجہ محمد پارسا نے
''فصول ستہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد
مذہبِ حنفی کے مطابق عمل کریں گے۔ یعنی حضرت عیسیٰ کا اجتہاد
امام اعظم کے اجتہاد سے موافقت رکھے گا ہاں یہ نہیں ہوگا کہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام حنفی مذہب کی تقلید کرنے لگیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیٰ
نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان پیغمبری اس سے کہیں بلند و بالا ہے کہ
وہ علمائے امت میں سے کسی کی بھی تقلید کریں۔

سابقہ گنتی سینتالیس (۴۷) تک پہنچ چکی ہے لیکن حضرات آیئے کہ اس عبارت کی تازہ باتیں بھی ساتھ ہی شمار کر لیں تاکہ موافق و مخالف ہر ایک کو معلوم ہو جائے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مجدد اعظم علیہ الرحمہ کے علمی و کشفی نظریات کیا ہیں:

۴۸۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مثال حضرت عیسیٰ رُوح اللہ علیہ السلام جیسی ہے۔
۴۹۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجتہدات امام ابوحنیفہ کے مجتہدات جیسے ہوں گے۔
۵۰۔ امام اعظم نے انتہائی ورع و تقویٰ اور متابعتِ سنت کے باعث اجتہاد میں اعلیٰ مقام پایا تھا۔
۵۱۔ امام اعظم کے اجتہاد و استنباط کو کتاب و سنت کے خلاف جاننا فہم کا عجز و قصور ہے۔
۵۲۔ امام ابوحنیفہ کے اجتہاد و استنباط کو سمجھنے سے دوسروں کے فہم عاجز و قاصر ہیں۔
۵۳۔ امام اعظم اور ان کے ساتھیوں کو اصحابِ رائے سمجھنا ان کے علم و درایت کی حقیقت تک رسائی نہ ہونے اور ان کے فہم کا اندازہ نہ ہونے کے سبب ہے۔
۵۴۔ امام اعظم کی دقتِ فقاہت سے امام شافعی علیہ الرحمۃ کو کچھ حصہ مل گیا تھا۔
۵۵۔ امام اعظم کے معترضین کی جسارت پر مجدد اعظم نے افسوس کا اظہار کیا ہے۔

میاں بدیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ تصریح بھی فرمائی ہے:

معلوم شد کہ کمالاتِ ولایت را موافقتِ بفقہِ شافعی است و کمالات نبوت را مناسبت بفقہِ حنفی۔ اگر فرضاً دریں امت پیغمبرے مبعوث می شد موافقِ فقہ حنفی عمل می کرد[۲۲]۔

ترجمہ: معلوم ہوا ہے کہ کمالات ولایت کو فقہِ شافعی سے اور کمالاتِ نبوت کو فقہ حنفی سے مناسبت ہے۔ اگر بالفرض اس امت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو وہ فقہِ حنفی کے مطابق عمل کرتا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خاتون کے نام مکتوب ہدایت لکھتے ہوئے یہ وضاحت بھی فرمائی تھی:

حضرت عیسیٰ علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کہ از آسمان نزول خواہد فرمود متابعت شریعت خاتم الرسل خواہد نمود عَلَیۡہِ وَ عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوٰتُ وَالتَّسۡلِیۡمَاتُ حضرت خواجہ محمد پارسا کہ از خلفاء کمل حضرت خواجہ نقشبند است قَدَّسَ اللہ تعالیٰ سِرَّھُمَا و عالم محدث است نیز در کتاب فصولِ ستہ نقل معتمدی آرد کہ حضرت عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بعد از نزول عمل بمذہب امام ابی حنیفہ خواہد کرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحلالِ اُو را حلال خواہد داشت وحرامِ اُو را حرام[۲۳]۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان سے نزول فرمائیں گے تو خاتم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت کا اتباع کریں گے۔ حضرت خواجہ محمد پارسا جو حضرت خواجہ بہاالدین نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرھما کے کامل ترین خلفاء سے ہیں اور عالم و محدث ہیں، وہ اپنی کتاب ''فصول ستہ'' میں معتمد نقل سے لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق عمل کریں گے۔ اور ان کے حلال قرار دیے ہوئے کو حلال ٹھہرائیں گے اور حرام قرار دی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرائیں گے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ، نے اپنے مکتوبات میں جہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بعد نزول مطابق مذہب حنفی کے عمل کرنا لکھا ہے۔تو خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے جیسا کہ قارئین کرام نے گزشتہ عبارتوں میں ملاحظہ فرمایا۔ دریں حالات ضروری نظر آتا ہے کہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ العزیز کے منصبِ ولایت کے بارے میں بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔ چنانچہ مکتوبات امام ربانی کے محشی یعنی مولانا نور احمد امرتسری علیہ الرحمۃ نے ان کے متعلق تصریح کی ہے کہ۔

خواجہ محمد پارسا ایشاں خلیفہ دوم حضرت خواجہ خواجگان نقشبند اندواعلم و اورع زمان...... نام ایشاں محمد بن محمود البخاری است۔ حضرت خواجہ بحضور اصحابِ خود درحق ایشاں فرمودہ کہ امانتے از خلفاء خاندان بایں ضعیف رسیدہ و آنچہ دریں راہ کسب کردہ بشما سپردیم آنرا بخلق باید رسانید و نیز فرمودہ کہ مقصود از ظہورِ ما وجود محمد پارسا است[۲۴]

ترجمہ: خواجہ محمد پارسا، یہ خواجہ خواجگان حضرت بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے خلیفہ ہیں جو علم و ورع میں یگانہ روزگار تھے......ان کا نام محمد بن محمود بخاری ہے خواجہ نقشبند نے اپنے اصحاب کے روبرو ان سے فرمایا تھا کہ ''جو امانت اس ضعیف کو خلفائے خاندان سے پہنچی اور جو کچھ اس راہ پر چلتے ہوئے میں نے کمایا۔ وہ سب کچھ تیرے سپرد کیا، اس میں سے جو مخلوق کا حق ہے وہ اسے پہنچانا چاہیے'' نیز فرمایا کہ ''میرے پیدا ہونے کا مقصد محمد پارسا کی تربیت کرنا تھا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے قرأت خلف الامام کے مسئلے میں التزام مذہب اور حنفی وشافعی مذاہب کے بارے میں حقیقت نفس الامری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے:

مدّتے آرزوئے آں داشت کہ وجہے پیدا شود وجیہ در مذہب حنفی تا درخلفِ امام قرأت فاتحہ نمودہ آید۔ ہرگاہ قرأت درنماز فرض باشد از قرأتِ حقیقی عدول نمودہ بقرأتِ حکمی قرار دادن معقول نمی شد۔ بآنکہ درحدیث نبوی آمدہ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا

بِفَاتِحَةِ الْکِتٰب اما بواسطہ رعایت مذہب بے اختیار ترک قرأت
می کرد۔ وایں ترک از قبیل ریاضت و مجاہدہ می شمرد۔ آخر الامر
حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ببرکت رعایت مذہب کہ نقل از مذہب الحاد
است۔ حقیقتِ مذہب حنفی در ترک قرأت ماموم ظاہر ساخت
وقرأت حکمی از قرأت حقیقی در نظر بصیرت زیبا تر نمود کہ امام و ماموم
ہمہ باتفاق در مقامِ مناجات می ایستند لاَاِنَّ الْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ
رَبَّہ وامام را دریں امر پیشوای سازند پس امام ہر چہ می خواند گویا در
زبان قوم می خواند۔ در رنگ آنکہ جماعہ پیش پادشاہ عظیم الشان
بحاجتے بروند و یکے را پیشوا سازند تا از زبانِ ہمہ اینہا عرض حاجت
نماید بریں تقدیر اگر دیگراں نیز باوجود تکلم آیند داخل سوءادب ست
وموجب عدم رضائے بادشاہ۔ پس تکلم حکمی ایں جماعہ کہ بزبان پیشوا
ادامی یابد بہتر است از تکلم حقیقی ایں ھاہم چنیں است حال قرأت قوم
باوجود قرأت امام کہ داخل شغب است و از ادب مستبعد و موجب
تفرق کہ منافی اجتماع ست واکثر مسائل خلافی میان حنفی وشافعی ازیں
قبیل ست کہ ظاہر وصورت مرجح بجانبِ شافعی است و باطن وحقیقت
مؤید مذہبِ حنفی و بریں فقیر ظاہر ساختہ اند کہ در خلافیات کلامِ حق
بجانب حنفی ست۔ تکوین را از صفاتِ حقیقیہ می داند، ہر چہ بظاہر رجوع
بقدرت وارادت می نماید لیکن بدقت نظر و نور فراست معلوم می گردد کہ
تکوین صفت علیحدہ است علیٰ ھٰذَا الْقِیَاس۔

ترجمہ: مجھے ایک مدت تک اس بات کی آرزو رہی کہ کوئی
معقول وجہ ایسی نکل آئے کہ مذہب حنفی میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ
کی قرأت کی جاسکے' چونکہ نماز میں قرأت فرض ہے اور حقیقی قرأت کو
چھوڑ کر حکمی قرأت اختیار کرنا معقول نظر نہیں آتا تھا۔ نیز حدیث نبوی
علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھی آیا ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں

ہوتی۔ لیکن میں اپنے مذہب کی رعایت کے سبب بے اختیار فاتحہ نہیں پڑھا کرتا تھا۔ اور اس ترک کو ریاضت و مجاہدہ کی ایک قسم شمار کیا کرتا تھا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے رعایت مذہب کی برکت سے کہ فقہی مذہب تبدیل کرنا ایک طرح کا الحاد ہے۔ مذہب حنفی میں مقتدی کے قرأت ترک کرنیکی حقیقت کو ظاہر فرما دیا اور بصیرت کی نظر سے دیکھا تو قرأت حقیقی سے قرأت حکمی زیادہ مناسب نظر آئی۔ کیونکہ امام اور مقتدی سب مقامِ مناجات میں کھڑے ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ بیشک نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے۔ اور اس کام میں وہ امام کو اپنا پیشوا بناتے ہیں۔ پس امام جو کچھ بھی پڑھتا ہے گویا قوم کی زبان میں پڑھتا ہے۔ جیسے کوئی جماعت کسی حاجت کے تحت عظیم الشان بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو، تو وہ لوگ ایک کو اپنا پیشوا بنالیں تاکہ وہ سب کی طرف سے حاجت بیان کرے۔ پیشوا کے گفتگو کرنے کی حالت میں دوسرے لوگوں کا بولنا سوءِ ادب میں داخل ہے۔ اور بادشاہ کی ناراضگی کا باعث ہوگا۔ پس اس جماعت کا حکمی تکلم جو پیشوا کی زبان سے ہو رہا ہے۔ وہ ان کے حقیقی تکلم سے بہتر ہے اسی طرح امام کی قرأت کے ساتھ قوم کے پڑھنے کا حال ہے جو شور وشغب میں داخل، ادب سے بعید، تفرقے کا موجب اور اجتماع کے منافی ہے چنانچہ حنفی و شافعی مذاہب کے اکثر اختلافی مسائل کا یہی حال ہے کہ ان کی ظاہری صورت تو شافعی مذہب کو ترجیح دیتی ہے۔ لیکن باطنی اور حقیقی حالت حنفی مذہب کی تائید کرتی ہے۔ اور اس فقیر پر ظاہر فرمایا گیا ہے کہ علم کلام کے اختلافات میں حق حنفی مذہب کی جانب ہے، مثلاً یہ تکوین کو صفات حقیقیہ سے جانتے ہیں، جبکہ ظاہر میں یہ قدرت وارادے کی جانب رجوع کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

لیکن گہری نظر اور نور فراست سے معلوم ہوتا ہے کہ تکوین علیحدہ صفت ہے۔ دیگر مسائل کو بھی اسی پر قیاس کر لیا جائے۔

قارئین کرام پیچھے ہم پچپن (۵۵) باتیں شمار کر چکے ہیں۔ آیئے عنقریب پیش کردہ چاروں عبارتوں میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو مزید باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں انہیں بھی ہم نمبر وار اپنی فہرست میں شامل کر لیتے ہیں:

۵۶۔ اگر بفرض محال اس امت میں کوئی اور نبی مبعوث ہو سکتا تو اس کا مذہب سب فقہ حنفی کے مطابق ہوتا۔
۵۷۔ اگر شافعی مذہب کی مناسبت کمالات ولایت سے ہے تو حنفی مذہب کمالات نبوت سے مناسبت رکھتا ہے۔
۵۸۔ مزاج امام ابو حنیفہ درحقیقت پیغمبری مزاج کے بہت قریب ہے۔
۵۹۔ امام کے پیچھے مقتدیوں کا سورہ فاتحہ نہ پڑھنا ہی درست اور قرینہ ادب ہے۔
۶۰۔ ائمہ کے اختلافی مسائل میں انکی باطنی اور حقیقی صورت درحقیقت مذہب حنفی کی موید ہے
۶۱۔ عقائد کلامیہ میں بھی مذہب حنفی سب سے زیادہ حق پر ہے۔
۶۲۔ حنفی مذہب روایت اور درایت دونوں کے معیار پر پورا اترتا ہے۔
۶۳۔ نگاہ کشف میں بھی حنفی مذہب جملہ مذاہب سے کامل اور اکمل اور قرآن وسنت کی تعلیمات کا سب سے زیادہ حامل ہے۔

قارئین کرام حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں جو تصریحات فرمائیں ان ارشادات کو شمار کرتے ہوئے ہم تریسٹھ تک پہنچ گئے' جبکہ فخر دو عالم نور مجسم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی عمر بھی تریسٹھ سال ہوئی' اور محبوب پروردگار شفیع روز شمار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے یار غار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح متابعت کے باعث حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تریسٹھ سال ہی عمر پائی' لہٰذا یہ مقدس یاد تازہ رکھنے اور اس مبارک عدد کی برکت حاصل کرنیکی غرض سے ہمیں یہ گنتی اس سے آگے نہیں لے جانی چاہیے۔

اگر اس مقالے میں کوئی کام کی بات لکھ سکا ہوں تو وہ میرے ولی نعمت، مرشد برحق، مفتی اعظم دہلی حضرت شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ لطف وکرم کا کرشمہ ہے۔ قارئین کرام کو جتنی غلطیاں نظر آئیں وہ میری

نااہلی کے باعث ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقیر بندے کی اس کاوش کو میرے لیے توشۂ آخرت، کفارۂ سیأت اور ذریعۂ نجات بنائے آمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَ تُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ o وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ o

☆......☆......☆

حواشی

۱......فقیر محمد جہلمی، مولانا: حدائق الحنفیہ، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۱۷۔
۲......عزیز الرحمٰن بجنوری، مفتی: امام اعظم ابو حنیفہ، مطبوعہ لاہور، ص ۲۸، ۲۹۔
۳......شبلی نعمانی، علامہ: سیرۃ النعمان، مطبوعہ کراچی، ص ۲۵
۴......میاں جمیل احمد شرقپوری، مولانا: تذکرہ امام اعظم، مطبوعہ لاہور، ص ۱۶، ۱۷۔
۵......ابن سعد، علامہ: طبقات ابن سعد مطبوعہ مصر، جلد ششم، ص ۴
۶......جلال الدین سیوطی، خاتم الحفاظ: تبییض الصحیفہ، مترجم مطبوعہ لاہور، ص ۳۶
۷......موفق بن احمد مکی، علامہ: مناقب للموفق، جلد دوم، ص ۱۳۳
۸......احمد بن علی خطیب بغدادی، حافظ: تاریخ بغداد، جلد ۲۲، ص ۱۰۸۔
۹......احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم مکتوب ۵۵
۱۰......نور بخش توکلی، مولانا: الاقوال الصحیحہ، مطبوعہ لاہور ۱۳۴۳ھ، ص ۶
۱۱......نور بخش توکلی، مولانا: الاقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علیٰ ابی حنیفہ، مطبوعہ لاہور ۱۳۴۳ھ ص ۹
۱۲......علی ہجویری، داتا گنج بخش: کشف المحجوب، مطبوعہ لاہور، ص ۹۸
۱۳......علی ہجویری، داتا گنج بخش: کشف المحجوب، مطبوعہ لاہور، ص ۱۰۰، ۱۰۱
۱۴......ایضاً
۱۵......ایضاً

۱۶......(ا) ابن حجر مکی، محدث: الخیرات الحسان فی مناقب النعمان، ص ۱۷

(ب) موفق بن احمد مکی، علامہ: مناقب الامام الاعظم، جلد دوم، ص ۱۹۹

(ج) غلام دستگیر قصوری، مولانا: تحفہ دستگیریہ، ص ۲۰

(د) فضل احمد لدھیانوی، قاضی: انوار آفتاب صداقت، جلد دوم، ص ۱۱۴

۱۷......مکتوبات ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۵۵

۱۸......ایضاً

۱۹......ایضاً

۲۰......مبدأ و معاد، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء، ص ۵۵

۲۱......مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۵۵

۲۲......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۸۲

۲۳......مکتوبات امام ربانی۔ دفتر سوم، مکتوب ۱۷

۲۴......مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۸۲

۲۵......مبداء و معاد، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء ص ۵۳، ۵۴

☆......☆......☆
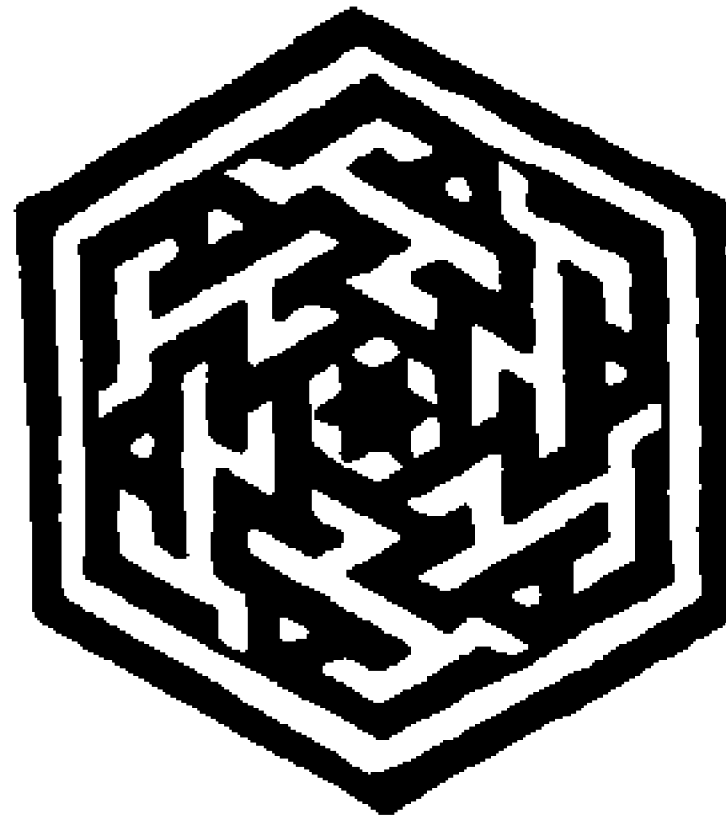
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرتِ غوث اعظم حضرتِ مجدد کی نظر میں

(مکتوب شریف امام ربانی)

☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. الحمدللہ وسلام" علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ وہ راستے جو جنابِ قدس کی طرف پہچانے والے ہیں' دو ہیں۔ ایک راستہ وہ ہے جس کا تعلق قرب نبوت علی اربابہا الصلوۃ والسلام کے ساتھ ہے اور وہ اصل الاصل تک پہنچانے والا ہے۔اس راہ کے واصلین بالاصالت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں' اوران کے صحابہ اور باقی امتوں میں سے جس کو بھی اس دولت سے نوازیں اگرچہ وہ قلیل بلکہ اقل (بہت کم) ہیں۔اوراس راہ میں توسط اور حیلولہ نہیں ہے' جو کوئی بھی ان واصلوں میں سے فیض حاصل کرتا ہے وہ بغیر کسی توسط کے اصل سے اخذ کرتا ہے اور کوئی ایک دوسرے کے لیے حائل نہیں ہے۔

اور دوسرا راستہ قربِ ولایت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے' اقطاب' اوتاد' ابدال ونجبا اور عام اولیاء اللہ سب اسی راہ سے واصل ہوے ہیں' اور راہِ سلوک سے مراد یہی راہ ہے بلکہ جذبہ' متعارفہ بھی اسی میں داخل ہے اور توسط اور حیلولہ بھی اسی راہ میں ثابت ہے۔اوراس راہ کے واصلین کے پیشوا اور اس کے سرگروہ اور ان بزرگوں کے فیض کا منبع حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان منصب آپ سے تعلق رکھتا ہے۔اس مقام میں گویا آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے دونوں مبارک قدم آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے سرِ مبارک پر ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اس مقام میں ان کے شریک ہیں۔میں سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر نشاءِ عنصری سے پیشتر بھی اس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے جیسا کہ آپ نشاءِ عنصری کے بعد ہیں۔اور جس کسی کو بھی اس راہ سے فیض وہدایت پہنچتی ہے وہ آپ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے توسط سے پہنچتی ہے کیونکہ آپ اس راہ کے نقطہ منتہیٰ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز آپ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور جب حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور ختم ہو گیا تو یہ منصب عظیم القدر حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بالترتیب سپرد اور مسلّم ہوا' اور ان کے بعد وہی منصب ائمہ اثنا عشر میں سے ہر ایک کو علی الترتیب اور تفصیل وار قرار پایا' اور ان بزرگوں کے زمانے میں اور اسی طرح ان کے انتقال کے بعد بھی جس کسی کو فیض اور ہدایت پہنچتی رہی وہ ان ہی بزرگوں کے توسط سے اور ان ہی کے حیلولہ سے پہنچتی رہی خواہ وہ اقطاب و نجباءِ وقت ہی کیوں نہ ہوں سب کے ملجاو ماویٰ یہی بزرگوار ہیں کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ لاحق ہونے کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تک یہ نوبت پہنچ گئی اور جب یہ نوبت ان بزرگوار کے پاس آئی تو منصب مذکور آپ قدس سرہ کے سپرد ہو گیا۔ ائمہ مذکورین اور حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کے درمیان اس مرکز پر کوئی اور مشہود نہیں ہوتا۔ اور اس راہ میں فیض و برکات کا وصول جس کو بھی ہوا خواہ وہ اقطاب و نجباء ہوں آپ ہی کے توسطِ شریف سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز ان کے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں ہوا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا ہے۔

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبْ'

سورج تمام اگلوں کے جب ہو گئے غروب
سورج ہمارا روشنی دے گا اَبد تلک

شمس سے مراد فیضانِ ہدایت وارشاد کا آفتاب ہے اور اُفول سے مراد فیضانِ مذکور کا نہ ہونا ہے اور چونکہ وہ معاملہ جو پہلے حضرات سے متعلق تھا اب حضرت شیخ کے سپرد ہوا اور آپ رُشد و ہدایت کے وصول کا واسطہ بن گئے جیسا کہ آپ سے پیشتر پہلے حضرات تھے' اور پھر یہ بھی ہے کہ جب تک فیض کے توسط کا معاملہ قائم ہے آپ ہی کے توسل سے ہے لہٰذا لازمی طور پر یہ درست ہوا کہ اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا۔

سوال: یہ حکم مجدد الف ثانی کے ساتھ منتقض (ٹوٹ جانے والا ہے) کیونکہ مکتوبات کے دفتر دوم کے مکتوب نمبر ۴ میں مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے معنی کے بیان میں اندراج ہے کہ ''جو کچھ بھی فیض کی قسم سے اس مدت میں امتیوں کو پہنچتا ہے وہ اسی کے توسط سے پہنچتا ہے' اگر چہ وہ اقطاب و اوتاد ہوں یا ابدال و نجباءِ وقت ہوں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے نائب مناب ہیں اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی نیابت ہی سے یہ معاملہ ان کے ساتھ وابستہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے نُورُ الْقَمَرِ مُسْتَفَاد'' مِنْ نُوْرِ الشَّمْسِ (چاند کا نور سورج کے نور سے فیضیاب ہے) اس میں کیا قباحت ہے۔

سوال: مجدد الف کے معنی جواو پر مذکور ہوئے مشکل ہیں کیونکہ اس مدتِ مذکورہ میں حضرتِ عیسٰی علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نزول فرمائیں گے اور حضرت مہدی علیہ الرضوان بھی ظہور فرمائیں گے اور ان بزرگوں کا معاملہ اس سے بالاتر ہے کہ وہ کسی کے توسط سے اخذِ فیوض کریں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ توسط کا معاملہ مذکورہ بالا راستوں سے دوسری راہ کے ساتھ وابستہ ہے جو کہ قربِ ولایت سے مراد ہے اور راہِ اول سے جو کہ قرب نبوت سے مراد ہے۔ جس میں توسط کا معاملہ مفقود ہے جو کوئی بھی اس راہ سے واصل ہوا ہے وہ کوئی حائل اور توسط درمیان میں نہیں رکھتا اور بغیر کسی توسط کے فیوض و برکات اخذ کرتا ہے' توسط اور حیلولت دوسرے راستے میں ہیں۔ ان کا معاملہ علیحدہ مقام سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ بیان کیا گیا۔ اور حضرت عیسٰی علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان راہِ اول سے واصل ہیں جیسا کہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما راہِ اول سے اور آں سرور علیہ وعلٰی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ضمن میں واصل ہوئے ہیں اور وہ وہاں اپنے اپنے درجات کے مطابق ایک خاص شان رکھتے ہیں......

تنبیہ: جاننا چاہیے کہ ممکن ہے کہ کوئی شخص قربِ ولایت کی راہ سے قربِ نبوت تک پہنچ جائے اور دونوں معاملات میں شریک ہو' اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل اس کو وہاں بھی جگہ دیدی جائے اور کارخانہ کو اس سے وابستہ کردیں اور اس جگہ کا معاملہ بھی اس سے متعلق کردیا جائے۔ ع

خاص کند بندہ مصلحت عام را

خاص کرتا ہے کسی کو تا کہ سب ہوں مستفید۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ط

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَام''

عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔
یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے۔
پاک ہے تمہارا رب عزت والا ان صفات سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو مرسلین پر اور تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے)۔(صٰفٰت، آیت ۱۸۰ تا ۱۸۲)

(ماخوذ از مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۲۳ بنام نور محمد بہاری ترجمہ اردو مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء، ص۔ ۳۹۹۔ ۴۰۲)۔

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

حضرت غوث اعظم اور حضرت مجدد الف ثانی

(مکاتیب حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کی روشنی میں)

(خودنوشت حالات حضرت مظہر)

☆

مکتوب نمبر ۱/۱:

برخوردارتم نے مکرر التماس کیا ہے کہ میں اپنا حسب ونسب لکھوں' چوں کہ اس میں زیادہ فائدہ نہیں تھا اس لیے غفلت برتی گئی۔لیکن چوں کہ اس وقت تمہاری سماجت حد سے گزر گئی ہے' اس لیے مختصر طور پر تحریر کیا جاتا ہے:

حقیقت یہ ہے کہ اس فقیر کے سرمایۂ کا آغاز ایک قطرۂ آب اور انجام ایک مشت خاک ہے۔اس عالم امتحان میں اس خاکسار کا نسب اٹھائیس واسطوں سے بتوسط (حضرت) محمد بن حنفیہ' شیر بیشۂ کبریا علی مرتضٰی علیہ التحیۃ والثنا تک پہنچتا ہے۔

میرے اجداد میں سے امیر کمال الدین طائف سے آٹھویں صدی ہجری میں کسی تقریب سے ترکستان گئے تھے۔انہوں نے وہاں کے ایک حاکم کی بیٹی سے جوالوس قاقشالان کا سردار تھا' شادی کرلی' اور تقرب حاصل ہوگیا۔ چوں کہ اس کی نرینہ اولاد نہیں تھی اس لیے اس علاقے کی حکومت ان (امیر کمال الدین) کی اولاد سے متعلق ہوگئی۔

ہمایوں بادشاہ نے جب ہندوستان کی مملکت سوری افغانوں سے واپس لی تو وہ اس خاندان کے دو بھائیوں' محبوب خان اور بابا خان کو جو تین واسطوں سے امیر کمال الدین کی اولاد سے تھے' ہمراہ لایا۔ان

دونوں کے حالات عہدِ اکبری کی تواریخ میں ملتے ہیں۔ اور ان بزرگوں کا مادری نسب امیر صاحبقران (تیمور) تک پہنچتا ہے۔ میرا نسب صرف چار واسطوں سے بابا خان پر منتہی ہوتا ہے۔ خان مذکور (بابا خان) نے عہدِ اکبری میں بغاوت کی تھی' جس کے جرم کی سزا میں میرے والد (مرزا جان) کم منصبی کا شکار رہے۔ انہوں نے عمر کا بڑا حصہ اورنگ زیب بادشاہ کی خدمت میں گزارا۔ آخر ترکِ دنیا کی دولت کا اعزاز وافتخار حاصل ہوا۔ اور انہوں نے طریقہ قادریہ کے ایک خلیفہ (شاہ عبدالرحمٰن دہلوی) سے استفادہ کیا اور انہوں نے ۱۱۳۰ھ ہجری میں وصال فرمایا۔

میری ولادت ۱۱۱۳ھ کو ہوئی' سولہ سال کی عمر میں یتیم ہوگیا۔ بیس سال کی عمر میں کمر ہمت باندھ کر دنیا سے کنارہ کش ہوا اور راہِ فقر میں سعی شروع کردی۔

(اُس وقت کے) مروجہ علوم میں نے والد کی زندگی میں ہی پڑھ لیے تھے۔ حاجی محمد افضل سیالکوٹی شاگرد شیخ المحدثین شیخ عبداللہ بن سالم مکی کی خدمت میں کتب حدیث پڑھیں اور حافظ عبدالرسول دہلوی تلمیذ شیخ القرآء شیخ عبدالخالق شوقی سے قرآن مجید سند کیا۔

طریقہ نقشبندیہ کا ذکر' خرقہ اور اجازت مطلقہ جناب سید السادات سید نور محمد بدایونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو دو واسطوں سے حضرت قیوم ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسلک تھے' حاصل کی۔ اور عمر کا ایک حصہ ان کی خدمت میں گزارا۔ ان کی وفات کے بعد اس طریقہ نقشبندیہ کے متعدد مشائخ سے استفادہ کیا۔ آخر حضرت شیخ الشیوخ شیخ محمد عابد سنامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن کا سلسلہ طریقت بھی دو واسطوں سے حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے) کے آستانہ فیض آشیانہ پر جبیہ سائی کی۔ اور کافی مدت تک ان کی خدمت کر کے طریقہ قادریہ' سہروردیہ اور چشتیہ کا خرقہ اور اجازت حاصل کی۔

اور آج تک جب کہ ۱۱۸۵ھ ہجری ہے' ان حضرات کے حکم سے طالبان کی تربیت میں مشغول ہوں۔ خدا اپنے حبیب ﷺ کی برکت سے خاتمہ بالخیر کرے۔

مکتوب نمبر ۲/۵:

برخوردار: ان شبہات کے متعلق جو بے وقوفوں کے نزدیک حضرت مجدد الف ثانی قیوم ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقامات کرامت آیات پر کیے جاتے ہیں' تمہارے سوالات نظر سے گزرے۔ معلوم

ہونا چاہیے کہ ان اعتراضات کی بنیاد جہالت ہے یا حسد پر۔ انکار کرنے کی رسم بہت پرانی ہے۔ اہل تعصب نے شیخ اکبر رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے اکابر کی تکفیر میں بہت سے رسالے لکھے ہیں اور حضرت مجدد نے دفع دخل کے طور پر اپنے مکاتیب میں ان تمام شبہات کے جوابات دیے ہیں۔ آپ کی اولاد امجاد میں سے حضرت شاہ یحیٰی رحمتہ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک مفصل رسالہ لکھا ہے اور حضرت مولوی فرخ شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ''کشف الغطاء عن وجہ الخطاء'' کے نام سے ایک مختصر رسالہ تالیف کیا ہے۔ آں جناب کے مخلص مولانا محمد بیگ ترکی ثم المکی نے بھی ایک رسالہ ''عطیۃ الوہاب الفاصلہ بین الخطا والصواب'' کے نام سے لکھا ہے۔ جو بطور سوال و جواب ہے اور محمد برزنجی شاگرد شیخ (ابراہیم) کردی ثم المدنی کے رسالے کے رد میں مرتب کیا ہے اور عرب کے چاروں مذاہب کے علماء کی مہریں اس پر ثبت کروائی ہیں۔

غیر معروف معارف جب ظاہر ہوتے ہیں تو حسد کا سبب بنتے ہیں اور مادۂ حسد ان معارفِ غیر متعارفہ کی بنا پر ہے جو آنجناب (حضرت مجدد) سے قرونِ اولیٰ میں شیوع پذیر ہوئے۔ مشہود بالخیر قرونِ ثلثہ کے بعد پردۂ کموں میں چلا گیا تھا۔ اور آپ (حضرت مجدد) کی طینت مطہرہ کی خصوصیت سے ظاہر ہوا۔ کیوں کہ یہ آنحضرت رسولِ خدا ﷺ کی طینت مقدسہ کا بقیہ تھا۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ پہلے ان مقامات کے قائل (فاعل) کی طرف نظر کی جائے' اگر وہ کتاب وسنت کا تابع ہے اور اس کے اکثر اعمال واقوال میزانِ شریعت پر موزوں ہیں تو اس کے کلام کے متشابہات کی تاویل اس کے کلام کے محکمات کے موافق کی جائے یا اسے ڈھکی چھپی باتوں کے جاننے والے یعنی خدا پر چھوڑ دیا جائے۔ اور اُسے معذور سمجھا جائے۔ کیوں کہ اس قوم (صوفیہ) کو بہت سے عذر ہوتے ہیں۔ کبھی ان کی عبادات حال کے غلبہ میں ان کی مرادات کی مساعدت نہیں کرتیں اور کبھی معلومات کشفی میں وہم اور خیال کے مخلوط ہو جانے سے غلطی ہو جاتی ہے اور اس خطا میں وہ ''اجتہادی خطا'' کی طرح معذور ہیں اور کبھی ان کی اصطلاح کی اطلاع بہتر نہیں ہوتی پس ان امور کے پیشِ نظر اعتراض ترک کرنا لازم ہے۔ خاص طور پر حضرت مجدد کے کلام کرامت انتظام پر اعتراض کرنا بالکل فضول ہے۔ کیوں کہ ان کے طریقے کی بنیاد اتباع سنت پر ہے' اور ان کی تصانیف بھی ایسی ہی نصیحتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اس فتنہ کے ہیجان کا بڑا سبب توحیدِ وجودی سے انکار اور توحید شہودی کا ماننا ہے کیوں کہ حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے سے لے کر آپ کے دور مبارک

تک لوگوں کے ذہنوں پر وحدت الوجود کا مسئلہ چھایا ہوا ہے۔ حضرت مجدد کا توحیدِ وجودی سے انکار کرنا علمائے ظاہر کے انکار کی طرح نہیں ہے بلکہ جس مقام سے وحدت الوجود کے ماننے والے بات کرتے ہیں ۔آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اُسے تسلیم کرتے ہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ وہ اصلی مقام کو اس سے زیادہ بلند بتاتے ہیں اور غیریت کو جو خدا اور مخلوق کے درمیان ہے اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ وہ وجودِ حقیقی (جو خارج حقیقی میں محقق ہے) کی وحدت میں مخل نہ ہو، وحدت الوجود کے ماننے والوں کے خلاف جو خلق اور خالق کے درمیان عینیت ثابت کرتے ہیں۔ وحدت وجود اور شہود کا مسئلہ دیگر خطوط میں علیحدہ لکھا گیا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۶/۳ (بنام قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ)

حمد وصلوٰۃ کے بعد فقیر جان جاناں کی طرف سے مولوی صاحب مہربان سلمہ الرحمٰن مطالعہ فرمائیں آپ کا ایک طویل التفات نامہ ملا۔ جس میں حضرت قیوم ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ''مقالاتِ کرامت سمات'' پر شبہات کیے گئے ہیں۔

مخدوما! یہ شبہات صرف اس لیے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی کی اصطلاحات کو اچھی طرح سمجھا نہیں گیا۔ اگر حضرت کے مکتوبات کی تین جلدیں میسر ہوں تو ان کا مطالعہ کریں' اطمینان ہو جائے گا۔ (خاطر جمع ہو جائے گی)۔ تعمیلِ ارشاد کے طور پر میں چند باتیں لکھتا ہوں۔

جاننا چاہیے کہ حضرات صوفیہ لفظ وجود کے معنٰی تین طرح سے کرتے ہیں۔ ایک وجود بمعنی کون (ہونا) اور حصول یعنی حاصل ہونا جو کہ امر انتزاعی اور معقول ثانوی ہے' دوسرے منبسط جو پہلے معنی کے انتزاع کو متغیر کرنے والا اور صادر اول ہے' یہ جو انتزاع معنی اول کے منشا اور ظاہر وجود کا' دونوں وجود ذات باری سے متاخر ہیں اور ذات ان دونوں سے مصدر آثار نہیں ہوسکتی۔ تیسرا وجود وہ ہے جو اول الاوائل اور مبداء المبادی ہے' اور اس قوم (صوفیہ) کے خیال میں عین ذات ہے' اور ذات اس وجود سے مصدر آثار ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ' فرماتے ہیں کہ ذات تعالیٰ خود اپنے آثار کا مصدر ہے۔ جب وجود اور ذات حقیقت میں ایک ہوں تو آثار کے صادر ہونے کو چاہے وجود سے منسوب کرو چاہے ذات سے مطلب ایک ہی ہے۔ پس یہ اختلاف لفظی ہے۔ تسلسل کو یہاں کیا دخل ہے' تسلسل تو اس وقت لازم آتا

ہے جب حق تعالیٰ کسی دوسرے موجود سے مستفاد ہوتا اور اس سے مصدر آثار ہوتا اس موجود کا بھی ایسا ہی حال ہوتا' آپ (حضرت مجدد) کا لفظ وجود کائنات خداوندی پر اطلاق کرنا اور حمل المواطات سے ایک دوسرے سے بچنا احتیاط کی وجہ سے ہے' کیوں کہ شرع میں یہ اطلاق کہیں وارد نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے نام اور صفات توفیقی ہیں۔

تمہارے دو شبہے جو حقیقت محمدی ﷺ اور حقیقت محمدی پر حقیقتِ کعبہ کی فضیلت کے بارے میں ہیں وہ مکتوبات کی تیسری جلد سے رفع ہو جائیں گے۔ ان شبہات کا جواب تو بہت طویل ہوگا۔ جو کچھ آپ نے حضرت غوث الثقلین (شیخ عبدالقادر جیلانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول:

قد مى هذه علىٰ رقبة كل ولى الله (میرا پاؤں تمام اولیاء کی گردن پر ہے)

کے بارے میں لکھا ہے اگر معاصرین سے مخصوص کریں تو آں جناب پر کیا نقصان عائد ہوتا ہے اور ادب کی وجہ سے متقدمین کو مستثنیٰ کرنا لازم ہے۔ کیوں کہ ان میں کچھ حضرت غوث الثقلین کے مشائخ اور اجداد ہیں۔ اس حدیث کے مطابق:

لا یدری اوله خیر ام آخره (امت کے بارے میں از خود یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ (دین پھیلانے میں) اس کا اول بہتر ہے یا آخر)

متاخرین مستثنیٰ ہو جاتے ہیں کیوں کہ تقدیم اور تاخیر نسبی امر ہے۔ اور وہ ہر متاخر کا ایک متاخر ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا متاخران سے افضل ہو۔ (کمالات نبوت کے علاوہ دیگر کمالات قطعی طور پر ختم نہیں ہوئے)۔ آپ کے التفات نامہ کے مطابق میں حق اور باطل میں فرق کرنے میں مامور تھا اور:

المامور معذور اللهم ارنا الحق حقا وارنا الباطل باطلا
(جو کسی کام پر مامور ہو معذور ہوتا ہے' اے خدا تو سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کر دکھا) والسلام۔

مکتوب نمبر ۷/۴:

حمد و صلوٰۃ کے بعد فقیر جان جاناں کی طرف سے مطالعہ فرمائیں۔ آپ کا التفات نامہ ملا' جس میں آپ

نے دریافت کیا تھا کہ جناب قیوم ربانی مجدد الف ثانی اور محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے کس کو افضلیت حاصل ہے؟

مخدوما! فضیلت کی دو قسمیں ہیں، جزوی اور کلی۔ ظاہر ہے کہ آپ کا سوال جزوی فضیلت کے بارے میں نہیں ہے، اور فضلِ کلی قربِ الٰہی کے زیادہ ہونے پر منحصر ہے۔ اس کا تعلق باطن سے ہے، اور عقل کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ مگر مناقب کی کثرت یا قلت سے مطلب کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن افادہ کو نظر انداز نہیں کرسکتے اور نقل عبارت ہے کتاب وسنت اور قرن اول کے اجماع سے، یہ بھی ظاہر ہے کہ دونوں بزرگوں کے وجود مبارک کتاب وسنت اور اجماع کے ورود سے متاخر ہیں اور شرع کے یہ تینوں اصول اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ کشف میں غلطی کا احتمال ہے۔ اور مخالف پر حجت نہیں، اور مریدوں کے اقوال قابل اعتبار نہیں کیوں کہ مریدوں کو اپنے پیروں سے غلو کی حد تک محبت ہوتی ہے، اور ایسا صاحبِ کشف بھی نظر نہیں آتا، جو ان دونوں حضرات کے کمالات کا احاطہ کرسکے اور ان میں سے کسی ایک کی فضیلت کلی کا قطعی فیصلہ کرے، اس لیے سلامتی کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اس کو علم الٰہی کے سپرد کر دیا جائے اور ایسی فضول باتوں سے اجتناب کیا جائے، اور ان دونوں بزرگوں کے فضائل کا قائل ہونا چاہیے۔ اس باب میں لب کشائی بے ادبی ہے کیوں کہ یہ مسئلہ دینی ضروریات میں سے نہیں ہے کہ اس پر بات کرنا لازم ہو، وہ انتہائی محبت جو ہمیں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے ہے، کے سامنے دم مارنا مناسب نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ بات عقل کی حدوں سے گزر گئی ہے:

ہر گز در بیش و کم نمی باید زد
از حد بروں قدم نمی باید زد
عالم ہمہ مراتِ جمالِ ازلی است
می باید دید و دم نمی باید زد

(ماخوذ از مقامات مظہری مؤلفہ شاہ غلام علی دہلوی مرتبہ پروفیسر محمد اقبال مجددی، لاہور ۱۹۸۳ء ص ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷)۔

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت غوثِ اعظم، شاہِ نقشبند اور شیخ مجدد
(حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی نظر میں)

صوفی صدیق ضیاء
(انجینئر تربیلا ڈیم' پاکستان)

☆

حضرت غوثِ اعظم جیلانی رضی اللہ عنہ کا فیض:

اس زمانے میں کوئی شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت پیرانِ پیر سے خوارق (کرامات) میں زیادہ مشہور نہیں۔ اگر آج کسی شخص کو کسی خاص روح کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جائے اور وہاں سے فیض حاصل کرے تو اکثر یہ فیض اس سے خالی نہیں کہ یا تو خود حضرت سرور عالم ﷺ سے ہوا یا حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ سے یا حضرت غوث جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ [1]

غوث الثقلین اور غوث اعظم کہنا جائز:

حضرت غوث الثقلین قدس سرہ اور سب مشائخ سلسلہ پہلے پچھلے سب کی فاتحہ دے جیسے کہ اسے شرط کیا ہے مشائخ نے۔ [2]

اور حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ کی اصل نسبت اویسیہ ہے' یہی وجہ ہے کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے فخر اور بڑائی کے کلمے ارشاد فرمائے ہیں اور آپ سے تسخیر عالم ظہور میں

آتی تھی۔ [۳]

ائمہ اہل بیتِ اور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی نسبتوں میں مناسبت:

جب حضرات ائمہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی ارواح طیبہ میں گہری نظر ڈالی گئی تو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی مبارک روح میں ایک خاص قسم کا امتیاز، تمکنت اور عظمت نظر آئی جو اوروں میں نہ دیکھی گئی۔ اور کھلے طور پر یہ بات سمجھ میں آئی کہ جو مخصوص نسبت اہلِ بیت رضی اللہ عنہم میں ہے وہ افکار کے مل جانے کی وجہ سے اتمام اور کمال کی شکل اختیار کر گئی ہے اور آپ کے بعد یہ مبارک نسبت اسی کیفیت پر رہی اور پھر اس نسبت مبارکہ کی جو شوکت و عظمت حضرت غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ میں نظر آتی ہے، وہ کسی دوسرے میں نہیں۔ [۴]

آپ کی مجلس میں انبیاء علیہم السلام و اولیاء علیہم الرحمۃ کا ہجوم ہوتا:

کان الشیخ عبدالقادر یحضر مجلسه الانبیاء والاولیاء کی تشریح میں حضرت شیخ ابو رضا علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ حقیقتِ روح جو کہ تمام کائنات میں جاری و ساری ہے، سے واصل تھے۔ پس آپ اسی مرکزِ ہدایت سے گفتگو کرتے تھے جہاں سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء علیہم الرحمۃ گفتگو کرتے تھے...... چونکہ آنجناب (شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ) کو عالم ارواح میں مکمل تمکین حاصل تھا اس لئے تجلیات ارواح انبیاء و اولیاء (علیہم السلام و علیہم الرحمۃ) اپنے وجودِ مثالی سے آپ پر نزول کرتی تھیں۔ [۵]

خواب میں غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو مسرور دیکھنے کا بیان:

حضرت والد صاحب فرماتے تھے خواب میں مجھے سلاسل اولیاء دکھائے گئے گویا کہ ایک وسیع بازار ہے جس میں مخصوص دکانیں ہیں، ہر دکان میں صاحب طریقہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہے۔ میں ان کے پاس سے گزرتا ہوا حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی دکان پر پہنچا۔ میں اس جماعت میں جا کر بیٹھ گیا، وہاں فصوص کی عبارت ''الاعیان ماشمت رائحة ال '' پر بحث ہو رہی تھی۔ ہر شخص دوسرے سے الگ مفہوم بیان کرتا۔ میری باری آئی تو میں نے بھی معنی بیان کیے، حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ یہ مفہوم سن کر

بہت خوش ہوئے۔ [۶]

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بیداری میں زیارت:

''شیخ ابورضا'' فرماتے تھے ایک مرتبہ میں نے بیداری میں حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا اس جگہ بڑے بڑے اسرار مجھے تعلیم فرمائے تھے۔ [۷]

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا تصرف:

مشائخ نے کہا ہے کہ آپ اپنی قبروں میں زندوں کی مثل تصرف کرتے ہیں [۸]۔ آپ سے تسخیر عالم ظہور میں آتی تھی۔ [۹]

قضائے مبرم اور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ:

کبھی عارف پر یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ قضاء فلاں واقعہ کو اس طرح ایجاد کرنے میں ضرور متعلق ہے اور اس میں تقدیر مبرم ہے۔ چنانچہ وہ عارف اپنی کوشش و ہمت سے دعا کرتا ہے اور دعا میں خوب اصرار اور الحاح کرتا ہے حتی کہ وہ قضا دوسرے طریقے پر ایجاد کرنے میں منقلب ہو جاتی ہے' تو یہ (عارف) پھر اس چیز کو حسب ارادہ پاتا ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے ایک تاجر کے بارے میں منقول ہے جو کہ حماد رباس کے اصحاب میں سے تھا۔ [۱۰]

غلام محی الدین نام درست اور آپ سے غلامی کی نسبت جائز:

حضرت والد ماجد نے فرمایا۔ سید غلام محی الدین اور اس کا والد بیجاپور کی مہم میں بیمار ہو گئے ان کی بیماری لمبی اور سخت ہوگئی۔ ایک روز حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو انہوں نے خواب میں دیکھا۔ فرمایا تم اپنے شیخ کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے (انہوں نے اپنے شیخ کی طرف رجوع کیا اور صحت یاب ہوئے)۔ [۱۱]

آپ کے تبرکات:

شاہ عبدالرحیم کا جبہ ملا...... انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھے اجمالاً بتایا گیا کہ آج تمہیں ایک نعمت ملے گی۔ میں

سیر کیلیے نکلا۔ شہر کے ایک حصے میں میرے دل نے گواہی دی کہ تیرا مطلوب اس جگہ ہے' میں نے پوچھا یہاں کوئی درویش یا فاضل شخص ہے' لوگوں نے کہا ہاں فلاں درویش اس جگہ رہتا ہے۔ میں اس کی ملاقات کیلیے گیا۔

اس نے کہا حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا جبہ مجھے تبرک میں ملا ہے اور آج رات مجھے حکم ہوا ہے کہ آج جو شخص تمہارے پاس آئے یہ تبرک اس کو دے دو۔ میں نے وہ جبہ لے کر خدا کا شکر ادا کیا۔ ۱۲

آپ سے منسوب ٹوپی خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادی کو ملی:

حضرت والد فرماتے تھے حرم شریف میں ایک شخص کو حضرت غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی طرف منسوب ٹوپی اپنے آباؤ اجداد سے ملی تھی اور وہاں اس کی وجہ سے بہت محترم اور مکرم تھا اور ایک رات خواب میں اس نے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھا' انہوں نے فرمایا یہ ٹوپی ابوالقاسم اکبر آبادی کو دے دو۔

اس شخص کے دل میں خیال گزرا کہ اس شخص کی تخصیص میں کوئی حکمت ہے۔ امتحان کے طور پر ایک قیمتی جبہ اس کے ساتھ ملا دیا اور پوچھتے پچھاتے آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی یہ دونوں تبرک حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ انہوں نے مجھے خواب میں فرمایا کہ ابوالقاسم اکبر آبادی کو دے دو' اور انہیں آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے قبول فرمالیا اور بہت خوش ہوے۔

اس شخص نے کہا یہ بہت بڑی نعمت ہے اس کے شکرانے میں کافی طعام تیار کیجیے اور رؤساء شہر کی دعوت کیجیے (حضرت ابوالقاسم نے) فرمایا' کل آپ تشریف لائیں اور جس شخص کو چاہیں مدعو کریں، میں کافی کھانا تیار کروں گا۔ علی الصبح وہ شخص تمام رؤساء شہر کے ساتھ آیا اور کافی طعام تناول کیا اور فاتحہ پڑھی۔ دعوت سے فراغت کے بعد انہوں نے (روسائے شہر نے) پوچھا۔ آپ متوکل آدمی ہیں اور ظاہر اسباب نہیں ہیں ،اس قدر طعام کیسے تیار ہو گیا۔ فرمایا ہم نے جبہ فروخت کر دیا اور ضروریات خرید لیں۔

وہ شخص چلایا کہ میں نے اس فقیر کو اہل سمجھا تھا، یہ تو فریبی نکلا۔ اس نے تو ان تبرکات کی قدر نہیں پہچانی۔ آپ نے فرمایا شور مت کرو۔ جو تبرک تھا (یعنی ٹوپی) اسے میں نے محفوظ کر لیا اور جو چیز تبرک نہیں تھی (یعنی جبہ) بلکہ امتحان تھی اسے فروخت کر دیا اور اس سے ضیافت اور شکرانہ کا سامان خرید لیا ہے۔ اب وہ آگاہ ہوا تو تمام اہل مجلس سے حقیقت حال بیان کر دی اور تمام نے کہا الحمد للہ تبرک اس کے حقدار کو پہنچ گیا۔ ۱۳

سیدنا غوث اعظم اور خواجہ نقشبند علیہما الرضوان کے مقامات کا دل افروز تذکرہ:

راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کی نسبت کو لطیفہء سر میں زیادہ وسعت حاصل ہے اسی وجہ سے استغراق غالب آیا۔ حضرت غوث اعظم علیہ الرحمۃ کی نسبت لطیفہء روح میں زیادہ ہے۔ صوفیہ کی روحانی تربیت اسی سے ہے۔ اور قدیم صوفیائے کرام کی نسبت لطیفہ نفس میں زیادہ ہے' اسی وجہ سے وہ سخت مشکل ریاضتیں کرتے تھے۔ ١٤

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے طریقے کی اصل نسبت اویسیہ ہے۔ جس میں کسی قدر برکات سکینہ ملے ہوئے ہیں۔...... حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ کی اصل نسبت یادداشت ہے اور بسا اوقات یہ پہنچادیتی ہے نسبت احسان تک۔ ١٥

حضرت والد ماجد کی زبان مبارک سے بارہا خلوت میں سنا گیا کہ آپ فرماتے تھے جو نسبت ہم نے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے حاصل کی ہے وہ زیادہ صاف اور زیادہ باریک ہے۔ اور وہ نسبت جو خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ سے حاصل کی ہے وہ زیادہ غالب اور موثر ہے۔ جمعیت اور قبول عام کے زیادہ نزدیک ہے۔ اور وہ نسبت جو خواجہ معین الدین رضی اللہ عنہ سے حاصل کی ہے وہ عشق کے زیادہ نزدیک ہے' اور تاثیر اسماء اور صفائی خاطر کے زیادہ قریب ہے۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کو ان کے الفاظ گو یاد نہیں لیکن مطلب یہی تھا' واللہ علم۔ ١٦

طریقہ نقشبند یہ بمنزلہ ایسی ندی کے ہے کہ ہمیشہ ظاہر زمین پر رواں ہے اور اس طریقہ کا متوسل عالم ناسوت میں اسم قوی اور مقتدر کا مظہر ہے اور طریقہ نقشبند یہ مشابہ اس کے ہے کہ کسی نقاش نے ایک دیوار پر عمدہ نقش کشیدہ کیے۔ ١٧

حضرت والد فرماتے تھے' ایک بار میں نے حضرت خاتم المرسلین ﷺ کو خواب میں دیکھا گویا کہ یاقوت سرخ کی مسجد ہے جو آئینہ کی مانند شفاف ہے وہاں سید الرسل ﷺ مراقبہ کی صورت بیٹھے ہوئے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیائے کاملین بھی آپ کے گرداگرد مراقبہ کی ہیئت میں صف باندھے ہوئے ہیں۔ جب میں اس پردۂ یاقوتی کے پاس جو مسجد کے دروازہ پر لٹکا ہوا تھا پہنچا تھا تو حضرت غوث الاعظم اور خواجہ نقشبند قدس اللہ اسرار ہما اٹھ کر میرے پاس آئے اور میرے متعلق مناظرہ کرنے لگے۔

حضرت غوث الاعظم علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ اس شخص کے آباء واجداد میرے خلفا کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں میں اس سے زیادہ قریب ہوں۔ حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمتہ نے فرمایا یہ شخص میرے خلفا سے تربیت یافتہ ہے میں اس سے زیادہ قریب ہوں یعنی خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمتہ کے خلیفہ شیخ رفیع الدین علیہ الرحمتہ سے روحانی تربیت حاصل کی ہے۔ یہ مناظرہ طویل ہوگیا مجھے خوف پیدا ہوا کہ یہ صحبت ختم ہوجائے گی اور اس فیض سے محروم رہوں گا۔

آخرکار حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا، اسقدر مناظرہ کیوں کرتے ہو جبکہ ہمارے اور تمہارے طریق میں چنداں فرق نہیں ہے۔ خواجہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اگر فرق نہیں ہے تو میں اس امر کے درپے کیوں نہ ہوں۔ حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ اسے اندر لے جائیں لیکن دراصل وہ مجھ سے ہے اور میں اسے اپنی نسبت سے بہرہ ور کروں گا اور یہ تمام مناظرہ ایسے حسن ادب کے ساتھ ہوا کہ اس سے بہتر ممکن نہیں۔ چنانچہ خواجہ نقشبند نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس مسجد میں داخل کیا اور سید الانبیا ﷺ کے مقابل صف میں قدرے آگے بٹھایا اور خود میرے ساتھ برابر میں بیٹھ گئے۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اس صورت میں سوائے اس کے کوئی مقصد نہیں کہ جب آنحضرت ﷺ مراقبہ سے سر اٹھائیں تو سب سے پہلے مجھ پر نظر مبارک پڑے اور جب کوئی پوچھے تجھے کون لایا ہے تو کہیں میں اسے لایا ہوں۔ خواجہ نقشبند علیہ الرحمتہ نے اس خیال سے واقف ہوکر فرمایا یہی سبب ہے۔ آنحضرت ﷺ نے سر اٹھایا اور بہت سے اعزازات سے نوازا اور راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کا گمان ہے کہ اس واقعہ کا اختتام یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ والد ماجد کو خلوت میں لے گئے اور نفی و اثبات کی عجیب انداز سے تلقین فرمائی۔ واللہ علم۔ ۱۸

خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ کا تخت اور فرشتے خادم:

حضرت شاہ عبدالرحیم علیہ الرحمتہ فرماتے تھے' میں خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے مزار کی زیارت کیلیے گیا۔ اس خیال سے کہ مجھے اپنی گنہگار آنکھوں اور آلودہ جسم کو اس پاک جگہ میں نہیں لے جانا چاہیے' ان کے مزار کے قریب چبوترے پر کھڑا ہوگیا، اس جگہ ان کی روح ظاہر ہوئی اور فرمایا آگے آؤ۔ میں دو تین قدم آگے چلا گیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ چار فرشتوں نے ان کی قبر کے نزدیک ایک تخت اتارا ہے۔ معلوم ہوا اس تخت پر خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ تھے۔ دونوں بزرگوں نے آپس میں راز و نیاز کی باتیں کیں جو سنائی

نہیں دیتی تھیں پھر تخت فرشتے اٹھا کر لے گئے۔ [19]

خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ نے مزار مبارک سے شیخ کی طرف راہنمائی فرمائی:

ترکستان کا ایک تاشقلہ بیک نامی مرد تھا جس نے اس راہ (طریقت) کا ذوق پیدا کیا تھا' بخارا میں آیا اور خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ کے مزار پر اس انتظار میں بیٹھا کہ اسے کسی ولی اللہ کی اطلاع ملے۔

آخر کار خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ نے خواب میں اسے فرمایا کہ تیرا پیر ہندوستان میں دہلی شہر کے اندر ہے اور حضرت والد محترم کی شکل اسے دکھائی۔ اس کے دل میں خیال گزرا کہ دہلی بہت بڑا شہر ہے' اس بزرگ کو وہاں تلاش کرنا بڑا مشکل کام ہوگا۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کو اس کے اس خیال کی خبر ہوگئی' فرمایا کہ جس روز تم دہلی میں پہنچو گے اسی روز انہیں وعظ کہتے ہوئے پاؤ گے۔ پھر شوق اسے کشاں کشاں دہلی لے آیا۔

پہلے شیخ فرید کی سرائے میں اترا، اتفاقاً اس روز جمعہ کا دن تھا. اس نے لوگوں سے جامع مسجد کا پتا پوچھا۔ انہوں نے مسجد فیروزی کا پتا بتایا۔ وہاں اسے حضرت والد ماجد اس کے معلومہ حلیہ کے مطابق ملے۔ نماز کے بعد وعظ فرمایا اس سے بھی اس کی تائید ہوئی۔ جمعہ سے فراغت کے بعد ان کے ہمراہ ان کے گھر آیا۔ پگڑی اتار کر پاؤں میں رکھ دی اور اظہار عقیدت کیا۔ حضرت نے فرمایا شرط یہ ہے کہ چند روز ہمارے ساتھ مجلس کرو تاکہ ہمیں پہچان سکو اور تمام قصہ (جو اسے پیش آیا تھا) بیان کر دیا اور بیعت وتلقین سے مشرف فرمایا: [20]

پوشیدہ نہ رہے کہ والد ماجد طریقہ نقشبندیہ کی مختلف شاخوں میں سے حضرت محمد باقی باللہ رضی اللہ عنہ کی شاخ کو پسند کرتے تھے اور اس کے ساتھ ایسی رغبت رکھتے تھے کہ دوسری شاخوں میں سے کسی کے ساتھ ایسی رغبت نہیں تھی۔ ان کی تمام ہدایت وارشاد اسی شعبہ سے ہوئی۔ [21]

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ عہد جدید کے پیش خیمہ اور قطب ارشاد ہیں:

حضرت شاہ صاحب حضرت مجدد کو عہدِ جدید کا پیش خیمہ اور مقدمۃ الجیش قرار دیتے ہیں کوئی مجدد اور مصلح جو آپ کے بعد آیا ہے وہ آپ سے بے نیاز نہیں رہا اور نہیں رہ سکتا چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

شیخ مجدد علیہ الرحمۃ اس دور کے پیش خیمہ ہیں۔ اس دور کے بہت مخصوص معارف اور علوم شیخ کی زبان

مبارک سے رمز واشارہ کے طور پر صادر ہوے ہیں۔ شیخ اس دور کے قطب ارشاد ہیں۔ آپ کے ہاتھوں پر بہت سے طبعی اور بدعتی تائب ہوے ہیں۔ حضرت مجدد علیہ الرحمتہ کی تعظیم عین مدوّر ومکوّن کائنات (یعنی سبحانہ وتعالیٰ) کی تعظیم ہے۔ حضرت شیخ کے انعامات وبرکات کا شکریہ عین ایزدِ متعال کے انعامات کا شکریہ ہے۔ [۲۲]

اللہ تعالیٰ کا جو طریقہ اور اس کی جو عادت اپنے انبیاء کے ساتھ رہتی ہے اسی کو اس نے حضرت مجدد کے ساتھ برتا ہے کہ ظالموں اور مبتدعیوں نے آپ کو ایذا پہنچائی اور متقشف فقہا نے آپ کا انکار کیا تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنات میں اضافہ ہو۔ مومن ہی کو آپ سے محبت ہوگی، اور شقی فاجر ہی کو آپ سے عداوت۔ [۲۳]

ان کی جلالت شان یہاں تک پہنچی ہے کہ ان کے متعلق بے خطر کہا جا سکتا ہے کہ ان سے نہیں محبت کرتا مگر مومن تقی اور نہیں بغض رکھتا مگر فاجر شقی۔ [۲۴]

شیخ عبدالاحد کے مکتوب کے آخر سے یوں نقل کرتے ہیں:

ہم اپنے مکتوب کو مجدد الف ثانی قدس سرہ کے کلام پر ختم کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا:

> تمام تعریفیں اس ذات کیلیے ہیں جس نے امکان کو وجوب کیلیے آئینہ اور عدم کو وجود کیلیے مظہر بنایا اور وجود وجوب اگر چہ دونوں اس کمال کی صفات ہیں مگر وہ تو ان دونوں سے وراء ہے بلکہ تمام اسماء صفات اور شیون واعتبارات اور ظہور وبطون اور تجلیات وظہورات اور مشاہدات ومکاشفات، ہر محسوس ومعقول، ہر موہوم ومتخیل سے وراء ہے۔ پس وہ سبحانہ وتعالیٰ وراء الوراء پھر وراء الوراء ہے ...... پس وہ تعریف کرنے والے کی تعریف سے بے نیاز ہے۔ [۲۵]

سننے میں آیا ہے کہ شیخ بزرگوار حضرت احمد سرہندی کے کمالات مشہور ہوے تو شیخ ادریس نے آپ کی خدمت میں خط لکھا کہ میں اگر زمین کی طرف نظر ڈالتا ہوں تو وہ مجھے دکھائی نہیں دیتی اور اگر آسمان کی طرف دیکھتا ہوں تو وہ بھی نظر نہیں آتا۔ اسی طرح عرش کرسی بہشت اور دوزخ کا وجود بھی مجھے نہیں ملتا اور اگر کسی کے پاس جاتا ہوں تو اس کا وجود بھی نہیں ہوتا اور اپنا وجود بھی نہیں پاتا اور حق تعالیٰ کا وجود بے پایاں ہے اس کی نہایت کو کسی نے نہیں پایا۔ بزرگوں نے بھی یہاں تک بیان کیا ہے اور اس جگہ پہنچ کر سیر سے عاجز آ گئے

ہیں اگر آپ بھی اس کو کمال سمجھتے ہیں تو فبہا اور اگر کوئی دوسرا کمال اس کے علاوہ ہے تو مجھے اطلاع کر دیں تا کہ ہم دوسرے ملک میں جہاں زیادہ طلب ہو وہاں جائیں۔

حضرت شیخ احمد سرہندی (علیہ الرحمتہ) نے لکھا مخدوما! یہ اور اس قسم کے دوسرے حالات تلونِ قلب کا نتیجہ ہیں۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ ان حالات کا حامل مقامات قلب میں سے ایک چوتھائی سے زیادہ طے نہیں کر سکا' ابھی اسے تین حصے اور طے کرنے چاہییں تا کہ معاملہ قلب کو مکمل طور پر طے کر کے، سمجھ سکے۔ مقام قلب سے گزرنے کے بعد مقام روح آتا ہے۔ مقام روح سے آگے مقام سر کا دروازہ کھلتا ہے اور مقام سر کو طے کرنے کے بعد مقام خفی تک پہنچتا ہے' تب اس پر مقام خفی کے اسرار و رموز کھلتے ہیں۔ ان چار حصوں کے علاوہ دل پر کچھ اور اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں جس کے احوال و کیفیات جدا جدا ہیں۔ ان تمام کو فرداً فرداً طے کرنا چاہیے۔ (آخر مکتوب تک)۔

اس کے بعد شیخ ادریس کو شیخ احمد سرہندی (علیہا الرحمتہ) کی ملاقات کا شوق ہوا اور ان کی مجلس میں حاضری کا پختہ ارادہ کر لیا لیکن بعض موانعات کی وجہ سے یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور شیخ احمد سرہندی (علیہ الرحمتہ) کا زمانہ ارشاد ختم ہو گیا۔ [۲۶]

نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنا صحیح ہے:

وَقَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ لِلْاَوْزَاعِیِ......وَکَانَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔ [۲۷]

اِمَامُ الطَّرِیْقَۃِ الشَّیْخِ اَبِیْ مُحَمَّدٍ مُحْیِ الدِّیْنِ عَبْدِالْقَادِرِ الْجِیْلَانِیْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ [۲۸]

سَیِّدِیْ عَبْدِالْقَادِرِ الْجِیْلَانِیْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔ [۲۹]

اَلْمَشَائِخِ النَّقْشْبَنْدِیَّۃِ وَھُمْ اَصْحَابُ اِمَامُ الطَّرِیْقَۃِ خَوَاجَہُ بَھَاءُ الدِّیْنِ نَقْشْبَنْدِ الْبُخَارِیْ رَضِیَ اللّٰہَ عَنْہُ وَعَنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ [۳۰]

المشائخ الجشتیہ وھم اصحاب الطریقة خواجہ معین الدین حسن الجشتی وجشت قریة شیوخہ رضی اللہ عنہ وعنھم. [۳۱]

الشیخ الاجل عبدالرحیم رضی الله عنه . [۳۲]

سیدی عبدالقادر الجیلانی رضی الله عنه سیدی الوالد رضی الله عنه۔ [۳۳]

حواشی:

۱--------قطرات ترجمہ ہمعات، ص۔۴۵

۲--------انتباہ مترجم، ص۔۲۵

۳--------قطرات ترجمہ ہمعات، ص۔۶۲

۴--------القول الجلی کی بازیافت، ص۔۴۰ بحوالہ القول الجلی، ص۔۷۹، ۸۰

۵--------انفاس العارفین اردو، ص۔۱۸۵، ۱۷۴

۶--------انفاس العارفین، اردو، ص۔۷۷

۷--------انفاس العارفین، اردو، ص۔۱۴۳

۸--------قطرات ترجمہ ہمعات ص۔۴۵

۹--------قطرات ترجمہ ہمعات، ص۔۶۲

۱۰--------فیوض الحرمین مترجم، ص۔۲۰۶ '۲۰۵

۱۱--------انفاس العارفین اردو، ص۔۱۰۲

۱۲--------انفاس العارفین، اردو، ص۔۷۰ '۶۹

۱۳--------انفاس العارفین اردو، ص۔۵۲ '۵۳

۱۴--------انفاس العارفین اردو، ص۔۷۸

۱۵--------قطرات ترجمہ ہمعات، ص۔۶۲

۱۶--------انفاس العارفین اردو، ص۔۱۲۴ '۱۲۵

۱۷--------قطرات ترجمہ ہمعات، ص۔۶۴

۱۸--------انفاس العارفین، اردو، ص۔۷۲ '۱۷ اور الثمین، حدیث نمبر ۲۵

۱۹--------انفاس العارفین اردو، ص۔۷۸

۲۰--------انفاس العارفین اردو، ص۔۵۹ '۹۶

۲۱--------انفاس العارفین اردو، ص۔۴۲

۲۲--------سیرت مجدد الف ثانی، ص۔۳۵۷ '۳۵۶، بحوالہ حضرت مجدد الف ثانی، ص۔۳۶۸

۲۳--------حضرت مجدد اور انکے ناقدین، ص۔۷، بحوالہ ترجمہ احوال الامام الربانی برحاشیہ مکتوبات عربی

۲۴--------سیرت مجدد الف ثانی، ص۔۳۵ بحوالہ نفائس السانحات، ص۔۳۰

۲۵---------نفاس العارفین، اردو، ص۔۲۰۱

۲۶---------انفاس العارفین

۲۷---------حجۃ اللہ البالغہ (مترجم) اول، ص۔۳۵۱، ۳۵۶، ۳۵۷)

۲۸---------شفا العلیل ترجمہ القول الجمیل، ص۔۴۷

۲۹---------فیوض الحرمین مترجم، ص۔۲۰۵

۳۰---------شفا العلیل ترجمہ القول الجمیل، ص۔۷۵

۳۱---------شفاء العلیل، ص۔۲۳

۳۲---------شفاء العلیل، ص۔۱۷۳

۳۳---------فیوض الحرمین، ص۔۲۰۶، ۲۰۵

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت غوث اعظم

مولانا محمد اقبال سعیدی

☆☆

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بتواتر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ آنجناب نے اپنے دور میں ایک روز ارشاد فرمایا ''میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔''

منقول ہے کہ مشاہیر اولیاء کرام نے جو اُس وقت زمین کے مختلف خطوں میں جلوہ افروز تھے یہ فرمان سُنکر اپنی اپنی گردنیں جھکا دیں۔

عشاقانِ غوث کا استدلال یہ ہے کہ جناب غوث پاک اپنے ہم عصر اولیاء سے بلکہ اپنے بعد آنے والے اولیاء سے ماسوائے حضرت مہدی رضی اللہ عنہ' افضل ہیں کیونکہ تمام ہمعصر اولیاء کرام کا اس کلام کو تسلیم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کلمہ آنجناب سے سُکر کی حالت میں سرزد نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے درحقیقت واقعی عطیہ ہے جو آپ کی اس فضیلت پر مکمل دلالت کرتا ہے۔ رہے بعد میں آنے والے اولیاء کرام وہ یا تو حضور غوث پاک کے سلسلۂ کاملہ سے متفرع ہوں گے یا باقی اولیاء کرام مذکورین کے فروعات میں سے ہوں گے اور بہتر صورت اصل کو فرع پر جو تقدم ہے وہ اصل کی افضلیت کے لیے بے غبار دلیل ہے۔

اس کے مقابل حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب شریفہ اور آپ کی سوانح کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ''مجدد الف ثانی'' کے مقام پر مقرر فرمایا ہے جبکہ ''مجدد الف ثانی'' وہ ہوتا ہے کہ اس کے ہمعصر اولیاء کرام اور بعد میں پیدا ہونے والے جو ہزار سال کے دائرہ میں ہوں یہاں تک کہ قطب الاقطاب بھی کیوں نہ ہو۔ سب کو فیض ولایت مجدد الف ثانی کے واسطہ سے ملتا ہے۔

حضرت مجدد کے شیدائی یہ کہتے ہیں کہ ظاہر بات ہے ایسی شخصیت ہزار سال کے بعد پیدا ہوتی ہے لہٰذا کسی بھی ہزار سال کے درمیان آنے والا شخص مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرتبہ سے بالا تو کجا۔ ہم پلہ بھی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے جناب مجدد کا غوثِ پاک سے افضل ہونا ایک امر واقعی ہے جس کا انکار بطالت ہے اور اس کا شاہد یہ بھی ہے کہ جناب مجدد نے اپنے کشفی طیر وسیر میں اپنے آپ کو مقاماتِ غوثیت کبریٰ سے کہیں بلند مقامات پر پایا۔

فضولیات دین میں بحث عبث ہے:

بہ نظر غور دیکھا جائے تو یہ ساری بحث غیر ضروری معلوم ہوتی ہے افضل کی بنیاد حقیقتاً قربِ خداوندی ہے۔ وہ ایک امر مخفی ہے۔ جو کتاب اللہ یا حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا یا پھر ان دونوں کے قائم مقام اجماع ہے جو اس قسم کا حکم لگا سکتا ہے۔ بغیر مذکورہ بالا نص کے ہوتے بعض افراد کا اس بارے میں کوئی فیصلہ دینا ایسے فیصلے کی قطعیت ثابت کرنے کے لیے ناکافی ہے۔ احتمال ہر جانب باقی رہتا ہے۔ خواہ اس امر کا فیصلہ کشف ہی سے کیا جائے۔ کیونکہ صحت کشف کے لیے کتاب وسنت سند ہے جو امر کتاب وسنت میں مسکوت عنہ ہو اس میں احتمال خطاء کشف کو مسترد کرنے والی کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ ''ماسوائے خلفائے راشدین'' رضی اللہ تعالیٰ عنہم اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مابین فرداً فرداً افضلیت کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی۔ حالانکہ قربِ ربانی میں جو مقام انہیں حاصل ہے۔ بالاتفاق نہ جناب غوث پاک ہی وہ رتبہ حاصل کر سکے اور نہ جناب شیخ مجدد رضی اللہ عنہما۔ بلکہ خود سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا علی المرتضے کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کے مابین دلیل افضلیت کے قطعی نہ ہونے کی وجہ سے علماء میں اختلاف واقع ہوگیا۔ اگرچہ جمہور تفضیل ذی النورین پر ہیں۔

حالانکہ ختنین کے درمیان تفضیل میں اختلاف کی بناء دلائل شرعیہ میں تعارض پر ہے یعنی دلائل شرعیہ موجود ہیں۔ اگرچہ قطعی نہیں۔ پھر غور کرنا چاہیے کہ تفضیل اولیاء فیما بینہم کا مسئلہ جس پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں کیونکر اس قابل ہوسکتا ہے کہ اس کے بارے میں بحث وجدال کا میدان آراستہ کیا جائے اور اپنے اوقات کو ذکرِ خداوندی سے معمور رکھنے کے بجائے ضائع کیا جائے۔

اس بارے میں خود سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔ باوجودیکہ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام اہلِ کشف کے سردار اور انکے کشف کا منبع ہیں۔ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کو اپنے کشف سے معلوم نہیں تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت یونس علیہم الصلوٰۃ والسلام سے آپ افضل ہیں یقیناً جانتے تھے۔ مگر جب تک وحی نے مکلّف نہ فرمایا۔ کبھی اپنی تفضیل ان انبیاء پر بیان نہیں فرمائی ۔ بلکہ بوقتِ سوال بھی قول مشہور کی طرف ٹال دیا کہ ''خیر البریۃ تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں''۔ ''موسیٰ علیہ السلام پر مجھے فضیلت نہ دو'' وغیرہ ذالک۔

لہٰذا ایسی باتوں میں جھگڑنا کہ غوثِ پاک افضل ہیں یا حضرت مجدد ایک بے فائدہ بات ہے صحیح حدیث شریف میں ہے۔ من حسن اسلام المرء ترکہٗ مالا یعنیہ۔ انسان کے اسلام کی خوبی بے فائدہ امور کو چھوڑ دینا ہے۔

شیخ مجدد رحمتہ اللہ علیہ اپنے مکتوب نمبر ۶۰/ بنام محمد تقی میں بحث امامت کے متعلق کلام کرتے ہوے لکھتے ہیں:

> جب اس بارے میں کتاب وسنت سے اس کے اہم ہونے کا علم نہیں ہوتا۔ تو ثابت ہوا کہ یہ بحث (امامت) اصول دین سے نہیں بلکہ فضول دین سے اور فضول چیزوں میں بے کار شخص مصروف ہوتا ہے۔'' ملخصاً! مترجماً۔ (منتخبات من المکتوبات طبع ترکی، ص۔۱۵۹)

خلاصہ یہ کہ فضول بحثوں سے احتراز کرنا چاہیے۔ اپنے علم کی قوت کے اظہار اور سمند عقل کی جولانی کے لیے میدان درکار ہے تو دشمنانِ دین کی سرکوبی کی جائے بددین اور گمراہ، کفار و مرتدین اور دیگر مبتدعین کا رد کیا جائے۔ آج اسلام کو جتنی اس بات کی ضرورت ہے پہلے کبھی نہ تھی۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان بزرگوں نے جو مراتب حاصل کیے کیا آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت کی بحثوں میں عمر گزار کر حاصل کیے۔ یا کوئی اور سبب تھا پھر کیوں نہ ہم اُنہیں کے مسلک پر چلیں اور فضولیات پر اپنی زندگی ضائع کرنے کے بجائے اتباع کتاب وسنت اور قیام علی الاخلاص کے ساتھ ذکر دائمی اور جہاد میں گذاریں۔ **واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔**

اولیاء کرام کی طرف سے خود اپنی افضلیت کے ادعاء کی حقیقت:

ہوسکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ ان دونوں بزرگوں کے مابین مفاضلہ کو دین کے

اندر فضولیات اور امور لایعنی سے تعبیر کرنا خود ان مذکورہ بزرگوں کے حق میں ہم جیسے غلاموں کی طرف سے سوء ادبی کا ارتکاب ہے کہ اگر چہ کم از کم ایک بار ہی انہوں نے اپنی تفضیل کا ادعاء تو ضرور کیا تو ہمارا اس بات کو فضول کہنا اِن بزرگوں کی طرف امور لایعنی کی نسبت کرنا ہے۔ جو ہم مریدین اور متبعین کے لیے نہ صرف غلط بلکہ انتہائی ضرر رساں بھی ہے۔ یوں ہی کشف کے مستقلاً حجت شرعیہ نہ ہونے کی بحث کو یہاں لے آنا بھی صحیح نہ ہوگا کیونکہ ان بزرگان کے کشف کا بہت بلند مقام ہے جس کو دوسروں کے کشف پر قیاس کرنا درست نہیں۔ جواباً عرض ہے کہ مشائخ کاملین اپنے آپ کو تمام جہان سے کمتر سمجھتے ہیں اگر چہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے بے حد شرف و جاہ اور عزت و منزلت کو عقل یا وہم سے نہیں تولا جا سکتا۔

ازاں بر ملائک شرف داشتند

کہ خود را بہ از سگ نہ پندا شتند!

سعدی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس لیے افضلیت مطلقہ کا ادعاء ان سے منسوب کرنا ہی درحقیقت قرین ادب سے دور ہے اور بالفرض اگر ان دو بزرگوں کے سوا کسی سے ایسا دعوٰی ثابت بھی ہو تو یا سکر پر محمول ہوگا۔ یا پھر انکی مخفی نیابت پر جنکو انکا مولی بہتر جانتا ہے ورنہ آداب طائفہ صوفیہ رحمہم اللہ کو دیکھا جائے تو اگر ان میں سے کسی کو اس قسم کا کشف ہوتا بھی تو دوسروں پر ٹھونسنے کی کوشش نہ کرتے۔

یہ تو ہر دو شقوں کا اجمالی جواب تھا تفصیلی جواب درکار ہے تو اس کے لیے پہلے ایک مختصر مقدمے کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ:

افضلیت کی دو قسمیں:

افضلیت کی دو قسمیں کتاب و سنت سے ثابت ہوئی ہیں ایک افضلیتِ مطلقہ جسے آپ چاہیں تو حقیقی یا کامل افضلیت کا نام دے ڈالیں اسے اصطلاح میں ''افضلیت کلّیہ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

افضلیت کی دوسری قسم ''افضلیت غیر مطلقہ'' ہے جسے آپ افضلیت فرعیہ یا زائدہ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اصطلاح میں اسے فضلیت جزئیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے دو قسم ہونے کا مطلب ان میں اعتباری تفرقہ ہے۔ ورنہ خارج میں ہو سکتا ہے کہ ایک شخص دو اعتبار سے افضل ہو۔

افضلیت مطلقہ باجماع مسلمین ذات باری تعالیٰ کے لیے ہے اور پھر غیر ذاتِ باری دیگر اشیاء میں جسکو جتنا قُرب اس ذات سے ہے اتنا ہی وہ افضل ہے ہر اس چیز سے جسے اس کی نسبت قرب میں کمتر مرتبہ حاصل ہے۔ الاول فالاول۔ یہی وہ فضیلت ہے جسکا بالقطع قول کرنا قطعی الدلالۃ قطعی الثبوت اعلام خداوندی کے بغیر ناممکن ہے وانی لکم بذلک فی ذلک النزاع

لیکن افضلیت زائد یا جزئیہ دوسرے اعتبارات سے ثابت ہوتی ہے مگر یہ دونوں جُدا جُدا چیزیں ہیں۔ ضروری نہیں کہ جو فضیلت جزئیہ حامل ہو وہی افضلیت کلیہ سے بھی متصف ہو۔ دیکھیے حکومت اور خلافتِ راشدہ میں مقدم ہونا جوایک فضل جزئی ہے۔ حضرت عثمان کے لیے حضرت علی کی نسبت بالاتفاق ثابت اور واقع ہے۔ جب کہ حضرت عثمان کی نسبت حضرت علی کو چند علماء افضلیت کلیہ میں مقدم مانتے ہیں۔ اسی طرح دیگر افاضل کے مقابلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا شرف ہاشمیت جوایک فضل جزئی ہے۔ حضرت اسامہ بن زید کا خاتم امراء السرایا ہونا۔ حضرت اسامہ کا بنسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ احب الرسول ہونا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمٗ حضرت زید کا مذکور فی القرآن ہونا۔ یہ سب فضلِ جزئی کی ہی مثالیں ہیں جو کہ علم سنت کے ماہر پر مخفی نہیں۔ بلکہ اس سے بھی واضح تر قرآن مجید بتاتا ہے کہ حضرت طالوت کے متعلق ارشاد قرآنی ہے کہ اللہ نے اسے بنی اسرائیل پر بادشاہ مقرر فرمایا اور اسے ان سب پر (اس اَمر میں) چن لیا اور اس کو علم اور جسم میں زائد بنایا۔ اگر یہ سب جزوی افضلیت کا بیان نہ ہوتا تو لازم آتا کہ اللہ کے رسول داؤد علیہ السّلام بھی جو بوجہ حکومت بامر خداوندی طالوت کے تابع تھے طالوت سے (نعوذ باللہ) افضل نہ ہوتے۔ حالانکہ کتاب وسنّت اور اجماع سے واقف کوئی ادنیٰ مُسلمان بھی قبول نہیں کرسکتا۔ کیونکہ حضرت داؤد علیہ السّلام کی فضیلت قربِ خداوندی کی وجہ سے تھی نہ کہ فرعیہ اور زائدہ والحمدللہ۔

اسی طور سے دیکھیے۔ حقیقتاً افضل تو حضرت خضر علیہ السلام نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ صلوٰۃ والسلامٗ تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت خضر علیہ السلام کو اعلم قرار دینا اور کلیم اللہ علیہ السّلام کا ان کی زیارت کے سفر کو جانا انکی جزوی افضلیت کا اظہار نہیں تو اور کیا ہے ہوسکتا ہے خلافِ اجماع اہل سنت کوئی شخص حضرت خضر علیہ السلام کو افضل مطلق مانتا ہو مگر اس بات کا کیا جواب ہو کہ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہٗ نے اپنے وعظ شریف کے دوران برسرِ منبر حضرت خضر علیہ السلام کو پُکار کر فرمایا ’’قف یا اسرائیلی اسمع

کلام المُحمّدی اے اسرئیلی ٹھہر کر محمدی کا کلام سن۔" جناب شیخ مجدد الف ثانی اس کلام کو اپنی تائید میں نقل فرما کر ارشاد فرماتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ترجمہ مکتوب نمبر ۵۵ جز دوم خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما کے نام)

شیخ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام محمدییّن سے نہیں بلکہ اُنکا سابقہ شرائع سے تعلق ہے۔ تو پھر وہ کیونکر محمدیوں کے لیے علوم کا واسطہ بن سکتے ہیں۔ (المنتخبات من المکتوبات ۱۵ص جزء ثانی ملخصا)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کس طرح دونوں بزرگ حضرت خضر علیہ السلام سے محمدی اولیاء کو افضل مان رہے ہیں۔ اب اگر حضرت خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے حقیقتاً افضل ہیں تو محمدی اولیاء سے کم کیسے ہوے۔ اور یوں ہی اگر محمدی اولیاء سے کم مرتبہ ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل کیونکر ہوے ثابت ہوا کہ یہاں فضیلت مطلقہ کا ذکر نہیں بلکہ حضرت خضر علیہ السلام کی حضرت موسیٰ پر فضیلت اور حضرت خضر علیہ السلام پر محمدی اولیاء کی فضیلت وہی جزوی فضیلت ہے۔

شیخ مجدد جز اوّل کے مکتوب نمبر ۲۵۱ میں خلفاء ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کے لیے افضلیت بیان کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے جزوی افضلیت ان پر ثابت کرتے ہوے رقم طراز ہیں:

اقطاب اوتاد اور ابدال جیسے عزلت نشین اولیاء جن پر کمالات ولایت کا غلبہ ہے ان کے مقام کی تربیت آپکی امداد اور اعانت کے سپرد ہے۔ قطب الاقطاب یعنی قطب مدار کا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قدموں کے نیچے ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوسکتا ہے ایک شخص افضلیتِ مطلقہ (کلیہ) کی وجہ سے حقیقتاً کسی سے افضل ہو لیکن جس سے وہ افضل ہے وہ بھی کسی فضیلتِ فرعیہ (جزئیہ) کی وجہ سے اعتباری طور پر اس سے افضل سمجھا جا رہا ہو۔ لیکن پھر بھی حقیقتاً افضل وہی ہوگا جو افضلیتِ مطلقہ کلیہ یعنی اقرب الی اللہ ہونے سے متصف ہو۔

تطبیق اقوال مشائخ ممکن ہے:

ہماری اس تقریر سے بخوبی واضح ہو گیا کہ افضلیت کی دو قسمیں ہیں اس لیے جب مشائخ اپنے آپ کی دوسروں پر افضلیت کا بیان کریں تو اگر اس کی کوئی وجہ بھی بیان کی گئی ہوگی تو سمجھا جائے گا کہ افضلیت کلی کا ادعاء نہیں بلکہ افضلیت جزئی کا قول ہے اور اس سے کسی پر حقیقی افضلیت لازم نہیں آتی یوں ہی وہ کشف

جو اس بارے میں ہوا ہو فضیلت جزوی پر محمول ہو سکتا ہے۔ اور صرف اسی وجہ اس مذکورہ سے افضلیت سمجھی جائے گی۔

کشف کی قسمیں:

علاوہ ازیں کشف کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جس کے صدق پر مکشوف نہ کے علاوہ دیگر اولیاء اعصار (جنہیں مکشوف لہٗ کے ساتھ اتباع کا تعلق نہیں) بھی متفق ہوں۔ ظاہر ہے ایسا کشف تو بہت نادر ہے۔ ورنہ اس کے صدق پر یقین عرفی ضرور حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ ادائیگی مفہوم میں صریح ہو۔ اور دوسرا کشف وہ ہے جو انفرادی طور پر کسی ایسے شیخ کا ہو جو مسلم مقتدا کسی سلسلہ طیبہ کا ہو۔ اس کشف میں اگر مرید اسکی اتباع کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ یہ سمجھے کہ ظن راجح اس کے حق ہونے کا ہے۔ لیکن احتمال اس کے غیر میں بھی ہے کہ شاید وہی حق ہو۔ اور یہ طریقہ جب کسی مجتہد کے مقلد کا ہو تو باتفاق بے ادبی نہیں پھر یہاں بے ادبی کیونکر ہو سکتی ہے۔ لیکن جس بات میں احتمال موجود ہو اس سے مخالف پر استدلال درست نہیں ہوا کرتا اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ مخالف رائے رکھنے والے کو صرف اس انفرادی کشف کی وجہ سے کسی بات کے ماننے پر از روے شرع مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

الھام اظہارِ افضلیت کا بیان:

یہاں باقی ایک بات رہ جاتی ہے کہ کسی کو الہام ہو کہ وہ خود مثلاً فلاں طائفہ سے افضل ہے۔ اور اس کو شہرت دینے کا بھی حکم الہامی ہو یا حکم نہ ہو لیکن وہ تحدیثِ نعمت کے طور پر تشہیر کرے تو ایسا شخص خود اس بارے میں معذور قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن دوسروں پر اس الہام کا تسلیم کرنا پھر بھی لازم نہیں۔ جب تک اس کا ایسا موید نہ ہو جو اس کو قطعی بنا دے۔ باقی رہا حضرت سیدہ مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا کو النساء العلمین سے افضل ہونے کا الہام تو اس کو قطعیت بھی موید بالوحی ہونے کے بعد حاصل ہوئی نہ کہ پہلے۔

اس لیے اس سے الزام دینا بے جا ہے۔ علاوہ ازیں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ازواج مطہرات کو بعض لوگ اگر سیّدہ مریم سے کم نہ مانیں اور "**ینساء النبی لستن کاحد من النسآء**" نیز "**فاطمه بضعة منی**" "**سيدةنساء اهل الجنّة**" سے معارضہ کریں تو ان پر اس قطعی کے انکار اور کتاب اللہ اور جناب مریم سے سوء ادبی کا الزام کیونکر قائم ہو سکتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے جب ایک وحی دوسری وحی میں تخصیص

کرسکتی ہے۔ ایک الہام دوسرے الہام میں تخصیص کا باعث ہو کر کسی فرد یا افراد کے استثناء کا سبب کیوں نہیں ہوسکتا۔

اقوال مشائخ متنازع فیہا پر تفصیلی نظر اور وضع قدم کا ایک معنےٰ:

اس تمہید کے بعد آیئے ہم خود ان مشائخ کے اقوال کو ملا کر دیکھتے ہیں کہ ان میں تعارض ہے بھی یا یونہی لوگوں نے بات اڑادی ہے۔ جنابِ غوث الاعظم کا یہ ارشاد کہ ''میرا قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے'' اس سے یہ مفہوم بہت بعید ہے کہ وہ جناب اقدس ہر ولی اللہ کائناً من کان سے افضل مطلق ہوں۔ کیونکہ قدم گردن پر رکھنا دو معنٰی رکھتا ہے۔ ایک تو ہے حساً جیسے حضرت علی مرتضٰی نے ایک روایت کے مطابق (اگر وہ روایت صحیح ہو) بتانِ حرم کو توڑنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر قدم رکھے تھے۔ یا جیسا کہ حسنین کریمین سے منقول ہے کہ وہ احیاناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مُبارک کندھوں اور پشت اقدس پر بحالت سجدہ یا کسی دوسرے وقت سوار ہو جاتے تھے۔ پھر کیوں وہ حضرات طیّبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہ قرار پائے۔ ثابت ہوا کہ حسی طور پر وضع قدم بھی افضلیت مطلقہ پر حجت قطعیہ نہیں نیز کیا عجب کہ جب شہزادہ حسنین نے ان بزرگوں کے کندھوں پر قدم رکھنا چاہا ہو۔ بوجہ کمال عشق واتباع آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان بزرگوں نے بھی اپنے کندھے بلکہ سر اور آنکھیں بچھادی ہوں۔ بلکہ اگر وہ جان بھی ان قدموں کی نچھاور کرتے تو کچھ تعجب نہ تھا کہ ولایت حسنین ایک فضل جزئی کی شکل میں آپ کے اندر چمک رہا تھا۔

اے گل زتو خورسندم کہ تو بوے کسے داری

وضعِ قدم کا دوسرا معنٰی:

وضع قدم کا دوسرا معنٰی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر ولی جو کہ مقام ولایت سے نصیب رکھتا ہے (مقام نبوت کا مقصود ہے) آپ کے زمانے میں ہو یا بعد قطب مدار ہو یا جو اس کے ماتحت ہے۔ سب کو آپ کے زیر تصرف باطنی کر دیا گیا۔ آپ ہی سے ان کو فیض ملے گا۔ اس لیے وہ حکماً آپ کے زیر تصرف قرار پائے تو ان کی گردن پر قدم رکھنے کا حکم صحیح قرار پائے گا۔ جیسا کہ مکتوبات شریف سے عنقریب گزرا کہ:

قطب مدار کا سر حضرت علی کے قدموں کے نیچے ہے۔ (جزاوّل مکتوب ۲۵۱)

اسی طرح یہاں بھی سمجھنا چاہیے۔ تو یہ فقط ان اولیاء پر فضیلت کا موجب ہوگا۔ جنہیں مرتبہ ولایت النبی سے ورثہ ملا ہے اور وہ آپ کے بعد یا ہم عصر ہوں۔ لیکن وہ اولیاء جنہیں عکس مقام نبوت سے ورثہ ملا ہے۔ وہ اس سے مستثنٰی رہیں گے۔ ہاں البتہ وہ لوگ جو مقام نبوت سے ارث رکھتے ہیں مگر تصرف باطنی میں یہ مرتبہ وضع قدم ان کو نصیب نہیں۔ ان پر جزوی فضیلت آنجناب کو حاصل ہو جائے گی کیونکہ اس کشف کی تمام اولیاء ہم عصر نے تصدیق کی ہے۔ چنانچہ خود شیخ مجدد رحمتہ اللہ کے کلام سے بھی فقیر کی اس بات کی تائید ملتی ہے۔ ملاحظہ ہو! مکتوبات کے تیسرے حصّہ میں مندرج مکتوب ۱۲۲ ر میں جو نور محمد کے نام ہے لکھتے ہیں، ترجمہ ملاحظہ ہو۔

> قربِ خداوندی کا ایک طریق قرب ولایتہ سے متعلق ہے اور سارے قطب اور اوتاد۔ ابدال ونجیب اور عموماً اولیاء اللہ اسی راہ سے واصل ہوتے ہیں اور سلوک طریقت اسی طریق کا نام ہے بلکہ عرف میں جسے جذبہ کہا جاتا ہے وہ بھی اسی کے اندر آجاتا ہے۔ اس طریق میں واسطہ در واسطہ فیض کا سلسلہ چلتا ہے کہ شیخ مرید اور منبع فیض کے درمیان حائل ہوتا ہے۔
>
> اس طریق میں واصلین کے پیشوا اور ان سب کے سربراہ اور ان اکابر کے فیض کا منبع اور سرچشمہ ذات پاک ہے علی المرتضٰے کرم اللہ وجہہ اور یہ عظیم الشان عہدہ آپ کی ذات پاک کے لیے گویا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین شریفین اس مقام میں علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی چوٹی پر ہیں۔ اور جناب زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حسنین کریمین اس مقام میں حضرت علی کے شریک ہیں۔

تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں:

> جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دور تمام ہوا یہ منصب عظیم القدر بالترتیب حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے سپرد ہوا اور ان کے بعد بلا ترتیب ہر ایک کو بارہ اماموں میں منتقل ہوتا رہا۔

ان حضرات کے دور میں جس کو بھی یہ فیض اور ہدایت نصیب ہوئی (خواہ ان حضرات کی زندگی میں یا انکی وفات کے) انہیں کے واسطہ اور وسیلہ سے حاصل ہوئی اگر چہ وہ فیض لینے والے اپنے وقت کے قطب (وغوث) اور نجیب ہی ہوں۔ ان سب کا ملجأ و ماؤی اور جائے پناہ یکے بعد دیگرے انہیں ائمہ کا کوئی نہ کوئی فرد رہا (کیونکہ دائرے کی ہر طرف اپنے مرکز سے ملی ہوئی ہوتی ہے) یہاں تک کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی باری آگئی اور یہ منصب انکے سپرد کیا گیا آپ کے اور ان کے (ان ائمہ کے) درمیان اس مرتبہ پر کوئی بھی نظر نہیں آتا۔ اور اقطاب ونجباء میں سے ہر ایک کی ذات کو وصول فیوض وبرکات آپ ہی کے واسطہ سے معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ مرکزیت اور کسی کے لیے حاصل نہیں اسی لیے آپ کا ارشاد ہے۔ شعر

سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے
تا ابد اوجِ افق چمکے گا سورج میرا

یہاں ''سورج'' سے مراد'' ہدایت وارشاد کے فیض کا سورج'' ہے اور ''افول شمس'' سے مُراد اس فیض کا جاری نہ رہنا ہے۔ پھر جب وہ معاملہ جو پہلے ان ائمہ سے متعلق تھا حضرت شیخ سے متعلق ہوگیا تو جناب شیخ جیلانی ہی رشدو ہدایت کے وصول کا واسطہ بن کر رہ گئے اور آپ کے وجود کے بعد جب تک واسطہ کا یہ سلسلہ برقرار ہے آپ ہی وصول فیض کا ذریعہ رہیں گے تو ثابت ہوا کہ آپ کا یہ شعر بالکل صحیح ہے۔

افلت شموس الاولین و شمسنا

(ترجمہ) سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے

(ترجمہ منتخبات من المکتوبات عربی، ص۔ ۲۲۵)

مجدد الف ثانی کا معنی:

حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے جناب شیخ کی افضلیت کا سورج نصف النہار پر چمک اٹھا۔لیکن ہوسکتا ہے کہ کسی کے قلب میں یہ شبہہ پیش آئے کہ جناب! جناب شیخ تو ''مجدد الف ثانی'' ہیں اس لیے تمام الف ثانی کے اول آخر کے اولیاء آپ سے اخذِ فیض کرتے ہیں ایسی صورت میں جناب ''شیخ مجدد'' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے کمتر نہیں ہوسکتے بلکہ یک گونہ افضلیت بھی آپ کو شیخ جیلانی پر حاصل ہو تو بعید نہیں تو اس کا جواب بھی حضرت مجدد سے سنیے!

اسی مذکورہ بالا مکتوب نمبر ۱۲۲ بنام نور محمد میں ارقام فرماتے ہیں:

> اگر یہ کہا جائے کہ یہ حکم تو'' مجدد الف ثانی'' سے منقوض ہے کیونکہ مکتوبات جلد دوم کے ایک مکتوب میں ہے کہ اُمّت میں جو فیض کسی کو ملتا ہے خواہ اقطاب اور اوتاد ہوں یا ابدال اور نجباء سب کو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے ملتا ہے۔میرا (شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا) جواب یہ ہے کہ یقیناً مجدد الف ثانی اس مقام میں حضرت شیخ عبدالقادر ----- قدس سرہٗ کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے اور یہ معاملہ مجدد سے نیابت غوثِ پاک جیلانی کی وجہ سے ہی مربوط ہے جیسا کہ ضرب المثل ہے (چاند کا نور سورج کے نور سے مستفاد ہے) لہٰذا شیخ کے اس مرتبہ میں مجدد الف ثانی کے مقام کی وجہ سے کچھ کمی کا اندیشہ نہیں۔
>
> (منتخبات من المکتوبات،ص۔۲۲۵)

حضرت غوث اعظم اور حضرت مجدد سے حضرت عیسیٰ اور حضرت مہدی واشباھھما افضل ہیں!:

یہاں جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے مشکل پیش آسکتی ہے کہ پھر حضرت غوث پاک اور حضرت مجدد الف ثانی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی (سلام اللہ علیہ بعد جدہ) سے بھی افضل سمجھے جائیں گے۔لیکن اسی مکتوب میں حضرت شیخ مجدد نے واضح تشریح کے ساتھ بتایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور مظہر و نائب نبی صلی اللہ علیہ وسلم فی زمانہ حضرت مہدی علیہ السّلام اور صحابہ کرام بلکہ ائمہ مجتہدین ان دونوں حضرات سے

یقیناً افضل ہیں۔اس لیے اس شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

خلاصۂ کلام:

اس مضمون سے یہ باتیں بخوبی واضح ہوگئیں۔

(۱)......حضرت غوثِ پاک پر شیخ مجدد اپنی برتری کے ہرگز قائل نہیں بلکہ شیخ مجدد کے نزدیک خود انکے سمیت تمام اولیاء کو فیض غوثِ پاک سے مِل رہا ہے اور وہ خود اپنے آپ کو حضرت غوث پاک کا نائب سمجھتے ہیں۔

(۲)......غوث پاک اور دیگر اولیاء کے درمیان اور یونہی شیخ مجدد اور دیگر اولیاء کے درمیان تفضیل از روئے شرع کچھ ضروری نہیں کہ اس پر میدانِ کارزار گرم کیا جائے۔

ایک مشہور وہمی شبہ کا ازالہ:

آخر میں ایک وہم کا ازالہ کردوں کہ بعض لوگ اپنے خیال میں اپنے پیر کو کل اولیاء سے افضل سمجھنا ہر مرید کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ بات اپنے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے محض غلط ہے۔ پیروں کو افضلیت مرید نہیں بخشا کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ پھر اس میں مرید کے سمجھنے کا کیا دخل ہوسکتا ہے۔اور پھر ایسا ہوتو علوی سلاسل کے مریدوں پر ضروری ہوتا کہ وہ حضرت علی کو کم از کم سب صحابہ سے افضل سمجھیں لیکن باتفاق اولیاء وعلماء اہل سنت صدیق اکبر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل عند اللہ ہیں۔ بلکہ اس کی صحیح مثال یوں ہے کہ اولاد پر ماں کی خدمت کا حق زیادہ ہوتا ہے بنسبت باپ کے باپ کی خدمت کا حق بہ نسبت دادا کے زیادہ ہے حالانکہ دادا اپنے رشتے کے اعتبار سے باپ سے برتر اور باپ کی بزرگی بحیثیت خاوند ماں پر ثابت ہے۔یوں ہی سمجھیے کہ اپنے پیر کی خدمت کا حق مقدم ہے اپنے دادا پیر سے۔

وعلٰی ھذا القیاس!اللّٰھُمَّ ارنآ الحق حقا وارزقنا اتباعه

وصلی اللّٰه علی حبیبه سیّدنا مُحمّد و آلهٖ اجمعین۝

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگارخانہ

(بعض مقالہ نگار کا مختصر تعارف)

مرتبہ

صوفی غلام سرور نقشبندی مجددی

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری مجددی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نگارخانہ

☆☆

پروفیسر محمد اقبال مجددی

پروفیسر محمد اقبال مجددی اس وقت پاکستان کے محققین میں نہایت ممتاز ہیں، آپ کا معیار تحقیق نہایت بلند ہے آپ کی ساری زندگی علمی تحقیقات میں گذری...... ۱۵ ستمبر ۱۹۵۰ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم۔اے تاریخ کیا اور گورنمنٹ اسلامیہ سول لائنز کالج لاہور میں بحیثیت ایسوسی ایٹ پروفیسر صدر شعبہ تاریخ تدریس کا آغاز کیا اور تا حال اسی منصب پر فائز ہیں...... آپ نے ۱۸ تحقیقی کتب اور سیکڑوں مقالات تحریر کیے جو معارف اعظم گڑھ، برھان دہلی، صحیفہ لاہور، العلم کراچی، اور دائرہ معارف اسلامیہ لاہور، دانش نامہء جہانِ اسلام تہران اور دانش نامہء زبان و ادبیاتِ فارسی تہران میں شائع ہوتے رہے۔ آپ کی نگارشات میں ''مقاماتِ مظہری'' کا فارسی سے اردو ترجمہ، احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری، حسنات الحرمین، اور ''مقاماتِ معصومی'' کا چار جلدوں میں مدون کرنا نمایاں ہے جو کہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی علیہ الرحمۃ کے احوال و تعلیمات اور افکار پر مشتمل ہے اور جسے میر صفر احمد معصومی (نواسہ حضرت خواجہ معصوم) نے تالیف کیا تھا...... فاضل موصوف کو فارسی پر خاص دسترس حاصل ہے آپ نے پاکستان و ایران سے فارسی میں شائع ہونے والے رسائل میں دیگر موضوعات کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اور ان کی تعلیمات کے حوالے سے بھی خوب لکھا ہے، حضرت امام ربانی کے حوالے سے آپ کے تحقیقی مقالات ملک و بیرونِ ملک وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کی ذاتی لائبریری میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی کتابوں کا ایک عظیم ذخیرہ ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری ابن شیخ حمید اللہ قادری حشمتی ۱۳ اپریل ۱۹۵۵ء کو ملیر گوٹھ کراچی میں پیدا

ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۷۵ء میں بی۔ایس۔سی (جیولوجی)، ۱۹۷۶ء میں ایم۔ایس۔سی (جیولوجی، گولڈ میڈلسٹ)، ۱۹۸۵ء میں ایم۔اے (اسلامک لرننگ) اور ۱۹۹۳ء میں حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی کی زیرنگرانی کراچی یونیورسٹی سے درج ذیل عنوان پر مقالہ لکھ کر پی۔ایچ۔ڈی کی اعلیٰ سند حاصل کی۔

''کنزالایمان اور دیگر معروف اردو قرآنی تراجم''

۱۹۷۸ء میں کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ ارضیات میں بطور لکچرار ملازمت کا آغاز کیا اور ۱۹۹۹ء میں پروفیسر کے منصب تک پہنچے...... ۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۴ء جامعہ کراچی سنڈیکیٹ کمیٹی کے رکن...... ۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۱ء شعبۂ پیٹرولیم وٹیکنالوجی، جامعہ کراچی کے سربراہ اور ۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۲ء شعبۂ ارضیات کے سربراہ رہے، آج کل فیکلٹی آف سائنس، فنون اور اسلامک اسٹیڈیز کے رُکن ہیں...... ۱۹۶۱ء میں بذریعہ خط اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے فرزند اصغر مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ سے سلسلہ قادریہ میں شرف بیعت حاصل کیا۔ آپکو علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری مدظلہ العالی، علامہ فیض احمد اویسی مدظلہ، علامہ مفتی ظفر علی نعمانی مدظلہ، مولانا محمد شفیع قادری حامدی اور مولانا قاری غلام رسول کشمیری سے سلسلہ قادریہ میں خلافت واجازت ہے...... ۱۹۸۳ء سے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی سے وابستہ ہیں، آپ ادارہ کے جنرل سکریٹری اور ماہنامہ معارف رضا کراچی کے مدیر ہیں...... اسلامی موضوعات پر سولہ کتب ورسائل کے علاوہ علم ارضیات میں بیس تحقیقی مقالات ملکی وغیر ملکی سائنسی جرائد میں شائع ہوچکے ہیں...... پاکستان کے متعدد شہروں سے امام احمد رضا کے روابط کی تحقیقات پر مبنی آپ کے کئی مقالات ہیں جن میں امام احمد رضا اور علماء، سندھ، امام احمد رضا اور علماء بہاولپور، امام احمد رضا اور علماء ڈیرہ غازی خان، امام احمد رضا اور علماء لاہوز قابل ذکر ہیں ان کے علاہ قرآن، سائنس اور امام احمد رضا، فتاوٰی رضویہ کا موضوعاتی جائزہ اور امام احمد رضا اور حضرات نقشبندیہ قابل ذکر ہیں۔

(ماخوذ از خودنوشت حالات ودیگر)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرقعات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

۱......صدر دروازہ خانقاہ عالیہ مجددیہ (سرہند شریف)

۲......مسجد شریف وروضہ شریف حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ (سرہند شریف)

۳......مزار مبارک، حضرت خواجہ محمد صادق، خواجہ محمد سعید وام کلثوم (سرہند شریف)
(فرزندان گرامی وصاحبزادی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ)

۴......روضہ شریف خواجہ محمد صدیق علیہ الرحمہ نبیرہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ (سرہند شریف)

صدر دروازہ خانقاہ عالیہ مجددیہ
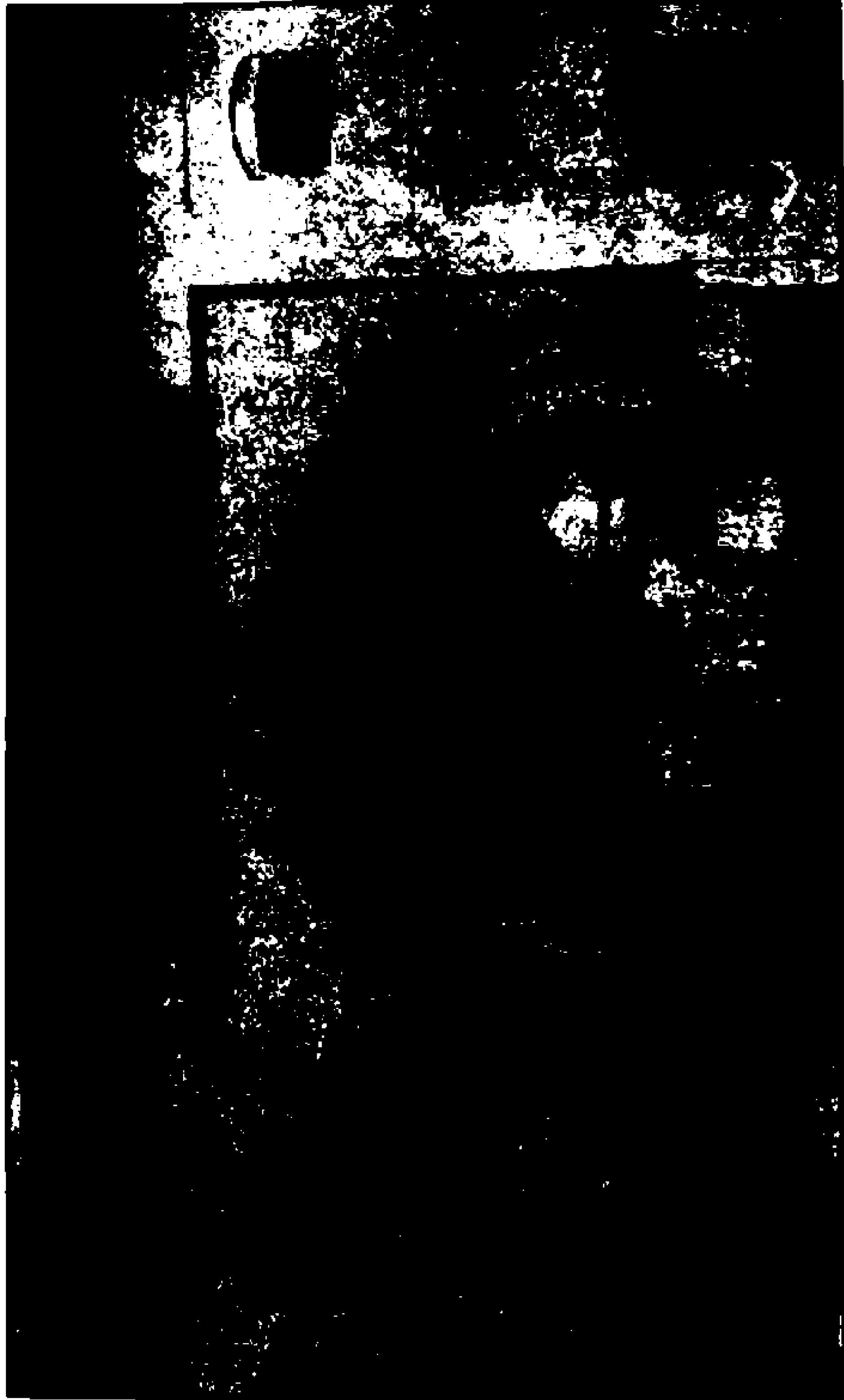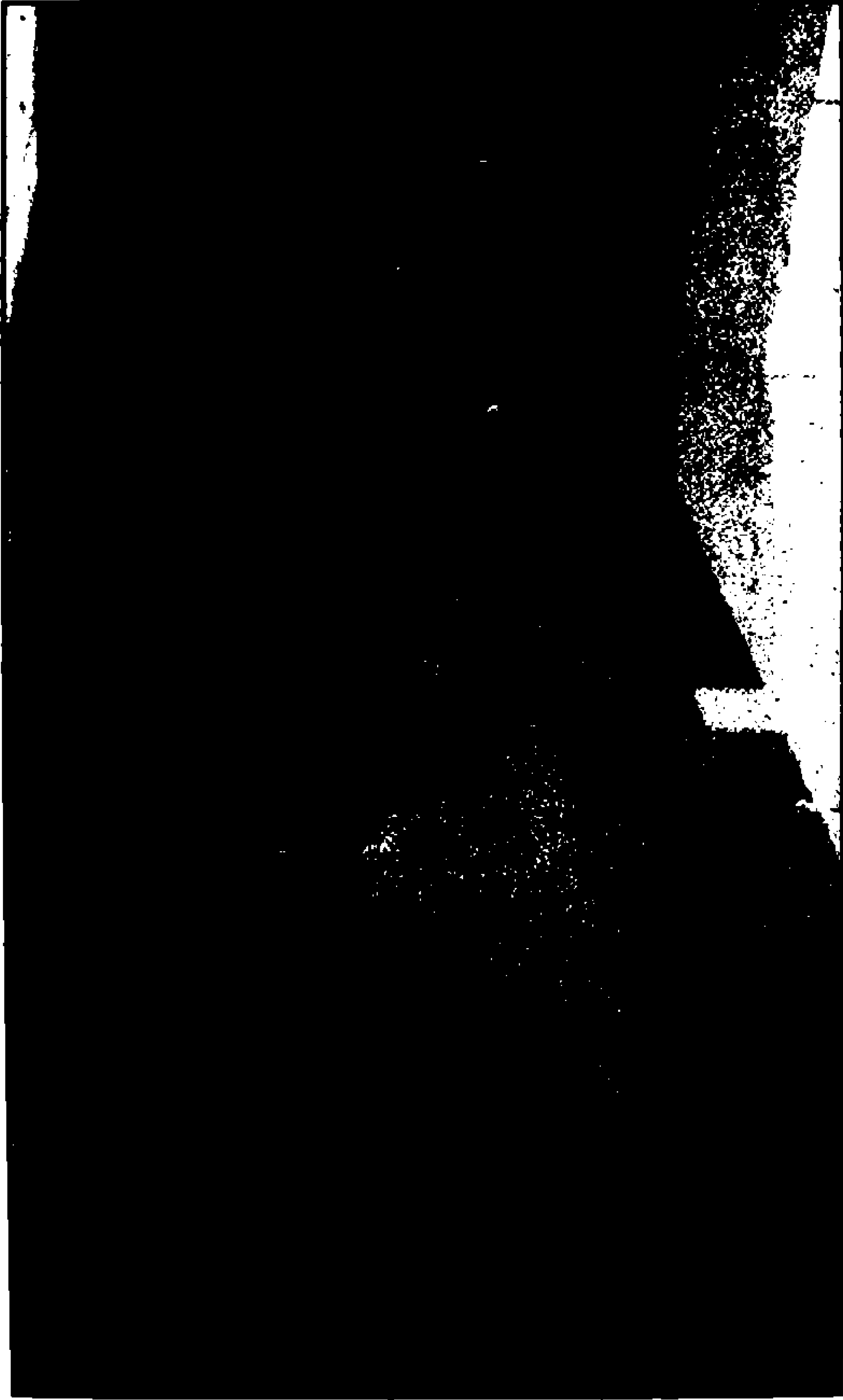
سرھند شریف۔ بھارت

مسجد شریف و روضہ شریف حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ

سرھند شریف ۔ بھارت

(روضہ شریف خواجہ محمد صدیق علیہ الرحمہ نبیرہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ

سرہند شریف ۔ بھارت

مزارات مبارکہ حضرت خواجہ محمد صادق، خواجہ محمد سعید و ام کلثوم

فرزندان گرامی وصاحب زادی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ
سرھند شریف۔ بھارت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مختصر تعارف جہان امام ربانی

اقلیم ششم

☆☆

کشورِ اوّل

کشورِ دوم

کشورِ سوم

کشورِ چہارم

کشورِ پنجم

۞ ...... نگارخانہ	صوفی غلام سرور نقشبندی مجددی
	ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
۞ ...... آئینۂ جمال	مرتبین
۞ ...... کتابیات	محمد عبدالستار طاہر مسعودی
(مآخذ ومرجع)	سیدہ حنا مسعودی، سیدہ صبا مسعودی
۞ ...... مناجات	مولانا خالد کردی شامی نقشبندی